مارچ 2017

ماہنامہ

کرن

پیاس اور تپش

چاند نگر گروپ آف پبلیکیشنز

کرن

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ز ایڈیٹرز

سالگرہ نمبر

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	7000 روپے

مستقل سلسلے

مارچ 2017

جلد 39 شمارہ 12

قیمت 60 روپے

خط وکتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

اداریہ

کرن کا مارچ کا سالگرہ نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

۴۰ واں سالگرہ نمبر۔

چالیس سال ایک طویل مسافت جو کامیابی کے ساتھ طے ہوئی، وقت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے کا عمل جاری رہا۔

زندگی نے کتنے رنگ بدلے، کتنے ساتھی راہ میں ساتھ چھوڑ گئے بے شمار لوگ ساتھ شامل ہوئے۔

تبدیلی وقت کا لازمی امر اور اللہ تعالیٰ کا صد شکر احسان ہے کہ یہ تبدیلی خوش آئند ہے۔ کرن نے ہمیشہ اپنے معاشرے، روایات، اپنے ماحول اور اپنے لوگوں کی زندگی کی سچی اور حقیقی تصویر پیش کی۔

محمود ریاض صاحب جنہوں نے ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی بنیاد رکھی اور اس ادارے کے تحت ادارہ کرن کا اجرا کیا۔ محمود بابر فیصل جنہوں نے اپنی ذہانت، محنت اور کوشش سے اس پرچے کو خوب صورت رنگوں سے سجایا۔ اس پودے کی آبیاری کی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

کرن کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اس کے ذریعے بہت سی مصنفین کی صلاحیتیں سامنے آئیں۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں اصلاح کے ساتھ ساتھ تفریح اور دلچسپی کے عنصر کو بھی برقرار رکھا۔ جو بلاشبہ بہت بڑا کام ہے۔

آج بہت سی مصنفین ہمارے درمیان نہیں۔ ہم ان کی مغفرت اور دائمی زندگی میں عافیت کے لیے دعاگو ہیں۔

ہم اپنے قارئین کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے کرن پڑھا، اسے سراہا اور اس کے سلسلوں میں شرکت کرکے پرچے کی خوبصورتی کو چار چاند لگائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کرنوں کا یہ سفر اسی طرح آگے بڑھتا رہے۔

اس شمارے میں،

- گلوکارہ "سارہ رضا خان" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "خواتین کے عالمی دن پر" مشہور شخصیات سے شاہین رشید کا سروے،
- "شادی مبارک ہو" ندا حسنین کی شادی کا احوال،
- ماہنامہ کرن کی سالگرہ کے موقع پر قارئین سے سروے،
- "من موہ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا سلسلے وار ناول،
- "راپنزل" تنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول،
- "گل کہسار" فرح بخاری کے مکمل ناول کی آخری قسط،
- "برگ امید وفا" مصباح علی کا مکمل ناول،
- "تو ہے تو درخشاں ہے حیات" قرۃ العین خرم کا مکمل ناول،
- "نیل گر" نگہت سیما کا ناولٹ، "ببیلا" منشا محسن علی کا ناولٹ،
- "اک اک لمحہ زندہ ہو" شبانہ شوکت کا ناولٹ،
- سائرہ رضا، صدف ریحان گیلانی اور عنبرین ولی کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب "لباس اور فیشن" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

حمد باری تعالیٰ

مرے ہاتھوں میں کاش ایسا قلم ہو
کہ تیری حمد اے مولیٰ رقم ہو

مرے جذبات اُبھریں موج در موج
تری رحمت جو مجھ پر یم بہ یم ہو

مرے لفظ و بیاں کے آئینے میں
تری رحمت تری جاہ و حشم ہو

شجر خامہ، سمندر روشنائی
فلک قرطاس کی صورت بہم ہو

کروں ان سے جو توصیف و ستائش
تو وہ اک قطرۂ دریا سے کم ہو

بس اتنی استقامت چاہتا ہوں
کہ میرا سر ترے آگے ہی خم ہو

خواجہ منظر حسن منظر

نعت رسول مقبول ﷺ

ابتدا ہی سے روشن ان کی عظمت کا چراغ
سرورِ کونین کی شانِ رسالت کا چراغ

ہو گئے چہرے یتیموں کے بصیرت آشنا
آپ نے روشن کیا جب اپنی شفقت کا چراغ

ابنِ آدم کی ہے بہتر رہنمائی کے لیے
زندگی کی رہگذر میں ان کی سیرت کا چراغ

مٹ گئیں تاریکیاں روئے زمیں روشن ہوا
ہو گیا ظلمت پہ حاوی ان کی رحمت کا چراغ

جل رہا ہے اور یہ جلتا رہے گا اے عقیل
مومنوں کی محفلوں میں ان کی مدحت کا چراغ

عقیل گیاوی

سالگرہ نمبر

سارہ رضا خان سے ملاقات

شاہین رشید

سارہ رضا خان، کون ہوگا جو ان سے واقف نہیں ہوگا من موہنی شکل کے ساتھ گلے میں "سر" کی دنیا آباد کیے یہ پیاری سی لڑکی جب حمد و نعت پڑھتی ہے یا سر میں گاتی ہے تو بے اختیار اسے سننے کو دل چاہتا ہے۔

☆ "کیا حال ہیں، سارہ؟"
* "جی اللہ کا شکر ہے۔"
☆ "یہ بتائیں کہ آپ بنیادی طور پر کیا ہیں۔ گلوکارہ یا حمد و نعت خواں؟"
* "جی بنیادی طور پر تو میں نعت خواں ہوں اور جب میں چھوٹی سی تھی تب سے میں نعتیں پڑھ رہی ہوں۔"
☆ "آپ گھر میں سب سے چھوٹی ہیں کیا؟"
* "نہیں جی میرا نمبر چوتھا ہے، میرے تین بھائی اور ایک بہن ہے۔ ایک بھائی مجھ سے چھوٹا ہے۔۔۔ اور مجھ سے جو بڑے بھائی ہیں انہوں نے میرا نام رکھا۔۔۔ وہ بھی اس طرح کہ وہ ایک کتاب میں پڑھتے تھے کہ "سارہ ازاے گڈ گرل" اینڈ "جویرہ ازاے بیڈ گرل" تو بس اس سے متاثر ہو کر انہوں نے میرا نام سارہ رکھ دیا۔۔۔ اور یہ نام اتنا چھوٹا ہے کہ نہ بگڑ سکا اور نہ ہی کوئی نک نیم بن سکا۔"
☆ "کب کہاں پیدا ہوئیں۔۔۔ تھوڑی تفصیل بتائیں؟"
* "میں لاہور میں پیدا ہوئی 9 نومبر کو 1995ء میں اور 9 نومبر علامہ اقبال کا یوم پیدائش بھی ہے تو اپنی سالگرہ منانے کا اور بھی زیادہ مزا آتا ہے۔ میرا ستارہ اسکارپیو ہے۔ پری میڈیکل میں انٹر کیا اور بیچلرز کرنا تھا مگر مجھے پروگرام کے سلسلے میں یو ایس اے جانا پڑ گیا

اور پھر یورپ جانا پڑ گیا تو پڑھائی بیچ میں رہ گئی۔ لیکن مجھے جب ٹائم ملا میں اپنی پڑھائی کو دوبارہ جاری کروں گی۔ اور امتحان دے دوں گی۔"

☆ "مگر آپ جانے سے انکار بھی تو کر سکتی ہیں کہ پہلے امتحان دے دوں؟"

* "دیکھیں میں آپ کو بتاؤں کہ جب ہم پروگرام کے لیے ٹور پہ جاتے ہیں تو ایک کنسرٹ میں کتنے ہی لوگوں کا روزی روزگار بندھا ہوا ہوتا ہے۔ تو اگر میں انکار کر دوں تو میرے پورے گروپ کو بہت نقصان پہنچے گا اور تعلیمی نظام کے حوالے سے مجھے پاکستان کی پالیسی سے تھوڑا اختلاف ہے کہ ہم ایک طرح سے دوسرے ملک میں سفیر کا کام انجام دے رہے ہیں۔ ہمیں کچھ سہولت دینی چاہیے کہ ہم پرائیویٹ امتحان دے کر ڈگری حاصل کرلیں۔ میں بہت کتابیں پڑھتی ہوں۔ بہت مجھے نالج ہے مگر میری اس قابلیت کو کوئی نہیں دیکھتا' لیکن میری ڈگری پہ ضرور سوال کیا جاتا ہے اور اگر ڈگری اتنی ہی ضروری ہے تو ان شاء اللہ وہ ضرور حاصل کروں گی۔"

☆ "ایک بار آپ نے کہا تھا کہ مجھے شادی نہیں کرنی ۔۔۔ تو اپنا یہ فیصلہ آپ نے بدلا؟"

* "نہیں ۔۔۔ ابھی اپنے فیصلے پہ قائم ہوں۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ شادی نہ کر کے میں بہت سے مسائل سے دور ہوں ۔۔۔ اور میں اپنی لائف میں الحمد للہ بہت خوش ہوں ۔۔۔ اور بہت سے لوگوں کی مدد کر رہی ہوں اپنے پروگراموں کے ذریعے سے تو یہ میرے لیے بہت بڑی بات ہے۔"

☆ "یہ بتائیں کہ آپ کی اتنی اچھی آواز کو دریافت کس نے کیا تھا؟"

* "مجھے میری "مما" نے ہی دریافت کیا تھا' اسکول میں سب کہتے تھے کہ تمہاری آواز بہت اچھی ہے۔ نعتیں پڑھتی تھی اور پھر جب ایک مقابلے میں انعام حاصل کیا تو تھوڑا کنفرم ہو گیا کہ آواز اچھی ہے تو پھر "مما" مجھے الحمرا آرٹس کونسل میں استاد عبدالروف صاحب کے پاس لے گئیں۔ جنہوں نے میری ٹریننگ کی اور میں میوزک کی دنیا میں داخل ہو گئی اور میں نے شوز وغیرہ میں پرفارم کرنا شروع کر دیا۔"

☆ "پہلا گانا ۔۔۔ اور پہلی نعت' کس عمر میں پڑھی؟"

* "میرے پاپا نعت خواں تھے' مگر گھر تک محدود تھے۔ بنیادی طور پر وہ انجینئر تھے اور نعت خوانی تو میں بہت بچپن سے کر رہی ہوں۔ بس یہ سمجھ لیں کہ جب بولنا شروع کیا تو گنگنانا اور نعت پڑھنا بھی شروع کر دیا تھا۔ نویں جماعت میں جب تھی تب سیکھنا شروع کیا تھا۔"

☆ "پروگراموں میں جب جاتی تھیں تو کچھ معاوضہ بھی ملتا تھا۔ یا آپ شوق پورا کر کے آجاتی تھیں؟"

* "میں آپ کو بتاؤں کہ میں ذرا مختلف قسم کی لڑکی ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں نے بہ حیثیت نعت خواں کے پہلا پروگرام کیا تھا تو گورنر ہاؤس میں کیا تھا جہاں یونیورسٹی لیول کے لوگ پرفارم کرنے آئے تھے' اس شو میں صدر پرویز مشرف صاحب بھی آئے تھے۔ تو اگرچہ میں اس وقت بہت چھوٹی تھی' مگر میری

قابلیت کو دیکھتے ہوئے مجھے اس شو میں باقاعدہ شامل کر لیا۔۔۔ اور مجھے پچیس ہزار روپے انعام میں دیے اور میری بہت زیادہ تعریف کی اور پھر مجھے انہوں نے ایوان صدر میں بلایا۔ صدر پرویز مشرف میوزک کو پسند کرتے تھے اور سپورٹ بھی کرتے تھے۔ تو وہاں میں نے پروگرام کیا تو مجھے صدر کی طرف سے 'کور کمانڈرز کی طرف سے اور دیگر لوگوں کی طرف سے گفٹ ملے۔ اور میں بہت خوش ہوئی۔ اگرچہ میں پیسوں کے لیے نہیں گاتی تھی' مگر جب گفٹ ملتے تھے تو بہت خوشی ہوتی تھی۔ تو بس پھر یہ میرا شوق میرا پروفیشن بن گیا اور مجھے اچھا خاصا اماؤنٹ بھی ملنے لگ گیا۔ اللہ تعالیٰ خود ہی میرے لیے راستہ بناتا چلا گیا۔"

☆ "ڈراموں کے ٹائٹل سونگ بھی آپ نے گائے ہیں؟ اور فلموں کے لیے؟"

* "جی بالکل۔۔۔ تقریباً" پونے دو سو سے زیادہ ڈراموں کے ٹائٹل سونگ گا چکی ہوں۔ فلموں کے لیے بھی گانے گائے ہیں۔ "جوانی پھر نہیں آنی" میں دو گانے ہیں۔ "نہ معلوم افراد" میں اور دیگر کئی فلموں میں گائے ہیں اور آنے والی فلموں میں بھی گا رہی ہوں۔ کمرشلز کے جنگلز بہت گائے ہیں۔۔۔ نیڈو' نیسلے اور تلسی کے جنگلز بہت پسند کیے گئے۔ ایک بڑی تعداد ہے جنگلز کی تو مجھے بہترین سنگر کا اے آر وائی ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔

☆ "اتنی کم عمری میں شہرت اور پیسہ۔۔۔ سب کچھ کیسا لگتا ہے؟"

* "جی۔۔۔ اچھا تو بہت لگتا ہے۔ مگر ڈر بھی بہت لگتا ہے آنے والے وقت سے' بس اللہ تعالیٰ برکت دے اور سب کچھ سیٹ رہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو عزت دیتا ہے تو اس کے عیب چھپا لیتا ہے اور سب کے سامنے عزت والا کر دیتا ہے۔ تو بس یہی دعا ہے کہ ہمیشہ عزت بنائے رکھنا اور جو دیا ہے اور جو دے رہا ہے اس میں برکت رہے۔ صحت و تندرستی دے۔"

☆ "اپنے گلے کا خاص خیال رکھتی ہیں؟"

* "بہت خیال رکھتی ہوں۔ ہر اس چیز سے پرہیز کرتی ہوں' جس سے گلا خراب ہونے کا ڈر ہو۔ مگر کبھی کبھی بدپرہیزی بھی ہو جاتی ہے۔ کھٹا کھانے کو دل چاہتا ہے مگر نہیں کھاتی۔ گول گپے کھائے ہوئے چار سال ہو گئے ہیں۔۔۔ اچار کبھی کبھی کھا لیتی ہوں' مگر پھر پانی نہیں پیتی۔"

☆ "مسلسل جب گانا پڑتا ہے تب؟۔۔۔ غصہ بھی آتا ہوگا اور تھکن بھی ہوتی ہوگی؟"

* "جی کبھی کبھی ایک کے بعد ایک پروگرام ہوتے ہیں تو پھر گلا لیوز ہو جاتا ہے اور گلے میں انفکشن ہو جاتا ہے۔ تو پھر تھوڑی مشکل ہو جاتی ہے اور غصہ تو آتا ہے کہ غصہ میرا تیز ہے اور مجھ میں سچ پوچھیں تو صبر کی بھی بہت کمی ہے۔ غصہ عموماً" چھوٹے بھائی پر آتا ہے تو اس کو ایک آدھ تھپڑ لگا دیتی ہوں۔"

☆ "اپنی کمائی کی سیونگ کس طرح کرتی ہیں؟"

* "سیونگ بجٹنگ یہ سب میری مما کا ڈیپارٹمنٹ ہے میں تو صرف خرچا کرتی ہوں۔ ماں یہ چیز چاہیے' ماں وہ چیز چاہیے نیا موبائل چاہیے۔ نیو اسپیکر' نیو ہیڈ فون۔۔۔ مطلب اس طرح کی چیزوں کی

فرمائش کرتی رہتی ہوں۔ ڈریسز پہ میرا بہت خرچا ہو جاتا ہے۔ مما میرے لیے کبھی کنجوسی نہیں کرتیں۔"

☆ "کرائیسس میں وقت گزرا؟"

* "ہاں۔۔۔ جب پاپا کا انتقال ہوا تو ہم پر برا وقت آیا' کیونکہ ہم سب چھوٹے بھی تھے اور اسکول میں پڑھ رہے تھے اور ایک عام مڈل کلاس سے ہمارا تعلق تھا ۔۔۔ کوئی بچت وغیرہ تو ہوتی نہیں تھی۔۔۔ تو پاپا کے انتقال کے بعد مجھے اپنی پڑھائی چھوڑنی پڑی' بہت سے ایشوز تھے کہ جن کو فیس کرنا پڑا مجھے' میری ماما کو۔۔۔ لیکن پھر راستے اللہ ہی نکالتا ہے اور مجھے صاحب روزگار کر دیا ۔۔۔ تو اللہ کا شکر ہے کہ دن اچھے آتے گئے۔ بس اب سب کچھ ہے مگر پاپا نہیں ہیں۔"

☆ "ماشاء اللہ اتنی پاپولر ہو۔۔۔ فون پر لوگ تنگ کرتے ہیں آپ کو؟"

* "اصل میں میرا فون میری "ماما" کے پاس ہوتا ہے۔ جب مجھے اپنی دوست کو فون کرنا ہو تو ماما سے فون لے کر بات کر لیتی ہوں۔ یا انٹرویو دینا یا کسی کا ضروری فون آجائے تو پھر ماما سے فون لے کر بات کر لیتی ہوں۔ ورنہ مجھے فون اپنے پاس رکھنا اور بلاوجہ باتیں کرنا پسند نہیں ہے۔"

☆ "اپنے بیگ میں کیا کیا چیزیں ضرور رکھتی ہیں؟"

* ہنستے ہوئے "سچ بتاؤں۔۔۔ میں اپنے پاس بیگ بھی نہیں رکھتی مجھے بیگ پکڑنا پسند نہیں ہے۔۔۔ ساری چیزیں میں اپنی "ماما" کے بیگ میں ہی رکھتی ہوں۔"

☆ "آپ کی فیلڈ میں وقت کو اہمیت حاصل نہیں ہے۔۔۔ ایسا ہے نا؟"

* "بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔۔۔ اگر وقت پر پہنچ جاؤ تو لوگ حیران ہوتے ہیں اور عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں ۔۔۔ اور اگر نہ پہنچو تو کہتے ہیں کہ جی آپ دیر سے کیوں آئیں۔"

☆ "پیسہ کمانے کے لیے تعلیم کتنی ضروری ہے؟"

* "میں دیکھتی ہوں کہ بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور ڈگریوں والے لوگ بے روزگار ہوتے ہیں۔۔۔ تعلیم شعور دیتی ہے اور پیسہ قسمت اور دعاؤں سے ملتا ہے ۔۔۔ آج ہم پر اگر اللہ کا کرم ہے تو ہمارے والدین کی دعاؤں کا اثر ہے' ورنہ میرے پاس تو کوئی ڈگری نہیں ہے۔"

☆ "فون استعمال نہیں کرتیں' بیگ استعمال نہیں کرتیں' فیس بک اور انٹرنیٹ استعمال کرتی ہیں؟"

* "ہاں۔۔۔ ہاں فیس بک پر ماشاء اللہ میرے پیج پہ میرے چھبیس لاکھ فینز ہیں اور یہ سب حقیقت میں ہیں۔ پیسے دے کر فین نہیں بنائے۔۔۔ ورنہ تو لوگ پیسے دے کر سب کام کروا لیتے ہیں اور یہ میرے لیے بہت اعزاز کی بات ہے کہ اتنے لوگ میرے فین ہیں۔ اور میں اپنا پیج خود ہی اپ ڈیٹ کرتی ہوں حالانکہ میری ایک ٹیم بھی ہے۔ مگر میں خود دیکھتی ہوں اپنے پیج کو۔"

☆ "کبھی لگا کہ میں تو بہت بلندی پر پہنچ گئی ہوں؟"

* "نہیں۔۔۔ کبھی محسوس کروں بھی تو ماما فوراً "نیچے" گرا دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ غرور کو پسند نہیں فرماتے۔"

☆ "آپ کو لوگ شادی میں بلا کر فرمائش ہی کرتے ہوں گے۔ ویسے انجوائے کرتی ہیں' شادیوں کی تقریبات کو؟"

* "میں کہتی ہوں کہ شادی میں فضول رسمیں تو ہونی ہی نہیں چاہئیں سادگی ہونی چاہیے۔ اگر بہت پیسہ ہے آپ کے پاس تو میوزک کی ایک محفل سجالیں' میں تو کہتی ہوں کہ شادیوں پہ کھانوں سے زیادہ میوزک پر خرچا کرو جب ہمیں لوگ بلاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اتنا پیسہ خرچ ہو گا تو بڑے حیران ہوتے ہیں۔ ہائے اتنا پیسہ خرچ ہو جائے گا۔ مگر کھانوں پہ لاکھوں خرچ ہو رہے ہوتے ہیں اس کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ انٹرٹین تو آپ کو اچھے لمحات اچھی میوزک ہی کر سکتی ہے۔ اس بات کو لوگ سمجھتے ہی نہیں ... جہیز اتنا اتنا دے دیتے ہیں۔ بھئی جن کو آپ کی لڑکی چاہیے وہ سادگی سے نکاح پڑھائے اور لے جائے۔ ان فضول خرچیوں کی کیا ضرورت ہے۔"

☆ "شہرت سے تنگ ہیں یا خوش؟"

* "خوش تو بہت ہوں ... مگر کبھی کبھی تھوڑا مسئلہ ہوتا ہے جب لوگ کہتے ہیں کہ آپ سے بات کرنی ہے۔ اب میں ہر وقت تو بات نہیں کر سکتی نا ... یا کہیں جاؤ تو دیکھ کر روکتے ہیں۔ کبھی بندہ جلدی میں ہوتا ہے مگر رکنا پڑتا ہے۔ بس چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں ... باقی تو کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔"

☆ "فلموں کے لیے گانے گاتی ہیں۔ فلمیں بھی دیکھتی ہیں؟"

* "جی ... اچھی والی فلمیں بھی دیکھتی ہوں اور مجھے یاد ہے کہ میں نے سینما ہاؤس میں سب سے پہلی فلم 20'19 دیکھی تھی۔ یہ انڈین مووی تھی اور جب میں انڈیا گئی تھی تو میں نے یہ فلم دیکھی تھی۔"

☆ "مشورہ لیتی ہیں ... یا اپنے دل و دماغ سے مشورہ لیتی ہیں؟"

* "دل و دماغ سے مشورہ تو لیتی ہوں مگر "مما" سے بھی مشورہ لیتی ہوں اور جس کا مشورہ زیادہ دل کو لگتا ہے اس کی مان لیتی ہوں۔"

☆ "کافی ملک جا چکی ہیں کون سا ملک پسند بھی آیا اور قیام کو بھی دل چاہا؟"

* "مجھے ایران بہت پسند آیا۔ ایک تو وہ اسلامی ملک ہے۔ پھر ان کا کلچر بھی بہت اچھا ہے۔ مذہب کے حساب سے وہ جنونی نہیں ہیں۔ بہت زیادہ پابندیاں نہیں ہیں۔ میوزک ان کے یہاں نہیں ہوتا لیکن "نوحہ خوانی" اور "حمد و نعت" کو اہمیت دیتے ہیں۔ اخلاقی طور پر بھی بہت مہذب ہیں۔ ہمیں ان کے ویژن سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ان کی تعریف کا انداز بھی مختلف ہے یہاں پاکستان میں کسی سے ملو عرصے بعد تو کہتے ہیں "بڑی ہو گئی ہو"' "بڑی ہو گئی ہو" اور ایران میں مجھے بہت عرصے کے بعد میری ایک ٹیچر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا "تم بہت پیاری ہو گئی ہو"

☆ "لوگ ملتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟"

* "تعریف کرتے ہیں۔ دعائیں دیتے ہیں۔ تصاویر بنوانے کی خواہش کرتے ہیں۔ بہت اچھے انداز میں لوگ ملتے ہیں۔"

☆ "شاپنگ کے لیے کہاں جاتی ہیں؟"

* "میرا چھوٹے چھوٹے بازاروں میں جانے کو دل چاہتا ہے۔ مگر مجھے کوئی لے کر نہیں جاتا ... کیونکہ لوگ پہچان کر گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ مجھے سستی سستی چیزیں خریدنے کا بھی بہت شوق ہے تو پھر میں وہ آن لائن خرید لیتی ہوں۔"

☆ "ایک دعا جو ہر وقت خدا سے کرتی ہیں؟"

* "کہ جو عزت و شہرت دی ہے اس کو قائم دائم رکھنا اور ہماری روزی' ہماری کمائی میں برکت ڈالنا ... آمین۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے سارہ رضا خان سے اجازت چاہی اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے مصروفیات میں سے ٹائم دیا۔

☆ ☆

شادی مبارک ہو

ندا حسنین ہمراہ خالد حیدر

ندا حسنین

"تم نے سوچا ہے کہ آپ کی شادی کی تقریبات کا آغاز "برائیڈل شاور" سے کیا جائے۔" رمشہ، رامین نے مجھ سے اظہار خیال کیا۔

"اچھا... مگر پہلے یہ بتاؤ برائیڈل شاور ہے کیا چیز۔" میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

"یہ ہم کزنز کی جانب سے آپ کے لیے فیرویل پارٹی ہوگی۔ بس اس سے زیادہ ہم نہیں بتائیں گے کچھ آپ کو۔" مجھے فیصلہ سنا دیا گیا۔ اس کے بعد میری یہ دونوں پیاری پیاری خالہ زاد بہنیں رمشا، رامین خاندان کی تمام کزنز سے رابطے میں مصروف ہو گئیں۔ گاہ بہ گاہ مجھے ان کی تیاریوں کی خبریں کہیں نہ کہیں سے موصول ہوتی رہتیں مگر میں انجان بنی رہتی۔ لیکن ان کے اس پیار پر میرے دل میں ان سب کی محبتوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر مزید جوش پکڑتا چلا جاتا۔

یہ میری اپنی شادی کا احوال ہے۔ اور میں ندا حسنین بذات خود آپ کو اپنی شادی کا احوال سنانے جا رہی ہوں۔ تو جناب برائیڈل شاور کے لیے سترہ دسمبر کا دن منتخب کیا گیا۔ برائیڈل شاور کی تقریب خالہ کے گھر منعقد ہوئی تھی۔ جو کہ میرے لیے مکمل طور پر سرپرائز رکھی گئی تھی۔ تیاریاں زور و شور سے جا رہی تھیں۔ مگر میرے سامنے یہ لڑکیاں یوں بیٹھی ہوتیں جیسے زمانے بھر کی فارغ ہوں۔ پر کیا یہ ممکن ہے کہ میں ان کی اس اداکاری سے ناواقف ہوں۔ جناب ڈرائنگ روم میں چھپائی گئی ان کی تیار کی گئیں اشیاء

میں انجانے میں دیکھ چکی تھی۔ کس طرح؟ چلیں میں بتاتی ہوں۔ خالہ کے گھر سامان کی پیکنگ کے دوران میری نظر صوفے کے نیچے چھپائے گئے چھوٹے چھوٹے سنہری پنجروں پر پڑی۔ اسی طرح میں نے سفید بورڈ کی جھلک بھی دروازے کے پیچھے سے جھلکتی دیکھی۔ مگر میں انجان بنی رہی۔ یہ ساری تیاریاں رمشا' رامین' رومیصہ بہت محبت اور خلوص سے کررہی تھیں۔ اگر وہ چاہتی تھیں کہ میں ان کی تیاریوں سے انجان اور بے خبر رہوں تو مجھے بھی باخبر رہنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے تھی۔ ویسے بھی وقت سے پہلے کی آگہی کبھی کبھی خوشیوں کا مزا کرکرا کردیتی ہیں۔ لہٰذا میں کچھ جان کر بھی انجان تھی۔

سترہ دسمبر سے دو دن قبل مجھے میرا لباس دیا گیا۔ میرون اور فان رنگ کی اسٹائلش سی فراک مجھے سترہ دسمبر کو زیب تن کرنی تھی۔ تقریب کی کلر تھیم سرخ سفید اور سیاہ رنگوں پر مشتمل تھی۔ تمام افراد کو ان رنگوں پر مشتمل لباس پہننا تھا۔ امی' مجھے اور بھابھی کو تیار ہو کر مغرب کے بعد خالہ کے گھر پہنچ جانا تھا۔ امی نے سیاہ و سفید امتزاج کا لباس پہن رکھا تھا' جبکہ سمیرا نے سرخ و سیاہ امتزاج کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ خالہ کے گھر پہنچنے پر سب نے مجھے گلے لگا کر خوش آمدید کہا۔ پھر مجھے ڈرائنگ روم میں لے جایا گیا جہاں ڈرائنگ روم بے حد خوب صورتی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ چاروں طرف سرخ و سیاہ غبارے سنہری پنجروں سے باندھ کر ہوا میں چھوڑے گئے تھے۔ مرکزی میز کو تحفوں اور خوب صورت ڈیکوریشن پیسز سے سجایا گیا تھا۔ ایک کارنر پر چھوٹی سی میز پر میرے اور خالد کے ناموں کا ابتدائی حروف سجایا گیا تھا۔ دونوں میزیں سنہری لائٹس کی بدولت جگمگا رہی تھیں۔ ایک بڑا سا سنہری فریم میز کے ساتھ رکھا گیا تھا۔

رامین نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہوا خوب صورت سا تاج مجھے پہنایا۔ پھر کیک کاٹا گیا۔ سنہرے پھولوں سے بھرا کیک جس پر سنہری موتیوں کا ہار بچھا ہوا تھا نہ صرف خوب صورت تھا بلکہ خوش ذائقہ بھی تھا۔ اس موقع پر گھر میں موجود تمام افراد نے شرکت کی۔ تصاویر کھنچوائی گئیں۔ اس کے بعد تحفے تحائف اور مختلف قسم کے گیمز کا سلسلہ رات گئے تک جاری رہا۔ ڈنر میں بریانی' نہاری' پیزا اور دیگر لوازمات سے بھرپور اہتمام کیا گیا۔ یوں میری شادی کی تقریبات کا باقاعدہ آغاز برائیڈل شاور سے ہوا۔

اگلی تقریب بیس دسمبر کو تھی۔ بیس دسمبر کو مجھے مایوں بیٹھ جانا تھا۔ مایوں کے دن رسم کے مطابق میں نے پیلا جوڑا پہنا تھا۔ رمشا' رامین نے نیٹ کا پیلا دوپٹا اوڑھا کر گھونگٹ نکال دیا۔ خاندان کے سب ہی افراد شامل تھے۔ لڑکیاں ڈھول اور ڈفلی سنبھال کر گیت گانے بیٹھ گئیں۔ مگر مجال ہے کہ کوئی بھی شادی بیاہ کا گیت انہوں نے ڈھنگ سے گایا ہو۔ فیصل اور دانیال نے ڈھول اور ڈفلی کا بندوبست کیا تھا۔ اور بقول دکاندار یہ ڈھول کوک اسٹوڈیو میں استعمال ہوچکا ہے۔ لیکن لڑکیاں اس دعوے کو ماننے سے انکاری تھیں۔ سو گانا بھول بھال نئی بحث شروع ہوگئی۔ لڑکے لڑکیوں کو نئی بحث میں الجھا دیکھ کر گھر کی خواتین میدان میں اتریں اور ڈھول سنبھالا اور سر لگایا۔ محفل اچھی خاصی کشت زعفران بنی ہوئی تھی۔ اسی ہنگامے میں مجھے ابٹن لگانے کی رسم بھی ادا ہوتی رہی۔ پھر ماموؤں کی باری آئی مٹھائی کھلانے کی۔ خالہ ابٹن کا کٹورا تھامے تیار کھڑی تھیں۔ ماموؤں کو ابٹن لگانے کے لیے۔ ماموؤں نے خوب آنکھیں دکھائیں۔ ڈرانے کی ناکام کوشش کی مگر بے سود رہا۔ خالہ نے سب کو ابٹن لگا کر دم لیا۔ اور پھر ماموؤں نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑا۔ سب کو خوب ابٹن لگایا۔ اور میں گھونگھٹ کی آڑ سے یہ سارے مناظر دیکھتی رہی۔ کبھی مسکراتی اور جب مسکراتی تو آنکھیں بھیگ جاتیں۔ یہ سارے پل ہمیشہ کے لیے میری یادوں میں محفوظ ہوتے جارہے تھے۔ یہ قہقہے نوک جھوک میرے لیے انمول بنتے جارہے تھے۔

میں پانچ دن مایوں بیٹھی چوبیس دسمبر کو مہندی کے ساتھ ساتھ میرے نکاح کا فریضہ بھی ادا ہونا تھا۔ اس دن مجھے رامین نے تیار کیا تھا۔ رامین تھوڑی نک چڑھی ہے۔ مگر میرے ساتھ بے حد اچھی ہے۔ میرا خیال بھی رکھتی ہے' میں جو کہوں وہ مان بھی لیتی ہے۔ مگر اتنی عزت وہ ہر کسی کو دینے کی قائل نہیں تو مجھے رامین نے تیار کیا تھا اور بہت پیارا تیار کیا تھا۔ میں نے میجنٹا رنگ کی کرتی پر پیلا کامدار لہنگا اور سی گرین ٹشو کا دوپٹا اوڑھ رکھا تھا۔ میری چوٹی میں سفید نگوں سے مزین چھوٹے چھوٹے پھول لگائے گئے تھے۔ جنہیں اس فنکشن کے بعد میں آج تک ڈھونڈنے میں ناکام رہی ہوں۔ نہ جانے کہاں کھو گئے ہیں۔ خیر میں تیار ہو کر امی اور خالہ کے ہمراہ لان پہنچ گئی۔ وہاں دونوں طرف کے فوٹو گرافر پہلے سے ہمارے منتظر تھے۔ سو بیٹھنے کی ہی مہلت نہ دی۔ اور فوٹو شوٹ شروع کر دیا۔ لڑکے والے مقررہ وقت پر ڈھول کی دھماکے دار گونج کے ساتھ لان میں پہنچ گئے۔ مجھے سسرال کی طرف سے سرخ دوپٹا اوڑھایا گیا۔ مجھے آج بھی گھونگھٹ میں رہنا تھا۔

نکاح کے وقت میرے احساسات عجیب تھے۔ یہ وہ پل ہوتا ہے جب اب تک کی زندگی نظروں کے سامنے فلم کی مانند گزرنا شروع ہو جاتی ہے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے احساسات سن ہو چکے ہیں۔ میرے ساتھ اس پل امی بیٹھی تھیں۔ میری بھابھی اور پھوپھی موجود تھیں۔ ان سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میں سن ہو چکی ہوں یا میں پختگی کی اس سطح پر پہنچ چکی ہوں کہ اس پل کی حساسیت مجھ پر اثر انداز نہیں ہو رہی۔ یا پھر شاید اب تک مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نکاح جیسے مقدس بندھن میں بندھ چکی ہوں۔ میری آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ میں نے اس پل اپنے لیے اور اپنے ماں باپ کے لیے خوب دعائیں کیں۔ کہتے ہیں یہ قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے۔ نکاح ہو چکا تھا۔ مجھے مبارک باد دی جا رہی تھی۔ امی میرے گلے لگ کر رو رہی تھیں اور پیار کر رہی تھیں۔ میرے احساسات جاگنا شروع ہو گئے۔ اشک تیزی سے رواں ہونے لگے۔ سب باری باری مجھے گلے لگ کر مبارک باد دیتے۔ ان سب کی آنکھیں بھیگی تھیں۔ میری زندگی کا رخ تبدیل ہو چکا تھا۔ مجھے اسٹیج لے جا کر خالد کے برابر بٹھایا گیا۔ خالد نے دھیمی آواز میں سلام کیا اور نکاح کی مبارک باد دی۔

مہندی کی رسم کا آغاز میری ساس نے کنگنا اور امام ضامن باندھا۔ ابٹن لگایا اور مٹھائی کھلا کر پیسے نچھاور کیے۔ امی کے بعد باری باری سب نے مہندی کی رسم ادا کی۔ پھر رمشا اور سمیرا لڑکیوں کا لشکر لے کر خالد کو مہندی لگانے اسٹیج پر آ پہنچیں پیچھے پیچھے میرے بھائی اور باقی کزن بھی آ پہنچے۔ رمشا' خالد کے ہاتھ میں مہندی لگا کر پکڑے بیٹھی تھی۔ میری نند روشنی آپی' روحی اور دیورانی مونا بھی خالد کی حمایت میں اسٹیج پر آ پہنچیں چھوٹے ماموں میرے ساتھ آ بیٹھے۔ وہ اپنی پر مزاح باتوں سے سب کو قہقہے لگانے پر مجبور کر ڈالتے کبھی ہماری طرف کی بات کرتے کبھی خالد کی حمایت کرتے۔ میں خاموش تماشائی بنی بیٹھی ان سب کی نوک جھوک' تکرار سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ خیر

کافی شور شرابے کے بعد معاملہ طے پا گیا۔ کھانے کا وقت ہو چلا تھا۔ مجھے اریبا نے جبکہ خالد کو ان کے سب سے چھوٹے بھائی عارفین نے کھانا کھلایا۔ یوں ایک اہم دن کا اختتام ہوا۔

اگلے دو دن بعد میری رخصتی تھی۔ دن قریب تھے رخصتی کے' میری سہیلیاں مسلسل رابطے میں تھیں۔ میری بچپن کی سہیلی شمائلہ آریان جو اب اسلام آباد میں مقیم ہے۔ دوری کے سبب شادی میں شرکت کرنے سے قاصر تھی۔ مگر اس کا مطالبہ تھا شادی کی تمام اپ ڈیٹس اسے بروقت چاہئیں۔ میری ساتھی مصنفین سحرش فاطمہ' نادیہ احمد' قرۃ العین خرم ہاشمی' گل افشاں رانا' ام طیفور' عابدہ احمد' شفق افتخار میمن' حنا یاسمین' نزہت جبین ضیاء' رضوانہ پرنس رخ چوہدری' قرۃ العین سکندر مجھ سے رابطے میں رہیں اور اپنی پرخلوص دعاؤں کے تحفے مجھ پر نچھاور کرتی رہیں۔ یہ دو دن بے حد مصروف گزرے۔ شادی سے ایک دن قبل صبح صبح میری پیاری لکھاری دوست سدرۃ المنتہیٰ سے بات ہوئی۔ سدرہ سے کافی عرصے کے بعد گفتگو ہوئی۔ سدرہ نے میری نئی زندگی کی شروعات پر اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ اس کے بعد مجھے پارلر میں جانا تھا۔ نفیسہ سعید سے اب تک رابطہ نہ ہو سکا تھا۔ ان سے رابطہ پارلر جا کر کیا۔ نفیسہ آپا اپنے نام کی طرح نفیس خاتون ہیں۔ انہوں نے اپنی نیک خواہشات کے ساتھ شادی میں شرکت کی بھرپور کوشش کا وعدہ کیا۔ پارلر سے رات نو بجے تک مہندی لگوا کر واپسی ہوئی۔ جیسی مہندی مجھے چاہیے تھی۔ ویسی نہ لگ سکی۔ مجھے کچھ خاص پسند نہ آئی۔ پارلر سے مجھے امی اور فیصل لینے آئے وہاں سے میں خالہ کے گھر پہنچی دن بھر کی تھکاوٹ کے باعث کچھ پل آرام کیا۔ مگر ذہن میں یہی بات بازگشت کرتی رہی۔ کل مجھے رخصت ہو جانا ہے۔ خالہ کے گھر سے جاتے ہوئے مجھے بے اختیار رونا آیا۔ میری کیفیت امی' خالہ اور خالو بخوبی سمجھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں بھی نمی گھل گئی۔ یہ وہ پل تھے' جو شاید میں زندگی بھر نہ بھول پاؤں۔ سب گلے لگا کر مجھے چپ کرا رہے تھے۔ مگر سارے راستے میری آنکھوں سے اشک رواں رہے۔

گھر آئی تو سارے کزن میرے منتظر تھے۔ عجب لمحات تھے محسوس کر سکتی ہوں۔ مگر کوئی کام نہیں دے سکتی۔ میرے موڈ کو بہتر کرنے کی غرض سے ان سب نے اپنی اپنی پرفارمنس مجھے دکھائی۔ گیت گائے گئے۔ سوتے سوتے صبح ہو گئی۔ اگلے دن مجھے ایک بجے تک پارلر پہنچ جانا تھا جہاں مجھے دلہن بننا تھا۔ وہاں میری دونوں نندیں روشنی آپی اور روحی بھی موجود تھیں۔ ان دونوں نے ہی میرا خوب خیال رکھا۔ رات ساڑھے آٹھ بجے تک میں تیار ہو کر امی اور خالہ کے ہمراہ بینکویٹ پہنچی۔ گاڑی سے اترتے ہی فوٹو گرافرز کی ٹیم نے مجھے آلیا۔ اس فوٹو شوٹ کے چکر میں' میں کسی سے مل بھی نہیں پا رہی تھی۔ فوٹو شوٹ کے دوران ایک انتہائی نفیس سی خاتون مجھ سے ملاقات کی غرض سے آئیں۔ اور جب انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو میں خوشی کے مارے کچھ پل کے لیے کچھ کہہ نہ سکی۔ وہ شہرہ آفاق اور میری بے حد پسندیدہ رائٹر رفعت سراج تھیں۔ میں انہیں صرف پسندیدہ رائٹر ہی نہیں گردانتی بلکہ استاد کا بھی درجہ دیتی ہوں۔ سو یہ میرے لیے فخر کا مقام تھا کہ انہوں نے میری دعوت قبول کی اور میری شادی میں شرکت کی۔ مختصر حال احوال کے بعد میں نے انہیں اپنی والدہ سے ملوایا۔ رفعت سراج اپنی فیملی کے ہمراہ آئی تھیں۔ ان کے میاں صاحب اور صاحبزادی بھی خوش گفتار اور بہترین اخلاق کے مالک ہیں۔ بعد میں برائیڈل روم میں بھی میری رفعت آپی سے گفتگو رہی' ہم نے ساتھ تصاویر بنوائیں اور ان تصاویر میں میری بہت پیاری ریڈر زینب بھی شامل تھی۔ اس موقع پر میں نے سدرہ مرتضیٰ کو یاد کیا۔ وہ کچھ تاخیر سے آئی تھیں۔ پہلے آتیں تو یقیناً" وہ بھی اس یادگار تصویر کا حصہ ہوتیں۔

برات کی آمد ہوئی اور پھر خالد فوٹو سیشن کی غرض سے برائیڈل روم میں داخل ہوئے جب تک ہمارا فوٹو سیشن ہوتا رہا تب تک دونوں طرف کی پرفارمنس باہر

جاری رہی۔ میں لائیو تو نہ دیکھ سکی۔ مگر بعد میں ویڈیوز میں دیکھا تو اندازہ ہوا کہ دونوں طرف کی ٹیموں نے بے حد زبردست پرفارم کیا تھا۔ اس کے بعد ہماری انٹرنس تھی۔ اس دوران میری بے حد خوش گفتار اور پیارے اخلاق کی مالک سعیدہ نثار آپا سے ملاقات ہوئی۔ جبکہ طاہر قریشی بھائی نے بھی میری رخصتی کی تقریب میں شرکت کی تھی۔ ان دونوں معزز شخصیات کی شرکت میرے لیے باعث افتخار ہے۔

ہال میں اندھیرا چھا چکا تھا۔ موسیقی نے ماحول کو مزید خوب صورت بنا ڈالا تھا۔ خالہ نے میرا اور خالد کا ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ میں تھمایا۔ ہمارے آگے کزنز کی ٹیم جمع تھی۔ انہیں آگے بڑھتے بڑھتے مرحلہ وار ہمارے سامنے سے ہٹتے چلے جانا تھا۔ آخر میں ہم اکیلے اسٹیج پر پہنچتے۔۔۔ یہ سب کچھ بے حد حسین لگ رہا تھا۔ کسی خواب کی طرح۔۔۔ اور یہ خوب صورت شام دیکھتے دیکھتے ڈھل گئی۔ ساری رسمیں مکمل ہو چکی تھیں اب رخصتی کا کٹھن وقت آ پہنچا تھا۔ یہ کیسے لمحات تھے میں چاہ کر بھی بیان نہیں کر پاؤں گی۔ کچھ احساسات صرف محسوس کر کے ہی سمجھے جا سکتے ہیں۔ میری والدہ نے اپنی اکلوتی بیٹی' جگر کے ٹکڑے کو رخصت کیا تھا۔ ان کے احساسات وہ ہی سمجھ سکتے تھے جو ان لمحات سے گزر چکے ہوں۔ ایک بیٹی جس کی ماں ہی سب کچھ ہو۔ اس کی سہیلی' اس کی دوست۔۔۔ جو بچپن سے اب تک ماں پر ہی انحصار کرتی' اس دنیا کے بکھیڑوں سے نمٹتی آئی ہو۔ وہ اس کا گھر چھوڑ کر رخصت ہو رہی ہو تو یہ لمحات صرف بیٹیاں ہی سمجھ سکتی ہیں۔ اتنا کہوں گی کہ اس پل وہاں ہر ایک کی آنکھوں سے اشک رواں تھے اور سب نے بے حد محبت اور دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا تھا اور اس پر مجھے شدت سے احساس ہوا تھا کہ خاندان کیا ہوتا ہے' محبتیں کیا ہوتی ہیں' رشتے کیا ہوتے ہیں اور کتنے اہم ہوتے ہیں۔

مجھے صرف محبتوں کے حصار میں رخصت نہیں کیا گیا تھا بلکہ بے لوث محبت کے ساتھ مجھے نئے گھر بھی لے جایا گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی خالد میری ہمت بندھاتے رہے۔ اور اپنے ہمیشہ ساتھ ہونے کا یقین دلاتے رہے۔ میرے دائیں جانب بیٹھی میری نند روحی کی بیٹی فاطمہ نے بڑے پیار اور چاؤ کے ساتھ مجھے رونے سے منع کرتے ہوئے میرے آنسو صاف کیے۔ فرنٹ سیٹ پر جاوید بھائی عبیرہ کو لے کر بیٹھے تھے۔ ننھی عبیرہ نے اپنی معصومیت بھری باتوں سے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔ ان سب کی محبتوں نے میرے دل کو کچھ مطمئن کیا۔ میری خالہ اور چھوٹو گینگ علشبہ' ماہین' ایشہ میرے ساتھ رسم کے مطابق سسرال آئے تھے۔ کچھ دیر رک کر وہ سب کا شکریہ ادا کر کے واپس چلے گئے انہیں واپس لینے مبشر اور فیصل (بھائی) اور کزن شایان آئے تھے۔ مجھے مسکراتا دیکھ کر ان کے دلوں کو اطمینان ہوا۔ یہ اطمینان مجھے ولیمہ کے دن مجھے خالد کے سنگ ہنستا مسکراتا دیکھ کر مزید گہرا ہوتا چلا گیا۔ میرے والدین مطمئن تھے۔

اپنے ولیمہ میں' میں نے پستئی رنگ کی میکسی سی گرین دوپٹے کے ہمراہ زیب تن کی تھی۔ ولیمہ کی تقریب خوش گوار ماحول میں اپنے پایہ تکمیل کو پہنچی۔ بس امی' پاپا کا افسردہ چہرہ میری آنکھوں میں پانی بھر لاتا۔ میں اپنی زندگی کے نئے سفر پر گامزن ہو چکی ہوں اور اس سفر پر آپ سب کی محبتوں اور دعاؤں کی بے حد مشکور ہوں۔

خصوصاً" سیما مناف" آپا رضوانہ پرنس' رخ چوہدری' نفیسہ سعید" نزہت جبین ضیا' صائمہ اکرم چوہدری' نبیلہ ابر راجہ' سدرۃ المنتہیٰ' ام طیفور' شفق افتخار میمن' قرۃ العین خرم ہاشمی' گل افشاں رانا' نادیہ احمد' عابدہ احمد' سحرش فاطمہ' حنا یاسمین' عمارہ خان' افشاں علی' مریم جہانگیر' قرۃ العین سکندر' لبنیٰ غزل لبنیٰ زبیر عالم' شمائلہ آریان' فرزینہ قمر' فرزانہ نعمان' سمیرا عمران' حنا نعمان' حنا اشرف' فرحانہ عبدالقادر اور کرن' شعاع و خواتین کی ٹیم کا جنہوں نے اپنی دعاؤں اور محبتوں کو میرے ساتھ ہم سفر کیا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ سب کو ہمیشہ اپنی امان میں خوش و آباد رکھے۔ (آمین)

یادیں ایک اور سال کی

مجھے ملے جیون ساگر یادوں کے جزیرے
انہی یادوں کے جزیروں میں پتھر' موتی ہیرے

وقت اپنے نقش چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے اور انسان کا سرمایہ کچھ تصویریں' کچھ گم گشتہ مسکراہٹیں اور کچھ دھندلی یادیں ہی رہ جاتی ہیں۔ یادیں جو حاصل زیست ہوتی ہیں' جن میں کھو کر ہم موجودہ وقت کی تلخی کو بھول جاتے ہیں جو اپنے آپ میں ایک جہان ہوتی ہیں' جو اپنی رنگینی سے موجودہ وقت کی سنگینی کو ختم نہیں تو کم ضرور کردیتی ہیں۔

جس طرح کچھ یادیں آنکھوں میں جم کر رہ جاتی ہیں' اسی طرح کچھ تحریریں ذہن و دل پر نقش ہوجاتی ہیں اور زندگی کے سفر میں ہمارا پلو تھام کر ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

کرن کے سالگرہ نمبر کے لیے اپنے قارئین کی یادوں کو پھر سے تازہ کرنے کے لیے کچھ سوالات کیے تھے۔

1۔ آپ کے خیال میں سالگرہ کا اہتمام ہونا چاہیے یا نہیں؟ کیا آپ باقاعدہ سالگرہ مناتی ہیں؟ اب تک کی زندگی میں مبارک باد کا سب سے خوب صورت اظہار کس کی طرف سے تھا اور کس طریقے سے کیا گیا؟

2۔ سالگرہ پر ملنے والا کوئی حیران کن گفٹ جو آپ کو ملا یا آپ نے کسی کو دیا؟

3۔ 2016ء میں کرن میں شائع ہونے والی تحاریر میں سے کون سی تحریریں پسند آئیں؟ کوئی خوب صورت اقتباس' جملہ یا شعر جس نے آپ کو متاثر کیا؟

آیئے دیکھتے ہیں ہمارے قارئین نے کیا جوابات دیے ہیں۔

یادیں ایک اور سال کی

ادارہ

یاسمین کنول۔۔۔ پسرور

1 ۔ سالگرہ کا اہتمام ہونا چاہیے' کیونکہ زندگی میں خوشیاں اتنی کم ہوگئی ہیں کہ ایک چھوٹی سی خوشی بھی غنیمت لگتی ہے' مجھے سالگرہ یاد رہتی ہے' مگر مناتی نہیں ہوں۔ دوسرے وش کریں تو خوشی ہوتی ہے۔ اب تک کی زندگی میں مبارک باد کا سب سے خوب صورت اظہار کلاس کی لڑکیوں کی طرف سے تھا' جو بڑی رازداری سے کیا گیا تھا' خود ہی سجاوٹ' خود ہی کیک اور گفٹ بھی لے آئی تھیں اور میرے پیریڈ میں فوراً" سے پہلے سب کچھ کردیا گیا۔ میں نے حیرت انگیز خوشی کے ساتھ یہ سب دیکھا' کیک صرف چکھا اور لڑکیوں میں تقسیم کردیا۔ شکریے کے ساتھ کتاب کا گفٹ قبول کرلیا کہ اچھی کتاب میری کمزوری ہے۔

2 ۔ سالگرہ پر ملنے والا گفٹ عموماً" کارڈ' پرفیوم' کتاب یا بیگ وغیرہ ہوتا ہے۔ میں نے اکثر بہن' بھائیوں اور اپنے ہسبنڈ کو یہی گفٹ دیئے اور انہوں نے اظہار مسرت کیا۔ کبھی صرف پھول ہی پیش کرسکی۔ ایک بار میری سالگرہ کے حوالے سے ایک طالبہ نے میری پوری کتاب زبانی سنادی تو مجھے یہ بات اچھی لگی' کیونکہ کتاب اس کی بڑی بہن کے پاس تھی اور صرف اپنی ٹیچر کی تصویر کی وجہ سے اس نے میرے اشعار یاد کیے تھے۔ میں نے اسے

انعام دیا کہ اکثر میں اپنی شاعری بھول جاتی ہوں اور ایک نو عمر لڑکی کی زبان سے سن کر حیرت ہوئی تھی۔

3 ۔ 2016ء میں کرن میں شائع ہونے والی تحاریر میں شاہین رشید کے انٹرویوز پسند آئے اور آسیہ کا "من مورکھ کی بات نہ مانو" بہت اچھا لگا۔ علاوہ ازیں تنزیلہ ریاض کا ناول "راپنزل" ماضی' حال اور مستقبل کی طرف سفر کرتا زندگی کا خوب صورت انداز لگا۔ دسمبر کے حوالے سے نظمیں پسند آئیں۔

ثمینہ اکرم۔۔۔۔ لیاری کراچی

اللہ کرے کہ تم جیو ہزار سال
ہر سال کے دن ہوں پچاس ہزار

میرے دوست' ہم راز' ہم دم' تنہائی کے ساتھی اور محبوب کرن ڈائجسٹ کو اپنی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ "اللہ کرے کہ تم صبح قیامت تک اپنی کرنوں کی روشنی سے قارئین کے دلوں کو منور کرتے رہو۔" (آمین)

1 ۔ سالگرہ ایک غیر اسلامی رسم ہے' یہ بات بالکل بجا ہے' مگر پھر بھی میرے خیال میں سالگرہ کا اہتمام ضرور ہونا چاہیے' اپنی سالگرہ نہ سہی' اپنے بچوں کی سالگرہ کا اہتمام ضرور کریں' کیونکہ بچوں کے چہروں کی چمک اور معصوم خوشی کا کوئی نعم البدل نہیں اور بچے اپنی سالگرہ کے دن کا پورا سال انتظار کرتے ہیں۔ انہیں اپنی سالگرہ پر ملنے والے تحائف کی خوشی اور انتظار ہوتا ہے۔ اپنی سالگرہ میں نے کبھی باقاعدہ نہیں منائی۔ 4 مئی کو پہلے گھریلو سطح پر اہتمام کر لیتی تھی۔ مگر جب سے معیز مجھ سے بچھڑا ہے۔ 4 مئی کو میرا کوئی بھی اہتمام کرنے کا دل نہیں چاہتا۔ کیونکہ 8 مئی کو شہید معیز اکرم کی سالگرہ ہوتی ہے۔ پھر مئی کا مہینہ شروع ہو تو معیز کی یاد مجھے اس طرح اپنی لپیٹ میں لیتی ہے کہ اب 4 مئی کو کوئی بھی اہتمام نہیں کرتی۔ میں اپنی سالگرہ تو باقاعدہ نہیں مناتی۔ مگر اپنے تینوں بچوں کی سالگرہ باقاعدہ طور پر ضرور مناتی ہوں۔

اب تک کی زندگی میں مبارک باد کا سب سے خوب صورت اظہار ایک مرتبہ میری اسٹوڈنٹس کی طرف سے ہوا تھا۔ تب ہر سال وہ مختلف طریقوں سے مجھے برتھ ڈے وش کر کے حیران کر دیتی تھیں۔ کبھی میری سرپرائزنگ برتھ ڈے پارٹی ارینج کر کے' تو کبھی میری سالگرہ والے دن بالکل اچانک پھولوں کی بارش کر کے مجھے برتھ ڈے وش کرنا۔ اپنی اسٹوڈنٹس کی طرف سے ملنے والے فلاورز اور کارڈز بھی میری اچھی یادوں میں سے ہیں۔ اکثر میری سالگرہ والے دن اکرم کی طرف سے ملنے والے پھول اور آئس کریم بھی مجھے حیران کر دیتے ہیں اور ان کا مبارک باد کا خوب صورت اظہار بذریعہ پھول اور چوڑیاں مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ پچھلے سال میری سالگرہ پر میرے چھوٹے بیٹوں اسود اور مومن نے بہت ہی خوب صورت طریقے سے مجھے برتھ ڈے کی مبارک باد دی۔ دونوں بچوں نے بہت ہی خفیہ طریقے سے برتھ ڈے کارڈ بنایا' اس پر ڈرائنگ کی کلر بھرے۔۔۔۔ ننھے ننھے اسٹیکرز سے اس کو سجایا' پھر اپنی جیب خرچ سے دونوں بھائی چاکلیٹ لائے۔ اپنی کاپی سے صفحہ پھاڑ کر اس کو بیک کیا۔ میرا نام لکھا اپنی ہی زبان میں مختلف پیغامات بھی لکھے اور یہ سب دونوں نے چپکے چپکے کیا۔ یہاں تک کہ اپنی آپی غنوی کی بھی مدد نہ لی۔ اور پھر شام میں دونوں بیٹوں نے مجھے کچھ اس طرح سے میرے گلے میں اپنی بانہیں ڈال کر سالگرہ کی مبارک باد دی کہ میری روح اندر تک شانت ہو گئی۔ مجھے بڑی خوشی ملی کہ اب میرے بچے بھی بڑے ہو گئے ہیں۔ ہر سال میری بیٹی غنوی بھی اپنے ہاتھ سے میرے لیے وشنگ کارڈ ضرور بناتی ہے۔ اور یہی محبتیں مجھے زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

2 ۔ سالگرہ پر ملنے والا حیران کن گفٹ۔۔۔۔ جو مجھے ملا' وہ ایک تو عمیرہ احمد کا ناول "ایمان' امید' محبت" ہے اور

دوسرا حیران کن گفٹ جو مجھے ملا۔ وہ مکہ مکرمہ کا ترجمہ و تفسیر والا "قرآن پاک" ہے۔ جس کو پانے کی میرے دل میں کب سے آرزو تھی۔

سالگرہ پر حیران کن گفٹ جو میں نے دیا۔ وہ اپنے پیارے بیٹے معیز اکرم کو اسمارٹ فون میں نے اس کی آخری سالگرہ پر دیا تھا۔ معیز یہ موبائل لینے کے لیے کب سے پیسے جمع کر رہا تھا۔ مجھے اس کی یہ خواہش پتا تھی کہ اس کو اچھے موبائل کا کتنا شوق ہے۔ بہرحال جب 8 مئی 2012ء کو میں نے اس کی سالگرہ پر یہ اسمارٹ فون گفٹ کیا تو معیز اکرم کے چہرے کی حیرانی۔ چمک اور خوشی مجھے آج بھی نہیں بھولتی۔ وہ اپنا پسندیدہ گفٹ پا کر جتنا حیران ہوتا کم تھا کہ ماں نے میرے دل کی خواہش کو کس طرح جانا۔ بس یہی اس کی آخری سالگرہ تھی۔ اب تو ہر سال اس کی سالگرہ (8 مئی) پر ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کے سوا کچھ بھی نہیں میرے پاس.... دعائیں اور آنسو ہر سال یہی سوغات اس کو بھیجتی ہوں۔ اللہ پاک قبول فرمائے۔ (آمین)

3 - 2016ء میں کرن ڈائجسٹ نے بہت ترقی کی اور وہ بہتر سے بہترین کے سفر کی طرف گامزن رہا۔ مجھے اس سال کرن کی کئی کہانیاں' ناول' ناولٹ پسند آئے۔ جیسے کہ نگہت سیما کا ناول "دست مسیحا" ایک بہت اچھے موضوع پر لکھا گیا۔ سلسلہ وار ناولز "راپنزل' من مورکھ کی بات" نادیہ احمد کا ناول "اور ے پیا" نفیسہ سعید کا افسانہ "گر جو اعتبار ہوتا" اور موسٹ فیورٹ سلسلہ اور ناول "گل کہسار" قابل ذکر ہیں۔

پسندیدہ شعر:

کون کہتا ہے نفرتوں میں درد ہے محسن
کچھ محبتیں بھی بڑی اذیت ناک ہوتی ہیں

پسندیدہ جملہ: نزدیک سے آنے والی آوازوں میں سب سے قریب ترین آواز اپنے ضمیر کی ہوتی ہے۔

خوب صورت اقتباس: ماؤں کی ضرورت زندگی میں کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ان کی محبت آکسیجن کی طرح ہوتی ہے۔ جس کی ضرورت آخری سانس تک رہتی ہے اور جب یہ نہیں رہتیں تو ان کی ضرورت بڑھ جاتی ہے۔

فضا نور.... روہڑی

1 - جی ضرور ہونا چاہیے' کیونکہ یہ انسان کے لیے بہت اہم دن ہوتا ہے۔

نہ جی میں کہاں مناتی ہوں۔ اب تک کی زندگی میں مبارک باد کا خوب صورت اظہار گھر والوں کی طرف سے ہوا' گھر والوں نے مجھے سرپرائز وش کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن مجھے پتا لگ گیا تھا۔

2 - نہیں ابھی تک ایسا کوئی گفٹ نہیں ملا۔ میرے خیال سے کوئی پیار سے وش بھی کر دے تو بڑی بات ہے۔

3 - کرن میں بے شمار' زبردست تحریریں شائع ہوئیں' لیکن ان میں سرفہرست نایاب جیلانی کا ناول "دل ٹوٹ کے ہارا" مہوش افتخار کا ناول "سنگ پارس" اور شفق افتخار کا "میرے حصے کی زمیں میرا آسماں"

پسندیدہ اقتباس:

"حیا کے ساتھ حجاب بھی اتنا ہی ضروری ہے عورت اور اس کی خوب صورتی غیر مردوں کے لیے ایک ایسا شر ہے جسے کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا اور پھر کوئی چاہے کتنا ہی پارسا کیوں نہ ہو خوب صورتی اسے متوجہ کر لیتی ہے۔ اسی شر سے بچنے کے لیے جہاں مرد کو نگاہ جھکانے کا حکم ہے' وہیں عورت کو بھی اپنا آپ چھپانے کا حکم ہے اور نقاب ایک ڈھال ہے اور حجاب ایک ہتھیار ہے۔ مردوں کو جہنم کی آگ کا ایندھن بننے سے بچاتا ہے جو عورت کی وجہ سے جہنم میں جھونک دیے جائیں گے قیامت کے دن۔"

پسندیدہ شعر:

نفرتوں کے بازار میں
جینے کا الگ ہی مزا ہے
لوگ رلانا نہیں چھوڑتے
ہم ہنسنا نہیں چھوڑتے

ثناء شہزاد.... کراچی

1 - میرے خیال میں زندگی بہت مختصر چیز ہے' اسے ہنسی خوشی گزارنا چاہیے' ناکہ ہر وقت کسی نہ کسی بات کا رونا رویا جائے' اللہ پاک آپ کو جس حال بھی رکھے' اس کا شکر ادا کریں۔ آپ نے سوال پوچھا ہے کہ سالگرہ کا اہتمام ہونا چاہیے یا نہیں' تو جناب' ہے تو یہ غیر مسلموں کا طریقہ کار' کیونکہ اسلام میں سالگرہ منانے کا کوئی کانسیپٹ نہیں ہے' مگر آج کے دور میں ہر طرف دکھ اور غم کے بادل چھائے ہوئے نظر آتے ہیں تو میرا خیال ہے یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں سیلیبریٹ کرنی چاہئیں' لیکن بے جا نمود و نمائش نہ کی جائے۔ میں زیادہ کوئی اہتمام نہیں کرتی' بس

بابا یا بھائی کیک لے آتے ہیں۔ فرینڈز اور کزنز وش کر دیتے ہیں۔ گفٹ بھی مل جاتے ہیں' بھائیوں کے علاوہ نوشین اور سنی لازمی ہر سال گفٹ دیتی ہیں۔ نوشین تو بہت اسپیشل طریقے سے مناتی ہے میری سالگرہ۔ پاگل ہے یہ لڑکی میرے لیے۔ مجھے کبھی کبھی فخر ہوتا ہے اس کی دوستی پر۔

ویسے ابھی تک تو خوب صورت اظہار کسی کی طرف سے نہیں ہوا' ہاں میری تمام دوستیں اور میری کزنز وش کرتی ہیں۔ صبا' اقصیٰ' ہانی' شہوار' ہما' نورین' ساجدہ' ایمن عظیم' ہما' خرم' مما مہرین' مامی سب کے میسیجز بارہ بجتے ہی آنا شروع ہو جاتے ہیں' جو مجھے بہت زیادہ خوشی سے ہمکنار کرتے ہیں۔

2۔ سالگرہ پر ملنے والا حیران کن تو نہیں کہہ سکتے' ہاں البتہ پسندیدہ گفٹ جو مجھے ملا وہ میرے بھائی نے مجھے دیا تھا۔ میں کافی ٹائم سے ان کے پیچھے لگی ہوئی تھی کہ مجھے پروین شاکر کی "خوشبو" لا کر دیں' وہ سن کے ہی نہیں دے رہے تھے۔ مجھے بھی تھوڑا غصہ آگیا تو میں نے انہیں کہنا چھوڑ دیا۔ اس بات کو گزرے دو یا تین ماہ ہوئے تھے' اس دوران میری برتھ ڈے آگئی اور بھائی نے وہ ہی بک مجھے گفٹ کی تو مجھے بہت بہت زیادہ خوشی ہوئی تھی۔ ویسے میرے یہ بھائی جن کا نام شاہ رخ ہے' وہ مجھے پوئٹری بکس ہی زیادہ تر گفٹ کرتے ہیں' عید' بقرعید' نیو ایر وغیرہ پر' کیونکہ مجھے پوئٹری پسند ہے۔

3۔ کرن کی ساری تحریریں بیسٹ ہوتی ہیں' شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ مجھے کوئی اسٹوری پسند نہ آئے۔ جنوری میں ماہم علی کا "بہترین تحفہ" فروری میں نایاب جیلانی کا "دل ٹوٹ کے ہارا تھا" مارچ میں مصباح علی کا "تم بن" اور شبانہ شوکت کا "پایا جو تجھے" اپریل میں ام ایمان کا "میرے بدگمان" اور سحرش فاطمہ کا "میری کہانی کا دی اینڈ" مئی میں شفق افتخار کا "میرا آسمان' میری زمین" اور شبینہ گل کا "یہ زندگی ہے" جون میں راشدہ رفعت کا "پھر یوں ہوا" فاخرہ گل کا "عید ایسی بھی ہوتی ہے" عزہ خالد کا "ذرا ہٹ کے" جولائی میں رابعہ افتخار کا "تم آؤ تو عید کریں" بشریٰ گوندل کا "میری عید تم ہو" "وصل جاناں" مصباح علی کا اگست میں مہوش افتخار کا "پارس" نگہت سیما کا "دست مسیحا" ستمبر میں صدف آصف کا "خواب زدہ" بشریٰ ماہا "عید محبت" راشدہ علی کا "امید صبح" اکتوبر میں بشریٰ سیال کا "ردائے سحر" گل کا "ہم نے تو بس عشق ہے کیا" نومبر میں نایاب جیلانی کا "جانشین" ام طیفور کا "شکر پارے" نازیہ جمال کا "تجھ پہ دل ہارا" دسمبر میں حمیرا نوشین کا "بخت جاگ اٹھے" سباس گل کا "عشق والا لو"

"دست مسیحا" سے اقتباس:

امل تم نے ایک نظم سنائی تھی۔ "کہیں کوئی دست مسیحا نہیں ہے" اس نے ذرا کی ذرا حیران کھڑی امل کو دیکھا' لیکن دست مسیحا تو ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوق سے محبت کرنے والا۔ میرا رب جب ڈاکٹر احسن اور ثمرین احسن کو موحد دیتا ہے تو موحد کے لیے ڈاکٹر عثمان ملک اور زینب عثمان کو دست مسیحا بنا دیتا ہے جو عجو اور عفان کے لیے اور ان جیسے کئی بچوں کے لیے ثمرین ملک اور عبدالستار ایدھی بنا کر اس دنیا میں بھیج دیتا ہے۔

"تم بن" سے اقتباس:

ماں کے تانے بانے احساسات کی کھڈی پر تب تک تن سکتے ہیں جب جولاہے کو دھاگے کی حساسیت کی جانچ ہو۔ اس کی جانچ شروع سے کمزور تھی۔

اقرا ممتاز۔۔۔ بھاگٹانوالہ' سرگودھا

1۔ جی ہاں ہونا چاہیے۔ وہ بھی بس اپنی فیملی کے ساتھ۔ نہیں میں باقاعدہ سالگرہ نہیں مناتی' لیکن سب وش ضرور کرتے ہیں۔

میری اب تک کی زندگی میں مبارک باد کا سب سے خوب صورت اظہار میری کزنز نے کیا تھا۔ مجھے پتا بھی نہیں چلا ان لوگوں نے غبارے وغیرہ ایک کمرے میں لگائے' کیک منگوایا۔ پھر میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر کمرے میں لے کر گئی' تو میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ تھینکس شمائلہ' انوشا' اقرا مشتاق۔

2۔ ہاں' میری سسٹر ثمینہ ممتاز اور کزن صائمہ مشتاق ان دونوں کی سالگرہ' ثمینہ ممتاز کی کیم نومبر اور صائمہ مشتاق کی 10 نومبر کو سالگرہ پر ان کو گفٹ دیا۔ دونوں دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ ہاں ایک دفعہ میرے بھائی محسن ممتاز نے گفٹ دیا مجھ کو' کیا بتاؤ جیسے ہی کھولا میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچی بھلا اس میں کیا تھا' گفٹ میں بھائی نے مینڈک پیک کر کے دیا' جس کو دیکھتے ہی میری چیخ نکل گئی۔

3۔ جی ہاں شبینہ گل کا ناولٹ جو اکتوبر 2016ء کے شمارے میں تھا' اس کہانی کا نام "ہم نے تو بس عشق ہے کیا" بہت پسند آئی۔ اس کہانی کی ایک نظم بہت پسند آیا'

اس نظم کو پڑھ کر اپنی ڈائری میں لکھ دیا۔ وہ نظم یہ ہے۔

آج اپنے رنگوں سے بچھڑی ہیں یہ تصویریں
ہاتھوں میں کہیں ٹوٹ رہی ہیں مل کر دو تقدیریں
دنیا یہ جیت گئی یہ دل ہار گیا
نہیں سوچا تھا مل کر کبھی ہوں گے جدا
او خدا.....
بتادے کیا لکیروں میں لکھا
ہم نے تو
ہم نے تو بس عشق ہے کیا
ہم نے تو بس عشق ہے کیا

ارم کمال..... فیصل آباد

سب سے پہلے میری طرف سے کرن کو سالگرہ نمبر کی بہت بہت مبارک ہو۔ خدا ہمارے کرن کو ہمیشہ چمکتا اور دمکتا رکھے۔ (آمین)

1 ۔ آج کل زندگی بہت تنگ ہو گئی ہے۔ دن بہ دن ٹینشن اور پریشانیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ اس لیے اپنے آپ کو ریلیکس کرنے کے لیے کچھ تھوڑا سا روٹین سے ہٹ کر ہونا چاہیے۔ تاکہ آپ ری چارج ہو سکیں۔ اس لیے گھر کی فیملی ممبرز کے ساتھ سالگرہ کا اہتمام ہونا چاہیے' جہاں تک باقاعدہ سالگرہ منانے کی بات ہے تو میری پیاری امی جان (اللہ انہیں صحت والی لمبی عمر عطا فرمائے' آمین) ہم سب بہن' بھائیوں کی سالگرائیں مناتی تھیں۔ جس بچے کی سالگرہ ہوتی تھی کیک اور دیگر لوازیات کے علاوہ اس کی پسند کی ڈش بھی اس دن بنائی جاتی تھی۔ شادی سے پہلے میری بیسٹ فرینڈ دردانہ مجھے برتھ ڈے وش کرتی تھی اور اتنے خوب صورت لفظوں اور دعاؤں کے ساتھ کہ میرا سیروں خون بڑھ جاتا تھا۔

2 ۔ عام سے گفٹ تو میری کئی فرینڈز دیتی تھیں' لیکن میری ایک فرینڈ نے مجھے گفٹ دے کر حیران کر دیا۔ جب میں نے گفٹ کھولا تو اس میں دو چوزے دبک کر بیٹھے تھے۔

میں پہلے حیران ہوئی' پھر چیخ مار کر دور بھاگ گئی' یہ واقعہ مجھے آج بھی یاد آتا ہے تو لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتا ہے۔

3 ۔ 2016ء میں کرن میں شائع ہونے والی تمام تحریریں ٹاپ آف لسٹ رہیں' کسی ایک کا نام لینا زیادتی ہے۔

اقتباس:۔ آپ سوچیں' بار بار سوچیں اور پھر قدم اٹھائیں۔ آپ مسائل سے بچتے چلے جائیں گے۔ اچھی زندگی کے چھ اصول ہیں' دعا سے قبل اللہ پر یقین رکھیں' بولنے سے قبل سنیں' خرچ کرنے سے قبل کمائیں' ہمت ہارنے سے قبل کوشش کریں' مرنے سے قبل زندہ رہیں اور لکھنے سے قبل سوچیں' شان دار اور قابل رشک زندگی گزاریں گے۔ پسندیدہ شعر۔

ویسے رہا کرو کہ کرے کوئی آرزو
ایسا چلن چلو کہ زمانہ مثال دے

صائمہ مشتاق..... بھاگٹانوالہ' سرگودھا

1 ۔ اگر آپ کے پاس اپنے پیاروں کا ساتھ ہو تو ضرور' کیونکہ یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہی ہوتی ہیں' جب سب ساتھ مل کر انجوائے کرتے ہیں۔ نہیں میں اپنی سالگرہ نہیں مناتی' ہاں شادی کی اینی ورسری منائی تھی 29 دسمبر کو۔

میری زندگی میں میری پھوپھو جانی ان کا نام شگفتہ منظور ہے۔ میری وہ بہن بھی ہیں اور سہیلی بھی۔ ان کا انداز وش کرنے کا کمال کا ہوتا ہے۔ جب وہ میرے ساتھ رہتی تھیں تو سب سے پہلے جب میں سو رہی ہوتی ہوں تو وہ میرا گفٹ اور کارڈ میرے پاس رکھ جاتی تھیں۔ جب میری آنکھ کھلتی تو دیکھ کر ایک دم حیران ہو جاتی اور خوشی بھی ہوتی' اس طرح میرے دل میں اور ان کے لیے زیادہ محبت کا جذبہ بڑھ جاتا' آئی لو یو پھوپھو جانی۔

2 ۔ ہاں' ایک دفعہ ہماری پرنسپل مس سلامت کی سالگرہ تھی تو ہم لوگوں نے سب بچوں نے مل کر گفٹ لیا اور کیک منگوایا' جب میں اسکول آئی تو سارے بچے ایک کمرے میں چھپ گئے' جیسے ہی انہوں نے دروازہ کھولا تو سب نے یک زبان ہو کر ہیپی برتھ ڈے ٹو یو کہا تو مس کے چہرے پر جو خوشی تھی ہم دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

3 ۔ 2016ء میں کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر لاجواب تھی۔ لیکن جو مجھے سب سے زیادہ پسند آئی وہ نگہت سیما کا مکمل ناول "دست مسیحا" بہت پسند آئی' ایسے موضوع پر کسی نے کوئی تحریر نہیں لکھی۔ لیکن نگہت سیما کی یہ کاوش اچھی لگی۔ جو مجھے خوب صورت لگا وہ جملہ یہ ہے۔

"میرا بڑا دل چاہتا ہے کہ کبھی ماما تھوڑی دیر کے لیے زندہ ہو جائیں اور میں دیکھوں کہ وہ کیسی تھیں اور کیسے وہ لوگ ہوتے ہیں جن سے ایسے عشق کیا جاتا ہے جیسے پاپا

نے ماما سے کیا۔ ان کے جانے کے بعد بھی... تصویروں سے تو کچھ پتا نہیں چلتا نا۔ میں تو یہ دیکھنا چاہتی ہوں وہ کیسے بات کرتی تھیں، کیسے چلتی تھیں اور کیسے ہنستی تھیں۔"

سیدہ ثوبیہ سجاد... کھروڑپکا

1 ۔ ہو یا نہ ہو خاص فرق نہیں پڑتا۔ ہاں دوستوں کے مسیج کا انتظار ہوتا ہے۔ کچھ سال پہلے تک تو مناتی تھی، اب کم کردی ہے۔ سب سے پہلے میری آنٹی شازیہ وش کرتی ہیں اور ان کا انتظار بھی ہوتا ہے۔ سب سے خوب صورت اظہار بھی ابھی تک انہی کا تھا۔ 2014ء میں کزن نے حفظ کیا تھا۔ اس کی آمین پر گئے ہوئے تھے تو آنٹی نے رات کو 12 بجے بلایا اور کہا کہ ضروری بات کرنی ہے اور نظم سنائی۔ "آج تمہاری سالگرہ ہے" دیکھو ہم کو یاد ہے نہ" وہ دن آج تک یاد ہے اور آسیہ آنٹی بھی چھ بجے تک فون کرکے وش کرلیتی ہیں تو ان کا بھی انتظار ہوتا ہے۔

2 ۔ تحفے کے بارے میں کیا بتاؤں، ہر سال عید اور سالگرہ پر بھول جاتی ہوں کہ میں نے کسی کو کیا دیا تھا اور مجھے کیا ملا تھا۔

3 ۔ بہت سی تحریریں اچھی تھیں جولائی میں "خواب، خواہش اور زندگی" بشریٰ ماہا کی پسند آئی اور شعر تو بے شمار متاثر کرتے ہیں۔ خصوصاً "ناصر کاظمی کے تمام اشعار۔ محسن نقوی کا یہ شعر

خوشبو کسی تشہیر کی محتاج نہیں ہوتی
سچا ہوں مگر اپنی وکالت نہیں کرتا

اور...

ملیں گی ہم کو ہمارے نصیب کی خوشیاں
بس انتظار ہے کہ کب یہ کمال ہونا ہے

فائزہ بھٹی... پتوکی

1 ۔ جہاں تک میرے خیال کی بات ہے، تو میں کہوں گی سالگرہ ہونی چاہیے۔ یہ نہیں کہ سالگرہ منانی ہے تو بڑے پیمانے پر ہی منائی جائے۔ بس اتنا ہو کہ گھر کے آنگن سے ایک خوش نما پھول توڑا جائے اور سالگرہ والے بندے کو خود جاکر مسکراتے ہوئے چہرے اور چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ دے دو۔ اس سے سامنے والے کے چہرے پر جو خوشی اور رونق دیکھنے کو ملتی ہے اور اوپر سے یہ الفاظ "تمہیں آج بھی یاد تھا" بندے کو اپنے سارے گناہ، ساری غلطیاں درست ہوتی معلوم ہوتی ہیں۔

مجھے اپنی ساری کزنز، سیکنڈ کزنز کی برتھ ڈے، میرج اینی ورسری، ان کے بچوں کی سالگرہ یاد رہتی ہیں۔ ان سب کو وش کرنا میں اپنا فرض سمجھتی ہوں۔ مجھ سے اکثر لوگ پوچھتے ہیں، "تم نے تاریخیں ڈائری میں لکھ کر رکھی ہوئی ہیں کیا؟ کسی کی بھولتی نہیں ہو،" میں مسکراتے ہوئے جواب میں نہیں میں سر ہلا دیتی ہوں۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ سالگرہ والے بندے کو سالگرہ بھولی ہوتی ہے۔ میرے وش کرنے پر اس کی جو حالت ہوئی ہے "کیا کہنے۔ بقول فرح، جس کو اپنی سالگرہ یاد نہیں فائزہ سے پوچھ لے۔ بالکل صحیح بتائے گی۔

جس دن میری سالگرہ ہوتی ہے 5 مئی کو تو صبح میرے اٹھنے سے پہلے میرے سرہانے رابعہ اور سعدیہ کی طرف سے پھول پڑے ہوتے ہیں۔ ناشتا بنانے سے پہلے پہلے دیوار پار سے کزنز بھی آن موجود ہوتی ہیں۔ ہمارے آنگن سے پھول توڑ کر مجھے وش کریں گی۔ مجھے چوڑیاں بڑی پسند ہیں تو زیادہ تر کزنز چوڑیاں دیتی ہیں، میری پسند کی۔

2 ۔ سالگرہ پر عالیہ نے پچھلی بار "یہ چاہتیں یہ شدتیں" سمیرا شریف طور کا گفٹ کیا تھا۔ میری بڑی خواہش تھی یہ ناول میرے پاس ہو جس کو اس نے پورا کیا۔ شیری نے گندی خراب آئس کریم کھلائی۔ وہ نہیں بھولی۔ (بچو تیری باری پر ایسا ہی کروں گی) اور برگر لے کر ہوا ہوگیا اور جہاں تک میرے دینے کا سوال ہے تو رابعہ کو ایک ٹاپس اور انگوٹھی کا سیٹ بڑا پسند تھا مگر اس کے پاس رقم کم تھی۔ اس کی سالگرہ پر میں نے اور سعدیہ نے اپنی بچی کچی (ڈائجسٹوں سے) رقم سے وہ لے کر دیا، جس پر وہ حیران ہونے کے ساتھ بڑی خوش ہوئی، ہر ایک کو وہ دکھایا کہ میرا پسندیدہ گفٹ یہ ہے۔

3 ۔ 2016ء میں "شاید" کا اختتام ہوا۔ ایک خوب صورت ناول۔ نایاب جیلانی کا "دل ٹوٹ کے ہارا ہے" جس نے بڑے دلوں کو پکڑے رکھا۔ وہ بھی۔ آسیہ مرزا کا ایک خوب صورت ناول شروع ہوا۔ جنوری میں بشریٰ گوندل کا ناول "تم یاد بہت آئے" فروری میں شبینہ گل "برسات محبت کی" مارچ میں "تم بن" مصباح علی کا۔ اپریل میں دیا شیرازی "مٹھی بھر یقین" نازیہ جمال "دل آباد

کریں" اور انیلا کرن "جو لکھا تھا میرے نصیب میں" مئی میں "دست مسیحا" نگہت سیما بنت سحر "عشق چاند چکور" جون میں فاخرہ گل "عید ایسی بھی ہوتی ہے۔" جولائی میں مہوش افتخار کا "سنگ پارس" اور نادیہ احمد کا "او رے پیا" اگست میں کائنات غزل کا "در پردہ محبت" اور دیا شیرازی "تم دینا ساتھ میرا" ستمبر میں مصباح علی کا "مانگ کا تارا" بشریٰ ماہا کا "عہد محبت" اکتوبر میں شبینہ گل "ہم نے تو بس عشق ہے کیا" نومبر میں سب سے اوپر سارے ناولوں میں اچھا نایاب جیلانی کا "جاشین" نایاب ہم تو ابھی فاتح رافع اور زرجان عباس میں اٹکے تھے کہ ریان تو ایسا جکڑا ہے کہ کم بخت جکڑ ہی لیا ہے۔ دسمبر میں بہترین ناول "گل کہسار" فرح بخاری۔

شعر اور اقتباسات بہت سارے ہیں، کسی ایک کا نام لینا غیر ضروری ہے اور ویسے بھی اتنے سارے ناموں میں فیصلہ مشکل ہے۔ کیونکہ لکھنے والے اتنے اچھے اور بہت سارے ہیں جنہوں نے ہمارے دلوں کو چھوا تو کسی ایک کا نام دوسرے کے ساتھ زیادتی ہوگی، وہ بھی بہت بڑی۔

حافظہ رملہ مشتاق۔۔۔ حاصل پور

سب سے پہلے ادارہ کرن، مصنفین و قارئین کو کرن کی سالگرہ کی مبارک باد۔

1 ۔ میرے خیال میں سالگرہ کا اہتمام سراسر فضول خرچی ہے اور وقت کا ضیاع بھی ہے، اس لیے اہتمام نہیں ہونا چاہیے، لیکن کبھی کبھار انجوائے کے لیے یا بچوں کو خوش کرنے کے لیے گھر میں چھوٹا موٹا اہتمام کر لینے میں کوئی حرج نہیں، انسان کو تھوڑی فریش نس مل جاتی ہے۔ ویسے بھی زندگی کا ایک سال کم ہو گیا ہوتا ہے تو اس پر اتنا زیادہ اہتمام کرنا اور خوش ہونا عجیب سا لگتا ہے اور مجھے تو افسوس اس بات کا ہوتا ہے کہ گزرے سال میں کون ہم سے خوش ہوا اور کون ناخوش، جو احکام اللہ کو کیے ہیں، وہ بھی ادا کر پائے یا ہمارا کاسہ عمل خالی رہ گئے۔ نہیں ہم سالگرہ باقاعدہ تو کیا سرے سے مناتے ہی نہیں، پہلے جب بھائی چھوٹا ہوتا تھا تو

تب ابو اس کی سالگرہ والے دن کیک اور مٹھائی بازار سے لے آتے۔ کیک ہم سب مل کے کھا لیتے اور مٹھائی بانٹ دیتے تھوڑا تھوڑا کیک بھی دیتے تھے۔ ہمارا بھائی ہم چاروں بہنوں سے چھوٹا ہے۔ اس لیے سب کا لاڈلا بھی ہے، ہم سب کو اس کو کیک کھلا کر خوشی ہوتی تھی۔ لیکن اب تو کب کا چھوڑ چکے اس کو بڑے جو ہو گئے۔ پہلے تو کبھی نہیں، لیکن اب دو تین سال سے میری فرینڈ عائشہ مجھے وش کرنا نہیں بھولتی اور بہت خوب صورت طریقے سے اظہار کرتی ہے، ظاہر ہے کوئی خلوص سے ہمیں دعا دے تو اچھا کس کو نہیں لگتا؟ مجھے بہت خوشی ہوتی ہے کہ کسی کو تو ہماری سالگرہ کا دن اور وش کرنا یاد ہے، بہت اچھا لگتا ہے۔

2 ۔ نو کوئی گفٹ نہیں، کیونکہ ہمارے خاندان میں اس طرح کے فنکشن نہیں منائے جاتے، پھر گفٹ ایک دوسرے کو کیسے دیں۔ ہاں! عید وغیرہ پہ گفٹ، کارڈ ایک دوسرے کو دیتی ہیں۔ ایک بار ایک "حیران کن" گفٹ ملا تھا، لیکن افسوس وہ بھی سسٹر کی شادی پہ کسی نے اٹھا لیا تھا۔

3 ۔ 2016ء میں شائع ہونے والی تمام تحاریر ہی اپنی اپنی جگہ بہت منفرد تھیں۔ تمام رائٹرز نے بہت محنت اور جدوجہد سے لکھا، کسی ایک کا نام لینے سے ناانصافی ہوگی، میں چاہنے کے باوجود بھی الگ سے نام نہیں لکھ سکوں گی، کیونکہ میں خود حساس بہت ہوں، ویسے تو تمام شاعری ہی بہت اچھی ہوتی ہے ہمیشہ، لیکن پھر بھی ایک شعر جو مجھے بھولا نہیں وشال فرحان کا۔

اک نگاہ برقلی ایک بول پتھر کا
آدمی مرتا نہیں صرف خون بہنے سے

یہ محبت تجھے ولی کردے
گر تو سیکھ لے وفا کرنا، واقعی

محبت ذات ہوتی ہے
محبت ذات کی تکمیل ہوتی ہے

☆ ☆

آسیہ مرزا

من موکھ کی بات سناؤ

عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہے۔ وہ اپنی بیوی مومنہ کو طلاق دے کر اپنے بیٹے حازم کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور دوسری شادی عاظمہ سے کرلیتا ہے۔ حازم اپنی ماں عاظمہ اور بھائی بابر کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے، مگر اپنے باپ عباد گیلانی کی بیماری کی وجہ سے فکرمند رہتا ہے۔ جب کہ عاظمہ اور بابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ عباد گیلانی کو اپنی بیماری میں احساس ہوا ہے کہ اس نے حازم کی ماں مومنہ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ عباد گیلانی مومنہ کے باپ یاور علی کو بلاتا ہے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے اور حازم کو خاص طور سے اس کے نانا یاور علی سے ملواتا ہے، مگر حازم اپنے نانا سے مل کر اچھے تاثرات کا اظہار نہیں کرتا، مگر بعد میں اپنے باپ کی خواہش پر ان کے ساتھ اپنے نانا کے گھر جاتا ہے اور اپنی ماں مومنہ سے ملتا ہے۔ ماں سے مل کے تمام شکوے بھول جاتا ہے اور اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے اس کی ماں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔

حوریہ مومنہ کی بھتیجی سے بے حد محبت کرتی ہے اور مومنہ بھی اسے بے تحاشا چاہتی ہے' حازم جب حوریہ کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں حوریہ کے لیے پسندیدگی کے جذبات ابھرتے ہیں اور یہی حال حوریہ کا بھی ہوتا ہے۔ عباد گیلانی حوریہ سے مل کر بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ حوریہ میں اسے مومنہ کا عکس نظر آتا ہے اور حازم سے پوچھ کر اس کے نانا یادر علی سے دونوں کی شادی کی بات کرتا ہے۔

حوریہ اپنی دوست فضا سے بہت محبت کرتی ہے' فضا کی ایک امیرزادے سے دوستی ہے اور وہ گھر والوں سے چھپ کر اس سے ملتی ہے۔ حوریہ کو اس بات سے اختلاف ہے' وہ فضا کو بہت سمجھاتی ہے کہ اس راستے پر نہ چلے' مگر فضا نہ مانی اور آخر کار ایک دن محبت کے نام پر بربادی اپنی قسمت میں لکھوا لیتی ہے اور اس بات کا پتا اس کی سوتیلی ماں جہاں آرا کو چل جاتا ہے اور وہ اپنے بھانجے نصیر سے اس کی شادی کرنے کا پروگرام بنالیتی ہے جبکہ فضا اس پر راضی نہیں ہوتی حوریہ کو جب پتا چلتا ہے تو وہ فضا کو سمجھاتی ہے اس امیرزادے کو کہے کہ وہ اس سے شادی کرے اور فضا اس کو مجبور کرتی ہے کہ یہ بات وہ خود اس کو سمجھائے اور فضا کے مجبور کرنے پر جب وہ بابر سے ملتی ہے تو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوتا ہے بابر سے ہرگز نہیں ملنا چاہیے تھا اور اس بات پہ بھی افسوس ہوتا ہے کہ اس نے ایک غلط لڑکی کو دوست بنایا.... (اب آگے

چودہویں قسط

دشت تنہائی میں اے جان جہاں لرزاں ہیں
تیری آواز کے سائے' تیرے ہونٹوں کے گلاب
دشت تنہائی میں دوری کے خس و خاک تلے
کھل رہے ہیں تیرے پہلو کے سمن اور گلاب
اٹھ رہی ہے کہیں قربت سے تیری سانس کی آنچ
اپنی خوشبو میں سلگتی ہوئی مدھم مدھم

حازم کی خواب گاہ اسی طرح سجی ہوئی تھی۔ جیسی وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ ہر شے اپنی جگہ قرینے سے رکھی تھی۔ ہاں بس ایک اس کا دل ہی تو بکھرا تھا' ٹوٹا تھا۔

اس نے کمپیوٹر کی ٹیبل کی سطح پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا لیپ ٹاپ سامنے رکھا ہوا تھا مگر اسے استعمال کرنے والا موجود نہیں رہا تھا۔

اس نے گل دان میں سجے پھولوں کے خوش نما بنچ کو آہستگی سے نکالا اور ڈسٹ بن کی نذر کر دیا۔ ایک پل کے لیے اس کا دل لرزا..... گویا بہت کچھ یاد سا آیا۔

''ارے رے..... یہ کیا کر رہے ہیں آپ!'' وہ حازم کو پھولوں کے خوش نما گچھے کو ڈسٹ بن میں پھینکتے دیکھ کر تڑپ گئی تھی۔ ''ڈسٹ بن میں پھینکتے ہیں بھلا پھولوں کو۔''

''تو کہاں پھینکوں۔ بالکل مرجھا گئے ہیں' کچرا ہو رہا ہے۔ یہاں۔'' وہ قدرے متعجب ہوا تھا اور اس کے اس جذباتی پن پر اسے گھورا بھی تھا۔

''اسی لیے مجھے پھولوں کو شاخوں سے جدا کرنا پسند نہیں ہے پتا نہیں کیوں میں پھولوں کی ایسی درگت دیکھ نہیں سکتی۔'' وہ ڈسٹ بن سے پھولوں کو سمیٹ کر اٹھانے لگی۔

''کم آن حوریہ..... کیا کر رہی ہو۔ پھینکو اسے۔''

''نہیں کیاری میں ڈال دیتی ہوں۔ مٹی میں مل جائیں گے۔'' اس نے بڑی سی کھڑکی کی سلائیڈ کھول کر احتیاط سے اس گچھے کو کیاری میں ڈال دیا۔ حازم کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ بکھر آئی۔

محبت کرتی ہو پھولوں سے۔ بہت پسند ہیں تمہیں۔۔۔ ہوں۔" وہ اس کے نزدیک چلا آیا۔ اس پل حازم کو عنابی کپڑوں میں ایک مہکتا ہوا تر و تازہ پھول ہی دکھائی دے رہی تھی۔ جس کی خوشبو سے اس کے شب و روز مہک رہے تھے۔ یہ اس کی شادی کا چوتھا روز تھا اور یہ گل دستہ اس کی شادی کی رات۔ یہاں سجایا گیا تھا جو اب مرجھا چکا تھا۔

"پھولوں سے بھلا کس کو محبت نہ ہوگی۔ انہیں کون ناپسند کر سکتا ہے۔"

"چلو۔ پھر کل میں یہ پورا کمرہ پھولوں سے سجا دیتا ہوں۔ ہر طرف پھول ہی پھول نظر آئیں گے تمہیں۔"

"ہرگز نہیں۔ مجھے پھول کو توڑنا بالکل پسند نہیں ہے۔ انہیں شاخوں پر ہی لہراتا دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ یہ شاخ سے جڑے رہیں تو بے حد خوش نما اور تر و تازہ دکھائی دیتے ہیں۔"

"ہم۔۔۔ م۔" حازم نے بہ نظر غور سے اسے دیکھا۔ "اس وقت تم بھی مجھے ایک پھول ہی دکھائی دے رہی ہو شاخ پر جھولتا ہوا" "تر و تازہ۔ مہکتا ہوا۔" اس نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔ حوریہ کی پلکیں شرم سے جھک گئیں۔ اس کے رخسار اس کے لمس کی شدت سے تپنے لگے۔

دور افق پار چمکتی ہوئی قطرہ قطرہ
گر رہی ہے تیری دل دار نظر کی شبنم
اس قدر پیار سے اے جان جہاں رکھا ہے
دل کے رخسار پہ اس وقت تیری یاد نے ہاتھ
یوں گماں ہوتا ہے گرچہ ہے ابھی صبح فراق
ڈھل گیا ہجر کا دن، آ بھی گئی وصل کی رات

وہ نڈھال سی بیڈ کے کونے میں گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ کئی قطرے اس کے بجھے بجھے رخساروں پر پھسل کر گرے تھے۔

شوہر بھی تو ایک تناور مضبوط شاخ کی مانند ہوتا ہے جس پر عورت پھول بن کر پورے مان اور مضبوطی سے لہلہاتی ہے۔ جب شاخ ہی نہ رہے تو پھول کیسے تر و تازہ رہ سکتا ہے۔

اسے لگا وہ گیلانی ہاؤس میں آکر نئے سرے سے بکھر رہی ہو۔ خود کو سمیٹنے اور جوڑے رکھنے کا عمل یکسر بکھر کر رہ گیا ہو۔

علی شاہ روم سے باہر تھا۔ عباد گیلانی اور عاطمہ کے پاس۔ جبکہ وہ خود اپنی خواب گاہ میں حازم کی یادوں سے الجھ رہی تھی۔ بکھر رہی تھی۔

رائٹنگ ٹیبل پر اس کی سیاہ جلد والی ڈائری رکھی تھی جس میں اس کا مخصوص قلم دبا ہوا تھا۔ اس کی رسٹ واچ رکھی تھی، یہ وہی رسٹ واچ تھی جو اس نے اسلام آباد جانے سے پہلے پہنی تھی پھر یہیں رکھ دی تھی۔ اس نے یہ رسٹ واچ اٹھائی اور اسے لبوں سے لگالیا۔

اس کی آنکھوں کی سنہری جھیلوں میں نمی کے قطرے ایک بار پھر تیزی سے جھلملانے لگے۔ جنہیں وہ پلکوں کی نازک باڑھ کو جھپک کر روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"حازم! یہ فاصلے یہ قربتیں۔ بے حقیقت مہریں ہیں۔ میں تمہاری موجودگی کے احساس سے ایک پل کے لیے بھی نہیں نکل پائی۔۔۔ شاید جدائیاں ہی محبت کو عشق بنادیتی ہیں۔"

وہ دیر تک اس کی ڈائری' اس کی رسٹ واچ کو آنکھوں سے لگاتی رہی۔ اچانک دروازے پر کھٹکا ہوا تو اس نے سینے سے لگائی ڈائری آہستگی سے رائٹنگ ٹیبل پر رکھ دی اور ڈھلتی چادر کو بدن پر اور سر پر پھیلانے لگی۔

عباد گیلانی اندر داخل ہوئے تھے امیر علی ان کی وہیل چیئر چلا رہا تھا۔ ان کی گود میں علی شاہ تھا جو سو چکا تھا۔

"یہ شاید اس کے سونے کا وقت تھا میں نے ناحق اسے پریشان کر دیا۔" انہوں نے سوئے ہوئے علی شاہ کو اپنے کمزور ہاتھوں سے اٹھا کر حوریہ کی طرف بڑھا دیا۔

"نہیں یہ اس کے سونے کا وقت تو نہیں تھا۔" حوریہ نے علی شاہ پر نگاہ ڈالی۔ "کچی نیند ہے بس ابھی تھوڑی دیر میں دوبارہ اٹھ جائے گا۔" وہ ہلکی سانس بھرتے ہوئے بولی۔ "اپنے پاپا کی طرح یہ بھی کبھی کبھی یوں ہی کچی نیند لے لیتا ہے۔" بظاہر وہ مسکرائی تھی۔ مگر یک دم کمرے میں لمحہ بھر کے لیے مضمحل فضا طاری ہو گئی۔

عباد گیلانی کو اپنا دل اسی فضا کا ایک حصہ معلوم ہونے لگا۔ سفید چادر کے ہالے میں حوریہ کا چہرہ حزن و یاس کی تصویر تھا عباد گیلانی کے دل پر چوٹ سی پڑی۔

"اسے سلا دو۔" وہ اسے علی شاہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولے۔ حوریہ احتیاط سے اسے بیڈ پر سلانے لگی پھر خود بھی بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔

"میں جانتا ہوں۔ تمہیں یہاں آکر نئے سرے سے اسی تکلیف سے گزرنا پڑ رہا ہے جس تکلیف اور اذیت کو تم بھلانے کی کوشش کرتی رہی ہو گی۔" ایک دو لمحے توقف کے بعد عباد گیلانی آہستگی سے گویا ہوئے۔ "اب سب کچھ پہلے جیسا نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی بدصورتی ہمیں اس وقت دکھائی دیتی ہے جب ہم کسی کے بچھڑنے کے عمل سے گزرتے ہیں۔ میں دوسری بار اپنی کسی بے حد پیاری شے کے کھونے کے غم سے دوچار ہوا ہوں۔" ان کے لہجے میں گہرا حزن تھا یاس کی کیفیت تھی بہت کچھ کھو جانے کا دھواں آنکھوں میں تھا۔ حوریہ ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہاں! مومنہ سے بچھڑنے کے بعد میں نے زندگی سے بہت کچھ سیکھا۔ اس کی حقیقت کو سمجھا۔ جو بے حد قریب ہوتے ہیں ان سے بچھڑنا موت سے کم نہیں ہوتا۔ ایسی موت جو بار بار آئے۔"

"صاحب!" امیر علی انہیں تکلیف میں دیکھ کر جلدی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "آپ کی طبیعت پھر بگڑ جائے گی۔ ایسی باتیں نہ کریں صاحب۔"

"نہیں امیر علی۔ مجھے مت ٹوکو۔" انہوں نے کمزور سی سانس کھینچ کر امیر علی کے ہاتھ کو ہلکے سے تھپکا۔ اور حوریہ کی طرف دیکھا۔ جو عباد گیلانی کے سامنے سر جھکائے ان کے دکھ کو محسوس کر رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے امیر علی! حازم کے جانے کے بعد میں کتنا اکیلا ہو گیا ہوں۔ مگر اب حوریہ کے آنے سے ایسا لگتا ہے جیسے میرا درد محسوس کرنے والا بھی کوئی ہے۔ مجھے اس سے باتیں کرنے سے مت روکا کرو امیر علی۔" حوریہ کا دل بری طرح دکھنے لگا۔

"آپ بہت حوصلہ مند ہیں پاپا۔ اولاد کو کھونے کا غم بہت بڑا ہوتا ہے۔"

"ہاں خاص کر بڑھاپے میں۔" وہ افسردگی سے مسکرائے۔ "میں اس اذیت سے دوسری بار گزر رہا ہوں۔ پہلی بار جب مومنہ میری زندگی سے نکل گئی۔ بے شک اس کا احساس دیر سے ہوا مگر جب ہوا تو پھر۔ سب کچھ ہی بہا کر لے گیا اپنے ساتھ۔" ان کی آواز جیسے ٹوٹنے لگی۔۔۔ امیر علی جلدی سے پانی کا گلاس بھرنے لگا۔ پھر ان کی طرف بڑھا دیا۔

عباد گیلانی افسردگی سے ہنس دیے۔

"کتنا پانی پلاؤ گے امیر علی۔ یہ آگ اس پانی سے بجھنے والی نہیں۔ یہ تو بس اپنے وقت پر بجھتی ہے۔"
"امیر علی ٹھیک کہہ رہا ہے پاپا۔ آپ کی طبیعت بگڑ جائے گی۔" حوریہ نے امیر علی کے ہاتھ سے گلاس لے کر ان کی طرف بڑھایا۔
عباد گیلانی اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر ایک گھونٹ بھر کر گلاس واپس کر دیا پھر حوریہ کے سر پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔
"تم بہت سمجھ دار اور ایک صابر لڑکی ہو۔ تم مومنہ اور ریاور علی جیسے انسانوں کے زیر سایا رہی ہو۔ تم میں بے حد خوبیاں ہیں۔" پھر جیسے کسی خیال کے سحر کو جھٹک کر اسے ہلکے سے تھپکتے ہوئے بولے۔ "تمہارے سامنے ابھی لمبی زندگی پڑی ہے اسے اسی طرح رو کر نہیں گزارہ جا سکتا بیٹا۔ حازم اور تمہارا ساتھ تقدیر میں اتنا ہی لکھا تھا خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔ یوں اداس مت رہو۔ یہ دیکھو۔ کتنا پیارا ہے بچہ۔" وہ علی شاہ کی طرف دیکھنے لگے۔
جواب اپنی سنہری دمکتی آنکھیں کھولے ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے اس کے سرخ سرخ رخسار پر ہاتھ پھیرا۔ حوریہ کی توجہ بھی علی شاہ کی طرف ہو گئی۔
"میں نے کہا تھا نا یہ جاگ جائے گا، کچی نیند ہے اس کی۔"
"ہوں۔" عباد گیلانی مسکرائے پھر جھک کر اس کے ننھے نازک سے رخسار پر ہلکے سے بوسہ دے کر ایک پر آسودہ سانس بھری۔
"اسے دیکھ کر تو میرے مردہ وجود میں جیسے جان سی پڑ جاتی ہے۔" وہ وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے بولے امیر علی نے جلدی سے ان کی کرسی کو تھاما۔
"ابھی اسپتال جانا ہے اسپتال سے آ کر اس کے ساتھ کھیلوں گا۔" وہ علی شاہ پر پیار بھری نگاہ ڈال کر کمرے سے نکل گئے۔

✡ ✡ ✡

صبح صبح نفیسہ جاگتے علی شاہ کو روم سے لے گئی تھی یہ کہہ کر بابر صاحب اسے یاد کر رہے ہیں۔ وہ فقط صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھی اور بابر سے کوئی گھنٹہ بھر بعد ناشتے کی میز پر اس کا آمنا سامنا ہوا تھا۔
"ہیلو خوش آمدید۔" وہ ناشتے کی میز پر اکیلی تھی جب وہ نمودار ہوا تھا۔ عباد گیلانی کا ناشتا روم میں ہی دیا جاتا تھا۔ عاظمہ موبائل پر کسی کی کال آجانے کے باعث درمیان سے اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ "مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ تمہیں یہاں دیکھ کر اپنے اصل مقام پر۔ آئی مین کہ اپنے گھر میں۔"
وہ کرسی کھینچ کر عین اسی کے مقابل بیٹھ گیا۔ جوگنگ کے باعث اس کا چہرہ بے حد سرخ ہو رہا تھا۔ انگلیوں کے جوڑوں میں بھی سرخی نمایاں تھی۔ چھوٹا سا تولیا اس کی گردن میں لپٹا ہوا تھا۔
حوریہ نے بس اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی تھی اور نفرت سے نظریں پھیر لیں۔
"میں تمہارے بڑے بھائی کی بیوی اور اب بیوہ ہونے کے ناطے ایک بے حد رسپیکٹڈ رشتے سے وابستہ ہوں۔ تم مجھے "آپ" کہہ کر بات کرو تو بہتر ہے یوں رشتوں کا تقدس برقرار رہتا ہے۔" وہ ناشتے سے یک دم ہاتھ کھینچ گئی تھی۔ بابر ہلکے سے ہنسا اور میز پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔
"میرا خیال ہے خوش گوار ماحول میں بریک فاسٹ ہونا چاہیے۔ یوں بھی خالی پیٹ مجھے یہ لوب و آداب بالکل بھی یاد نہیں رہتے، نہ اس طرح کے رشتے ناطے۔ بس ناشتا یاد رہتا ہے۔" پھر نظریں حوریہ کے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے بولا۔ "صبح صبح اتنی فلاسفی صحت کے لیے اچھی نہیں ہوتی۔" جواباً حوریہ ایک متاسفانہ سانس بھر

کر رہ گئی اور لب دانتوں میں دبا کر اس پر ایک چبھتی نگاہ ڈال کر کرسی دھکیل کر اٹھ گئی۔

"نفیسہ بی بی۔" فریج سے بابر کے لیے جوس نکالتی نفیسہ پلٹ کر حوریہ کی آواز پر آئی۔

"بی بی میری چائے میرے روم میں دے جانا پلیز۔" وہ نفیسہ سے کہہ کر پلٹنے لگی۔

"بہت برا لگا ہے کیا میرا یہاں آکر بیٹھنا۔ کہو تو میں اٹھ جاتا ہوں۔" بابر بھنچے بھنچے لب و لہجے میں بولا تھا۔ وہ پلٹتے پلٹتے یک دم رکی تھی۔

"میں نے یہ کب کہا ہے۔ میں ناشتا کر چکی ہوں۔" وہ یکسر بے کیفیت لہجے میں بولی۔

"ناشتے کے نام پر آدھا ٹوسٹ کھانا ناشتا تو نہیں کہلاتا۔" وہ اس کی پلیٹ پر ایک نظر ڈال کر ابرو کو خفیف سی جنبش دے کر بولا۔

"میرا خیال ہے تم میرے ناشتے پر دھیان دینے کے بجائے اپنے کھانے پر دھیان دو یہ زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے۔" بہ ظاہر اس کا لہجہ سادہ تھا مگر اس میں چھپی کاٹ بابر کو بری طرح کاٹ گئی تھی وہ ایک پل چپ رہ گیا۔ شاید اپنے غصہ کو ضبط کر رہا تھا۔ تاہم دوسرے پل مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"تمہارا خیال رکھنا تو میرا فرض ہے۔ آخر تم میرے سوئٹ بھائی کی بیوی اوہ سوری! بیوہ ہو۔"

"چلو خوشی ہوئی کہ تم نے اسی رشتے کا حوالہ یاد رکھا ہے۔ اینڈ آئی ہوپ (اور مجھے امید ہے) آئندہ بھی یاد رکھو گے۔" وہ جھٹکے سے پلٹی اور نفیسہ سے بولی۔

"سنو۔ چائے دینے کے بعد علی شاہ کو میرے روم میں لے آنا۔"

"جی بہتر۔" نفیسہ نے جلدی سے سر ہلا دیا۔ مگر دوسرے پل وہ سٹپٹا گئی تھی۔ بابر نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے علی شاہ کو ڈسٹرب کرنے کی۔ وہ میرے بیڈ پر سو رہا ہے اسے میری اجازت کے بغیر کوئی ٹچ نہیں کرے گا۔" اسی کی آواز میں تحکم ہی نہیں وہ ساری آگ بھی تھی جو حوریہ کے لفظوں اور رویے نے بھر دی تھی۔ دھواں تو بہرحال کسی طور نکلنا تھا۔ حوریہ بس ایک پل رکی تھی' وہ جانتی تھی کہ وہ نفیسہ کو نہیں اسے سنا رہا ہے تاہم اس سے مزید الجھنے کے بجائے اپنے کشیدہ اعصاب کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

بابر نے سر اٹھا کر اسے جاتے دیکھا پھر ٹھوڑی کو ہلکی سی جنبش دے کر اپنے ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مگر آملیٹ کا ایک نوالہ کھانے کے بعد اس کے دل یک دم اچاٹ سا ہو گیا۔ وہ جوس کا گلاس اٹھا کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر دھیرے دھیرے اس کی چسکیاں بھرنے لگا۔

"ہائے۔" عاظمہ مسکراتی ہوئیں اس کی طرف چلی آئیں اور اپنا سیل فون میز پر رکھ کر کرسی کے ہتھے پر ہاتھ ٹکا کر میز پر نظریں دوڑائیں۔

"ارے حوریہ کہاں چلی گئی... بریک فاسٹ کیا اس نے یا نہیں۔"

"جی۔" نفیسہ بی بی بابر کے خوف سے بس اتنا ہی کہہ پائی اور غیر ضروری برتن میز سے سمیٹنے لگی۔

"ایکچوئلی سبینہ کی کال آگئی تھی... بہت ٹینشن میں ہے وہ۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بابر سے مخاطب تھیں۔ مگر بابر کا ذہن اس وقت گزرے واقعے کے زیر اثر تھا۔ اس کے دماغ پر عجیب سی کھولن مچی ہوئی تھی۔ حوریہ کی آنکھوں میں اپنے لیے چھلکتی نفرت وہ بارہا محسوس کر چکا تھا۔ مگر اس پل تو اسے جانے کیوں۔ شدید ذلت کا احساس ہوا تھا۔ جوس بھی اسے بدمزہ محسوس ہو رہا تھا' تاہم وہ دھیرے دھیرے چسکیاں بھرتے ہوئے اس احساس سے نجات پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ مبینہ ٹینس (پریشان) کیوں ہے۔ پوچھو گے نہیں اس کے ڈپریشن کی وجہ۔" عاظمہ سلائس پر مکھن پھیلاتے ہوئے بولیں۔ بابر نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ پھر ہلکی سی سانس کھینچ کر گلاس میز پر رکھ دیا۔

"مبینہ آنٹی کے ٹینشن ڈپریشن سے میرا کیا واسطہ مام! کہ میں وجہ معلوم کرتا پھروں۔"

"وہ لائبہ کی وجہ سے ہی ٹینس ہے۔" عاظمہ گھورتے ہوئے بولیں۔

"ہوں... اچھا۔" وہ یکسر بے کیفیت انداز میں ہنکارا بھر کر نیپکن سے منہ پونچھنے لگا۔

"یہ لائبہ بھی نا۔ پتا نہیں اسے کیا ہو گیا ہے اچھے اچھے پرپوزلز کو ریجیکٹ کر رہی ہے۔" عاظمہ کے لہجے اور انداز میں بابر کو جتانے والا تاثر تھا۔ بابر بس نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"فاروق بھائی کے کسی فرینڈ کا بیٹا ہے' اچھا خاصا لڑکا ہے' ویل آف فیملی ہے مگر وہ مان کر نہیں دے رہی ہے۔ بس ناکیے جا رہی ہے۔"

"اوکے۔ میں اب چلوں گا۔" بابر کرسی دھکیل کر اٹھنے لگا۔

"کیا مطلب... چلوں گا۔ میں تم سے بات کر رہی ہوں۔ تم اگنور (نظر انداز) کر رہے ہو۔"

"مما۔ آپ کی ان باتوں سے بھلا میرا کیا انٹرسٹ اور وہ بھی صبح صبح لائبہ اور مبینہ آنٹی کا ٹاپک لے کر بیٹھ گئیں آپ۔ اب بندے کے دماغ میں سو کام ہوتے ہیں۔"

"واٹ۔ یہ بور ٹاپک ہے۔ لائبہ۔ کیوں ریجیکٹ کر رہی ہے اس پروپوزل کو۔ جانتے ہو۔"

"چلیے اب یہ بھی بتا دیجیے۔" وہ اٹھتے اٹھتے رک کر مبہم انداز میں مسکرایا۔ مگر اس مسکراہٹ میں قطعی خوش گواریت نہیں تھی۔

"ریزن (وجہ) تم ہو۔" عاظمہ اسے بغور دیکھتے ہوئے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولیں۔

"وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے' پسند کرتی ہے تم کو۔" عاظمہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ جواباً" بابر ایک بھینچی بھینچی سانس بھر کر رہ گیا۔ اس کے لیے یہ بات کوئی حیران کن یا خوش کن نہیں تھی۔

"جہاں تک میرا خیال ہے مما۔ وہ دو تین سال پہلے حازم میں غالباً" انٹرسٹڈ تھی۔"

"بابر"

"اینی وے... " بابر جیسے اس ٹاپک پر مزید بات کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے بات سمیٹتے ہوئے بولا۔ "اس کے مجھ میں انٹرسٹڈ ہونے' سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بہت سی لڑکیاں مجھ میں اس طرح کی دلچسپی لے چکی ہیں فدا ہو چکی ہیں مجھ پر۔" پھر ہتھیلیاں میز کی سطح پر جما کر عاظمہ کی طرف ذرا سا جھکتے ہوئے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اس میں شاید میری پرسنالٹی سے زیادہ میرے اسٹیٹس کا بھی دخل ہے۔" عاظمہ نے اسے ترش نظروں سے گھورا۔ مگر وہ قطعی متاثر نہ ہوا اور میز سے اپنا موبائل اٹھایا اور پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔

"یہ لڑکا نہیں سدھرے گا۔ کسی دن مجھے بلڈ پریشر کی پیشنٹ بنا کر چھوڑے گا۔" انہوں نے نیپکن کا گولا سا بنا کر میز پر پھینک دیا۔

☼ ☼ ☼

فضا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اس اندوہ ناک خبر پر کس کے کندھے پر سر رکھ کر روئے۔ کل رات ہی نصیر نے اسے موبائل لا کر دیا تھا۔ وہ موبائل دیکھ کر یک دم خوش ہو گئی تھی مگر دوسرے پل اپنی خوشی چھپاتے ہوئے بولی۔

"میں... کیا کروں گی اس کا بھلا۔ میرے تو سارے رشتے ناطے ہی بچھڑ گئے ہیں۔"

"ارے بھئی۔ مجھے کر لیا کرنا۔ میری خیریت پوچھ لیا کرنا۔" وہ چھیڑتے ہوئے بولا۔ "بھئی تمہاری کوئی

سہیلیاں تو ہوں گی۔ انہیں کرلیا کرنا۔"

"سہیلیاں۔" اس کے ذہن میں یک دم حوریہ ابھر آئی۔ ایک عرصہ ہوگیا تھا اس کو دیکھے' اس سے ملے' اس سے بات تک کیے۔ اس نے سوچا وہ مومنہ پھپھو سے بات کرلے گی۔ اور دوسرے دن ہی وہ مومنہ کا نمبر ڈائری سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر ان سے رابطہ کرنے لگی۔ مگر جو خبر اسے مومنہ نے سنائی اس کے پیروں سے زمین نکل گئی۔ حوریہ بیوہ ہوگئی ہے۔ اس کا شوہر فوت ہوچکا ہے۔ وہ چکرا کر رہ گئی۔ کوئی سوال بھی نہ کرسکی کہ کب' کیسے کس طرح یہ حادثہ ہوگیا۔ بس روئے چلی گئی۔ اور اب رات ہونے کو آئی تھی اس خبر نے اس کے اندر پژمردگی اور اداسی بھر دی تھی۔ جوں ہی نصیر کمرے میں آیا وہ بے اختیار ہوگئی' گویا کوئی اپنا کندھا نظر آگیا ہو۔ کوئی بے حد اپنا محسوس ہوا جس سے وہ اپنا غم شیئر کرسکتی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر بے اختیار ہوئی اور اس کے کندھے سے آلگی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

نصیر بے چارا اس افتاد پر سٹپٹا گیا۔ فضا کا یہ از خود رفتہ سا انداز۔ انداز سپردگی اسے یک دم بوکھلا کر رکھ گیا تھا۔ ایک پل اسے اپنا بدن اکڑا ہوا سا محسوس ہونے لگا۔ چند لمحے سنبھلنے میں لگے۔ مگر اس کے اس طرح دھواں دھار رونے پر پہلا خیال خالو (ابا) کی طرف گیا۔

"کک۔۔۔ کیا ہوا فضا۔ خیریت تو ہے۔" اسے یاد آیا بتول آپا نے اسے آج صبح ہی کہا تھا کہ تنویر (فضا کے ابا) کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی۔ کسی دن فضا کو لے ہی جاؤ۔ ملوا آؤ اس سے۔ وہ فضا سے یہ بات نہیں کرپایا تھا اور اب فضا کے رونے پر اس کے بدن پر سنسناہٹ سی دوڑ گئی تھی اماں بھی گھر پر نہیں تھیں۔ ہو نہ ہو خالو کی کوئی بری خبر ہے۔

"فضا۔۔۔ فضا سنبھالو خود کو۔ اور بتاؤ کیا ہوا۔" اسے خود سے الگ کرکے مسہری پر بٹھا دیا اور جلدی سے پانی کا گلاس بھر کر اسے تھما دیا۔

"نصیر۔ میری بہت پیاری سہیلی' حوریہ بیوہ ہوگئی ہے۔ اس کے شوہر کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔" وہ پانی پی کر بولنے کے قابل ہوئی تھی۔ نصیر کے گلے میں اٹکی ہوئی' کوئی سانس گویا اتری تھی اور دھیرے سے ہونٹوں سے خارج ہوگئی۔

"کون سی سہیلی۔"

"حوریہ۔۔۔ اس کی شادی میری شادی سے کچھ ماہ پہلے ہی تو ہوئی تھی۔ حازم گیلانی سے۔ اوہ۔۔۔" وہ یک دم جیسے ایک بار پھر تڑپی تھی۔

"حازم۔ حازم تو مومنہ پھپھو کا ہی بیٹا ہے۔ اف مائی گاڈ۔" وہ چکرا کر رہ گئی۔۔۔ "اس کا مطلب ہے پھپھو کا بیٹا بھی ان سے جدا ہوگیا ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔" نصیر پریشان ہوکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر پھیلے حزن میں اضافہ ہوگیا تھا۔۔۔ وہ اب نئے سرے سے دکھی ہوئی تھی اسے مومنہ پر گزری اس قیامت کا احساس ستانے لگا۔

"تم اطمینان سے بیٹھو اور پہلے خود کو سنبھالو پھر مجھے بتاؤ کہ کیا ہوا۔ حوریہ اور مومنہ پھپھو سب کون ہیں۔" نصیر نے نرمی سے اس کے ہاتھ کو ہلکے سے تھپتھپایا۔ وہ آہستہ آہستہ اسے بتانے لگی۔ بتاتے ہوئے ایک بار پھر آبدیدہ ہوگئی۔

"چلو۔ ایسا کرتے ہیں کہ کل تمہیں حوریہ کے گھر لے جاتا ہوں تم اس سے مل لینا۔"

"سچ۔" وہ اس کی طرف بے یقینی سے دیکھنے لگی۔

"ہاں بھئی۔ یوں بھی کسی کے دکھ درد میں شامل ہونا چاہیے۔ اور پھر وہ تو تمہاری بیسٹ فرینڈ بھی ہے۔"
"ویسے میں نے اسے تمہاری شادی میں دیکھا نہیں؟" وہ چونک کر پوچھنے لگا۔
"آں۔ ہاں وہ دراصل ان دنوں اپنے ہزبینڈ کے ساتھ گھومنے پھرنے گئی ہوئی تھی۔"
"اچھا اچھا۔ خیر چلو تم فریش ہو جاؤ۔ کل چلتے ہیں۔ دکان جاتے ہوئے تمہیں وہاں ڈراپ کر دوں گا۔ پھر جب تم کہو گی تمہیں پک بھی کر لوں گا۔ دو چار گھنٹے اطمینان سے تم وہاں بیٹھ جانا۔" وہ اس کو تسلی تشفی دے رہا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے بے آواز بہتے آنسو پونچھتے ہوئے اسے ممنون نظروں سے دیکھنے لگی۔

☆ ☆ ☆

سوچتا ہوں کہ ڈھلیں گے یہ اندھیرے کیسے
لوگ رخصت ہوئے اور لوگ بھی کیسے کیسے

وہ خاصی دیر سے ٹیرس میں تھی۔ پہلے عشاء کی نماز پڑھی پھر سورۂ ملک پڑھ کر حازم کو بخشا۔ اس کے بعد یوں ہی ٹیرس میں ٹہلتے ٹہلتے تسبیح بھی پڑھتی رہی۔ اسے رات کی تنہائی میں اپنے رب کو یاد کر کے بڑا سکون مل رہا تھا.... ایسا سکون، جو دنیا کی تمام تر لذتیں۔ آسائشیں حاصل کر کے بھی نہیں مل رہا تھا۔
گیلانی ہاؤس کو دیکھ کر تو لگتا تھا اس کوٹھی میں کسی بھی شے کی کمی نہیں ہے۔ دل بہلانے کا ہر سامان ہے۔ ہاں۔ مگر کمی تھی تو بس سکون کی۔ اس نعمت کی جو دنیاوی آسائش میں پنہاں نہیں تھا۔ اور یہ سکون اسے اب راتوں کو اپنے رب کے حضور جھکنے سے مل رہا تھا۔ وہ سنبھلتی جا رہی تھی۔ اسے یاور علی کی باتیں اب سچ ہی لگنے لگی تھیں۔ یا ان باتوں کی سمجھ اسے اب آنے لگی تھی۔

"خدا جسے اپنا قرب دینا چاہتا ہے اسے دنیا کی لذتوں سے نکال کر اسے ایک اضطراب دے دیتا ہے ایسا اضطراب جو اسے تنہائی اور رات کی تاریکی میں اپنے رب کو ڈھونڈنے کی جستجو دیتا ہے.... اسے اس تاریکی میں روشنی کی تلاش ستانے لگتی ہے۔ روشنی جو اس کے قرب کی ہے۔ اسے یہ ادراک ہونے لگتا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے۔ ہر شے کو فنا ہے ایک انسانی جسم ہی کیا ہر شے ختم ہونے والی ہے اور آخرت کی زندگی ہی اصل حقیقت ہے۔ اس دنیا میں انسان آیا ہی آخرت کی زندگی پانے کے لیے ہے۔ یہاں کی مسرتیں لذتیں حتیٰ کے کیفیات بھی فانی ہیں۔ جبکہ آخرت کی مسرتیں ہزار گناہ زیادہ اور پائیدار ہیں۔ ہاں مگر جس نے محض دنیا کی لذتوں سے ہی خود کو سیراب کر لیا اس کے لیے وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔
یاور علی نے اسے گیلانی ہاؤس وداع کرتے وقت بہت اچھی اچھی کتابیں بھی دی تھیں۔
"یہ بہترین رفیق ہیں ان کا مطالعہ کیا کرنا۔ جب خیالات پراگندہ ہوتے ہیں تو یہ کتابیں بڑی رہنما ثابت ہوتی ہیں ان کا ساتھ مرتے دم تک ہوتا ہے۔ یہ ہماری روح کی معالج ہیں۔" اور اب سے ایسا ہی لگتا تھا وہ جب بے حد پژمردہ ہونے لگتی۔ تنہائی کا احساس کاٹنے لگتا تو وہ ان کتابوں کا مطالعہ کرنے لگتی۔ اچھی نفیس مضامین کی کتابوں کی یہی خوبی ہے کہ وہ ذہن کو مزید افسردہ کرنے کے بجائے اسے روشن کرتی ہیں۔ ذہن و دل کی گھٹن کو ختم کرتی ہیں۔ رات کی عبادتیں اور کتابوں کا مطالعہ اس کا معمول بنتی جا رہی تھیں۔ اسے رفتہ رفتہ پرسکون کرنے لگی تھیں۔
آج بھی وہ نماز پڑھ کر خاصی دیر تک دعا مانگتی رہی۔ یاور علی اس کے دادا ہمیشہ اسے کہتے تھے۔ "دعا مانگنے میں جلدی جلدی نہ کیا کرو۔ دعا بہت دیر تک مانگا کرو۔ اس سے تعلق اللہ پیدا ہوتا ہے۔ اپنے رب کے قرب کا احساس پیدا ہوگا۔ اسی دعا کے بعد بڑا سکون ملتا ہے۔ جو خشوع و خضوع کے ہمراہ۔ بہت دیر تک رب کی قرب کی

خوشبو کو محسوس کرتے کرتے مانگی جائے۔

وہ دعا مانگ کر حقیقتاً" بے حد پرسکون ہو کر جائے نماز لپیٹ رہی تھی کہ یک دم اسے اپنی پشت پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا جو بھی تھا شاید کافی دیر سے موجود تھا۔ ایک لحظہ اس کا دل لرزا۔ ٹیرس کے سامنے پورا کوٹھی کا خوش نما باغیچہ پھیلا ہوا تھا جبکہ اس کی پشت جہاں تھی وہاں ٹیرس کا داخلی دروازہ پڑتا تھا۔ وہ ٹیرس کا داخلی حصہ تھا عموماً" یہ جگہ لابی میں اندر داخل ہونے کے لیے بھی استعمال کی جاتی تھی۔ وہ چادر بدن پر اور سر پر جماتے ہوئے پلٹی۔

بابر بے حد انہماک سے اس کی طرف متوجہ تھا۔ اس کے پلٹنے پر اس کے ساکن وجود میں جنبش ہوئی اور اس کی نظریں بے اختیار حوریہ کی آنکھوں سے جا ملیں۔ ایک پل بابر کو لگا جیسے اس کی نگاہیں سنہری سمندر سے جا ٹکرائی ہوں۔ اور پل بھر کے لیے اسے اپنا وجود پانی کی مانند لرزتا محسوس ہوا۔ وہ یک دم جیسے چونک سا گیا اور اپنے اعصاب کو سنبھالتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی۔ حوریہ اب رخ موڑے اپنی تسبیح جائے نماز میں رکھ کر پلٹ رہی تھی۔

"سوری۔ تم کو ناحق ڈسٹرب کردیا۔ زیادہ تر میں لیٹ نائٹ اپنے روم میں اسی طرف سے جاتا ہوں۔" اس کے ہاتھ میں گاڑی کی چابی تھی وہ یقیناً" کہیں باہر سے آیا تھا اور وضاحت دے رہا تھا۔ حوریہ کو اس کے شب و روز کا علم نہیں تھا اور نہ اسے دلچسپی تھی۔ وہ ایک طرف ہو کر زینے کی جانب بڑھی۔

"اتنی رات گئے یوں ٹیرس میں تمہیں نہیں بیٹھنا چاہیے۔" وہ اس کے نزدیک سے گزرنے لگی تو وہ دھیرے سے بولا۔

"بچپن کی باتیں کبھی کبھی سچ سی لگتی ہیں کہ رات کو بلائیں ولائیں جن، بھوت وغیرہ ہوتے ہیں۔"

وہ ٹیرس کے سامنے پھیلے باغیچے پر اچٹی نگاہ پھینکتے ہوئے بولا۔ بڑے بڑے درخت نیم تاریکی میں کسی بھوت کی مانند ہی دکھائی دے رہے تھے۔

"انسان سے زیادہ خطرناک اور خوف ناک کون سی شے ہوتی ہے بھلا۔" وہ نیم استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔ "ایک انسان کو انسان جتنا نقصان پہنچا سکتا ہے شاید ہی کوئی اور مخلوق پہنچائے گی۔" بابر یک دم ایڑیوں کے بل پلٹا۔ وہ اپنی بات کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

"حوریہ۔" اس کے لہجے میں ہلکی تپش تھی۔ جیسے یہ جملہ آگ بن کر اس کے دل کو چھو گیا تھا۔ وہ زینے کی ریلنگ پر ہاتھ رکھ کر رک گئی تاہم پلٹی نہیں۔

"ضروری نہیں کہ تم ماضی کے حوالے سے ہی مجھ سے بات کرو۔ میرا اور تمہارا ایک اور بھی رشتہ ہے۔" اس کے لہجے میں دبا دبا احتجاج تھا۔

"میرا اور تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے تم میرے لیے غیر، اجنبی، نامحرم ہو۔ اور میں اجنبیوں سے زیادہ بات چیت پسند نہیں کرتی۔"

"مائی فٹ۔" بابر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "تم کیا سمجھتی ہو اس زمین پر ایک تم ہی نیک پروین ہو۔" یک دم اس کے سامنے آ گیا۔ حوریہ جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹی تھی اس کا انداز بے حد جارحانہ تھا۔

"اللہ تمہارا ہے۔ تم ہی ایک مسلمان ہو۔ ہم کافر ہیں۔"

"نعوذ باللہ۔ میں نے یہ کب کہا۔" وہ تحمل سے بولی۔ "میں نے فقط تمہارے سوال کا جواب دیا تھا۔"

"اتنے حسین جواب دینے کے بجائے تم خاموش ہی رہتیں تو زیادہ بہتر ہوتا۔" وہ کڑے لہجے میں کہتا ہوا ریلنگ پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف جھکتے ہوئے گویا پھنکارا۔ "نامحرم سے محرم بننے میں زیادہ وقت نہیں لگتا حوریہ عادل۔"

بس سوچ بدلنے کی دیر ہوتی ہے۔"

"شٹ اپ۔ جسٹ شٹ اپ۔" حوریہ کے اعصاب پر چنگاری سی پڑی تھی۔

"یو..." وہ غم و غصے سے چیخ گئی۔ ایک پل کے لیے اس کی قوت گویائی جیسے سلب ہو کر رہ گئی۔

"ماضی کے حوالے دے کر بات کرو گی تو ماضی کا بابر بن کر ہی تم سے ملوں گا۔" وہ ریلنگ سے ہاتھ اٹھا کر ٹراؤزر کی جیبوں میں پھنساتے ہوئے استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"تم میرے سامنے نہ ہی آیا کرو تو اچھا ہے۔" وہ ہلکے سے ہنسا۔

"یہ تو تقدیر سے شکوہ کرو۔ وہ تمہیں میرے سامنے لے آئی ہے۔"

"میں یہاں پہلے بھی حازم کے حوالے سے آئی تھی اور اب علی شاہ کی وجہ سے یہاں رہنے پر مجبور ہوں۔ تمہارے ماضی میں جھانکنا ہوتا تو یہاں آتے ہی تمہارا کردار' تمہارے بھائی کے سامنے کھول کر رکھ چکی ہوتی۔" وہ نفرت سے منہ پھیرتے ہوئے بولی۔

"میرا ماضی' میرا کردار۔ کچھ بھی حازم سے چھپا ہوا نہیں تھا نہ کسی اور سے ہاں البتہ۔ تمہارا کردار... میں چاہتا تو ضرور مشکوک کر سکتا تھا اس کی نظروں میں تمہیں گرانا میرے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔ مگر شکر کرو کہ میں نے اپنے بھائی کی عزت سمجھتے ہوئے تمہیں عزت دی اور اب علی شاہ کی ماں ہونے کے ناطے تمہیں عزت دے رہا ہوں۔" وہ بھی جواباً پھنکارتا ہوا بولا اور اسے یوں ہی اعصاب شکن احساس سے دوچار کرتے وہاں سے چلا گیا۔

کمرے میں آکر اس کا دل چاہا خوب پھوٹ پھوٹ کر بلک بلک کر روئے۔

مگر دوسرے پل اس نے سوچا' نہیں اسے رونا نہیں ہے اگر وہ رو پڑی تو عمر بھر روتی رہے گی۔ اسے مضبوط ہونا پڑے گا۔ اپنا سہارا خود بننا پڑے گا۔ اب اس کے پاس حازم کا مہربان کاندھا اور مضبوط سینہ نہیں تھا جس پر سر رکھ کر اپنے تمام رنج و غم دور کر لیا کرتی تھی اور پرسکون ہو جاتی تھی۔ اب اپنا کندھا وہ خود تھی۔ وہ سارے آنسو دل میں اتارنے لگی۔

✵ ✵ ✵

"کیا بات ہے آج پورا دن گزر گیا۔ حوریہ دکھائی نہیں دی۔ میرے روم میں بھی نہیں آئی۔" شام ہونے لگی تو عباد گیلانی بے چینی سے امیر علی سے پوچھنے لگے۔ ان کی بے چینی بجا تھی وہ کئی روز سے لگاتار عباد گیلانی کے پاس آکر بیٹھتی۔ ان کی خیر خیریت پوچھتی۔ ان کو سوپ پلاتی۔ ادھر ادھر کی باتوں کے ساتھ ساتھ پھل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے انہیں کھلاتی۔ جس طرح حازم کھلایا کرتا تھا۔

"ہاں۔ آج تو وہ کمرے سے باہر بھی نہیں نکلیں۔ علی شاہ بابا بھی بہت دیر تک آج باہر رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا نہیں۔"

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا حوریہ کی۔" عاظمہ باتھ روم سے نکلیں تو عباد گیلانی تشویش سے پوچھنے لگے۔ وہ تولیا ایک طرف ڈال کر دراز سے ہیئر ڈرائر نکالنے لگیں۔

"اسی کو فیور (بخار) ہے۔ اب رات رات تک ٹیرس میں بیٹھی رہے گی تو ٹھنڈ تو لگنی تھی۔" وہ ڈرائر کا بٹن پش کرتے ہوئے بولیں۔ دوسرے لمحے گڑ گڑ کی آوازیں اٹھنے لگیں۔

"ارے یہ تو بہت برا ہوا۔ میڈیسن لی یا نہیں۔"

"ہاں۔ ڈاکٹر کاظمی کو فون کیا تھا وہ آئے تھے۔"

"خیریت۔ ڈاکٹر کاظمی کیوں آئے تھے۔" بابر اندر داخل ہوا تھا۔ اور ہاتھ میں پکڑا اپنا سیل فون امیر علی کی طرف

بڑھاتے ہوئے بولا۔

''اسے چارج کرو۔''

''ارے حوریہ کی بات کررہی ہوں۔ اس کو فیور ہوگیا ہے نا۔ اس لیے آئے تھے۔'' عاظمہ ڈرائر رکھ کر برش اٹھا کر بالوں کو سیٹ کرنے لگیں۔

''اسے منع کیا کرو۔ کہ اتنا لیٹ نائٹ تک وہ ٹیرس میں مت بیٹھا کرے۔ یوں بھی اب سیزن چینج ہورہا ہے۔'' عباد گیلانی کے لہجے میں تشویش تھی ان کے چہرے سے فکرمندی جھلکنے لگی تھی۔ بابر کے لب میکانکی انداز میں باہم جڑ گئے تھے۔ وہ بھنوؤں کو خفیف سی جنبش دے کر رہ گیا۔ صوفے پر بیٹھ گیا۔ بظاہر اس ٹاپک سے خود کو لاتعلق ظاہر کرنے لگا مگر اس کی ساری حسیات بے دار ہوچکی تھیں۔

''میں جاکر دیکھتا ہوں اسے۔'' وہ بیڈ سے اٹھنے لگے۔

اور امیر علی کو چیئرز دیک لانے کا اشارہ کیا۔

''اب آپ کہاں جائیں گے۔ میں اسے بھیجتی ہوں' آپ کے پاس۔۔۔''

''ارے نہیں۔۔۔ اسے آرام کرنے دو۔''

''وہ کون سا بیڈ پر لیٹتی ہے۔'' عاظمہ آئینے کے سامنے سے ہٹ کر اب وارڈروب کھولتے ہوئے بولیں۔

''عجیب لڑکی ہے' میں نے اسے لیٹے تو دیکھا ہی نہیں۔ نماز اور قرآن پڑھتی رہتی ہے یا پھر کتابیں پڑھتی رہتی ہے۔''

''اسے تم اپنے ساتھ لے جایا کرو نا' کوئی پارٹیز' شاپنگز پر۔۔۔ گھر میں اکیلے پڑے پڑے بیماری پڑے گی نا۔''

''میں تو بہت اصرار کرتی ہوں۔ پر وہ نہیں مانتی۔''

''ٹھیک ہے' میں دیکھتا ہوں۔'' عباد گیلانی' امیر علی کے ہمراہ کمرے سے نکل گئے۔ عاظمہ کی بھنویں تن سی گئیں۔ انہوں نے ذرا سا رخ موڑ کر دروازے کی جانب دیکھا' پھر بابر کی طرف جو کشن سر کے نیچے دبائے صوفے پر دراز تھا۔

''دیکھا۔۔۔ کیسے تڑپ کر گیا ہے یہ آدمی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کبھی میری تو خراب طبیعت پر نگاہ نہیں کی۔ پوچھا تک نہیں اور ایکس وائف کی بھتیجی کے لیے ممتا جاگ پڑی ہے۔''

''کم آن مما۔۔۔'' بابر بے ساختہ ہنسا تھا۔ عاظمہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ ان کے خیال میں ان کی اس فریاد پر بابر کو کم از کم ہنسنا زیب نہیں دیتا تھا۔

''آپ اب تک وہ شعلہ جلائے بیٹھی ہیں' فارگیٹ اٹ۔ وہ سابقہ بیوی تھی' ہے تو نہیں۔''

''بات صرف بیوی ہونے کی ہوتی تو دکھ نہ ہوتا۔ ایک عورت اپنے شوہر کی پہلی محبوبہ کو عمر بھر چنگاری کی طرح اپنے دل پر تپکتا ہوا محسوس کرتی ہے۔'' پھر وارڈروب کا دروازہ کسی سلگتے احساس کے ساتھ دھپ سے بند کرتے ہوئے بولیں۔ ''تم عورت نہیں ہونا۔ اس لیے جان بھی نہیں سکو گے۔ ان فیلنگز کو۔'' ایک دبی دبی سی آہ ان کے لبوں سے آزاد ہوکر فضا کا حصہ بن گئی۔

✡ ✡ ✡

یہ تو سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ مر جائے گا
چاند اک قبر کے سینے میں اتر جائے گا

یہ میری عمر کا صحرا اور میرے جلوں کا سراب
سر مژگاں نہ رہے گا تو کدھر جائے گا

مضبوط ہونا اور مضبوط ظاہر کرنا الگ الگ کیفیات ہیں۔ اس میں دوسری کیفیت سے گزرتے ہوئے آدمی اندر سے تھکن سے نڈھال ہو جاتا ہے۔ سانسیں پھولنے لگتی ہیں۔ کئی قدم اکھڑنے لگتے ہیں اور اکھڑتے اکھڑتے جمانے کا عمل بڑا ہی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ وہ اذیت کا یہ سفر طے کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ وہ گیلانی ہاؤس میں آنا ہی نہیں چاہتی تھی مگر......

اس نے سوئے ہوئے علی شاہ پر نگاہ ڈالی۔ ایک نڈھال سی سانس بھر کر جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ وہ ذرا سا کسمسایا۔

"کیسے کھو پاتی میں حازم کی پہلی اور آخری نشانی کو، یہی تو کل متاع ہے میری۔" وہ اپنی چادر کو جسم کے گرد لپیٹ کر روم سے ملحقہ ٹیرس پر آگئی۔ فضا میں پھیلا سکون اور سناٹا اسے پرہیبت محسوس ہونے لگا۔ شام ڈھل رہی تھی۔ وہ سرسراتی ہوا میں ناریل کے پتوں کو جھولتے ہوئے دیکھنے لگی۔

"ایسی ہی ایک شام تھی، وہ ٹیرس میں اسی جگہ کھڑی تھی، جب حازم کی آواز بے حد قریب سے ابھری۔

"تو جناب آج موسم سے لطف اندوز ہوا جا رہا ہے بیگم صاحبہ!" وہ پلٹی۔

"موسم آج بہت خوش گوار ہو رہا ہے، لگتا ہے بارش ہوگی۔" وہ آسمان پر نظر ڈال کر کسی ماہر موسمیات کی طرح بولی۔

"بادل چھا رہے ہیں، ایسا لگتا ہے ابھی برسیں گے کہ بس ابھی۔" حازم ٹیرس کی ریلنگ سے پشت ٹکا کر بادلوں کے بجائے اس کے چہرے پر پھیلی معصوم سی مسکراہٹ کو دیکھنے لگا جو سیاہ بادل کو دیکھ کر اس کے چہرے پر پھیلی تھی۔

"مجھے بارش بہت پسند ہے حازم......"

"ہوں...... بارش کسے ناپسند ہوتی ہے بھلا۔"

"واؤ...... اس کا مطلب ہے آپ کو بھی یہ موسم متاثر کرتا ہے۔ بارش پسند ہے۔" وہ خوش گوار حیرانگی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"ایک بارش انسان کے اندر بھی ہوتی ہے، جو اسے سیراب کرتی ہے، یہ جتنی تیز ہوتی ہے، دل کے اندر اتنی تازگی بڑھنے لگتی ہے۔ اس بارش کا نام محبت ہے۔" حازم نے ہاتھ اس کے نرم نازک شانے پر رکھ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔ حوریہ کی پلکیں اس کے رخساروں پر لرزنے لگیں۔

"مجھے یہ بارش پسند ہے۔ یہ ہر وقت ہوتی رہتی ہے میرے اندر۔" اس نے اس کے دل فریب چہرہ پر نگاہیں جما دیں اور اس کا ہاتھ تھام کر مسکرا کر ہلکے سے دبایا۔ "بھیگو گی میرے ساتھ۔"

"اف...... یہ شخص ہمہ وقت جذبوں سے پر رہتا تھا۔" وہ شرما گئی۔ حازم کی نظریں اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔ بارش کی پہلی بوند کی طرح خوش گوار۔"

وہ نرمی سے اس کے سلکی بالوں کی لٹوں کو کانوں کے پیچھے کرنے لگا، جو اس کی شفاف گردن اور رخسار کو چھو رہی تھیں۔ اس کے سراپے سے حسن کی عجیب شعاعیں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

من پسند سچے ساتھی کی سنگت میں عورت کا حسن سمندر کی طرح لامتناہی ہو جاتا ہے، جو سمٹے نہیں سمٹ پاتا۔

بے غرض سچا شریک حیات تو ٹھنڈی چھاؤں ہی مانند ہوتا ہے' جس کی چھاؤں میں آکر عورت پرسکون ہو جاتی ہے۔ اسی پل حوریہ کے چہرے پر بھی ایسا ہی تاثر دکھائی دے رہا تھا۔
اچانک ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ اسے پلکوں پر نمی کا احساس ہوا۔ ایک مضمحل سی نگاہ وہ فضا پر ڈال کر رہ گئی۔ آج پھر وہ بے اختیار ہو گئی تھی۔ حازم کے وجود کی خوشبو' اس کی باتوں کی مہک کو شدت سے محسوس کرکے بکھر رہی تھی۔ وہ ایک ایسی سچی اور انمول خوشبو تھا۔ جس کی مہک عمر بھر محسوس کی جاسکتی ہے۔
"ارے.... اتنی شام.... پھر باہر کھڑی ہو اتنی ٹھنڈ میں۔ پہلے ہی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" عباد گیلانی کی آواز نے خاموشی کی ساکن جھیل میں ارتعاش پیدا کیا تھا۔ وہ چونک کر پلٹی۔ پھر کمرے میں آگئی۔
"ٹھنڈ اتنی زیادہ بھی نہیں ہے۔ یا کم از کم مجھے محسوس نہیں ہو رہی ہے۔" وہ ٹیرس کا دروازہ بند کرنے لگی۔ جب دل کے اندر بہت تپش ہو تو بیرونی ٹھنڈ کا احساس ماند ہو جاتا ہے۔" وہ فقط سوچ کر رہ گئی' پھر عباد گیلانی کے نزدیک آتے ہوئے بولی۔
"آپ کیوں بیڈ سے اتر گئے۔ میں خود آجاتی آپ کے پاس۔"
"عاظمہ بتا رہی تھی تمہیں فیور ہے' خیال رکھا کرو اپنا۔"
"ارے اب اتنا زیادہ بھی نہیں تھا' معمولی فیور تھا۔ ناحق انہوں نے ڈاکٹر کو بھی بلوالیا۔" وہ ان کے سامنے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔
"شاید موسم تبدیل ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے۔"
"رات گئے تک ٹیرس میں جو بیٹھی رہتی ہو۔" انہوں نے اس کے زرد چہرے کی طرف دیکھا اور جیسے کسی احساس کے تحت۔ ہلکی سی سانس کھینچ کر رہ گئے۔ وہ جس ذہنی آزار سے گزری تھی اور گزر رہی تھی اس کا اندازہ انہیں باخوبی تھا۔

"تم اس طرح کمرے میں بند مت رہا کرو۔ عاظمہ کے ساتھ ادھر ادھر نکل جایا کرو۔ اس کی سوشل گیدرنگ ہے' تم بھی بزی ہو جاؤ گی۔" وہ نرمی سے بولے۔
"دیکھو حوریہ۔ زندگی کا یہ سلسلہ کسی ایک کے چلے جانے سے رک نہیں جاتا۔ زندگی ختم نہیں ہو جاتی۔"
"مگر بکھر تو جاتی ہے نا۔" وہ افسردگی سے بولی۔ "اور اب مجھے سمٹنے کے لیے بہت مضبوط قوت ارادی کی ضرورت ہے شاید۔"
"ہاں.... اور تم اپنے اندر یہ قوت پیدا کرو گی' مجھے یقین ہے۔" عباد گیلانی کا لہجہ حوصلہ دیتا ہوا تھا۔ "تمہیں مومنہ کی طرح بہت مضبوط اور باہمت بننا پڑے گا۔ تم بالکل اسی کا عکس ہو۔" حوریہ نے بے ساختہ ان کی طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی۔
"آپ کو کیسے یہ یقین ہے کہ پھپھو نے خود کو سمیٹ لیا ہے۔ وہ مضبوط ہیں۔" جواباً" وہ ایک پل فقط حوریہ کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔ حوریہ کو یک دم افسوس ہوا کہ اسے شاید یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ ان کے نحیف زرد چہرے پر پھیلی ویرانی میں جیسے یکلخت اضافہ ہو گیا تھا۔ چند لمحے توقف کے بعد وہ کہہ رہے تھے۔
"دراصل میں مومنہ کے لیے ٹھنڈی چھاؤں تھا ہی نہیں کبھی۔ اسے میرے پاس آتے ہی علم ہو گیا تھا کہ اس نے گھاٹے کا سودا کیا ہے۔ وہ چھاؤں کے دھوکے میں تیز دھوپ میں آگئی تھی اور جب شریک حیات ہی دھوپ بن گیا ہو۔ دھوکا ہو' تو پلٹنا کسی حد تک آسان ہو جاتا ہے۔ ایک بے وفا غلط آدمی کو بھولنا کسی حد تک آسان ہوتا ہے۔ ہاں' مگر دھوکا دینے والے کی زندگی سے سکون اٹھ جاتا ہے' ہمیشہ کے لیے۔ ایک بے سکونی' اضطراری' اس کی

رگ رگ میں اتر کر اسے کاٹتی رہتی ہے۔" حوریہ نے دیکھا تیز بلب کی روشنی میں۔ ان کی آنکھوں کی سطح پر ہلکی نمی بہت واضح دکھائی دے رہی تھی۔

"یہ بھی ٹھیک ہے' اگر دھوکا دینے والا عمر بھر راحت ہی میں رہتا تو یہ دنیا شاید اس سے زیادہ بدصورت ہوتی۔ مگر ایسا نہیں ہے' مجھے خدا کے انصاف پر یقین آگیا ہے۔" انہوں نے جیسے نڈھال سے ہو کر کرسی کی پشت پر سر ٹکا لیا۔ کمرے کی فضا بوجھل سی ہوگئی اور بوجھل بن کے یہ لمحات دھیرے دھیرے سرکنے لگے۔

عجیب سی بات تھی۔ مومنہ کے حوالے سے عباد گیلانی' حوریہ کے لیے ہمیشہ ایک ناپسندیدہ اور قابل نفرت شخص رہا تھا۔ پھر حازم کے حوالے سے وہ اس کے لیے قابل عزت ہوگئے اور جب ان کی ذات کے پہلو کھلتے گئے تو اسے عباد گیلانی کی بدنصیبی اور مومنہ کی زندگی پر تاسف ہوتا رہا۔ وہ بھی حازم کی طرح چاہتے ہوئے بھی ان دونوں کی زندگی میں کوئی خوش گوار موڑ نہیں لا سکتی تھی اور اب علی شاہ کے حوالے سے وہ انہیں بے حد عزیز تھے۔ اسے لگتا اس گھر میں واحد یہ شخص ہے جو اس کے لیے چھاؤں ہے۔ حازم کے بعد وہ ان پر اعتبار کر سکتی تھی۔ ان کے ہونے سے اسے ڈھارس تھی۔ خاموشی کا وقفے کو ختم کرتے ہوئے حوریہ دھیرے سے بولی۔

"آپ نے درحقیقت پھپھو سے سچی محبت کی تھی' مگر دکھ یہ ہے کہ اس کا احساس آپ کو ان کے چھن جانے کے بعد ہوا اور نقصان جب اپنے ہی ہاتھوں سے ہوا ہو تو یہ اذیت ناقابل برداشت ہوتی ہے۔" حوریہ کی بات پر عباد گیلانی جیسے کسی خواب سے چونکے' ان کا ہاتھ کرسی کے ہتھے پر ڈھیلا پڑ گیا۔

"سچ ہی ہے' ہمارے اندر تک جھانک لینے والوں کا یہی تو مسئلہ ہے کہ وہ آپ کے دل کے گھر کا ہر منظر دیکھ لیتے ہیں۔" وہ افسردگی سے مسکرائے اور محبت سے اسے تکنے لگے۔ "تم بھی حازم کی طرح مجھے کھول کر رکھ دیتی ہو۔"

"بیٹی ہوں نا آپ کی۔" وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"ہاں... سچ پوچھو تو یہ کوٹھی تمہارے اور علی شاہ کے آجانے سے زندہ ہوگئی ہے' ورنہ تو لگ رہا تھا جیسے کوئی پرانا کھنڈر ہو۔ جو کبھی آباد ہی نہ ہوا ہو۔ خیر۔" وہ جیسے افسردگی کے سحر سے نکلتے ہوئے اس کے سر پر ہلکے سے ہاتھ رکھ کر تھپکا۔

"بیٹی ہو تو بیٹی کا ثبوت دیتے ہوئے میری بات مان لو اور خود کو اس کمرے سے باہر نکالو۔ اور ہاں کچھ شاپنگ وانگ کرو علی شاہ کے لیے۔ گاڑی ڈرائیور سب موجود ہے' نکل جایا کرو۔"

"اتنا کچھ تو مما (عاظمہ) لے کر آجاتی ہیں علی شاہ کے لیے۔ کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ کبھی بابر ڈھیر ساری چیزیں اٹھا کر لے آتے ہیں۔ ایک بچے کی بھلا کتنی ضرورت....."

"ہاں بابر... پاگل ہے اس کے لیے۔ بہت چاہتا ہے اسے۔ مگر نکلو گی تو تمہارا دل بہل جائے گا۔ اور دیکھو ابھی تمہاری عمر بہت چھوٹی ہے۔ اپنے اردگرد تنہائی کی دیواریں کھڑی کر کے خود کو قید مت کرو۔ ہنسنے بولنے کے دن ہیں۔ تقدیر کے آگے سر جھکانا ہی پڑتا ہے بیٹا۔" وہ وہیل چیئر دھکیل کر علی شاہ کے کاٹ کی طرف آگئے۔

"میں تقدیر سے شکوہ کرنے والی کون ہوتی ہوں اور شکوہ زیب بھی نہیں دیتا۔ وہ یقیناً' ہمیں بہت چاہتا ہے' وہ جو بندے کے ذرا سی تکلیف پر درجات رکھتا ہے' اس کے سامنے یہ سب ہیچ ہے۔ بس مگر کبھی کبھی یادیں پریشان کر دیتی ہیں۔" وہ علی شاہ کو کاٹ سے نکال کر عباد گیلانی کی گود میں دیتے ہوئے بولی۔

"میرے پاس تو حازم کی یہ نشانی ہے نا۔ اسے دیکھ دیکھ کر ہی میں جی رہی ہوں اور بہت سکون میں آجاتی ہوں۔ سوچتی ہوں کہ یہ بھی نہ ہوتا تو میں کیا کرتی۔" اس کی ممتا سے لبریز نظریں علی شاہ پر جمی تھیں۔ "میرے لیے اس سے بڑا تحفہ اور کیا ہوگا پاپا۔" ادھر کمرے کے دروازے پر بابر یک دم کسی احساس کے تحت ٹھٹک گیا تھا۔ وہ علی شاہ کو لینے آیا تھا۔ مگر اندر جانے کی ہمت نہ کر پایا۔

حوریہ کا سیاہ چادر میں ڈھکا مقدس سراپا اس کے بالکل سامنے تھا۔ وہ چند لمحے یونہی کھڑا رہا، پھر یک دم پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

"یہ سب کیسے ہو گیا پھپھو۔ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا مجھے خبر نہ ہوئی۔" فضا کا دل غم سے پھٹ رہا تھا۔ وہ مومنہ سے لپٹ کر روتی رہی۔ "وہ یوں اجڑ گئی۔ یہ تقدیر نے کیا کیا اس کے ساتھ میں۔۔۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

"ہم کیا سوچتے ہیں اور تقدیر ہمیں کیا دکھاتی ہے، اسی سے تو ہم اپنے رب کی طاقت، قوت اور اختیار کو پہچان پاتے ہیں۔" مومنہ اٹھ کر اس کے لیے پانی بھرنے لگی۔

"میرا دل تو غم سے پھٹ رہا ہے، پھپھو۔۔۔"

"یہ پی لو۔" انہوں نے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ "اگر رونے سے مسائل حل ہو جاتے۔ حقیقت بدل سکتیں تو میں حوریہ کو رونے سے کبھی نہ روکتی۔ اسے رونے دیتی۔"

"مگر پھپھو۔۔۔ کیسے صبر آئے گا اسے۔ حازم کو وہ کیسے بھول پائے گی۔" فضا حقیقتاً بکھر رہی تھی۔

"زخم جتنا بھی گہرا ہو، اس پر وقت کھرنڈ ضرور لے آتا ہے۔ ہاں اگر اسے نوچتے رہیں تو یہ ہمیشہ گیلا رہتا ہے اور ناسور بن جاتا ہے۔"

"مگر وہ کیسے سنبھلے گی۔ کیسے سنبھل پائے گی حازم جیسے شخص سے بچھڑنا کوئی معمولی بات تو نہیں نا۔"

"آ ہی جائے گا اسے صبر۔ بلکہ آ ہی گیا ہے، سنبھل جائے گی۔ وقت بہت بڑا مرہم ہے اور خدا جب غم دیتا ہے تو اس سے کہیں زیادہ صبر بھی عطا کر دیتا ہے۔" فضا ان کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر ان کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر ایک گھونٹ بھر کر گلاس تپائی پر رکھ دیا۔

"آپ اتنا حوصلہ کہاں سے لائی ہیں پھپھو۔" وہ اسے عقیدت مندانہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ "میرا تو سوچ کر ہی دل پھٹنے لگتا ہے۔ حازم کو آپ کیسے۔۔۔ اف۔۔۔" وہ اذیت کے احساس سے لب بھینچ گئی۔ کوئی لفظ اس کی زبان سے آگے ادا نہ ہو سکا۔

"جو اپنے رب کے سامنے رو لیتے ہیں۔ انہیں پھر صبر بھی مل جاتا ہے۔ جب اپنے آنسوؤں کو انسانوں کے آگے نہیں رب کے آگے بہاتی ہوں۔ دیکھو کیسا صبر آ جاتا ہے۔" وہ فضا کو تسلی دے رہی تھی جبکہ اس کی آنکھوں میں حازم کی جدائی کا دکھ پھیلا ہوا تھا۔

"پھپھو۔۔۔" فضا یک دم کسی ٹوٹی ڈال کی طرح مومنہ کے کندھے سے لگ گئی۔ "آپ کی یہی باتیں تو مجھے آپ کی طرف لے آتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے، جیسے صحرا میں پانی کی بوندیں گری ہوں۔" مومنہ کا اسے تھپکتا ہوا ہاتھ ایک پل اس کی پشت پر ٹھٹک گیا۔ وہ چونک گئی۔

"صحرا۔ تو کیا تم اب تک اسی فضا میں سانس لے رہی ہو فضا۔" وہ سر اٹھا کر ہلکے سے اثبات میں سر ہلا گئی۔

"ہاں پھپھو۔۔۔ میرے دل کے اندر اب بھی یادوں کا وہی صحرا پھیلا ہوا ہے۔ اس میں، میں پاگلوں کی طرح بھاگتی پھرتی ہوں۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس کا کوئی سرا نہیں ہے، جہاں جاتی ہوں، سفر پھر سے وہیں سے شروع ہو جاتا ہے۔"

اس کا لہجہ دھیما اور مغموم سا تھا۔ ایک عجیب سی محرومی چھلکنے لگی تھی۔ پھر سر کو ہلکی سی جنبش دے کر بولی۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں زخموں کو نوچتے رہتے ہیں تو وہ گیلا ہی رہتا ہے اور ناسور بن جاتا ہے، میں نے شاید کھرنڈ آنے ہی نہیں دیا۔" مومنہ بے اختیار ایک متاسفانہ سانس بھر کر رہ گئی۔

"یہ بتاؤ۔۔۔ نصیر کیسا ہے، میرا مطلب ہے کس مزاج کا آدمی ہے۔" وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی

سے دباتے ہوئے بولی۔
"وہ تو بہت اچھے ہیں۔ اتنے اچھے کہ میں...." فضا نے افسردہ سی سانس بھری' پھر تخت کی چادر کے ڈیزائن پر انگلی پھیرتے ہوئے بولی۔
"میں ان کے سامنے احساس ندامت سے چور ہو جاتی ہوں۔ سر اٹھانے کی ہمت نہیں کرپاتی۔ کیا کروں پھپھو۔ دل کا بوجھ اٹھائے.... دل کرتا ہے کہیں بھاگ جاؤں۔"
"کیا اس نے تمہیں کبھی طعنہ دیا؟"
"نہیں' کبھی بھی نہیں۔"
ماضی کے حوالے سے کوئی بات کی۔"
"نہیں پھپھو!" اس نے افسردگی سے سر نفی میں ہلایا۔
"یہی تو غم ہے وہ سزا دے دیتا تو میں کم از کم اس سے نفرت تو کر سکتی۔ اس نے تو نفرت کا حق بھی چھین لیا ہے۔" دوپٹا سر پر جماتے ہوئے دوپٹے کے کونے سے آنکھیں رگڑنے لگی۔
"عجیب بات ہے فضا۔ تم اس سے نفرت کیوں کرنا چاہتی ہو۔" مومنہ نے اسے بغور دیکھا۔ فضا نے بے اختیار ان کی طرف دیکھا مگر زیادہ دیر نہ دیکھ سکی اور نظریں چراتے ہوئے سر جھکا گئی۔
"صرف اس لیے نا کہ وہ عمر میں تم سے زیادہ ہے۔ کم شکل صورت ہے۔ یا اس لیے کہ وہ کوئی رئیس زادہ نہیں' تمہارے خوابوں کا شہزادہ نہیں ہے۔" فضا اضطرابی انداز میں تخت سے کھڑی ہونے لگی مگر مومنہ نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھنے سے روک لیا۔
"اگر تمہیں ایک امیرزادہ اسمارٹ خوب صورت بندہ مل جاتا تو تم اس کے سنگ بہت خوش رہتیں مگر فقط سال دو سال بعد وہ تمہیں ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے جاتا۔ وہ خود نہ بچھڑتا مگر تقدیر اسے تم سے جدا کر دیتی۔ پھر پھر تم اس کی یادوں میں جی لیتیں۔" مومنہ کے لہجے میں ہلکی سی چبھن اتر آئی۔ پھر تخت بے بسی کے احساس سے گھرتے ہوئے ایک پل آنکھیں زور سے میچ کر کھولیں۔ فضا کو ان کی شہد رنگ آنکھوں میں حزن ہلکورے لیتا دکھائی دے رہا تھا۔
"بولو۔ جواب دو۔" مومنہ کے لبوں پر ایک مجروح مسکراہٹ ابھر کر بکھر گئی۔ فضا کے لب کچھ کہنے کی خواہش میں فقط کانپ کر رہ گئے۔
"دیکھو فضا' دولت کے ڈھیر پر خوشیاں نہیں منڈلاتیں' دولت میں ساری خوشیاں اور سکون پنہاں نہیں ہے' ورنہ اللہ والے کچے فرش پر بھی بغیر تکیے کے آسودہ نیند نہ لے رہے ہوتے۔ اور گداز بستروں پر لوگ کروٹیں نہ بدل رہے ہوتے۔ یہ ہمارے اندر دفن ہے' رنج غم۔ سب کے لیے ہے۔ ہر کیفیت عارضی ہے تم نے اپنی زندگی ایک بے کار اور بے وجہ کے غم سے مشکل کر دی ہے۔ زندگی تو پرنالا ہے۔ اس میں صاف پانی بھی گزر جاتا ہے ٹھہرتا نہیں ہے اور گندا بھی۔ تم نے گندے پانی کے آگے دیوار کھڑی کر رکھی ہوئی ہے اسے بہہ جانے دو۔ صاف پانی کو آنے کا راستہ دو۔ تقدیر اتنا نہیں آزماتی جتنا انسان خود اپنے لیے آزمائشیں اور مشکلیں پیدا کرتا ہے۔" اس نے فضا کا ہاتھ چھوڑ کر کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں دھیرے سے موند لیں۔ کتنی دیر دونوں کے درمیان خاموشی طاری رہی۔
"کیا میں حوریہ سے مل سکتی ہوں۔" کچھ دیر خاموشی کے بعد فضا کی آواز ابھری۔ جس میں ایک ندامت بھی ہلکورے لے رہی تھی۔ "اس سے مل کر مجھے بھی سنبھلنا آسان ہو جائے گا۔"
"میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا فضا۔ تم مجھے بھی حوریہ کی طرح عزیز ہو۔" مومنہ کرسی سے اٹھ کر اس

کے نزدیک تخت پر آکر بیٹھ گئی۔
"نہیں پھپھو۔ میں ہرٹ نہیں ہوئی' بلکہ یہاں آکر تو مجھے سکون ملتا ہے۔ احساس ہوتا ہے کہ میرا اپنا بھی کوئی ہے۔ آپ۔ آپ مجھے ڈانٹیے مجھے برا بھلا کہیے' مجھے تو یقین جانیے اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔"
"پگلی۔ تمہارا اپنا سب سے قریبی ساتھی ہے نا۔ تمہارا شوہر اس سے اچھا ساتھی کون ہو سکتا ہے۔ جتنی چھاؤں تم اس کے لیے بنوگی اس سے کہیں زیادہ چھاؤں وہ تمہارے لیے بن جائے گا۔ پگلی زندگی شروع تو کرو۔ فاصلوں کی یہ دیواریں گرا کر تو دیکھو۔ زندگی یکسر بدل جائے گی۔" مومنہ نے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر دیا۔ فضا کی پلکیں رخساروں پر لرزنے لگیں۔
"اچھا یہ دیکھو علی شاہ کی تمہیں پکس دکھاتی ہوں۔" مومنہ نے فضا کو بے حد نادم اور ملول دیکھ کر بات بدلتے ہوئے اپنا موبائل اٹھایا۔ فضا کو علی شاہ کا نام سن کر یکدم تجسس جاگ اٹھا۔ مومنہ موبائل پر علی شاہ کی تصویریں اسے دکھانے لگی۔
"واؤ۔ یہ تو بہت پیارا ہے بالکل حوریہ کی طرح۔"
"ہاں۔ اس کی آنکھیں تو بالکل حوریہ پر گئی ہیں۔ حازم کا لک بھی آتا ہے۔" مومنہ کے لبوں کی تراش میں ممتا بھری مسکراہٹ تھی۔ "تم اس سے ملنے ضرور جانا" گیلانی ہاؤس"
"وہ... وہاں میرا مطلب ہے حازم کے بعد بھی وہاں کیوں رہ رہی ہے۔ پھپھو۔" فضا اپنے دل میں ابھرنے والے سوال کو نہ دبا سکی۔
"وہاں۔ اس کے دادا دادی۔ اس کے چچا' سب علی شاہ کو بہت مس کر رہے تھے۔ آفٹر آل وہ انہی کا خون ہے۔ اسے وہیں تو رہنا ہے۔" فضا انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ اس پل ان کی شہد رنگ آنکھوں میں محرومی کا دھواں اٹھ رہا تھا۔ ان کے چہرے پر حازم کے بعد اب علی شاہ کو بھی کھو دینے کا رنج بکھرا ہوا تھا۔
"ارے۔ یہ دیکھو پڑے پڑے تمہاری چائے بھی ٹھنڈی ہو گئی۔ ٹھہو میں گرم کر لاتی ہوں۔" مومنہ یکدم پھیکے انداز میں مسکرائی۔
"رہنے دیں پھپھو۔ نصیر بس آنے ہی والے ہیں اور یوں بھی میرا دل نہیں کر رہا ہے۔" وہ اپنا شولڈر بیگ کھول کر موبائل نکالنے لگی۔ پھر یکدم بولی۔ "ارے ان کی مس کالز آئی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کب سے آگئے ہیں وہ باہر۔"
"ارے تو... اندر بلا لونا۔ ایسے کیسے جاؤ گی۔ کھانا وانا کھا کر جانا۔" فضا جلدی سے اپنی چادر اٹھا کر اوڑھنے لگی۔
"نہیں۔ پھر کبھی سہی۔ بچے اور خالہ اکیلے ہیں اور نصیر بھی بچوں کے ساتھ ہی کھانا کھاتے ہیں۔"
"چلو جیسی تمہاری مرضی۔" مومنہ بھی اس کے ہمراہ تخت سے اٹھ گئی۔ فضا ان سے مل کر باہر نکل گئی۔ وہ ... دوبارہ تخت پر آکر بیٹھ گئی تھیں اور موبائل اٹھا کر اس میں بکھری علی شاہ کی تصویریں دیکھنے لگی۔
ہنستے مسکراتے علی شاہ کے چہرے میں آہستہ آہستہ جیسے حازم کا چہرہ ڈھلنے لگا اور چار سال کا حازم اس کی آنکھوں میں آکر کھیلنے لگا۔
"یہ ابھی بہت چھوٹا ہے عباد۔ میں اس کے بنا اور یہ میرے بغیر کیسے رہ پائیں گے۔ تم میرا بچہ مجھ سے چھین لوگے۔"
"یہ میرا بچہ ہے تمہارا نہیں۔"
"اتنے سنگ دل مت بنو عباد۔ جنم دینے والی ماں سے کہہ رہے ہو یہ تمہارا بچہ نہیں ہے۔"
"ہاں بالکل' تمہاری جگہ کوئی دوسری عورت ہوتی تب بھی بچہ تو ہوتا ہی اور میرا ہی خون ہوتا۔"

"اور میرا۔ میرا کوئی حق نہیں۔"
"نہیں کوئی حق نہیں۔" عباد گیلانی کی آواز کی گونج اس کے دل پر کسی تلوار کی طرح لگی تھی اور دل کٹ کٹ کر آنکھوں سے گویا بہنے لگا۔
"مومنہ... کیا ہوا فضا چلی گئی۔" رقیہ بھابھی نے کمرے میں جھانکا۔
"کیا بات ہے۔ کیا دیکھ رہی ہو۔" رقیہ بھابھی نے اسے موبائل میں مگن دیکھ کر پوچھا۔
مومنہ نے سر کو خفیف سی جنبش دے کر موبائل آف کر دیا' اور رقیہ بھابھی کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکی سی سانس بھری۔
"سوچتی ہوں کہ خدا اور بندے کی معافی میں کتنا فرق ہے۔ زمین اور آسمان کا یا شاید اس سے بھی زیادہ... وہ تو معاف کر کے بندے کی معافی کا بھی ثواب لکھ دیتا ہے اور بندہ۔ اپنے مجرم کو معاف کر کے بھی اس کے جرم کو یاد رکھتا ہے بھولتا نہیں ہے۔" پھر ہلکے سے ہنسی۔
"شاید معاف کر کے بھی معاف نہیں کرتا۔" رقیہ بھابھی الجھ کر اسے دیکھنے لگیں۔ تب وہ ہنس دی۔ "چھوڑیں 'یہ بتایئے ابا جی جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔"
"جاگ رہے ہیں اور تمہیں یاد کر رہے ہیں۔"
"اچھا' چلیں میں آتی ہوں۔" وہ تخت سے اتر کر پیروں میں سلیپر پہننے لگی۔

✡ ✡ ✡

بابر اپنے جہازی سائز بیڈ پر چت لیٹا ہوا تھا۔ نائٹ بلب کی مدھم مدھم روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی نظریں چھت پر مرکوز تھیں۔ اور ذہن کی فضا پر ایک دھند چھائی ہوئی تھی۔ ایسی دھند جس میں کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کوئی جال ہے۔ جس میں ہر سوچ ہر خیال مکڑی کی طرح آکر پھنس جاتا ہے۔
اس نے ذرا سی کروٹ بدلی اور اپنے بیڈ کے ایک طرف گداز بستر پر سوئے علی شاہ کو دیکھا اور سوچنے لگا۔
وہ روز اسے رات کو یہاں لے کر آجاتا تھا۔ کیا محض حوریہ کو ذہنی اذیت دینے کے لیے یا... وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور علی شاہ کے چہرے پر نظریں جما دیں وہ تو سرنڈر ہو چکی تھی اب علی شاہ کو وقت بے وقت لے جانے پر زبان سے تو کیا' آنکھوں سے بھی احتجاج کرنا چھوڑ چکی تھی۔ مگر یہ سب دیکھ کر بھی وہ مطمئن کیوں نہیں ہو رہا تھا۔ اسے سکون کیوں نہیں مل رہا تھا۔ اپنے تمام تر اختیارات استعمال کر کے وہ جیت چکا تھا۔
حوریہ گیلانی ہاؤس میں آچکی تھی اور ایک کمرے میں محصور ہو کر رہ گئی تھی۔ جبکہ علی شاہ اس کے قبضے میں تھا۔ پھر بھی اس کے دل کو قرار کیوں نہیں آتا تھا۔ انتقام کی آگ تو بجھ جانی چاہیے تھی۔ مگر اس کا خیال تھا وہ... جس سکون کے حصول کی خاطر سب کر رہا تھا۔ وہ سکون تو۔ اور بھی غارت ہو کر رہ گیا تھا۔ اب تو ایک مسلسل اضطراب تھا جو ہمہ وقت روح پر چٹکیاں لیتا رہتا تھا۔ کیوں تھا یہ اضطراب' کیا نام تھا اس اضطراب کا۔ کیسی بے قراری تھی یہ جو چین نہیں لینے دے رہی تھی۔
وہ علی شاہ کے نزدیک چت ہو کر لیٹ گیا۔ اور اس کے وجود سے جیسے کسی اور کے وجود کی خوشبو محسوس کرنے لگا۔ یکدم اس کے ذہن پر چھائی دھند چھٹنے لگی۔ ہر شے واضح ہونے لگی۔ اسے لگا یکدم چھت سے کوئی روشنی سے پھوٹ رہی تھی جو دھیرے دھیرے اسے اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

✡ ✡

سالگرہ نمبر

صدف ریحان

سالگرہ

وہ ایک خوش گوار سی صبح تھی۔ جب میری پیاری زوجہ محترمہ نے گرما گرم چائے کا بھاپ اڑاتا کپ میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"سنیں۔"

"جی سنائیں۔" ایک سال کے ساتھ میں اسے اتنا تو جان ہی گیا تھا۔ کہ جب کوئی بہت ہی خاص بات کہنا ہوتی ہے۔ تب ہی وہ ایسے مٹھاس بھرے لہجے میں پکارتی ہے۔ میں جو تازہ اخبار میں منہ دیے بڑی بڑی سرخیاں پڑھ کر خواہ مخواہ دل ہولا رہا تھا، جھٹ سے لپیٹتا اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"آپ کو پتا ہے۔ بہت جلد ایک خاص دن آنے والا ہے۔ بھلا بوجھیں تو کیا۔" اس نے کرسی پر بیٹھتے کہنی ٹیبل پر ٹکا کر مٹھی ٹھوڑی کے نیچے رکھ لی۔ اور لانبی پلکوں والی آنکھیں پٹپٹا کر مجھے دیکھا۔

"خاص دن؟" آں اں میں سوچنے لگا۔

"ہاں آج سے ٹھیک تین دن بعد خاص دن ہوگا۔ پورے ہفتے کا خاص دن۔ جسے سید الایام کہا جاتا ہے۔ یعنی جمعتہ المبارک ہے ناں اور سب دنوں میں اس دن کی بہت فضیلت ہوتی ہے۔ اس دن سرمہ لگانا، ناخن تراشنا، غسل کرنا اور نماز جمعہ ادا کرنا عین فرائض میں شامل ہے۔ یہ وہ دن ہے جب میرے جیسے نالائق بھی ایسی شدید سردی میں بنا چوں وچرا کیے نہا لیتے ہیں اور سر جھکا کر مسجد کا رخ کر لیتے ہیں اور دیکھو پچھلے جمعہ تم گیزر آن کرنا بھول گئی تھیں اور مجھے مجبوراً ٹھنڈے پانی سے نہانا پڑا تھا اور پھر جس طرح کانپ کانپ کر میں نے نماز پڑھی تھی سارے نمازی میری حالت پر پریشان ہو گئے تھے امام صاحب نے تو باقاعدہ آکر مجھے دم کیا تھا اور ایک تعویذ بھی مٹھی میں دبا دیا تھا کہ بیٹا گھر جا کر پانی میں گھول کر پی لو۔ بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔ اف مت پوچھو کتنی شرمندگی ہوئی تھی۔ اس بار دھیان رکھنا ٹائم سے آن کر دینا سمجھیں اور ہاں یاد آیا میرا شلوار سوٹ بھی آج کل میں ہی استری کر کے رکھ دو۔ ورنہ پھر کہیں لوڈشیڈنگ کی عنایات کے صدقے یہ نہ ہو کہ قمیص کی حالت تو ٹھیک ہو اور شلوار مجھے شکن آلود پہن کر جانا پڑے۔ مجھے تو اس دن کی ایاز صاحب کی وہ مسکراہٹ اور بات نہیں بھولتی۔ ایسی بھولی صورت بنا کر پوچھنے لگے۔

"واہ! سادہ قمیص کے ساتھ کرنکل شلوار اچھا اسٹائل یہ کس ڈیزائنر کا سوٹ ہے بھائی۔" توبہ ہے ساری دنیا چاند، مریخ، مشتری، زحل اور جانے کہاں کہاں پہنچ گئی اور ہمارے ہاں ابھی تک لوڈشیڈنگ کا مسئلہ ہی حل نہیں ہو پایا۔"

"صمصام۔۔۔" میں اپنی دھن میں بولتا ہی چلا جا رہا تھا کہ وہ جھنجلائی سی بول پڑی اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ مجھے میرے عرف عام کے نام "صمی" سے ہی پکارتی ہے۔ میرا پورا نام وہ تب لیتی جب۔۔۔

اوہ تو کیا اسے غصہ آیا ہے مگر کس بات پر۔۔۔؟ وہ مٹھیاں بھینچتی اٹھ گئی۔

"کیا ہوا ہے۔" اب کہ میں نے پلکیں پٹپٹائیں۔

"یعنی۔۔۔ یعنی کہ آپ کو کچھ بھی یاد نہیں۔۔۔ بس اتنی ہی محبت کرتے ہیں آپ مجھ سے آپ کو ہماری زندگی کا اتنا اہم دن ہی یاد نہیں، کتنے بھلکڑ ہیں آپ اور ایک میں ہوں پاگل، پتا نہیں کیا کیا پلان کیے بیٹھی ہوں۔ جائیں میں نہیں بات کرتی آپ سے۔" اس نے منہ پھلا لیا اور پلٹ کر کمرے کی جانب چلی گئی۔ میں نے کندھے اچکائے اور کپ اٹھا لیا ٹھنڈی پڑتی انگلیوں میں یکدم سکون سا اتر آیا۔ مزے دار چائے کی چسکیاں لیتے سوچ رہا تھا کہ گرمی کا موسم چاہے کتنا برا سہی مگر ایک بات ہے، بہت پر رونق ہوتا ہے۔ جیسا کہ ناشتے کی ٹیبل پر ہی سارا گھر اکٹھا ہو جاتا ہے۔ مل کر ناشتا کیا جاتا ہے۔ گپ شپ لگتی ہے۔ سارے دن کے کام ڈسکس ہوتے ہیں۔ جبکہ اس شدید سردی میں تو کمرے سے باہر آنا ہی کٹھن لگتا ہے ٹیبل تک آنا تو بہت دور کی بات امی نے اس بار ناشتے کی ذمہ داری بے چاری زرنش کے سر ڈال دی تھی۔ وہ صبح صبح اٹھ کر سب کا ناشتا بناتی اور بھاگ بھاگ کر کمروں میں پہنچاتی۔ میں اس کی آسانی کے لیے یہیں ٹیبل پر آ بیٹھتا۔ بلکہ اکثر تو اس کا ہاتھ بھی بٹا دیا کروں ایک

اچھا شوہر جو ہوں۔ اب بیوی کا اتنا ساتھ بھی نہ دوں کیا۔ ایسی ٹھنڈ میں کام وہ کرتی تھی اور سردی مجھے لگتی تھی۔ بے شک۔ بے شک 'یہ لیلیٰ مجنوں کا زمانہ نہیں مگر میں ایسا ہی احساس مند انسان ہوں۔ مجھے تو شاخوں پر بیٹھے پرندوں کو دیکھ کر بھی کپکپی چھوٹ جاتی ہے جو بغیر کسی گرم کپڑوں کے ٹہنیوں پر مزے سے جھول رہے ہوتے ہیں۔ وہ اسی پھولے منہ کے ساتھ واپس آ رہی تھی۔ موبائل' والٹ اور چابی اس نے دے مارنے والے انداز میں ٹیبل پر رکھے۔

"ہائیں' ہائیں دھیان سے 'کیا ہوا ہے۔ تم نے خاص دن پوچھا تھا میں نے بتا دیا پھر بھی اتنا غصہ حد کرتی ہو بھئی۔" میں نے جھپٹ کر موبائل اٹھایا الٹ پلٹ کر دیکھا شکر ہے بچ گیا تھا۔

"آپ کو آفس سے دیر ہو رہی ہوگی۔ جائیں آپ۔" وہ اکھڑے لہجے میں بولتی برتن سمیٹنے لگی۔

"پتا ہے مجھے پیاری زوجہ آپ کے بتانے کی ضرورت نہیں میں جا رہا ہوں۔ لیکن اگر میں یہ "گول گپے" جیسی شکل دیکھ کر جاؤں گا تو کچھ خبر ہے آپ کو میرا دن کیسا گزرے گا۔" میں نے اس کی کلائی تھام لی۔ اس نے نظر اٹھائی اور بس میرا دل پسیج گیا۔ ایک تو ظالم کی صورت ایسی معصوم ہے ناں کہ بندہ زیادہ دیر تک تنگ بھی نہیں کر سکتا۔ میں مسکرا دیا۔

"نیکسٹ منتھ کے فرسٹ ویک میں ہماری ویڈنگ انیورسری آ رہی ہے 'ایڈوانس میں مبارک باد قبول کرو ہم نے اپنی ازدواجی زندگی کا پہلا سال ایک دوسرے کو اچھے طریقے سے برداشت کرتے ہوئے کامیابی کے ساتھ گزار لیا۔" وہ بھری آنکھوں کے ساتھ ہنس دی۔

"بہت برے ہیں آپ۔"

"لو جی ایک تو بن کہے جان لو پھر بھی برے ہونے کا ٹائٹل مل جاتا ہے۔" اب غول گپا میری گردن پر فٹ تھا۔ والٹ اور چابی اٹھا کر باہر کو قدم بڑھائے۔

"او ہو میں نے تو یونہی کہہ دیا' آپ تو خفا ہی ہو جاتے ہیں۔" وہ لپک کر میرے ہم قدم ہوئی۔ میں تیز چلتا پورچ میں آن رکا گاڑی کا لاک کھولا اس نے میرا بازو تھام لیا۔

"آپ یوں خفا ہو کر جائیں گے تو میرا سارا دن کیسا گزرے گا۔ ہر کام الٹا ہو گا میرا" آپ جانتے ہیں آج کا دن مجھے امی سے ڈانٹ پڑتی رہے۔"

"اچھا جی! میں تو برا ہوں ہی اب تم یہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ میری امی بھی کوئی اچھا سلوک نہیں کرتیں تمہارے ساتھ۔" میں حد درجے سنجیدہ ہوا۔

"توبہ ہے۔ صمصام عبید موسوی صاحب ایسا میں نے کب کہا۔ الٹے الٹے مطلب مت نکالا کریں میری باتوں کے۔ میں تو کہہ رہی تھی کہ۔"

"آپ جو بھی کہہ رہی تھیں۔ کہتی رہیں لیکن پلیز میرا بازو چھوڑ دیں مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے اور میرا باس کتنا کھڑوس شخص ہے 'یہ بہت اچھی طرح جانتی ہیں آپ۔"

"مجھ سے ناراض ہو کر جائیں گے تو کھڑوس باس سے جھڑکیاں ہی پڑیں گی۔" وہ بازو ہٹاتے ایک قدم پیچھے ہوئی۔

"بہت ہی بری بات ہے۔ شوہر کو دعاؤں کے سائے میں رخصت کرنے کی بجائے بد دعا دے کر بھیج رہی ہو۔" مجھے سچ میں برا لگا۔

"سوری!" وہ فوراً "نادم ہوئی۔ اس کی اچھی عادتوں میں یہ ایک بہت اچھی عادت تھی غلطی جلد ہی تسلیم کر لیتی۔

"اٹس اوکے اور سنو فرسٹ اینورسری کے لیے گفٹ تمہاری مرضی کا ہو گا۔ جو چاہو گی لے لینا۔"

"سچ۔" وہ خوش ہوئی۔

"بالکل سچ۔" میں گاڑی میں بیٹھا۔

"ہماری فرسٹ اینورسری ہے تو ہمیں اسے اچھا سا سلیبریٹ بھی کرنا چاہیے ناصمی۔ کیا خیال ہے گھر میں ایک چھوٹی سی پارٹی نہ رکھ لیں۔" اور میں نے بھنویں سکیڑ کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"میرا خیال ہے اس ٹاپک پر پھر بات کریں گے۔ ابھی ٹائم نہیں ہے میرے پاس اللہ حافظ۔"

☆ ☆ ☆

اور جس چیز سے انسان بچنا چاہ رہا ہو۔ بار بار گھوم پھر کر وہی چیز کیوں سامنے آنے لگتی ہے۔ میرے ساتھ تو اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کیا آپ کے ساتھ بھی ہوتا ہے؟
اب یہی دیکھ لیں آج کل زرنش کا ایک ہی پسندیدہ ٹاپک تھا وہ جب بھی بات کرنے لگتی میں ادھر ادھر نکل لیتا۔ لیکن اس روز آفس سے واپسی پر گھر آیا تو مسز وقار آئی ہوئی تھیں بیٹے کی برتھ ڈے کا انویٹیشن کارڈ دینے۔ زرنش نے بڑی جتلاتی نگاہ سے مجھے دیکھا میں نے وہاں سے کھسکنا مناسب جانا اور ابھی وہ خاتون گئی ہی تھیں کہ شاندانہ آن دھمکی اور سوئے اتفاق اس کی زبان پر بھی کچھ ایسا ہی تذکرہ تھا۔ ہمارے ولیمہ کے روز اس کی شادی ہوئی تھی یعنی اس حساب سے ہماری ویڈنگ اینورسری کے اگلے روز اس کی ویڈنگ اینورسری بھی آرہی تھی اور وہ اسی سلسلے میں کچھ شاپنگ کرکے آئی تھی اور مزید اس کے کیا پلانز ہیں وہ خوب زور و شور سے بتا رہی تھی۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہیں سے اسکاچ ٹیپ ملے اور اس کے منہ پر چپکا دوں۔ زرنش کی نظریں الگ چھید کرتی محسوس ہو رہی تھیں میں بہانے سے اٹھ آیا اور وہاں تو وہ کچھ نہیں بولی تھی مگر بیڈ روم میں کون روکنے والا تھا بھلا۔
"دیکھا آپ نے مسز وقار خود آئی تھیں۔ پورے بلاک کے ایک ایک گھر میں وہ خود انویٹیشن دینے گئی ہیں بیٹے کا برتھ ڈے ہے اور وہ بھی خیر سے دسواں۔ اب وہ سوچتیں کہ پہلے نو بار منا چکے ہیں تو اب رہنے دیتے ہیں ایویں فضول سی کیا ضرورت ہے خرچا کرنے کی۔ مگر نہیں یہ ان کی خوشی ہے اور وہ اسے پورے دل سے منا رہی ہیں اور وہ شاندانہ باتیں سنی آپ نے اس کی کتنی ایکسائیٹڈ تھی وہ۔ پہلی اینورسری ہے اس کی بھی اور کتنی پرجوش ہے وہ۔ اس کے ہسبینڈ نے تو کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ وہ تو اس کے ساتھ مل کر پلان کر رہے ہیں اپنی خوشی کو سلیبریٹ کرنے کے لیے اور سمجھ دار لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ اپنی خوشی کو اپنے تک محدود نہیں رکھتے بلکہ وہ ان لمحات کو سب کے ساتھ شیئر کرتے ہیں۔ اور ایک آپ ہیں کہ ......"
"دوسروں کا منہ لال دیکھ کر کبھی بھی اپنا منہ لال کرنے کی کوشش نہیں کرتے مائے ڈیئر وائف۔ یہ سب فضول اور غیر ضروری رسمیں ہیں جو ہم لوگوں نے غیروں سے مستعار لے لی ہیں۔ خواہ مخواہ میں ہی پیسے اور وقت کا زیاں مجھے یہ سب سخت ناپسند ہے۔ یوں بھی ہم کوئی چھوٹے بچے نہیں کہ موم بتیوں کو پھونکیں مار کر کیک کاٹیں اور سب کے تالیاں پیٹنے پر خوش ہوں۔"
"چلیں آپ رہنے دیجیے گا میں خود کاٹ لوں گی کیک۔ شادی کے بعد پہلی خوشی آرہی ہے اب اسے بھی نہ منائیں۔ عجیب باتیں کرتے ہیں آپ غیروں سے تو ہم نے اور بھی بہت کچھ مستعار لے رکھا ہے یہ جو سیل فون ہاتھ میں لیے بیٹھے ہیں ناں سب سے پہلے اسے اٹھا کر ماریں دیوار میں پھر یہ جو اسکرین کئی کئی گھنٹے ذوق و شوق سے تکتے رہتے ہیں۔ بے کار بکواس پروگرام دیکھتے ہیں کوئی اینٹ لا کر اس میں بھی دے ماریں اور آپ کی جتنی ڈھیروں ڈھیر پینٹ شرٹس الماریوں میں ٹھونسی پڑی ہیں۔ اگر اجازت دیں تو ان سب کو اپنے ہاتھوں سے تیلی دکھا دوں۔ حد ہو گئی' جہاں میری خوشی کی بات ہو گی وہاں کوئی بونگی دلیل ہی پیش کریں گے آپ اور فالتو خرچا کیوں ہو گا بھلا' میں نے اپنی سہیلیوں کو اور آپ نے اپنے دوستوں اور خاندان والوں کو مختلف موقعوں پر بے شمار تحائف دے رکھے ہیں۔ اب یہی تو وقت ہے وصولی کا میں تو سب کو بلاؤں گی۔ دیکھ لیجیے گا سارا خرچا یوں نکل آئے گا چٹکیوں میں۔" اس نے چٹکی بجائی میں نے گھور کر دیکھا۔
"شیم آن یو' دوستوں اور خاندان والوں کو گفٹس محبت سے دیے جاتے ہیں واپسی کی نیت سے نہیں ہم جو اپنی سہیلیوں کو گفٹس دے چکی ہو بھول بھی جاؤ اب۔ ان کی واپسی کے لیے اب مزید خرچا کرنے کا

سوچنا نری حماقت کے سوا اور کچھ نہیں میرے نزدیک
پتا نہیں کیا شوق جاگا ہے تمہیں۔ اگر زیادہ ہی دل چاہ
رہا ہے کیک کھانے کا تو بھئی اس دن لا دوں گا خوب بڑا
سارا ایک کاٹ لینا کھا لینا اور سب کو کھلا دینا اور اچھا سا
کھانا گھر میں تیار کر لینا۔ بہت دن ہوئے سب نے
اکٹھے کھانا نہیں کھایا۔ اس دن اسی بہانے سب مل
بیٹھیں گے۔ باقی گفٹ کے لیے میں تمہیں پہلے ہی
کہہ چکا ہوں جو تم کہو گی لے دوں گا۔ اب خوش۔"
میں نے ٹانگوں پر ڈالا کمبل منہ تک کھینچ لیا۔ اب میں
تو چھپ گیا تھا مگر سماعت کیسے بند کرتا۔

"آپ... آپ یونہی کرتے ہیں میرے ساتھ۔
ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں پتا نہیں آپ اتنے کنجوس' اتنے
بے حس' اتنے سخت دل کیوں ہیں' آپ کو تو آج سے کم
از کم پانچ ہزار سال پہلے پیدا ہو جانا چاہیے تھا۔ آپ کا
مزاج اس زمانے کے لوگوں جیسا ہی ہے پتھروں جیسا
کوئی شوق ہی نہیں ہیں آپ کے' الٹا ہر بار میری
خواہشوں کی بھی ایسی کی تیسی پھیر دیتے ہیں۔ میرے
ارمان ہمیشہ بس ارمان ہی رہ جاتے ہیں۔ دل مسوس کر
رہ جاتی ہوں ہر بات پر۔ جب شادی ہوئی تو کتنا دل تھا
میرا شوہر کے ساتھ ہنی مون پر جاؤں گی اپنے دیس کی
ساری وادیاں گھوموں گی۔ سفید چادر اوڑھے کہسار
دیکھوں گی۔ سرسبز میدانوں کی سیر کروں گی' خوب
ساری شاپنگ کروں گی۔ مری کے مال روڈ پر برف کے
گرتے گولوں تلے واک کروں گی' سنو مین بناؤں گی اور
...اور مگر میرے ساتھ ہوا کیا شوہر ہی ایسا ملا جس نے
ایک چمچہ سے ہنی کھلا کر کھڑکی سے مون دکھاتے رسم
پوری کروا دی۔

اگر کبھی میکے جانے کا نام لے لوں تو بڑا کارگر بہانہ
ہوتا ہے آپ کے پاس۔ "اونہوں' کیا کرنا ہے وہاں جا
کر ابھی مل تو گئی تھیں پھر ابا بھی ہو کر گئے ہیں پچھلے مہینے
اور تم چلی جاؤ گی تو میرا دل نہیں لگے گا۔" اور جی بات
ختم اور اگر کسی سہیلی کے ہاں جانے کا کہوں تو فٹ
کہیں گے چھوڑو پرے کیا کرنا ہے وہاں جا کر فون پر
بات کر تو لیتی ہو وہی بہت ہے۔ اب جانے پر خرچا کرو
گی۔ اور میرا شاپنگ پر جانا تو گوارہ ہی نہیں ہے آپ کو
پہلے ہی سنا دیں گے۔ کیا ضرورت ہے مزید خریداری
کرنے کی پہلے ہی اتنا سامان بھرا پڑا ہے الماریوں میں
انہیں تو استعمال کر لو پہلے اف۔ اف اور ابھی کچھ دن
پہلے ویلنٹائن ڈے گزرا تب بھی کہہ دیا۔

"غیروں کی رسمیں ہیں۔ دفع کرو ہم کیوں باؤلے
ہوئے پھریں۔"

اور وہ میری دوست گل زہرہ۔ اس کے ہسبینڈ نے
اسے اتنا خوب صورت ریڈ کلر کا جوڑا گفٹ کیا اور وہ
بھی ایسی کمینی اگلے ہی دن چڑھا کر آ گئی مجھے بتانے
کے لیے۔ شاندانہ کو بھی میاں سے زرقون کی رنگ
گفٹ ملی وہ بھی آئی تو ہاتھ نچا نچا کر باتیں کرتی میرا خون
جلاتی رہی۔ کیا کیا یاد کروں میں کیا کیا بھولوں' آپ...
آپ..."

"بہت بھڑاس نکال لی تم نے۔ بہت برا ہوں میں
اب بخش دو مجھے اور آؤ سو جاؤ۔" اتنی ٹھنڈ تھی کمبل
سے منہ نکالتے ہی جھرجھری آ گئی پھر بھی جی کڑا کر کے
ہاتھ باہر نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ وہ اور پرے
کھسک گئی۔

"نہیں سونا مجھے رونا ہے اپنی خواہشوں کی لاشوں پر
جی بھر کر ماتم کر لینے دیں مجھے۔"

"لاحول ولا قوۃ کیا ہو گیا ہے تمہیں کیوں اتنا فضول
بول رہی ہو۔ کون سی خواہش پوری نہیں ہوتی تمہاری
ادھر منہ سے نکالتی ہو۔ ادھر میں چیز حاضر کر دیتا ہوں۔
ایک سال ہو گیا ہے کیا کمی آنے دی ہے میں نے
تمہیں ہر طرح سے خیال رکھتا ہوں۔ جب بھی کہیں
جانے کا کہتی ہو اپنے سو کام چھوڑ کر لے جاتا ہوں۔
ابھی سردیاں شروع بھی نہیں ہوئی تھیں اور تم نے
میرے نہ نہ کرتے بھی دس سوٹ تو بنا ہی لیے تھے۔
الماری میں رکھنے کو جگہ نہیں اور پھر بھی تمہیں آرام
نہیں ہم نے کہا تھا ایک سال تک چلے گا تمہارا وہ
امپورٹڈ' برانڈڈ میک اپ' لیکن ابھی سال پورا بھی
نہیں ہوا تھا کہ...
اس سے پہلے ہی پندرہ ہزار کی میک اپ پروڈکٹس

لے کر دے چکا ہوں تمہیں پھر بھی تم واویلا کر رہی ہو ابھی پہلی سالگرہ آئی ہے اور پورے کمرے میں تمہاری چیزیں یوں ہی بکھری پڑی ہیں۔ اگلی سالگرہ آنے تک تو میرا بستر ہی باہر لگا ہو گا اور پھر بھی تم آنسو بہا رہی ہو۔ آخر ہو نا عورت۔ جو ہوتی ناشکری ہے۔ میں الٹا بھی لٹک جاؤں پھر بھی تم نے کہنا ہے۔ ٹھیک سے نہیں لٹکے۔ ادھر سے پھندا ڈھیلا رہ گیا۔ حد ہو گئی یعنی کہ ....." پھر تو میرے بھی جو منہ میں آیا بولتا چلا گیا۔ وہ پھپک کر رو پڑی جبکہ رونا تو مجھے چاہیے تھا۔ میرا بھی شدت سے دل کیا اس کی طرح رو پڑوں مگر خود پر ضبط کیے اس کی "چچ چچ سوں سوں" سنتا رہا کچھ دیر بعد وہ اس دوپٹے سے ناک پونچھ رہی تھی اسی سے گال رگڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"خبردار یہاں سے ایک قدم بھی بڑھایا تو اس قدر سردی ہے۔ اب باہر تم جاؤ گی اور خواہ مخواہ میں کپکپاہٹ مجھے ہوتی رہے گی۔ چپ چاپ بستر میں لیٹو اور سو جاؤ۔" اور میرے اس خالص شوہرانہ رعب کا فائدہ یہ ہوا کہ کچھ دیر بعد کمبل میں سے اس کی آواز آئی تھی۔

"آپ ہرگز یہ مت سمجھیے گا کہ میں آپ سے ڈر گئی ہوں اور ہر بار کی طرح اس بار بھی آپ میری خواہش کو چھوڑو پرے کہہ کر رد کر دیں گے۔ ہماری شادی کی پہلی سالگرہ ہے۔ کوئی معمولی بات نہیں اور اگر میں اس دن کو سلیبریٹ کرنا چاہ رہی ہوں تو یہ میرا حق ہے اور آپ کسی بھی طرح مجھے میرے حق سے محروم نہیں کر سکتے یاد رکھیں اگر آپ نے کوئی رد و کد کی نہ تو ....."

"تو..... تو کیا لانگ مارچ کرو گی۔ دھرنا دو گی۔ چلو پھر اب یہ بھی کر دیکھنا۔ مگر جو بھی کرنا پلیز کل ابھی سونے دو۔" میں نے پھر سے کمبل میں منہ چھپا لیا۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو گرلز کیا ہو رہا ہے۔" میں نے کچن میں جھانکا صبح اس کا موڈ از حد خراب تھا۔ آفس میں کام کرتے بھی حواسوں پر اس کی صورت چھائی رہی۔ اب بھی جنابہ کے تیور اکھڑے سے تھے مجھے دیکھتے ہی پلٹ کر پورے دھیان سے یوں ہانڈی میں چمچ گھمانے لگی جیسے پوری دنیا میں یہی ایک کام بچا ہو مجھے ہنسی آنے لگی بمشکل قابو کیے رہا شازمہ برتن دھو رہی تھی اس کے ماتھے پر بھی جانے کیوں بل پڑے تھے وہ بولی۔

"کچن میں کام ہی ہو سکتا ہے۔ شاپنگ تو ہونے سے رہی۔"

"ہاں یہ بھی ہے۔ اف اتنی سردی میں میری گڑیا کو کام کرنا پڑ گیا۔ رہنے دو تمہاری بھابھی کس مرض کی دوا ہے وہ دھولے گی نا برتن۔ تم یوں کرو اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے مزے دار سی چائے بنا کر امی کے روم میں لے آؤ۔ میں ادھر ہی ہوں۔"

"ان سے کہو چائے پینا اچھی بات نہیں۔ یہ کون سا ہمارے ہاں اگتی ہے یہ بھی تو ہمیں باہر سے منگوانا پڑتی ہے اور اچھے اور سمجھ دار لوگ غیروں کی چیزیں اور رسمیں استعمال نہیں کرتے یہ تو فضول خرچ بے کار لوگوں کا کام ہے نا۔" وہ خوب جلے بھنے انداز سے کہہ رہی تھی میں ان سنی کرتا پلٹ گیا۔ کچھ دیر بعد شازمہ آئی تھی۔

"یہ لیجیے جی آپ کی چائے۔ یہ امی کی چائے اور یہ آپ کے لیے۔" اس نے امی اور ابو کے کپ انہیں تھما کر میرے آگے دودھ سے بھرا گلاس رکھ دیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" میں نے اسے گھورا۔

"یہ بدتمیزی نہیں برادر عزیز۔ اسے دودھ کہتے ہیں۔"

"آئے ہائے ابھی بچہ تھکا ہارا آیا ہے۔ کھانا کھانا ہے ابھی۔ تم بے وقت دودھ کیوں لے آئی ہو لے جاؤ واپس، چائے لے کر آؤ بھائی کے لیے۔" امی نے اس کے کان کھینچے۔

"آپ کو نہیں پتا امی بلکین مابدولت کو تازہ ترین اور مصدقہ اطلاعات کے مطابق خبر ملی ہے کہ میرے پیارے بھیا جان اغیار کی مصنوعات اور رسومات سے حتی الامکان اجتناب برتنے لگے ہیں۔ سو ان کے مزاج

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

کا خیال رکھتے ہوئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ آج سے ان کی چائے بند۔ مزید بر آں جہاں جہاں ضرورت پڑی یہ فیصلہ لاگو ہوگا۔" وہ نہایت شاہانہ انداز سے کہتی اپنا کپ لیے امی کے پہلو میں جا بیٹھی اور پھر یہ سمجھنے میں قطعی دیر نہ لگی کہ زرنش نے اپنے رونے اس کے آگے بھی رو دیے ہیں۔

"ہائیں کیا مطلب ہے بھی۔" اپنے سیل پر مکمل انہماک سے شطرنج کھیلتے ابو نے چونک کر سر اٹھایا۔

"کچھ نہیں ابو! یہ۔۔۔۔"

"آپ چپ کریں پلیز۔" میں بولنے ہی لگا تھا کہ شازمہ نے ہاتھ اٹھا کر مجھے اسٹاپ کروا دیا۔

"میں بتاتی ہوں۔ قابل قدر والدین، جیسا کہ آپ کو یاد ہوگا سال گزشتہ انہی دنوں میں ہم خوب زور و شور سے برادر محترم کی شادی خانہ آبادی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم اور آپ کی چاہتوں بھری دعاؤں کے طفیل وہ مبارک ساعتیں بھی آئیں جب بے بہا من لبھائی خوشیوں کے جلو میں ہم نے ان کے سر انور پر ہزار ہا ارمانوں کا سہرا باندھا اور ایک من موہنی سی شہزادی آپ کے اس خواب محل کی رونق بڑھانے چلی آئی اور اب وہی شہزادی آپ کے ان شہزادے کے اصولوں پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتی پائی جا رہی ہیں۔ کیونکہ عنقریب پھر وہی بابرکت و یادگار دن آیا چاہتا ہے اور وہ بھرپور طریقے سے جشن منانے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ مگر دوسری جانب شہزادہ حضور کا فرمان عالیشان ہے کہ سالگرہ وغیرہ منانا اغیار کے اطوار ہیں یہ سب فضول اور بے مصرف شوق ہمیں زیبا نہیں۔" ایف ایس سی کے ایگزام کے بعد آج کل وہ فارغ تھی اور یقیناً امی کی الماریوں میں سنبھال سنبھال کر رکھے گئے تمام ڈائجسٹ آج کل اس کی تحویل میں تھے تبھی تو اردو دانی خوب عروج پر تھی۔ میں تو بہکا بکا زبان کے جوہر دیکھ رہا تھا۔

"سالگرہ؟ ارے ہاں سالگرہ سے یاد آیا۔ اس ماہ میں تو کرن کی سالگرہ بھی ہوتی ہے۔" امی ایک دم سے پر جوش ہوتیں سیدھی ہو بیٹھیں۔

"یہ لو تم لوگ بات کر لو اپنی ماں سے، اب انہیں کرن یاد آ گیا۔" ابو عجیب انداز سے اکتا کر بولے۔

"کرن یاد آ گیا نہیں ابو جی کرن یاد آ گئی۔ یہ ضرور آپ کی کوئی نئی سہیلی ہیں۔ میں اب تک ان سے ملا نہیں ہوں کیا تعریف ہے ان کی مما" بابا کی تصحیح کرنے کے بعد میں نے امی کی طرف دیکھا جنہوں نے مجھ پر ایک تیز "گھوری" ڈال کر رخ روشن ابو کی جانب کیا۔

"اجی آپ تو چپ ہی کریں۔ پچھلے ماہ بھی بار بار یاد دہانی کرواتی رہی میں آپ کو مگر مان لیں کہ اب آپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ مجال ہے جو جناب کو یاد رہ گیا ہو۔ جب بھی مارکیٹ گئے بس اک میرا کہا ہی بھول کر آ گئے۔ دو ماہ ہو گئے ہیں آپ نے کوئی ڈائجسٹ لا کر نہیں دیا مجھے ہائے اتنی بے چینی لگی ہے دل کو۔ ایک تو حور یہ اجڑ گئی دوسرے نمنا بے چاری کے ساتھ اللہ جانے کیا ہوا؟"

"ایں۔۔۔ اب یہ نمنا کون ہے؟" ابو حیران سے پوچھ رہے تھے۔

"راہنزل" کی ہیروئن امی نے مزے سے بتایا اور میں ان کی معصومیت پر مسکرا دیا۔

"کیا ہو گیا ہے امی راہنزل تو خود ہیروئن ہوتی ہے اس کی ہیروئن کیسے ہو سکتی ہے بھلا' ہاں اس کا ہیرو کہیں تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ مگر نمنا اس کا ہیرو کیسے ہو سکتی ہے۔" اب کے میں خود الجھ گیا۔

"اوہ ایک تو آپ جیسے ادب سے نابلد لوگوں سے بات کرنا مشکل ہے "راہنزل" تنزیلا ریاض کا ناول ہے اور نمنا اس کی ہیروئن' اب آئی سمجھ میں بات اور صمصام عبید موسوی بیٹا اس بار تمہاری ذمہ داری لگا رہی ہوں۔ ڈائجسٹ یاد سے لے آنا۔"

"جی امی جو حکم۔" میں نے تابعداری سے سر ہلا دیا۔ ان کے اس شوق سے خوب اچھی طرح واقف تھا میں جبکہ ابو کو ان کے اس شوق سے اتنی ہی چڑ تھی۔ ڈائجسٹ لا کر بھی خود ہی دیتے پھر انہیں بری طرح مصروف دیکھ کر پورے گھر میں بڑبڑاتے بھی پھرتے۔ اب بھی انہوں نے چشمے کے اوپر سے رج کے امی کو

گھورا پھر مجھے اشارے سے پاس بلایا۔
"خبردار۔ کوئی بھی ڈائجسٹ لا کر دیا تو تمہاری خیر نہیں میرے ہاتھوں۔ ابھی پچھلے مہینے نئی عینک لگوا کر دی ہے۔ نمبر بڑھ گیا ہے۔ بڑھیا کا مگر ایسا ظالم شوق پال رکھا ہے کہ توبہ۔۔۔ اب کے نمبر بڑھا تو تمہارے پلے ہی ڈال دوں گا خرچا سمجھ گئے نا میری بات۔ اور میں نے بمشکل اپنی مسکراہٹ پر قابو پایا۔
"برائے مہربانی محفل کے آداب کا خیال رکھا جائے۔" ہماری اس کھسر پھسر پر شازمہ نے ہانک لگائی امی کان لگا کر سننے کی کوشش کر رہی تھیں۔
"ارے بھئی بچے کچھ اور بات کر رہے تھے تم اپنا سیاپا ڈال کر بیٹھ گئی ہو۔ ابھی کچھ دن نہیں گئے کہ تمہیں امامہ اور سالار سکندر کا دکھ کھائے جا رہا تھا۔ پھر تمہیں سعدی' فارس اور زمر کی پریشانی لگ گئی۔ اب یہ نہنا کے غم میں دکھی ہونے کی ٹھان لی ہے۔ میں تو صمصام سے یہ کہہ رہا تھا کہ ماں پر ترس کھاؤ۔ ایویں کہیں ان ڈائجسٹوں کے چکر میں دل کی مریضہ نہ کروا لینا اسے تو بس کوئی لطائف کی کتاب لا دینا۔ دل بہلا رہے گا۔" ابو نے کھسر پھسر کی کیا خوب وضاحت کی تھی۔
"ہاں' ہاں آپ کو تو جیسے بہت خیال ہے نا میرا سب جانتی ہوں میں آپ کے اندر کی بات۔ کوئی الٹی پٹی ہی پڑھائی ہوگی اسے۔ عمر گزر گئی مگر میرے بے ضرر سے شوق سے بیر نہ گیا آپ کا صمصام اباپ کی بات پر کان نہ دھرنا بیٹا جو میں نے کہا ہے وہی لے کر آنا سمجھے۔"
"افوہ۔" میری بھی کوئی سنے گا کہ نہیں۔" شازمہ کا حال نقار خانے کی توتی کا سا ہو رہا تھا۔
"ارے بھئی سن لیا ہے۔ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے صمصام یہ کس قسم کی باتیں کرنے لگے ہو بچے۔ خوشی کا دن آیا ہے۔ تو اسے منانے میں کیا قباحت ہے۔ شاندانہ بھی تو منا رہی ہے اس روز آئی تھی تو کیسے خوشی سے سب تفصیلات بتا رہی تھی۔ زرنش کی بھی پہلی خوشی ہے اس کا بھی دل کر رہا ہے تو کیوں روک رہے ہو اسے۔ اب ہم اس دن کو نہیں منائیں گے تو زرنش

کے میکے والے' شاندانہ کے سسرال والے اور سب خاندان والے کیا کہیں گے کہ ہم اب اتنے گئے گزرے ہو گئے کہ بچوں کی پہلی خوشی بھی نہیں منا سکے۔ ارے بھئی اب کیا سب میں ناک کٹواؤ گے ہماری۔" امی کا پرانا روگ "کیا کہیں گے لوگ" یک لخت انگڑائی لے کر بے دار ہوا وہ بھی خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئیں۔ شازمہ نے خوشی سے "ہیتھے رکھ" اسٹائل سے گردن گھمائی اور بھنویں اچکا کر مجھے یوں دیکھا کہ جیسے کہہ رہی ہو "لو بچو۔۔۔ اب بولو۔" میں زرنش کو تو چپ کروا سکتا تھا مگر اب یہاں واسطہ ذرا کڑے انداز سے پڑ گیا تھا چھوٹی موٹی دلیلیں تو یہاں چٹکیوں میں رد ہو جائیں گی۔ میں بھاری بھر کم الفاظ کا چناؤ کرتے خود کو بولنے کے لیے تیار کر رہا تھا کہ مجھ سے پہلے ابو کی آواز آئی۔
"ایک تو ہم لوگوں کی ناک بہت نازک ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہی کٹ جاتی ہے۔ اب یہ سالگرہ منانا ایسا کوئی ضروری امر بھی نہیں ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے صمصام۔" اوہ مجھے ان کے لفظوں نے سرشار کر دیا۔ شکر ہے کوئی تو میرا حامی نکلا میں نے فرط محبت سے ان کا ہاتھ تھام لیا اور کہا۔
"بالکل' بالکل ابو جان اب دیکھیں نا کیا ضرورت ہے بھلا۔"
"کیوں ضرورت نہیں ہے اور بات ضرورت کی کہاں سے آ گئی۔ بات تو خوشی کی ہے۔ ایک چھوٹی سی خوشی ہی تو چاہ رہی ہیں بھابھی کیا آپ ان کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتے۔ چلیں اسی بہانے میں بھی اپنی سب فرینڈز کو انوائٹ کر لوں گی اور ابو پلیز آپ تو بھائی جیسی باتیں مت کریں۔ میں تو اس امید کے ساتھ آئی تھی کہ آپ انہیں کنوینس کریں گے الٹا آپ انہی کی حمایت کر رہے ہیں۔ دس از ناٹ فیئر یہ دھاندلی ہے۔ اس حق تلفی پر ہم چپ نہیں رہیں گے۔ شور کریں گے ضرورت پڑی تو دھرنا دیں گے۔" میری بات قطع کرتی شازمہ اتنی جذباتی ہوئی کہ ایک بازو لہراتی نعرے بازی پر اتر آئی۔ امی نے بوکھلا کر دھمو کا جڑ دیا۔

"خبردار' خبردار دھرنے کا نام نہ لینا میرے گھر میں 'نرمی نحوست ہے یہ ستیاناس جائے اس کی سات نسلوں کا بس۔ جس کم بختی مارے نے یہ رواج ڈال دیا یہ واویلا تو جب بھی اٹھا میرے میکے میں کوئی نہ کوئی آفت ڈال کر ہی گیا۔ یاد ہے نا' جب پہلی بار یہ وبا پھیلی تھی۔ ہک ہاہ۔ اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے آفتاب ماموں کو۔ کیا پیارے 'خلیق' باوقار انسان تھے۔ اپنے سب بھانجے بھانجیوں میں مجھ سے زیادہ محبت تھی انہیں ہمیشہ جب بھی گھر آتے۔ ڈھیروں چیزوں کے ساتھ رنگ برنگی کہانیوں سے سجی کتابیں بھی لایا کرتے۔ مطالعے کا شوق ان سے ہی ملا مجھے۔ بڑی خوب صورت یادیں جڑی ہیں ان سے اب کیا کیا یاد کروں۔ اب تو تمام عمر دل سے یہ صدمہ ہی نہیں جائے گا کہ ان کا آخری دیدار ہی نصیب نہ ہو سکا۔ پھر وہ آپا زبیدہ۔ وہ بھی انہیں دنوں گر کر کولہے کی ہڈی تڑوا بیٹھیں میں ان کی خبر لینے بھی نہ جا سکی۔ وہ آج تک پورے خاندان میں گلہ کرتی ہیں۔ جبکہ بڑی دفعہ وضاحت کر چکی ہوں کہ آپا ان دنوں حالات ہی ایسے تھے کہ ......"

"افوہ امی ہم کوئی مار دھاڑ والا دھرنا تھوڑی دیں گے۔ بھئی ہم تو بہت معصوم انداز سے احتجاج کریں گے۔ مثلاً ......"

"شازمہ چھوڑو رہنے دو کیوں بحث کر رہی ہو۔ جب ابو نے بھی کہہ دیا تو پھر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں۔" زرنش کمرے میں آئی تھی۔ کپ جو اس بحث کے دوران خالی ہو چکے تھے۔ اٹھا کر ٹرے میں رکھے۔ گلاس بھی اٹھا لیا اور پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھی اور جاتے جاتے بولی۔

"میں اس گھر کی بہو ہوں ابو مجھ سے پیار کرتے ہیں۔ لیکن اہمیت وہ ہمیشہ اپنے بیٹے کو ہی دیں گے پتا لگ گیا ہے مجھے۔"

اور اس کا ایسا جذباتی وار خالی جا سکتا تھا۔ ابو نے فوراً "اسے آواز دی تھی۔

"رکھو یہ برتن اور ادھر آؤ اور یہ کیا خناس ہے تمہارے دماغ میں۔ میں تو تمہیں اپنی بیٹی بنا کر لایا ہوں اور میری بیٹی کو کب کمی محسوس ہوئی ہے میرے پیار میں۔" اور وہ روتی صورت بنائے سر جھکا کر کھڑی تھی۔

"بھئی سالگرہ منانا بے شک کوئی ایسا ضروری بھی نہیں ہوتا لیکن جب بات آجائے بیٹی کی خوشی کی تو پھر یہ لازم ہو جاتا ہے۔"

آج تو ابو جان بیان بدلنے میں سب ہی سیاستدانوں کو مات دے گئے تھے۔

"یاہو" شازمہ نے پرمسرت نعرہ مارا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی میدان مار لینے والی مسکراہٹ پھیلی تھی اور میرا تو وہ حال تھا گویا کسی نے مٹھی بھر کے کڑوے بادام منہ میں ڈال دیے ہوں۔

"اور صمصام بیٹا تمہاری باتیں بھی اپنی جگہ ٹھیک۔ لیکن اب زرنش کے جذبات و احساسات کا خیال رکھنا زیادہ اہم ہے تمہارے لیے۔ کچھ دن بہت خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ جنہیں محبت کی دھنک سے سجا کر زندگی کا حسن بڑھایا جا سکتا ہے۔ آج کل کے پرمشقت دور میں اک دوجے کی خیر خبر لینے کا بھی وقت نہیں رہا ہم لوگوں کے پاس یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں تو مجھو مل بیٹھنے کا بہانہ بن جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے تو ایسی مسرتیں کشید کرنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ ہاں بس خوشی کو خوشی سمجھ کر ہی مناؤ اس میں بے جا اسراف کا رنگ نہ چھلکے۔ تم پر بھی کوئی بوجھ نہ ہو اور زرنش کا بھی مان رہ جائے۔" انہوں نے مسکرا کر اپنی پیاری بیٹی کو دیکھا تھا جو ان کے شانے سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی۔ میں نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا جواباً "اس نے منہ چڑا دیا۔ سب ہنس رہے تھے اور مجھے رونا بھی نہیں آ رہا تھا اور لو بھلا میں کیوں روتا یہ کام تو زرنش ہی کریں گی جب اپنی بے جا ضد کا شاخسانہ بھگتیں گی۔ اور بس اسی سوچ نے ایسا گدگدایا کہ میں سب سے زیادہ زور سے ہنس پڑا۔

☆ ☆ ☆

"ابو نے کہا ہے چیدہ چیدہ مہمان بلائیں جائیں۔

زیادہ رش اکٹھا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری خاص الخاص فرینڈز کی لسٹ یہ رہی۔ خاندان والوں میں سے کس کس کو بلانا ہے وہ امی کا ہیڈک ہے آپ ان سے ڈسکس کرلیں اور آپ نے اپنی فیملی اور فرینڈز کی لسٹ مکمل کرلی۔" شازمہ' زرنش کے پاس آ گئی تھی جو پہلے ہی گھنٹہ بھر سے کمرے میں میری موجودگی کو یکسر فراموش کیے کاغذ قلم میں سر دیے بیٹھی تھی اور میرا خون کھولا رہی تھی۔

"ہاں بس ہو گئی۔ تم دکھاؤ اپنی لسٹ۔" زرنش نے سر اٹھایا۔

"بھائی آپ بھی تو اپنے دوستوں کی لسٹ دے دیں تاکہ یہ کام کرکے پھر اسی حساب سے باقی کے انتظامات کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جاسکے۔"

شازمہ نے مجھ سے کہا اور میں نے جواب دینا غیر ضروری جانتے اپنا سارا دھیان اسکرین پر ہی مرتکز رکھا جہاں دو ساؤنڈ ٹائپ حضرات بس اک دو جے کے "ہتی" پڑنے ہی والے تھے۔ مخنی سا اینکر مسلسل ریفری کی فرائض انجام دے رہا تھا ہماری سرحدوں پر کیا دشمن کی گولہ باری ہوتی ہوگی جو وہ فقط منہ سے ہی اک دوسرے پر کر رہے تھے میرا ارتکاز دیکھتے وہ زرنش کی جانب مڑی۔

"اچھا یہ سب کام تو ہوتے رہیں گے۔ یہ بتائیں شاپنگ پر کب جا رہی ہیں آپ۔" اب آنکھیں تو بے شک اسکرین پر تھیں مگر چالاک پڑوسن کی طرح کان ان کی گفتگو پر ہی لگے تھے۔ اس تذکرے پر جہاں میں جز بز ہوا وہیں زرنش نے بے چین ہو کر مجھے دیکھا۔

"بس یہ ذرا ملا کھڑا دیکھ کر فارغ ہولیں تو پوچھتی ہوں ان سے، اور تم بتاؤ تمہاری تیاری کہاں تک پہنچی۔" اور شازمہ وہ شروع ہو چکی تھی مجھے خواہ مخواہ غصہ آنے لگا۔ مگر بد لحاظ ہونے سے پہلے ہی نہایت تمیز سے بول پڑا۔

"ڈیئر گرلز۔ اس فضول گوسپ کے لیے میرا ہی کمرہ ملا ہے آپ کو۔ کہیں اور چلی جائیں پلیز۔"

"جی نہیں۔ اب تو کہیں نہیں جائیں گی ہم۔ اب تو یہ گوسپ یہیں ہوگی اور یہ دھینگا مشتی تو ہر دوسرے چینل پر چل رہی ہوتی ہے پھر کسی وقت فیض یاب ہو لیجیے گا۔ فی الوقت تو یہ بتائیں کہ اتنے خاصے موقعے پر بھابھی کو کیا گفٹ کر رہے ہیں آپ اب دیکھیں ناجب ہم اتنے لوگوں کو بلائیں گے تو پھر گفٹ بھی تو اسی حساب سے ہونا چاہیے ناں سب پوچھیں گے بھابھی سے تو کیا بتائیں گی یہ۔" اور زرنش چونک اٹھی۔

"اوہ ہاں اچھا یاد دلایا بلکہ تم سے مشورہ بھی کرنا تھا پتا ہے انہوں نے مجھ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ گفٹ میری مرضی کا ہوگا اب مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کیا لوں۔ کوئی گولڈ یا پھر ڈائمنڈ کی چیز ہونی چاہیے ہے نا۔ سب پر خوب امپریشن پڑے گا۔ میری فرینڈز ہر بار دل جلانے آجاتی ہیں میرا اور وہ گل زہرہ اس کی تو بولتی بند کروانی ہے۔ ہمیشہ کلساتی ہے مجھے میں نے بھی سوچ لیا ہے گفٹ ایسا لوں گی کہ جو بھی دیکھے اک بار تو دانتوں میں انگلی ہی داب لے۔"

"بالکل' بالکل حق ہے آپ کا موقع بھی ہے اور دستور بھی' سستے میں مت چھوڑیے گا بھائی کو۔" شازمہ بہن میری تھی اور بھرپور ساتھ وہ زرنش کا دے رہی تھی۔ جی تو چاہا ایک چپت لگاؤں اس کے سر پر مگر اس شرارتی بلی کو صرف گھورنے پر اکتفا کرتے میں نے اپنی زوجہ کی خیالی پلاؤ سے بھری پلیٹ کو ہٹ لگادی۔

"ارے تم اسے کیا پٹیاں پڑھا رہی ہو ستے میں تو تمہاری پیاری بھابھی جان نے مجھے پہلے بھی کبھی نہیں چھوڑا۔ اب جو یہ ان کی دلی آرزو پوری کرنے کے لیے اتنا خرچا کروں گا میں وہ کسی گفٹ سے کم ہوگا کیا میں تو کچھ اور پلان کیے ہوئے تھا مگر انہیں ہی شوق ہوا تھا یہ سب کرنے کا تو چونکہ ان کی منشا پر اب یہ خوشی منائی جائے گی تو اسے ہی میری طرف سے فرسٹ اینورسری کا گفٹ جان لیا جائے اور مجھ سے مزید کی توقع نہ رکھی جائے۔" میں نے مزے سے زرنش کی آنکھوں میں جھانکا تو حسب توقع کھلتی ہی جا رہی تھیں۔

"حد کرتے ہیں بھائی آپ بھی ارے آپ ایسے حسابی کتابی کب سے ہو گئے۔ یہ کس قسم کی باتیں کرنا

شروع کردی ہیں آپ نے جو بھی خرچا ہو گا وہ آپ نے ہی کرنا تھا نا‘ وہ آپ کی ہی ذمہ داری ہے۔ اب اس کی آمد میں گفٹ کی کٹوتی تو مت کریں۔ آپ نے کہاں سے سیکھ لیں ایسی چالاکیاں توبہ ہے۔ یہ تو سراسر ظلم ہے زیادتی ہے۔ آپ اس طرح نہیں کر سکتے۔"

"دیکھ لیا۔ دیکھ لیا۔ یہ اسی طرح کرتے ہیں میرے ساتھ۔ ایسے ہی دل جلاتے ہیں میرا۔ پہلے خود کہا کہ گفٹ تمہاری مرضی کا ہو گا اور اب صاف مکر گئے۔ آپ بھی گفٹ نہیں دیں گے تو اتنے لوگوں کو بلا کر میں نے اپنا مذاق اڑوانا ہے سب پوچھیں گے مجھ سے تو کیا بتاؤں گی انہیں کہ یہ میرے شوہر نے آج کی تقریب کا انعقاد کر کے احسان کیا ہے مجھ پر جیسے اس روز صرف میری ہی شادی کی سالگرہ آ رہی ہے۔ آپ کا تو کوئی واسطہ ہی نہیں اس دن سے۔" اسے خوب غصہ آیا تھا اور مجھے اس کی بات پر ہنسی۔ جسے میں نے چھپانے کو منہ پھیر لیا۔ گیم اب فائنل راؤنڈ میں داخل ہو چکی تھی اور مزید دلچسپ بھی اس کی جلی کٹی سننے کے لیے شازمہ ہی تھی۔ میں بغور وہ "کچے چٹھے" سننے لگا جو دو گینڈے ایک دوسرے کے کھول رہے تھے۔

٭ ٭ ٭

وہ جو ہر طرف اک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ سب کی زبان پر ایک ہی ذکر رہنے لگا تھا۔ تو اب یکدم سے جیسے سناٹا چھا گیا۔ تین دن سے مکمل سکوت طاری تھا امی کو تو میں نے تازہ شمارے لا دیے تھے۔ اس وعدے کے ساتھ کہ ابو کو خبر نہ ہو۔ موسم کی شدت کے باعث آج کل وہ کمرے سے کم ہی نکلتی تھی۔ اب بالکل ہی بیڈ روم کی ہو کر رہ گئیں۔ شازمہ اس دن کی مجھ سے خفا تھی سیدھے منہ بات ہی نہ کرتی۔ زرلش کے مزاج الگ سوا نیزے پر تھے۔ مسلسل کیسی غبارے کی طرح پھولا ہوا منہ‘ بات بھی کرتی تو یوں گویا میری سات نسلوں پر احسان کر رہی ہو۔ اس شام گھر آیا تو وہ ویلوٹ کے کھلتے ہوئے گلاب سے رنگ کا سوٹ زیب تن کیے پرل کی جیولری پہنے نفیس سے میک اپ میں ازحد پیاری لگ رہی تھی۔ صاف ستھری تو وہ روز ہی ہوتی تھی۔ لیکن آج کی تیاری کچھ خاص الگ رہی تھی‘ کچن میں خلاف معمول شازمہ مصروف تھی۔ میں روم میں چلا آیا۔ وہ میرے پیچھے ہی چائے لیے آئی تھی۔ میں نے بہت دل سے مسکرا کر دیکھا۔

"آج تو لوگ بہت حسین لگ رہے ہیں۔ بالکل ریڈ روز جیسے فریش اینڈ بیوٹی فل بلیو می میرے تو سارے دن کی تھکن اتر گئی تمہارا یہ دلربا سا روپ دیکھ کر لیکن بس ایک کمی ہے۔ تمہارے چہرے پر مسکراہٹ کا نہ ہونا ایسے ہی لگ رہا ہے جیسے کھانے کے ساتھ سلاد نہ ہو تو مزا نہیں آتا۔" "اور یقیناً" اسے میری دی ہوئی مثال پسند نہیں آئی تھی اسی لیے تو سنجیدہ تیور لیے ڈریسنگ روم کی جانب چلی گئی۔ اگلے لمحوں میں پلٹی تو ایک بازو پر ہینڈ پرس تھا اور دوسرے ہاتھ سے بھاری بھرکم بیگ گھسیٹتی لا رہی تھی میں حیران ہی رہ گیا۔

"یہ کیا ہے بھئی؟ کدھر کی تیاری ہے؟"

"آپ چائے پی لیں۔ پھر مجھے امی کی طرف چھوڑ آئیں۔"

"کیا بات ہے یہ ایک دم سے کیوں جا رہی ہو۔ صبح تک تو تمہارا ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ سب خیریت ہے ناں؟"

"جی سب ٹھیک ہے۔ بس میرا دل چاہ رہا تھا۔ امی سے پوچھا تو انہوں نے کہا چلی جاؤ۔" وہ الماری کا پٹ کھولے کھڑی ہو گئی۔ اور اس کی اس ادائے بے پروا نے مجھے اچھی طرح سمجھا دیا کہ اس کا دل کیوں چاہ رہا تھا۔

"سوری! میں آفس کام کرنے جاتا ہوں آرام کرنے نہیں اب وہاں سے واپسی کے بعد مجھ میں تو اتنی ہمت نہیں کہ تمہیں کہیں لے کر جاؤں اور خیر سے جب تم نے امی سے اجازت لینا ہی ضروری سمجھا ہے تو پھر جاؤ ان سے ہی کہو تمہیں چھوڑ بھی آئیں۔" مجھے تو اس کے انداز پر تاؤ ہی آ گیا۔ وہ اگر خفا تھی تو ناراض ہونا مجھے بھی آتا تھا۔ اچھے بھلے موڈ کا ستیاناس

کرڈالا تھا۔ میں نے کوٹ اتار کر پرے مارا۔ ٹائی کھینچ کر دور پھینکی موبائل' چابی بیڈ پر اچھال کر خود بھی گرنے کے سے انداز سے بیٹھ گیا۔ اگلی شامت شوز کی آئی جنہیں یہاں وہاں پٹخا۔ میں بہت دن سے نہایت تابعداری کے ساتھ اس کے تیور برداشت کر رہا تھا لیکن اس حرکت کے بعد تو اس کی گیم اوور ہو چکی تھی۔ اب میری باری تھی اور میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔ مگر..... اف میری اس پلاننگ پر پانی پھیرنے کے لیے اس نے جھٹ پلکیں بھگولی تھیں۔ میں نے وہیں بند باندھا۔

"خبردار! اب یہ رو کر مت دکھانا مجھے۔ میں بتا رہا ہوں۔ میں کوئی نہیں متاثر ہونے والا ان آنسوؤں سے جب مجھے بتائے مجھ سے پوچھے بنا تم نے جانے کا سوچ ہی لیا ہے تو پھر میں بھی ہرگز نہیں روکوں گا۔ جاؤ چلی جاؤ۔" میں نے منہ پھیر لیا۔ ارے بھئی غصے سے نہیں۔ اب بڑک تو ماری دی تھی لیکن یہ سچ ہے کہ میں اس کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ میرے پاس آبیٹھی۔

"اگر میں اپنے گھر والوں کے لیے اداس ہو جاؤں تو کیا اب اپنی مرضی سے وہاں جانے کا بھی حق نہیں رہا مجھے۔"

"محترمہ اب آپ کا گھر والا میں ہوں اور یہاں کے باقی افراد خانہ آپ کے گھر والے جب ہم سب آپ کے ساتھ ہیں تو پھر آپ کے اداس ہونے کا کوئی جواز نہیں بنتا اور اگر آپ اپنی مرضی سے چلی جائیں گی تو میرا کیا ہو گا میں تو ایک دن نہیں گزار سکتا آپ کے بغیر میں کتنا اداس ہو جاؤں گا یہ کیوں نہیں سوچا آپ نے۔" رنگ بدلنے میں گرگٹ سے بھی زیادہ نمبر لے گیا تھا میں۔ اس نے ناک چڑھا کر مجھے دیکھا۔

"اچھا سینس آف ہیومر ہے آپ کا۔"

"حد ادب لڑکی تم میرے جذبات کا مذاق اڑا رہی ہو جانتی ہو اس گستاخی پر کیا سزا ہو سکتی ہے تمہیں۔" اب کہ میں نے اگلا روپ بدلا۔

"ظل الٰہی اگر جان کی اماں پاؤں تو کچھ عرض کروں۔ سزا کے حق دار تو پھر آپ بھی ہیں۔ جو ہر بات پر میرے جذبات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ میری خوشی سے زیادہ آپ کو اپنی جیب پیاری ہے۔ تو خوش ہو جائیں پھر نہ ہم کوئی دن منا رہے ہیں نہ آپ مجھے گفٹ دے رہے ہیں۔ بس سب ختم۔" اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

"گڈ ویری گڈ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ آپ نے تو ہمیں مسرور کر دیا۔ واللہ ہم آپ کی سمجھ داری کے قائل ہو گئے گو کہ ہمارے مشورے واجازت کے بغیر آپ ایک قدم اٹھانے کی روادار نہیں تھا کہ اتنا مال اسباب لیکن ابھی آپ کے لفظوں نے ہمارا دل جیتا ہے تو اسی لیے انعام کے طور پر آپ کی مرضی کو قبول کیا جاتا ہے۔ جایئے آپ امی سے مل کر آئیں۔ یہ عمرو کی زنبیل" غلام لے آتا ہے۔" بیگ کی طرف اشارہ کرتے میں نے سر خم کیا۔ زرلش نے بے اختیار اک تحیر بھری نگاہ مجھ پر ڈالی۔ میں نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔ وہ خاموشی سے شوز اٹھا لائی۔

اس کے کمرے سے نکلتے ہی میں نے بیگ گھسیٹ کر واپس ڈریسنگ روم میں رکھا اور ہاتھ جھلاتا گاڑی میں آبیٹھا کچھ دیر بعد وہ آئی تھی۔

"پتا ہے زری جان میں نے آفس سے نکلتے ہی سوچا تھا۔ گھر جاتے ہی تمہیں کہوں گا جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ہم لانگ ڈرائیو پر جائیں گے پھر اکٹھے مزے دار ساڈنر کریں گے۔ اس کے بعد اچھی سی مووی دیکھیں گے اور جب گھر آتے ہی میں نے تمہیں دیکھا تو سچ میں میرا دل سرشار ہو گیا۔ اتنی خوشی ہوئی مجھے تم بن کہے ہی میرے دل کی بات جان لیتی ہو کتنی اچھی ہو تم۔"

"دیکھ لیں یہ میری محبت ہے اور ایک آپ کی محبت ہے۔ میرا کیا ہوا بھی کسی کھاتے میں نہیں ڈالتے اور خیر اپنے سب پروگرام اپنے پاس ہی رکھیں۔ فالتو خرچا کرنے کی ضرورت نہیں میں نے امی کو فون کر دیا تھا۔ انہوں نے کھانا بنا لیا ہو گا۔ سب ہمارا ویٹ کر رہے ہیں۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔

"کچھ دیر کے لیے چلے جائیں گے وہاں بھی اگر ڈنر کرنے کے بعد گنجائش نکل سکی تو امی کے ہاتھ کا کھانا

بھی چکھ لیں گے۔ پریشان کیوں ہوتی ہو یار۔" میں نے اسے تسلی دی تھی اور اسے جھٹکا لگا تھا۔

"واٹ ڈو یو مین بائے کچھ دیر کے لیے۔"

"کچھ دیر کا مطلب ہوتا ہے کچھ دیر کے لیے اب تمہارا دل چاہ رہا ہے تو ہم وہاں جائیں گے ضرور اور دیکھو تم میرے ساتھ ہی واپس آجاؤ گی۔ کیونکہ پیاری زوجہ آپ کی وہ زنبیل تو میں لے کر ہی نہیں آیا۔" اور حسب توقع وہ چیخ اٹھی تھی۔

"کیا... کیا آپ... آپ..."

"بس، بس اب میرے گناہ جھاڑنے مت لگ جانا، لو پہلے یہ دیکھو پھر جی بھر کر میری تعریف کر لینا۔" میں نے ڈیش بورڈ پر رکھا لفافہ اٹھا کر اسے تھمایا۔ اسے یقیناً "بہت غصہ آ رہا تھا اور یقین تھا اگلے پل بھری آنکھوں کے ساتھ وہ ہنس دے گی۔ یوں ہنستی روتی وہ مجھے اس قدر اچھی لگتی ہے کہ اکثر یہ منظر دیکھنے کے لیے میں جان بوجھ کر اسے تنگ کر دیتا ہوں اور اس بار تو کچھ زیادہ ہی ہو گیا تھا۔ کچھ پل تو اسے سکتہ ہی ہو گیا۔ پھر دونوں ہاتھ منہ پر رکھے وہ رو دی اور روتے روتے کہہ رہی تھی۔

"بہت، بہت، بہت زیادہ برے ہیں آپ۔" میں نے بالکل برا نہیں مانا تھا۔ خوب دل کھول کر ہنسا۔

☼ ☼ ☼

وہ شام بلاشبہ بے حد دلفریب تھی۔ سب کی محبتوں نے ہماری خوشی کا حسن دوبالا کر دیا تھا اور میرے لیے تو وہ جگمگاہٹ حد درجے قیمتی تھی۔ جو نکھرا سا روپ سروپ لیے زرنش کے خوب صورت چہرے پر لشکارے مار رہی تھی۔ وہ کتنی مسرور ہے اس سے پوچھنے کی قطعاً "ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس کی آنکھوں سے چھلکتی روشنیاں ہی اندر کا سب حال کہہ رہی تھیں۔

وہ پورے اعتماد سے مہمانوں کو اٹینڈ کرتی رہی اور اپنی سب پیاری سہیلیوں کے ساتھ ہنس بول رہی تھی اور اس نے تو بے چاری گل زہرہ کی بولتی بند کروائی تھی ناں۔ سب پھیلاوا سمیٹنے کے بعد ہم ڈھیروں ڈھیر گفٹس کھول کھول کر دیکھ رہے تھے تو میں نے پوچھ لیا اور وہ ہنس پڑی۔

"وہ اور چپ کر جائے تو بہ ہے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ بڑی تیز ہے وہ جب میں نے اسے بتایا کہ چونکہ ہم شادی کے بعد کہیں بھی گھومنے نہیں جا سکے تھے۔ تو اب ہم پندرہ روز ٹرپ پر ناردن ایریاز کی سیر کرنے جا رہے ہیں سمجھو وہ جو میرا ہنی مون کا خواب تھا۔ وہ سال بعد ہی سہی۔ میرے میاں جانی نے اسے پورا کر دکھایا ہے۔ اور پتا ہے میری خوشی میں خوش ہونے کی بجائے اس نے جھٹ سے کیا کہا؟"

"اوہ ہاں زری یار مری میں کشمیری شالیں بڑی زبردست ملتی ہیں۔ میرے لیے تو کم از کم بھی دو لے کر آنا۔" زرنش نے من و عن اس کے لفظ دہرا دیے۔ میں مسکرا دیا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے اب..."

"لانی تو پڑیں گی۔ ورنہ طعنے دے دے کر مار دے گی وہ مجھے۔ اور صرف وہی کیا باقی سب بھی اپنی اپنی فرمائشیں نوٹ کروا رہی تھیں۔ مسیجز کا ڈھیر لگ گیا ہے۔ میرے سیل میں حد ہے خیال ہی نہیں کسی کو ہم وہاں کے دل لبھاتے نظارے دیکھیں گے یا پھر سب کے لیے صرف شاپنگ ہی کرتے رہیں گے' شازمہ نے تو اتنی لمبی لسٹ دی ہے مجھے یہ دیکھیں میں آ رہی تھی تو اس نے میرے دوپٹے کے ساتھ باندھ دی۔" زرنش پلو پر لگی گرہ کھول رہی تھی۔ میں اس کی جھنجلاہٹ دیکھ دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔

"بھئی اپنی پیاری زوجہ کو تو میں اس کی مرضی کی شاپنگ کروا دوں گا۔ لیکن یہ جو اضافی لسٹیں لے کر جاؤ گی ناں۔ تو سوری میرے بجٹ میں یہ کہیں بھی ایڈجسٹ نہیں ہو پائیں گی۔" میں نے بے دید بنتے ہوئے پہلے ہی ہری جھنڈی دکھا دی۔

"بے فکر رہیں اس معاملے میں آپ پر مزید بوجھ نہیں ڈالوں گی۔ آپ جو پاکٹ منی دیتے ہیں مجھے وہ ویسے کے ویسے ہی رکھی ہے میرے پاس۔ اب وہ کام

آجائے گی۔ مجھے تو پہلے ہی قلق لگ گیا ہے آپ نے تو ایک ماہ کا ٹور پلان کیا تھا مگر جو پندرہ دن کا رہ گیا میرے شوق کے پیچھے۔"

"یہی تو بات ہے محترمہ آپ میرے دل کے ارادوں تک پہنچ ہی نہیں پاتیں۔ بہت سمجھاتا رہا میں مگر نہ جناب وہ آپ ہی کیا جو مان جائیں۔" میں مسکرا دیا۔

"خیر آج کا ایونٹ بھی خوب رہا اتنی تو محبتیں اور دعائیں ملی ہیں سب کی۔ اور یہ اتنے ڈھیر سارے گفٹ۔ میرا روم تو ستاروں سے بھر گیا ہے اور میرے خیال میں اب ہمیں سونا چاہیے۔ کیونکہ کل کا دن بھی بہت سے کام کرنا ہیں پیکنگ کرنا ہے مجھے۔ میرا تو ایک بیگ کافی رہے گا۔ آپ کے لیے تین بیگ تیار کرلوں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"ہائیں! تین بیگ؟ کیا ہوگیا ہے یار میں پندرہ روز کے لیے جا رہا ہوں میری جان، تین ماہ کے لیے نہیں۔ اب کیا وہاں میں سامان ہی گھسیٹتا پھروں گا کوشش کر کے کم سے کم لگیج بناؤ۔"

"میری تو کوشش یہی ہوگی مگر پھر خیال آیا آپ کے لیے تو بہت زیادہ گرم کپڑے رکھنا پڑیں گے۔ اب دیکھیں نا آپ کو تو یہاں ہی اتنی سردی لگتی ہے۔ وہاں تو پھر برف پڑ رہی ہے۔ میں تو یہی سوچ سوچ کر ہلکان ہو گئی ہوں کہ نمونے تو آپ ہیں ہی۔ کہیں خدانخواستہ وہاں کی شدید ٹھنڈ میں نمونیہ نہ کروا آئیں۔"

"کیا....." میں چیخا تھا۔ وہ قل قل کرتی ہنسے جا رہی تھی۔ کچھ پل تو میں اسے کڑے تیوروں کے ساتھ گھورتا رہا اور پھر اس کی ہنسی میں میرا قہقہہ بھی شامل ہوگیا۔

☼ ☼

سالگرہ نمبر

ناولٹ

نگہت سیما

نیل گر

فضل دین نے کڑاہی چولہے پر رکھتے ہوئے سامنے تخت پر بیٹھی حاجرہ کی طرف دیکھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پاکر' وہ مدھم سا مسکرایا۔ حاجرہ بھی مسکرادی۔ چھ سال پہلے جب اس کی بیوی کا انتقال ہوا تھا تو حاجرہ صرف تین سال کی تھی۔ تب حاجرہ کے خیال سے اس نے اپنا چولہا اندر صحن میں اپنی دکان کے صحن میں کھلنے والے دروازے کے بالکل سامنے بنالیا تھا۔ وہ رنگ ساز تھا اور اس کی دکان اس کے گھر

کے اندر ہی تھی۔ جس کا ایک دروازہ باہر گلی میں کھلتا تھا۔ جب تک حاجرہ کی ماں زندہ تھی گھر کے اندر کھلنے والا دروازہ بند ہی رہتا تھا۔ وہ صرف بوقت ضرورت ہی اس دروازے کو استعمال کرتا تھا۔ اس نے دکان کے تھڑے پر مٹی کا چولہا بنا رکھا تھا اور وہاں ہی کپڑے رنگتا تھا۔ ایک بڑی کڑاہی ہر وقت چولہے پر دھری رہتی تھی۔ یوں تو اس گلی میں اور بھی کئی رنگ سازوں کی دکانیں تھیں، لیکن فضل دین کا اپنا ایک نام تھا۔ وہ بہت احتیاط اور محنت سے رنگ چڑھاتا تھا۔ کبھی کسی کو شکایت نہیں ہوتی تھی کہ وہ صحیح رنگ میچ نہیں کرتا یا اس کے رنگ کچے ہوتے ہیں۔ رنگ سازوں کی کئی دکانیں ہونے کی وجہ سے اسے "نیل گروں کی گلی" کہتے تھے۔

تقسیم سے پہلے تو اس گلی میں صرف رنگ ساز ہی رہتے تھے، لیکن اب دوسرے لوگ بھی آباد ہو گئے تھے۔ تاہم اب بھی اس گلی کا وہی پرانا نام تھا۔ زیادہ تر مکان پرانے تھے۔ کچھ دکانیں تو فضل دین کی دکان کی طرح گھروں کے اندر ہی تھیں۔ سامنے دکانیں پیچھے گھر اور کچھ دو منزلہ مکان تھے۔ نیچے دکانیں اوپر رہائش کے لیے گھر۔ فضل دین کا سات مرلے کا کافی کشادہ گھر تھا۔ کھلا صحن، برآمدہ، برآمدے میں تین کمرے ایک قطار میں صحن میں کچن اور واش روم۔ گلی میں کھلنے والے دروازے کے ساتھ ہی ایک کمرہ جسے بیٹھک کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کا ایک دروازہ صحن میں اور ایک باہر گلی میں کھلتا تھا۔ فضل دین کے والد نے اسے دکان بنا لیا تھا اور ان کے بعد بھی یہ دکان کے طور پر ہی استعمال ہوتا رہا۔

فضل دین نے اپنی مدد کے لیے ایک لڑکا ظفری بھی رکھا ہوا تھا۔ بیوی کے انتقال کے بعد چند دن تو وہ حاجرہ کو اپنے ساتھ ہی دکان پر لے جاتا رہا اور اسے ایک طرف اونچی چوکی پر بٹھا کر خود کام میں مصروف ہو جاتا تھا، لیکن ایک روز جب وہ گاہکوں کے ساتھ مصروف تھا

وہ چپکے سے دکان سے اتر گئی وہ تو مولوی صاحب نے جن کی دکان گلی کے نکڑ پر تھی اسے گلی کا موڑ مڑتے دیکھ لیا تو انگلی پکڑ کر اسے فضل دین کے پاس لے آئے۔

"فضل دین دھیان رکھا کرو بیٹی کا۔ وہ تو میری نظر پڑ گئی ورنہ روڈ پر نکل جاتی تو جانے کیا حادثہ ہو جاتا۔"

"شکریہ مولوی صاحب۔" فضل دین پریشان ہو گیا تھا۔

"ارے بھئی شکریے کی کیا بات ہے۔ حاجرہ ہماری بھی بچی ہے۔ اس لیے تو کہتا ہوں دوسری شادی کر لو۔ حاجرہ کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔" مولوی صاحب ہمیشہ کی طرح دوسری شادی کا مشورہ دے کر چلے گئے تھے، لیکن فضل دین ڈر گیا تھا کہ کہیں یوں ہی وہ کسی روز دکان سے باہر نہ نکل جائے اور اسے خبر بھی نہ ہو۔ تب اس نے گھر کے صحن میں ہی چولہا بنالیا۔ حاجرہ کو وہ برآمدے میں لکڑی کے تخت پر بٹھا دیتا اور اس کے سامنے کھلونے اور کھانے کے لیے بسکٹ، میٹھی سونف، ٹافیاں وغیرہ رکھ دیتا تھا۔ وہ کھلونوں سے کھیلتی رہتی۔ اور فضل دین کو دیکھتی رہتی فضل دین بھی کپڑے رنگتے ہوئے گاہ بہ گاہ اسے دیکھتا رہتا۔ اس کی نظریں دکان سے باہر آنے والے گاہکوں پر بھی رہتی تھیں جو نہی کوئی خاتون تھڑے کے پاس آکر رکتی وہ فوراً" اٹھ کر دکان کے اندر چلا جاتا۔ دوپٹے لیتا، پرچی بناتا اور ایک پرچی اسی نمبر کی بنا کر دوپٹے یا رنگنے والے کپڑے کے کونے میں باندھ کر گولا سا بنا کر بغیر طاق کی الماری میں دوسرے دوپٹوں کے ساتھ رکھ دیتا اور واپس صحن میں آکر پہلے حاجرہ کا گال سہلاتا اور پھر چولہے کے پاس آکر اپنے کام میں مصروف ہو جاتا۔

حاجرہ کھیلتے کھیلتے تھک جاتی تو اکثر وہاں ہی تخت پر سو جاتی تو وہ فوراً" اٹھ کر اس کے سر کے نیچے تکیہ رکھتا اس کے کھلونے اٹھا کر کھلونوں والی باسکٹ میں رکھتا اور وہ واپس آکر اپنے کام میں مصروف ہو جاتا۔

نیل گروں کی اس گلی میں لوگوں میں مروت باقی تھی۔ سب ہی ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے تھے اور ایک دوسرے کا خیال کرتے تھے۔ اس لیے فضل دین کو حاجرہ کی پرورش کرنے میں زیادہ پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ کہیں آنا جانا ہوتا تو پاس پڑوس میں کسی کے بھی گھر چھوڑ جاتا اور وہ خوش دلی سے اس کا خیال رکھتے تھے۔

حاجرہ عام سی بچی تھی۔ سانولا رنگ، پھولے پھولے گال اور موٹی موٹی آنکھیں، لیکن وہ فضل دین کی کل کائنات تھی۔ پہلے اس کی زندگی زرینہ اور حاجرہ کے گرد گھومتی تھی اب زرینہ نہیں رہی تھی تو اس کی زندگی کا مرکز و محور صرف حاجرہ رہ گئی تھی۔ اس نے دوستوں یاروں اور ہمدردوں کے اصرار کے باوجود دوسری شادی نہیں کی تھی۔ وہ حاجرہ کو سوتیلی ماں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ کیا خبر آنے والی کیسی ہوتی سو وہ خود ہی حاجرہ کا دھیان رکھتا رہا۔ وہ پانچ سال کی ہوئی تو اسے قریبی اسکول میں داخل کروا دیا۔ زرینہ کی بڑی خواہش تھی کہ اس کی بیٹی اسکول کالج میں پڑھے۔ اگرچہ اس کا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ لمحہ بھر کے لیے بھی اسے خود سے جدا کرے، لیکن پھر زرینہ کی خواہش دل کی تمنا پر غالب آگئی تھی۔ سو وہ اسے اسکول داخل کروا آیا تھا۔ صبح خود اسے اسکول چھوڑنے جاتا اور اس کی چھٹی سے آدھ گھنٹہ پہلے ہی اسکول کے باہر جا کر اس کے انتظار میں بیٹھ جاتا تھا۔ اور اب تو حاجرہ چوتھی کلاس میں تھی وہ اسے لکھتے پڑھتے دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا۔

اس نے ابلتے ہوئے پانی میں دوپٹا ڈالا اور نظر اٹھا کر حاجرہ کی طرف دیکھا جو اپنی کاپیاں اور کتابیں بیگ میں رکھ رہی تھی۔ بیگ بند کر کے وہ تخت سے اتر کر فضل دین کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔

"کام ختم ہو گیا میری گڑیا کا۔"

"جی ابا۔"

"حاجرہ دوپٹے کو دیکھ رہی تھی جو پہلے بالکل سفید تھا

اور اب کڑاہی میں پڑتے ہی گلابی ہو گیا تھا۔
"تو میری بیٹی نے اب سہیلی کے پاس جانا ہے۔ چھوڑ آؤں۔"
"نہیں۔" حاجرہ نے نفی میں سر ہلایا۔
"اچھا تو میرے بچے کو بھوک لگی ہو گی۔ بس یہ دو دوپٹے رنگ لوں تو پھر دونوں باپ بیٹی کھانا کھائیں گے۔" فضل دین نے لکڑی کی لمبی چھڑی سے دوپٹے کو اوپر اٹھاتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا۔
"نہیں۔" حاجرہ نے پھر نفی میں سر ہلایا اور دوپٹے کے رنگ کو مزید گلابی ہوتے دیکھنے لگی۔ وہ دلچسپی اور شوق سے دوپٹے کو رنگ بدلتے دیکھ رہی تھی۔ فضل دین نے لکڑی کی اسی لمبی چھڑی پر دوپٹا اوپر اٹھایا اور کچھ دیر یوں ہی اٹھائے رکھا۔ وہ بالکل گلابی ہو گیا تھا۔ سامنے والے گلو بھائی کی دلہن کے کپڑوں کی طرح۔
"ابا عید پر میں بھی گلابی رنگ کے کپڑے لوں گی۔" حاجرہ کی آنکھوں سے اشتیاق جھلکتا تھا۔
"ہاں ضرور۔" فضل دین مسکرایا۔
"ایک جوڑا تو نہیں لوں گا صرف۔ جو جو رنگ میری گڑیا کو پسند ہے وہ سب لے لینا۔"
"فضل دین بھائی؟" دکان کے باہر سے کسی نے پکارا تو چھڑی پر لٹکتے دوپٹے کو اس نے قریب پڑے ٹھنڈے پانی کے لگن میں ڈالا۔
"آیا بھائی۔" فضل دین اٹھ کر دکان میں چلا گیا تو ظفری ٹھنڈے پانی میں پڑے دوپٹے کو الٹ پلٹ کرنے لگا' تو حاجرہ واپس تخت پر آکر بیٹھ گئی۔ فضل دین جب واپس آیا تو حاجرہ تخت پر پڑے بیگ پر سر رکھے سو رہی تھی۔ فضل دین نے اس کے سر کے نیچے سے آہستگی سے بیگ نکالا۔ گھر گھر کرتے پنکھے کو دیکھا جس کی ہوا حاجرہ تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ جھک کر احتیاط سے اٹھایا اور کمرے میں جا کر لٹا دیا اور اس کی پیشانی چوم کر واپس چولہے کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

عید قریب تھی اور نیل گروں کی گلی میں خوب رونق تھی۔ ہر رنگ ساز کی دکان کے سامنے عورتوں اور لڑکیوں کی بھیڑ لگی تھی۔ فضل دین بھی بہت مصروف تھا' سب کو عید سے پہلے ہی اپنی چیزیں چاہیے تھیں۔ کچھ پرانے گاہک تو فضل دین سے کہہ جاتے کہ دوپٹے شلوار یں وغیرہ رنگ کر حمید ٹیلر کو دے دے تاکہ وقت پر سلائی ہو سکیں۔ حمید کی دکان پچھلی گلی میں تھی۔ اس روز بھی وہ ظفری کو دوپٹے رنگنے کا کہہ کر خود حمید ٹیلر کو مسز حامد کے کپڑے دینے چلا گیا تھا۔ کہ اسے حمید سے حاجرہ کے کپڑوں کا بھی پتا کرنا تھا ورنہ ظفری ہی یہ کام کرتا تھا۔ واپس آیا تو ظفری ایک دوپٹا لگن میں ڈالے اسے چھڑی سے ہلاتے ہوئے کچھ پریشان لگ رہا تھا۔
"کیا ہوا ہے ظفری اور یہ آپا جی کا دوپٹا ہے نا اور تم نے اس پر یہ کیا رنگ کر دیا ہے۔ میں نے نیلا رنگ کرنے کو کہا تھا۔"
"میں نے تو نیلا رنگ ہی ڈالا تھا پانی میں لیکن۔۔۔"
"بے قوف اس دوپٹے کا رنگ کاٹنا تھا پہلے۔ رنگ کاٹے بغیر ہی نیلے رنگ میں ڈال دیا تو بدرنگا ہی ہونا تھا اسے۔ اب چل اٹھ یہاں سے پانی گرا اور رنگ کاٹ والا ڈبا مجھے دے۔" فضل دین چولہے کے پاس اپنی اونچی چوکی پر بیٹھ گیا۔ تو حاجرہ اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ اس نے فضل دین کی ساری بات سنی تھی۔
"کیا رنگ کاٹ میں ڈالنے سے یہ نیلا ہو جائے گا ابا' آپا جی کا سوٹ نیلے رنگ کا ہے میں نے دیکھا تھا۔"
"نہیں بچے رنگ کاٹ میں ڈالنے سے اس کا رنگ نیلا نہیں ہو جائے گا پہلے اس کا رنگ کاٹ کر اسے چٹا سفید کروں گا۔ پھر نیلا رنگ لگاؤں گا۔ تب ہی رنگ چڑھے گا۔ سفید کپڑے پر تو ہر رنگ چڑھ جاتا ہے لیکن رنگ دار کپڑے کو پہلے چٹا سفید کرنا پڑتا ہے۔ تب ہی کوئی دوسرا رنگ چڑھ سکتا ہے۔ یاد رکھنا حاجرہ پتر' اگر ظفری کی طرح پہلا رنگ اتارے بغیر دوسرا نیا رنگ چڑھانے کی کوشش کرو گی تو کپڑا بدرنگا ہو جائے گا۔"
فضل دین نے پیار سے اسے دیکھا' جو کڑاہی میں

پڑے دوپٹے کے رنگ کو حیرت سے اترتے دیکھ رہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد دوپٹا سفید ہو چکا تھا۔ گو وہ بالکل سفید نہیں تھا کچھ ملگجا ملگجا سا تھا۔ فضل دین نے دوپٹا صاف پانی کے لگن میں ڈالا اور ظفری کو پانی گرا کر کڑاہی دھو کر نیا صاف پانی ڈالنے کے لیے کہہ کر کھڑا ہو گیا۔

"چل حاجرہ جب تک ظفری کڑاہی دھو کر صاف پانی لاتا ہے، میں اپنی بیٹی کو عید کے لیے جوتے اور چوڑیاں وغیرہ لے دوں۔ پھر رش ہو جائے گا۔" حاجرہ خوش ہو گئی۔

"ابا میں موتیوں والے جوتے لوں گی۔"

"جو میری گڑیا رانی کو پسند آئے۔" فضل دین نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسی گلی میں چوڑیوں اور جوتوں کی بھی دو چار دکانیں تھیں۔ ظفری کو ایک بار پھر ہدایات دیتا وہ حاجرہ کا ہاتھ پکڑے پکڑے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

سولہ سالہ حاجرہ برآمدے میں ٹہلتے ہوئے کتاب ہاتھ میں اٹھائے رٹا لگا رہی تھی اور فضل دین ہمیشہ کی طرح دوپٹے رنگتے ہوئے گاہ بہ گاہ اس کی طرف دیکھ لیتا تھا اور پھر جیسے ایک بار اس کی نظر اٹھی تو حاجرہ پر ٹھہر گئی۔ وہ دوپٹا گلے میں ڈالے ارد گرد سے بے نیاز زور و شور سے رٹا لگا رہی تھی اور رسی پر دوپٹے پھیلاتے ظفری کی نظریں اس کا تعاقب کرتی تھیں۔

"او خدایا کتنا وقت گزر گیا حاجرہ اتنی بڑی ہو گئی اور مجھے خبر تک نہ ہوئی۔" فضل دین کے ہاتھ سے لکڑی کی لمبی چھڑی جس سے وہ دوپٹے ہلا رہا تھا گر گئی تھی۔ تخت پر بیٹھ کر کھلونوں کھیلتی۔ سونف کے دانے چن چن کر کھاتی حاجرہ اور پھر اسی تخت پر بیٹھ کر ہل ہل کر الف انار، ب بکری یاد کرتی تھی حاجرہ اب دسویں کلاس کی طالبہ تھی۔ ننھی منی حاجرہ نہیں تھی۔ جس کی انگلی پکڑ کر وہ اسے چوڑیاں پہنانے بازار لے جاتا تھا۔ کتنا بے خبر باپ ہوں میں۔ اس نے سر پہ مارا اور ظفری کو غصے سے دکان پر جا کر بیٹھنے کے لیے کہا اور دوسرے ہی دن دکان کا گھر کے اندر کھلنے والا دروازہ بند ہو گیا وہ ایک بار پھر باہر دکان کے تھڑے پر بنے چولہے پر کڑاہی رکھ کر کپڑے رنگنے لگا۔

حاجرہ نے اس روز اسکول سے آ کر دیکھا گھر کے اندر کھلنے والا دکان کا دروازہ بند تھا۔ وہ کھانا کھانے گھر آیا تو حاجرہ نے گلہ کیا۔

"ابا آج میرا دل بہت گھبرایا، آپ نے دکان کا دروازہ بند کیوں کر دیا ہے۔ آپ نظر نہیں آ رہے تھے تو میرا دل گھبراتا تھا۔ ڈوبتا تھا۔"

"تم اب بڑی ہو گئی ہو حاجرہ۔" فضل دین نے رومال میں لپٹی روٹیاں اس کی طرف بڑھائیں۔ سالن وہ رات کو بنا لیتی تھی اور روٹیاں ظفری اس کے اسکول سے آنے کے بعد تندور سے لے آتا تھا۔ "اچھا نہیں لگتا مجھے کہ گلی سے گزرنے والے ہر شخص کی نظر تم پر پڑے۔ بڑا ہی بے دھیان ہوں میں، حاجرہ پہلے مجھے خیال ہی نہیں آیا۔" وہ دل ہی دل میں شرمندہ تھا۔

"پہلے تم چھوٹی تھیں نا اس لیے میں نے دروازہ کھول رکھا تھا کہ دکان پر کام کے ساتھ ساتھ تمہارا بھی خیال رکھ سکوں۔ لیکن اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اور ہاں ظفری کا کھانا دے دو مجھے، آج سے وہ باہر دکان میں ہی کھانا کھائے گا۔ یہ ظفری بھی نا......" فضل دین نے بات ادھوری چھوڑ دی اور حاجرہ نے اس کی ادھوری بات سے پورا مطلب اخذ کر لیا تھا۔ اسے بھی ظفری کا اپنی طرف گھور گھور کر دیکھنا پسند نہیں تھا۔

وہ باورچی خانے میں سالن گرم کرنے چلی گئی اور فضل دین وہاں ہی تخت پر بیٹھ کر زرینہ کو یاد کرنے لگا اور اگر جو زرینہ زندہ ہوتی تو کاہے کو اتنی ساری فکریں میری جان کو چمٹ جاتیں۔ فکریں جو ظفری کو حاجرہ کی طرف دیکھتے پا کر اس کے دل میں پیدا ہوئی تھیں اور جنہوں نے کل رات اس کی نیند اڑا دی تھی اور آنے والی نہ جانے کتنی راتیں اس کی نیندیں اڑانے والی تھیں۔ وہ حاجرہ کو باورچی خانے سے ٹرے اٹھائے باہر

آتے دیکھنے لگا۔

☆ ☆ ☆

فضل دین نے جب سے حاجرہ کی طرف ظفری کی اٹھتی نگاہیں دیکھی تھیں۔ تب سے ہی اس کے دل کو بے چینی لگی تھی ٹلو دکان کے گھر کے اندر کھلنے والے دروازے کو اس نے تالا لگا دیا تھا اور خود گھر کا مین گیٹ ہی استعمال کرتا تھا' ظفری کو بھی اس نے سمجھا دیا تھا کہ اب وہ پہلے کی طرح بے دھڑک گھر میں نہ گھسا کرے' بلکہ جب بھی کوئی ضرورت ہو تو دروازے پر دستک دے کر باہر ہی کھڑا رہے۔ لیکن یہ سب کرنے کے باوجود بے چینی تھی کہ کم ہی نہ ہوتی تھی۔ رات سونے کے لیے بستر پر لیٹتا تو نیند آنکھوں سے بھاگ جاتی۔ حاجرہ جوان ہو گئی ہے۔ اب اس کی شادی ہو جانی چاہیے۔ اس نے چپکے چپکے آس پاس برادری کے سارے ہی گھرانوں پر نظر ڈالی تھی پر کوئی بھی لڑکا اس کی نظروں میں جچا ہی نہ تھا۔

"میری حاجرہ کے جوڑ کا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ فلاں تو بہت تیز طرار ہے اور میری حاجرہ تو سیدھی سادی اللہ میاں کی گائے اور وہ احمد نیل گر کا بیٹا شکل و صورت کا تو اچھا ہے' پر نکما ہر وقت یاروں کے ساتھ دکانوں کے تھڑوں پر بیٹھا رہتا ہے۔" وہ خود ہی کسی لڑکے کے متعلق سوچتا اور خود ہی رد بھی کر دیتا ایسے میں اسے زرینہ کی کمی بہت محسوس ہوتی تھی۔ وہ ہوتی تو کوئی اچھا سا بر ڈھونڈ لیتی۔ "اب میں کس سے کہوں' کل مجھے کچھ ہو گیا تو حاجرہ کا کیا ہو گا۔ زندگی کا کیا بھروسا آج ہے تو کل نہیں۔" وہ ایک شادی دفتر میں جا کر حاجرہ کی رجسٹریشن کروا آیا' لیکن انہوں نے چار ہزار رجسٹریشن فیس لے کر بھی ابھی تک کوئی ڈھنگ کا لڑکا نہیں دکھایا تھا۔ تب اس نے مولوی صاحب سے ذکر کیا۔

"بہت پریشان ہوں مولوی صاحب! زرینہ زندہ ہوتی تو وہ فکر کرتی اب میں کہاں سے کوئی بر ڈھونڈوں حاجرہ کے لیے۔"

"کیوں فکر کرتے ہو فضل دین ابھی تو حاجرہ بچی ہے۔ پڑھ رہی ہے۔ جس خدا نے پیدا کیا ہے وہ اس کا بر بھی بھیج دے گا۔"

"آپ کی بات صحیح ہے مولوی صاحب پر میں کیا کروں۔ میری تو راتوں کی نیند اڑ گئی ہے کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو میری حاجرہ کا کیا ہو گا۔ نہ کوئی چاچا' ماما نہ دادا' دادی۔"

"اللہ تمہیں صحت و زندگی دے فضل دین اور اپنی بچی کی خوشیاں دیکھنی نصیب کرے۔" مولوی صاحب نے فضل دین کی بات سن کر اس کا بازو تھپتھپایا۔

"آپ... آپا جی سے بات کیجیے گا نا مولوی صاحب۔ وہ دھیان رکھیں۔" فضل دین نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کوئی اچھا رشتہ ہو ان کی نظر میں۔ برادری کی پروا نہیں مولوی صاحب' سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ بس لڑکا میری حاجرہ کے جوڑ کا ہو۔" فضل دین نے ملتجی نظروں سے انہیں دیکھا۔ مولوی کرم اللہ صاحب کی بیوی کو سب محلے والے آپا جی کہتے تھے۔ وہ بچیوں کو قرآن پڑھاتی تھیں۔ حاجرہ نے بھی ان سے ہی قرآن پڑھا تھا۔ پڑھی لکھی تھیں اس لیے حاجرہ کو جب بھی پڑھائی میں مدد کی ضرورت ہوتی تھی' تو ان کے پاس ہی جاتی تھی۔ اپنی اولاد تو کوئی تھی نہیں' اس لیے محلے کے سب بچوں سے ہی پیار کرتی تھیں' لیکن حاجرہ کی ماں نہیں تھی اس لیے دوسری بچیوں کی نسبت وہ حاجرہ سے زیادہ پیار کرتی تھیں اور حاجرہ بھی دل کی ہر بات آپا جی سے ہی کہتی تھی۔ چھوٹی بڑی ہر بات میں وہی اس کی راہنمائی کرتی تھیں۔

"ٹھیک ہے فضل دین۔ پریشان مت ہو۔ گھر میں بات کروں گا' لیکن میرا مشورہ تو یہ ہے کہ زیادہ نہیں تو چودہ جماعتیں تو پڑھا ہی دو۔ آج کل پڑھی لکھی لڑکیوں کی ہی قدر ہوتی ہے۔" اس نے مولوی صاحب کی بات پر سر ہلایا تھا' لیکن حاجرہ کے لیے کسی اچھے رشتے کی تلاش اس نے چھوڑی نہیں تھی۔ ایک دو رشتے کرانے والی مائیوں سے بھی کہہ رکھا تھا اور وہ جو صرف عید بقر عید پر ہی مسجد جاتا تھا اب باقاعدگی سے پانچوں وقت مسجد جانے لگا تھا اور ہر نماز کے بعد اللہ سے حاجرہ کے لیے اچھے بر کی دعا مانگتا تھا۔

لیکن دو سال گزر گئے حاجرہ کے لیے کوئی اچھا رشتہ نہ ملا۔ حاجرہ نے بارہ جماعتیں پاس کر لیں اور اگلی جماعت میں داخلہ لے لیا۔ فضل دین کی بے چینی اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس روز بھی وہ دوپٹا کرش کرنے کے لیے اس پر دھاگا لپیٹ رہا تھا اور دل ہی دل میں اللہ سے گلہ کر رہا تھا کہ آخر وہ اس کی دعا کیوں نہیں سنتا۔ تب ہی کسی نے دکان کے سامنے رک کر اسے سلام کیا۔ فضل دین نے چونک کر سر اٹھایا۔ دائیں کندھے پر سفری بیگ لٹکائے وہ جو کوئی بھی تھا اس کے وجود سے تھکن جھلکتی تھی۔ شاید وہ کہیں دور سے آیا تھا۔

"مجھے فضل دین نیل گر کے گھر جانا ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں ان کا گھر کون سا ہے۔"

"میں ہی فضل دین ہوں' لیکن تم کون ہو اور مجھ سے کیا کام ہے۔" فضل دین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں جمال ہوں... جمال دین۔ نور دین کا بیٹا۔"

"جمال دین... نور دین کا بیٹا..." فضل دین کے ہاتھ سے دوپٹا گر پڑا۔

"تم اتنے سالوں بعد اچانک کیسے...؟" وہ دکان کے تھڑے سے نیچے اترا اور بے تابی سے اسے گلے لگایا۔

"بھرجائی کہاں ہے... وہ نہیں آئی اور تم اکیلے کیسے...؟"

"ماں کا تو پچھلے برس انتقال ہو گیا تھا۔" اس کی خواب ناک آنکھوں میں جیسے کوئی درد ہلکورے لیتا تھا۔ فضل دین لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گیا پھر ہولے سے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"اللہ کی مرضی بیٹا اس کی رضا پر راضی ہونا پڑتا ہے۔" فضل دین کے لہجے میں دکھ تھا اور اس کا ہاتھ ابھی تک اس کے کندھے پر تھا۔

جمال دین صرف دو سال کا تھا جب نور دین کا انتقال ہوا۔ نور دین کے مرنے کے صرف دو ماہ بعد نور دین کی

بیوی اپنا گھر بیچ کر اپنے میکے چلی گئی تھی۔ حیدر آباد کے آس پاس ہی کہیں اس کا میکا گاؤں میں تھا۔ فضل دین نے جاتے سمے اس کی بڑی منت کی تھی کہ وہ نہ جائے۔ جمال دین اس کے بھائی کا بیٹا ہے اس کی ذمہ داری ہے' وہ دونوں کا خرچ اٹھائے گا' لیکن وہ تو عدت تک بھی رکنے کو تیار نہیں تھی۔ تب فضل دین کے والدین بھی حیات تھے اور وہ بیٹے کی اکلوتی نشانی کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتے تھے' لیکن نوردین کی بیوی کا شروع دن سے ہی سسرال کے ساتھ کوئی میل ملاپ نہ تھا۔ شادی کے چند ماہ بعد ہی وہ اپنے حصے کے پیسے لے کر الگ ہوگئی تھی اور اسی گلی میں ساتویں نمبر والا مکان اس کا تھا جس کے گراؤنڈ فلور پر اب دکانیں تھیں اور فرسٹ فلور پر ستار شوز والے قاضی عبدالستار کا خاندان رہتا تھا۔

"چل پتر اندر گھر چل کر آرام سے باتیں کرتے ہیں۔" فضل دین نے اس کے کندھے سے ہاتھ اٹھایا اور ظلفری کو ہدایات دے کر وہ جمال کے ساتھ اندر گھر میں آگیا۔ فضل دین کے ساتھ کسی اجنبی کو آتے دیکھ کر کچن کے دروازے سے باہر آتی حاجرہ بے اختیار پلٹی ہی تھی کہ فضل دین نے اسے آواز دے کر روک لیا۔

"حاجرہ... دیکھ تو یہ کون آیا ہے۔" اس کی آواز میں چہکار تھی۔ حاجرہ ٹھٹک کر رک گئی۔

"یہ جمال ہے اپنا جمال تیرے تایا نوردین کا بیٹا۔" حاجرہ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ فضل دین نے چند بار جمال کا ذکر کیا تھا تو اس کے تصور میں جمال کے نام سے ایک چھوٹے سے بچے کا ہی تصور آتا تھا' لیکن سفری بیگ کندھے پر لٹکائے فضل دین کے ساتھ کھڑا جمال صرف نام کا ہی جمال دین تھا خود بھی سراپا جمال تھا۔ اٹھارہ سالہ حاجرہ کی جو نظر اس کی طرف اٹھی تھی' پھر اٹھی ہی رہ گئی تھی اور دل جیسے ساری دھڑکنیں گم کر بیٹھا تھا۔ اس نے گرنے سے بچنے کے لیے دروازے کے پٹ پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہ یوسف نہیں تھا اور نہ ہی وہ زلیخا تھی کہ وہ اپنی انگلیاں کاٹ لیتی' لیکن اس کے دل پر کچھ ایسی ہی واردات گزر گئی تھی۔

"یہ حاجرہ ہے میری بیٹی۔" فضل دین کا چہرہ انوکھی خوشی سے چمک اٹھا اور اس کے لہجے میں مٹھاس گھل گئی۔

"جب بھرجائی یہاں سے تمہیں لے کر گئی تھیں' تو تب یہ پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ......" وہ ہولے سے ہنسا۔

"تب میری شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔" اس نے بس سرسری سی نظر اس پر ڈال کر سر ہلایا۔

"حاجرہ تین سال کی تھی تو تمہاری چاچی گزر گئی۔ بس ہم دونوں باپ بیٹی رہ گئے اکیلے....." جمال سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ بیگ کا اسٹریپ ابھی تک اس کے کندھے پر تھا۔ "لو میں بھی خوشی میں پاگل ہی ہوگیا ہوں۔ تم ابھی تک بیگ اٹھائے کھڑے ہو۔ آؤ' بیٹھ ادھر۔"

فضل دین نے اس کے ہاتھ سے بیگ لیا اور دو قدم چل کر برآمدے میں پڑے تخت پر رکھا۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی تو فضل دین دروازے تک گیا اور ظلفری سے ٹھنڈی بوتل لے کر اندر آیا۔ جمال تخت پر بیٹھ گیا تھا۔ فضل دین نے بوتل اسے پکڑائی اور حاجرہ کی طرف دیکھا جو ابھی تک دروازے پر ہاتھ رکھے ساکت کھڑی تھی۔

"حاجرہ بیٹی جمال لمبا سفر کر کے آیا ہے۔ تھکا ہوا ہے۔ جلدی سے دو روٹیاں ڈال لے' سالن تو پکا لیا تھا نا تم نے.....!"

"جی ابا۔" حاجرہ نے چونک کر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے' جمال پانی وانی پی کر منہ ہاتھ دھو کر کمر سیدھی کر لیتا ہے۔ جب روٹیاں پک جائیں تو کھانا کمرے میں ہی لے آنا۔" پھر وہ جمال سے مخاطب ہوا۔ "میری حاجرہ کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہے۔ اپنی ماں تو تھی نہیں پر اللہ بھلا کرے آپا جی کا ہر فن میں طاق کر دیا ہے اسے۔"

جمال سر جھکائے گھونٹ گھونٹ بوتل پی رہا تھا۔ حاجرہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور دھڑکتے دل کے

ساتھ باورچی خانے میں چلی گئی اور فضل دین' جمال سے حالات پوچھنے لگا' جو کچھ جمال نے بتایا تھا اس کا لب لباب یہ تھا کہ سال بھر پہلے اس کی ماں کا انتقال ہوگیا تھا اور مامی اسے رکھنے کو تیار نہ تھی۔ چند دن پہلے مامی نے اسے گھر سے نکال دیا۔ ماما بے چارہ' بیوی کے سامنے بول نہ سکا' بس اسے یہاں کا پتا پکڑا دیا کہ تمہارا واحد ددھیالی رشتہ دار بس یہ ایک چاچا ہی ہے۔ سگا چاچا۔ سو وہ بلا سوچے سمجھے یہاں چلا آیا تھا۔

"چند دن یہاں رہ کر کام ڈھونڈوں گا۔ کام مل گیا تو اپنا ٹھکانا کرلوں گا چاچا' بس صرف چند دن ہی یہاں....." اس نے خالی بوتل نیچے فرش پر رکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا تو فضل دین نے اس کی بات کاٹ دی۔

"پاگل ہوگیا ہے' کہیں اور کیوں ٹھکانا کرلے گا۔ میں کوئی غیر نہیں ہوں تیرا چاچا ہوں۔ سگا چاچا۔ وہ تو بھرجائی تجھے لے کر چلی گئی تھی' ورنہ اپنے بھائی کی اولاد اپنے باپ دادا کی نسل کو میں سینے سے لگا کر رکھتا۔ میں اور تیرے دادا دادی کیسے کیسے تڑپتے تھے تجھے دیکھنے کے لیے کتنے ہی خط لکھوائے بھرجائی کو' بس ایک نظر مرتے ہوئے دادا دادی کو تمہارا منہ دکھادیں پر بھرجائی نے تو....." فضل دین کی آواز بھرا گئی تھی شاید اسے اپنے ماں باپ کی پوتے کے لیے تڑپ یاد آگئی تھی۔ وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوگیا پھر اس کے بازو پر آہستگی سے ہاتھ رکھا۔

"اپنا گھر سمجھ کر بے فکر ہو کر رہو۔ کتنا سمجھایا تھا اماں نے بھرجائی کو کہ نہ جا بندہ اپنے گھر میں ہی بھاری ہوتا ہے بھلے بھائی کا گھر ہی کیوں نہ ہو۔ ہولا ہو جاتا ہے بندہ' پر بھرجائی کب کسی کی سنتی تھی' خیر جو ہوا سو ہوا' چل اٹھ اب منہ دھو اور کھانا کھا کر آرام کر۔"

"حاجرہ..... حاجرہ بیٹی۔" وہ جمال کو غسل خانہ دکھا کر حاجرہ کو آواز دینے لگا۔

☆ ☆ ☆

جمال کیا آیا تھا' فضل دین کی جیسے ساری فکریں ختم ہوگئی تھیں۔ اسے لگتا تھا جیسے اللہ نے اس کی دعائیں سن لی ہیں اور جمال کو اس کی حاجرہ کے لیے بھیج دیا ہے۔ وہ دل ہی دل میں حاجرہ اور جمال کی شادی کے پروگرام بناتا رہتا تھا۔ ایک روز اس نے اپنے دل کی بات مولوی صاحب سے کہی تو وہ حیران سے رہ گئے۔

"وہ تیرا بھتیجا ہے۔ تیرا خون ہے یہ سچ ہے' پر تم نے اتنے سالوں بعد اسے دیکھا ہے۔ اس کا مزاج' اس کی عادتیں' اس کی تعلیم کسی بات کا تجھے علم نہیں پھر وہ کوئی کام کاج بھی نہیں کرتا۔"

"بس مولوی صاحب! وہ میرے دل میں کھب گیا ہے۔ اپنا خون ہے اس سے بڑھ کر مجھے کون ہو سکتا ہے۔ شہزادوں جیسی صورت ہے۔ خاموش' مسکین سا زیادہ بات نہیں کرتا۔ چپ گم سم اتنے دنوں میں کوئی بری عادت نہیں دیکھی۔ ایسا شریف کہ ہمیشہ نظریں نیچی رکھتا ہے اور نرا ان پڑھ جاہل بھی نہیں۔ دس جماعتیں پڑھ رکھی ہیں اور کام کاج کا کیا ہے مولوی صاحب جس روز سے آیا ہے مجھ سے کہہ رہا ہے کہ کوئی کام ڈھونڈ دوں' کہیں ملازم رکھوادوں۔ پر میں نے ہی روک رکھا ہے اسے وہی کام کرنا ہے جو اس کے پرکھوں نے کیا ہے۔ نیل گروں کا بیٹا ہے تو نیل گر ہی بنے گا۔ اپنی دکان پر ہی بٹھاؤں گا اسے۔"

"تمہارا دل مطمئن ہے تو پھر ٹھیک ہے فضل دین' لیکن حاجرہ سے بھی پوچھ لینا۔ تیرہویں جماعت میں پڑھتی ہے تو اپنے جیون ساتھی کے بارے میں اس کی کوئی اپنی رائے تو ہوگی نا۔"

مولوی کرم اللہ کوئی متعصب قسم کے مولوی نہ تھے۔ اسی گلی کے آخر میں ان کی چھوٹی سی دکان تھی۔ آٹا' دالیں' چینی ضرورت کا سب سامان ہی مل جاتا تھا۔ حافظ قرآن تھے۔ پتا نہیں کب انہوں نے محلے کی مسجد کا انتظام سنبھالا تھا اور مسجد میں امامت شروع کی تھی' فضل دین کو ٹھیک سے یاد نہیں تھا۔ شاید پرانے امام صاحب کے یہاں سے جانے کے بعد گلی والوں نے ان کے سپرد مسجد کا انتظام کردیا تھا۔ گلی سے نکلنے کے بعد سڑک کراس کرکے مسجد تھی۔ وہاں بھی پرانے طرز

کے مکان اور دکانیں تھیں۔ مولوی صاحب خود بھی پڑھے لکھے تھے اور ان کی بیوی آپا جی بی اے پاس تھیں اور فضل دین مسکرایا اور دل ہی دل میں سوچا۔ بھلا حاجرہ کو جمال سے اچھا بر مل سکتا ہے۔ پچھلے دو سال سے وہ حاجرہ کے رشتے کے لیے پریشان ہو رہا تھا اور جمال جیسا تو کوئی نہیں ملا تھا۔ پھر بھی وہ مولوی صاحب کی بات کو رد نہیں کر سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے مولوی صاحب میں آپا جی سے کہوں گا۔ حاجرہ کی رائے لے لیں۔ اب بھلا میں اس سے پوچھتا اچھا لگوں گا۔"

"ہاں ٹھیک ہے میں بھی کہہ دوں گا گھر کہ جب حاجرہ آئے تو پوچھ لیں اس۔" مولوی صاحب نے کہا تو فضل دین بھی مطمئن ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز ہی جب حاجرہ آپا جی سے کچھ اشعار سمجھنے آئی تو انہوں نے پوچھ لیا۔

"حاجرہ تمہارے تائے کا بیٹا جمال کیسا لگتا ہے تمہیں۔" اور حاجرہ کو لگا تھا جیسے اس کا دل ابھی سینے کی دیوار توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں جیسے روشنیوں سے بھر گئی تھیں۔ پلکیں بوجھل ہو کر جھک گئی تھیں۔

"آپا جی۔۔۔!" اس کے لبوں سے نکلا اور پھر لفظ کہیں اس کے اندر ہی گم ہو گئے تھے وہ کیسے کہتی کہ جمال کو دیکھنے کے بعد اب اسے اور کوئی دکھتا ہی نہیں۔ رات دن صبح و شام جمال کی شبیہ آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔ کتاب کھولتی تو جیسے وہ کتاب کے صفحوں سے جھانکنے لگتا۔ ٹی وی لگاتی تو ٹی وی کی اسکرین پر صرف جمال کا ہی چہرہ ہوتا وہ کیا دیکھ رہی ہے کیا چل رہا ہے اسے خبر ہی نہ ہوتی اور جمال وہ تو اسے نظر اٹھا کر دیکھتا ہی نہ تھا اور وہ۔۔۔ اسے جمال کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔ آپا جی کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں اور وہ بہت دلچسپی سے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں اور آنکھوں میں کوندتی روشنیاں دیکھ رہی تھیں۔

"تجھے اچھا لگتا ہے وہ؟" مسکراہٹ نے آپا جی کے لبوں کو چھوا۔ وہ اسے صرف اچھا تو نہیں لگتا تھا وہ تو روز اول ہی اس کے دل کی مسند پر قبضہ جما بیٹھا تھا۔

"دراصل فضل دین تمہاری شادی جمال سے کرنا چاہتا ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔"

"آپا جی۔۔۔" اس کے لبوں سے پھر نکلا تھا اور آنکھیں جھر جھر بہنے لگی تھیں۔ وہ تو پہلی نظر میں ہی دل میں اتر گیا تھا اور وہ جو اس کی طرف دیکھتا ہی نہ تھا' وہ اس کا مقدر بننے جا رہا تھا۔ اس کا نوخیز دل اس خوشی کو سہار نہیں پا رہا تھا اور آنسو اس کی آنکھوں سے نکل نکل کر اس کے رخساروں کو بھگوتے تھے اور اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے آپا جی نے اسے گلے لگا لیا وہ اور شدت سے رونے لگی۔

"تم خوش تو ہو نا حاجرہ' اس رشتے سے۔" جب وہ سنبھلی تو آپا جی نے ایک بار پھر پوچھا اور اس نے اثبات میں سر ہلایا دیا۔ اس سے اس کی آنکھوں میں ایک ساتھ جیسے ہزاروں جگنو چمک اٹھے تھے اور ان کی چمک سے چہرہ بھی روشن ہو گیا تھا اور آپا جی کو اس سے یہ سانولی سلونی سی حاجرہ اتنی پیاری لگی کہ انہوں نے بے اختیار اس کی پیشانی چوم کر اس کے اچھے نصیب کی دعا کی۔

☼ ☼ ☼

حاجرہ کی رضامندی پا کر ایک روز فضل دین نے جمال سے بات کی تھی اور کون تھا جو جمال سے بات کرتا وہی تو تھا اس کا بھی اور حاجرہ کا بھی بڑا۔۔۔ جمال حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"چاچا میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ خالی ہاتھ ہوں میں۔ میں اسے کچھ نہیں دے سکوں گا۔ میں حاجرہ کے قابل نہیں ہوں چاچا۔"

"بھلا نہ ہو تو۔۔۔ میرا سب کچھ حاجرہ کا ہی تو ہے۔ میں نے اپنے ساتھ قبر میں تو نہیں لے جانا یہ سب کچھ۔ میرے بعد تم نے ہی سنبھالنا ہے۔ اپنا تو اب چل چلاؤ ہے' جانے کب زندگی کی ڈور ٹوٹ جائے۔

بس ایک خواہش تھی کہ حاجرہ کو اپنی زندگی میں اس کے گھر کا کردوں۔ رشتے دیکھ رہا تھا اس کے لیے کہ تم آگئے۔ تم میرا خون ہو۔ تمہارا حق زیادہ ہے۔ سوچا پہلے تم سے بات کرلوں۔ تمہارا دل نہ مانے تو بھلے انکار کردو۔" اسے مولوی صاحب کی بات یاد آئی تھی کہ بچوں کی رائے ضروری ہے۔ "کوئی زور زبردستی نہیں جمال۔ میرا تمہارا جو رشتہ ہے وہ تمہارے انکار سے ٹوٹنے والا نہیں۔ تم تب بھی مجھے اتنے ہی عزیز رہو گے جمال۔" فضل دین نے بات مکمل کرکے جمال کی طرف دیکھا اور اس کا دل ڈوب سا گیا۔ اس کی پرامید نظریں بار بار جمال کی طرف اٹھتی تھیں، جو سر جھکائے بیٹھا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا اس کی آنکھوں میں جیسے دور تک دھول اڑتی تھی۔

"چاچا۔ حاجرہ اتنی پڑھی لکھی میں صرف دس جماعت پاس۔ پھر نکما، بے کار۔"

"جھلا ہے تو بھی نرا پاگل۔" فضل دین کا دل پھول کی طرح کھل اٹھا۔ اس نے ہاں نہیں کی تھی، تو نہ بھی نہیں کی تھی۔

"اچھا، تو کل سے میرے ساتھ بیٹھ سارا کام سمجھ لے اور سنبھال لے دکان۔"

"پر چاچا مجھے یہ کام نہیں آتا۔ وہاں تو میں ماما کے ساتھ زمین پر کام کرتا تھا۔"

"او جھلیا یہ بھی کوئی مشکل کام ہے، یہ دیکھ میں نے نیلے میں پیلے کو ملایا تو سبز بن گیا اب۔ چل خیر چھوڑ یہ سارے کام ظفری کرلے گا۔ تم بس نگرانی کرلینا۔ یہ بتا تجھے حاجرہ کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی اور اعتراض تو نہیں ہے۔ تیرا دل اگر نہیں مانتا حاجرہ سے شادی کرنے کو تو بول دے۔ میرے دل میں بس ایک خواہش پیدا ہوئی تو بیٹا سمجھ کر تجھ سے بات کرلی۔ تجھے حق ہے ہاں یا نہ کرنے کا۔" فضل دین کی آواز بجھ سی گئی تھی اور جمال کے پاس نہ کوئی ٹھکانا تھا نہ کوئی آسرا۔ ماما نے حیدر آباد سے روانہ کرتے وقت کہا تھا۔

"اب مڑ کر یہاں قدم نہ رکھنا جمال۔" اس نے جھکا سر اٹھایا۔

"میں کیا کہوں چاچا۔ اماں کے بعد اب آپ ہی میرے بڑے ہو۔ آپ میرے لیے جو سوچیں گے جو فیصلہ کریں گے، میں بھلا اس پر اعتراض کیسے کرسکتا ہوں۔ فیصلہ تو آپ نے کرنا ہے چاچا۔ حاجرہ آپ کی اکلوتی بیٹی ہے اور اماں کا زیور بھی ماما نے رکھ لیا ہے۔"

"زیور لیتے کچھ نہیں چاہیے جمال۔" فضل دین کی آواز میں پھر چہکار آگئی تھی۔

"بس تو دل سے راضی ہے نا۔" اور جمال نے پھر سر جھکالیا تھا، کہ اس کے پاس کوئی دوسرا رستہ تھا ہی نہیں۔

☼ ☼ ☼

فضل دین بے حد خوش تھا۔ اس نے مولوی صاحب کو بھی خوشی خوشی بتایا۔

"حاجرہ بھی راضی ہے اور جمال بھی بس اب اللہ کا نام لے کر بیاہ دوں گا حاجرہ کو۔"

"اللہ مبارک کرے فضل دین۔ پر میری بات مان تو حاجرہ کو بی اے کرنے دے۔ ایک سال ہی تو رہ گیا ہے نا اور سال بھر میں جمال کے عادات و مزاج کا پتا چل جائے گا تمہیں۔" فضل دین کو گو بہت جلدی تھی، لیکن اسے مولوی صاحب کی بات معقول لگی تھی، ٹھیک ہے شادی سال بھر بعد سہی، لیکن اس نے کھوئے والے اسپیشل لڈو بنوا کر محلے بھر میں حاجرہ کا رشتہ جمال سے طے ہونے کی خوشی میں تقسیم کیے تھے۔

جمال اب اس کے ساتھ دکان پر بیٹھنے لگا تھا۔ ویسا ہی خاموش، گم گو، فضل دین جو سمجھاتا، سمجھ لیتا اور خاموشی سے اپنے کام میں لگا رہتا۔ ایک سال میں اس نے سارا کام سمجھ لیا تھا۔ فضل دین بہت خوش تھا۔ ایسا شریف داماد کوئی اور مل سکتا تھا۔ رشتہ ہونے کے بعد بھی وہ حاجرہ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا۔ فضل دین نے نوٹ کیا تھا کہ جب وہ صحن میں بیٹھا ہوتا

تو حاجرہ کہیں ادھر اُدھر جا رہی ہوتی تو تب بھی نظر نہیں اٹھاتا تھا۔ حاجرہ کھانے کی ٹرے دونوں کے سامنے لا کر تخت پر رکھتی، تب بھی اس کی نظریں جھکی رہتی تھیں۔ اللہ یقیناً" اس پر بہت مہربان تھا جو جمال کے ماموں نے اسے فضل دین کے پاس بھیج دیا۔ فضل دین اس کی شرافت پر خوش ہوتا اور حاجرہ مغموم ہو جاتی تھی۔ حاجرہ کا جی چاہتا تھا کہ کبھی تو وہ اس کی طرف دیکھے۔ محبت سے، استحقاق سے، شوخی سے کوئی جملہ کوئی بات اس سے کہے کوئی ایسی بات جو تن من مہکا دے پر وہ تو گم سم چپ اوڑھے رہتا جیسے کسی اور ہی دنیا میں جیتا ہو۔

"تم خوش تو ہو نا حاجرہ... اور جمال وہ بھی خوش ہے۔" ایک روز آپا جی نے پوچھا تو ٹپ ٹپ آنسو اس کی آنکھوں سے گرنے لگے۔

"ارے کیا ہوا؟" آپا جی گھبرا گئیں۔

"وہ تو مجھے دیکھتا ہی نہیں آپا جی۔" حاجرہ کے آنسوؤں میں روانی آگئی تھی۔ "وہ تو جیسے کہیں کسی اور مدار کے گرد گھومتا ہے۔" آپا جی چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"فضل دین اس کی شرافت کی بہت تعریف کرتا ہے حاجرہ۔ اپنی شرافت کی وجہ سے وہ تمہاری طرف نہیں دیکھتا ہوگا ورنہ اگر اسے کسی اور سے دلچسپی ہوتی تو انکار کر دیتا، فضل دین نے اسے مجبور تو نہیں کیا تھا نا۔ انکار کا حق تو تھا اس کے پاس۔" انہوں نے اسے تسلی دی اور پھر ہولے سے ہنسیں۔ "شادی ہو لینے دے پھر وہ تمہیں ہی دیکھے گا۔" حاجرہ شرما گئی اور اس کی بھیگی آنکھوں میں جگنو سے چمکنے لگے۔ شادی میں دن ہی کتنے رہ گئے تھے وہ امتحان دے کر فارغ ہو چکی تھی اور فضل دین اس کی شادی کی تیاری میں لگا ہوا تھا اور گلی محلے کے سب ہی لوگ اس شادی کی تیاری میں اس کی مدد کر رہے تھے۔ آپا جی نے عروسی جوڑے دوسرے کپڑوں اور زیورات کی خریداری کی ذمہ داری لی تھی، تو ستار شوز والوں کی بیگم نے جو پوری گلی کی پروین خالہ تھیں، برتن خریدنے کی ذمہ داری لی تھی۔ سامنے والے شیخ اکبر نے فرنیچر کا ذمہ لے لیا تھا۔ جمال، فضل دین کو اس سب کے لیے بھاگ دوڑ کرتے دیکھ کر گھبراتا۔

"اس سب کی کیا ضرورت ہے چاچا گھر میں سب کچھ تو ہے۔"

"میرے دل کی خوشی ہے جمال۔ میں اپنی حاجرہ کو وہ سب کچھ دینا چاہتا ہوں، جو والدین اپنی بیٹیوں کو جہیز میں دیتے ہیں۔ میری حاجرہ یہ نہ سمجھے کہ میں نے اسے بوجھ سمجھ کر اتار دیا ہے۔" فضل دین آبدیدہ ہو گیا تھا۔

"زرینہ تو اس کے پیدا ہوتے ہی اس کا جہیز اکٹھا کرنے کی فکر میں پڑ گئی تھی۔"

☆ ☆ ☆

اس ایک سال میں فضل دین نے اوپر ایک پورا پورشن بنوا دیا تھا۔ حاجرہ کے جہیز کے فرنیچر سے اوپر کا پورشن سج گیا تو شادی کے ہنگامے شروع ہو گئے۔ کئی دن پہلے ہی لڑکیاں ڈھولک لے کر رات ہوتے ہی حاجرہ کے گھر اکٹھی ہو جاتیں۔ اور حاجرہ ستاروں کی چمک آنکھوں میں لیے دھیمے دھیمے مسکراتی رہتی۔ جمال اس کا ہونے والا تھا، جسے پہلی نظر میں ہی اس کے دل نے چن لیا تھا اور اس ایک سال میں اس کے دل نے بارہا اس کے ساتھ کی دعائیں مانگی تھیں اور اللہ نے اس کی دعائیں سن لی تھیں۔

نیل گروں کی گلی میں خوب رونق تھی۔ آدھی گلی والے لڑکے والے ہو گئے تھے اور آدھے لڑکی والے بن گئے تھے۔ مہندی ستار شوز والوں کے گھر سے آنی تھی۔ جمال دین نے اسی گھر میں جنم لیا تھا اس لیے گلی والوں نے فیصلہ کیا تھا کہ بارات مہندی سب ادھر سے ہی آئے گی۔ گلی کو چاروں طرف سے بند کر کے ٹینٹ لگا دیے گئے تھے۔ فضل دین نے مولوی صاحب اور دوسرے بزرگوں کی مدد سے کھانے کا بہت اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ بچیاں مہندی کے تھال اٹھائے عبدالستار شوز والوں کے گھر سے نکلیں تو ان کے پیچھے عورتیں

اور پیچھے سر جھکائے آتا جمال اور جمال سے آگے نیل گروں کے نوعمر لڑکے ناچتے گاتے بھنگڑا ڈالتے پنڈال میں داخل ہوئے تو ساتھ ہی بڑے مولوی صاحب کی آمد کا شور ہوا۔ حاجرہ اور جمال کا نکاح جامعہ مسجد کے بڑے مولوی صاحب نے پڑھایا۔ سب فضل دین کو مبارک دے رہے تھے اور اتنے دنوں کے اضطراب کے بعد فضل دین کو سکون ملا تھا۔ لیکن جمال کے چہرے پر کسی خوشی کی رمق نہیں تھی۔ سپاٹ چہرہ سختی سے بھنچے ہونٹ۔ مولوی صاحب نے بغور اسے دیکھا اور سوچا کہیں فضل دین نے حاجرہ کی جمال کے ساتھ شادی کر کے کچھ غلط تو نہیں کر دیا۔ پھر خود ہی اپنی سوچ کو جھٹک دیا۔ میں بھی یوں ہی الٹی سیدھی سوچنے لگا ہوں۔ اسی خوشی کے موقع پر اپنے والدین یاد آرہے ہوں گے۔ وہ ہولے سے جمال کا کندھا تھپتھپا کر فضل دین سے بارات کے انتظام کے متعلق بات کرنے لگے۔

☆ ☆ ☆

فضل دین' بڑے عرصہ بعد اس رات بڑی پر سکون نیند سویا تھا۔ ورنہ گزرے سال کا ایک ایک دن اس نے ایسے کاٹا تھا جیسے ابھی اسے کچھ ہو جائے گا۔ اور حاجرہ اکیلی بے آسرا رہ جائے گی۔ اگر اسے مولوی صاحب کی رائے کا احترام نہ ہوتا تو شاید وہ جمال کی رضامندی کے بعد ایک دن بھی انتظار نہ کرتا۔

فضل دین نے شادی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ سب ارمان پورے کیے تھے۔ بارات کے ساتھ بینڈ بھی تھا اور اپنے شہر کے رواج کے مطابق دولہا کے لیے گھوڑا بھی منگوایا تھا۔ بارات نیل گروں کی گلی سے نکل کر مختلف گلیوں میں سے ہوتی ہوئی واپس نیل گروں کی گلی میں آئی تھی جہاں اس کا شاندار استقبال کیا گیا تھا۔ کھانے کا انتظام بھی بہترین تھا۔ فضل دین نے اپنے اس چھوٹے سے شہر کے سب سے بہترین کیٹرنگ والوں سے کھانا پکوایا تھا۔ اگرچہ مہندی کے فنکشن کی طرح اب بھی گلی بند کر کے ٹینٹ لگوائے گئے تھے۔ کھانے کے بعد حاجرہ کو رخصتی کے گیتوں کے جلو میں اوپر جمال کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ قاضی عبدالستار کی بیٹیوں نے حاجرہ کو اس طرح تیار کیا تھا کہ سب نے ہی تعریف کی تھی۔ فضل دین کا گھر محلے کی عورتوں اور لڑکیوں سے بھرا ہوا تھا۔ جمال اور حاجرہ کے کمرے کو بھی محلے کے لڑکوں نے سجا دیا تھا۔ تازہ گلابوں کی خوشبو سے کمرہ مہک رہا تھا۔ فضل دین حاجرہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور اسے دعائیں دینے کے بعد نم آنکھوں کے ساتھ گھر سے باہر آگیا۔ باہر سب لڑکے مولوی صاحب کی ہدایت پر جلدی جلدی کام سمیٹ رہے تھے۔ فضل دین مولوی صاحب کے پاس آیا تو انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"مبارک ہو فضل دین سب کام خیریت سے ہو گیا۔ اب اللہ حاجرہ اور جمال کو خوش رہنا نصیب کرے۔"

"آمین۔" فضل دین کی متشکر آنکھوں میں نمی سے چمکی۔

"مولوی صاحب میں ذرا مسجد جا کر دو نفل شکرانے کے پڑھ لوں' پھر ولیمے کے متعلق طے کرتے ہیں۔ کل کا دن چھوڑ کر پرسوں ولیمہ رکھ لیتے ہیں۔ ولیمہ تو سنت ہے نا مولوی صاحب' میں چاہتا ہوں ولیمے کا کھانا بھی بارات جیسا ہی ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ جمال کو یہ خیال آئے کہ اس کے ماں باپ نہیں تھے تو کوئی فرق رہ گیا۔"

"بے فکر رہو فضل دین باقی کاموں کی طرح ولیمے کی تقریب بھی ان شاء اللہ اچھی ہو جائے گی۔ تم جاؤ شکرانہ ادا کرو' میں اتنے میں باقی کام نبٹا دیتا ہوں۔ بچا ہوا کھانا گھر بھجوا دیا ہے۔ خواتین اسے ٹھکانے لگا دیں گی۔ ٹینٹ سروس والوں کے بندے اپنا کام کر رہے ہیں۔ ان کے فارغ ہونے تک میں یہاں ہی ہوں۔"

"آپ کا بہت شکریہ مولوی صاحب آپ نے مجھ غریب کا بہت ساتھ دیا۔ سب گلی والوں نے ہی مجھے کسی اپنے کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ حتی کہ ان لڑکوں نے بھی جنہیں میں نکمے کہتا تھا بیٹوں کی طرح

کام کیا۔" فضل دین کی آواز بھرا گئی تھی۔ مولوی صاحب نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں فضل دین۔"

اور فضل دین ہاتھوں کی پشت سے آنکھوں کی نمی صاف کرتا ہوا مسجد جانے کے لیے مولوی صاحب سے اجازت لے کر گلی سے نکل گیا تو مولوی صاحب لڑکوں سے کہنے لگے جلدی جلدی کام ختم کریں۔

ابھی ٹینٹ سروس والوں کی پک اپ سامان لے کر گلی سے نکلی ہی تھی کہ گلی کا ایک لڑکا گھبرایا ہوا سا تقریباً" بھاگتا ہوا گلی میں داخل ہوا۔ اور بلند آواز میں بولا۔

"مولوی صاحب..... مولوی صاحب....." مولوی صاحب نے جو قاضی عبدالستار کے ساتھ کھڑے مسجد کے کسی معاملے پر بات کر رہے تھے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا شیرو' خیریت ہے نا.؟"

"نہیں..... مولوی صاحب' خیریت ہی نہیں ہے۔ وہ چاچے فضل دین کو باہر سڑک پر ٹریکٹر نے ٹکر ماردی ہے۔ وہ مسجد سے نکل کر سڑک کراس کرنے لگے تھے اور..." شیرو نے ذرا سا رک کر سانس بحال کیا۔ "اور چاچے نے وہاں ہی پر دم توڑ دیا۔ وہ چاچے کو ادھر ہی لا رہے ہیں مولوی صاحب۔ گلو بھائی گئے ہیں چارپائی لینے۔" اور ساکت کھڑے مولوی صاحب کے لبوں سے کچھ وقفے کے بعد نکلا۔

"انا للہ وانا علیہ راجعون۔" اور پھر افسردہ کھڑے قاضی صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے بھرائی آواز میں کہا۔

"میں کہتا تھا فضل دین تجھے اتنی جلدی کیوں پڑی ہے۔ حاجرہ کوئی بوڑھی تو نہیں ہوگئی اور وہ کہتا تھا جلدی ہے مولوی صاحب حاجرہ کی شادی ہو جائے تو دل کو سکون مل جائے۔ اب سمجھ میں آیا قاضی صاحب اسے جلدی کیوں تھی۔" ان کے آنسو آنکھوں سے نکل کر ان کی داڑھی کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے اور قاضی صاحب ہولے ہولے ان کا بازو تھپک رہے تھے جبکہ خود انہیں اپنے آنسوؤں پر اختیار نہیں رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"وہ تو میری طرف دیکھتا ہی نہیں آپا جی۔" حاجرہ آپا جی کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے ہولے ہولے کہہ رہی تھی "ان چھ ماہ میں ایک بار بھی اس نے میری طرف نہیں دیکھا۔" آپا جی نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ آج بہت دنوں بعد آپا جی کی طرف آئی تھی اور ان کے پوچھنے پر کہ جمال اس کے ساتھ ٹھیک تو ہے نا۔ بے اختیار اس کے لبوں سے نکل گیا تھا۔

"کیا کہہ رہی ہو حاجرہ؟" میں سمجھی نہیں تمہاری بات۔ وہ تمہاری طرف دیکھتا بھی نہیں' تم بیوی ہو اس کی۔ کیا فضل دین کے بعد وہ اس رشتے سے انکاری ہو گیا ہے۔ کیا اس نے تمہیں....." انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور حاجرہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے آنسو پینے کی کوشش کرنے لگی۔

"کھل کر بتاؤ حاجرہ۔ فضل دین نہیں رہا تو کیا جمال کو کوئی پوچھنے والا نہیں رہا۔ کیا سمجھ لیا ہے جمال نے۔ بولو حاجرہ۔"

"کیا بتاؤں آپا جی۔" آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے۔ آپا جی نے غور سے اسے دیکھا۔ اس کی متورم آنکھوں میں ہجر کا درد ٹھہرا ہوا تھا۔ آپا جی کا دل اس کی تکلیف پر تڑپ اٹھا۔

"کیا اس کا دل کہیں اور اٹکا ہے حاجرہ۔" آپا جی نے پریشانی سے پوچھا۔

"پتا نہیں آپا جی۔ اس نے تو مجھ سے کبھی کوئی بات ہی نہیں کی' پہلے تو میں خود ہی ابا کے یوں اچانک چلے جانے سے شاک میں تھی اور جب میں سنبھلی تو میں منتظر ہی رہی کہ وہ مجھ سے کچھ کہے۔ کوئی بات کرے اپنی اور میری شادی کے حوالے سے۔ ابا کے اس طرح اچانک چلے جانے پر تسلی کے چند بول۔ افسوس کا اظہار لیکن اسے تو یہ بھی یاد نہیں کہ ہماری شادی ہو چکی ہے۔ میں کھانا تیار کر کے سامنے رکھ دیتی ہوں تو

کھالیتا ہے۔ سودا سلف لے آتا ہے اور کبھی کبھار نظر اٹھائے بغیر پوچھ لیتا ہے کہ کیا منگوانا ہے۔ بس اتنا سا تعلق ہے آپا جی' پہلے کی طرح رات کو ابا کے کمرے میں جاکر سو جاتا ہے۔ کیا میں بہت بدصورت ہوں کہ میرے شوہر کو مجھے دیکھنے کی بھی خواہش نہ ہو۔ وہ کھانا کھا رہا ہوتا ہے۔ بیٹھا ہوتا ہے آرام کر رہا ہوتا ہے تو میں اس کی طرف تکتی رہتی ہوں کہ شاید کسی لمحے وہ نظر اٹھا کر مجھے دیکھ لے لیکن وہ نہیں دیکھتا آپا جی' اگر کبھی اتفاق سے اس کی نظر پڑ بھی جائے تو وہ نظر ایسی نہیں ہوتی جو کسی اپنے کی ہو وہ تو بڑی بے گانہ بڑی اجنبی نظر ہوتی ہے۔" اور آپا جی نے یک دم ہی اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

"پریشان نہ ہو حاجرہ جس طرح اچانک شادی کی رات ہی فضل دین کا انتقال ہو گیا اور گھر میں کوئی بڑا نہیں ہے تو وہ جھجکتا ہو۔ شرماتا ہو۔ میں مولوی صاحب سے بات کرتی ہوں وہ جمال سے بات کریں کہ تمہیں اپنی بیوی کی حیثیت دے۔ نکاح ہو گیا' رخصتی ہو چکی ہے......"

"نہیں...... نہیں آپا جی۔ اسے شاید اچھا نہیں لگے گا کہ میں نے گھر کی بات آپ سے کی۔"

"تو اگر وہ پہل کرنے میں جھجک رہا ہے تو تم خود بات کرو اس سے۔ بیوی ہو تم اس کی' چار بندوں میں اس نے تمہاری ذمہ داری قبول کی ہے۔"

"لیکن میں کیا کہوں گی آپا جی' وہ مجھے بے حیا سمجھے گا۔"

"پاگل ہو تم حاجرہ۔" آپا جی اسے دیر تک سمجھاتی رہیں اور اس روز جب وہ آپا جی کے گھر سے باہر نکلی تو اس کے لبوں پر مدھم سے مسکراہٹ تھی اور پر امید آنکھیں کسی خیال سے چمکتی تھیں۔ گھر آکر وہ بہت شوق سے تیار ہوئی تھی۔ شیفون کا ڈارک گرے کلر کا سوٹ جس پر سفید نگوں کا کام تھا پہنتے ہوئے اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ اسے فضل دین یاد آ گیا تھا' جس نے بڑے چاؤ سے اس کے لیے یہ سب کپڑے خریدے تھے۔ ہلکا ہلکا میک اپ کر کے جب اس نے آئینے میں خود کو دیکھا تو اسے اپنے آپ بہت اچھا لگا۔ آپا جی صحیح ہی تو کہتی ہیں کہ اگر میں اس طرح اجاڑ حلیے میں رہوں گی تو بھلا وہ خاک میری طرف دیکھے گا۔ تیار ہو کر جب وہ کمرے سے باہر نکلی تو جمال تخت پر بیٹھا کوئی حساب کتاب کر رہا تھا۔

"چائے بنادوں۔" اس کے قریب آکر اس نے پوچھا تو جمال نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر ٹھٹک گیا۔

"تم کہیں جا رہی ہو حاجرہ۔"

"نہیں...... بس...... وہ ایسے ہی......" وہ گھبرا گئی۔ شرما گئی۔ "آپا جی کہتی ہیں' تمہارے ابا نے اتنے شوق سے تمہارے لیے کپڑے بنوائے تھے۔ انہیں پہنو' اوڑھو' ابا کی روح خوش ہوگی۔" اس کے سانولے رخساروں سے خون چھلکنے لگا تھا اور کچھ گھبرائی اور شرمائی ہوئی سی جمال کے روبرو نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ جمال کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ وہی بے گانی اور اجنبی سی نظر اور پھر یہ اجنبی نظریں بھی اس کے چہرے سے ہٹ گئیں اور زمین پر کچھ کھوجنے لگیں۔

"بیٹھ جاؤ حاجرہ۔" کچھ دیر بعد اس نے یوں ہی زمین کی طرف دیکھتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ حاجرہ جھجکتے ہوئے تخت کے ایک کونے پر سمٹ کر بیٹھ گئی۔ اس کا دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینے کی چار دیواری توڑ کر باہر آجائے گا۔ وہ دھڑکتے دل کو سنبھالے اسی کی طرح زمین کو تکنے لگی' لیکن اس کا پورا وجود جیسے کان بنا ہوا تھا۔ ابھی شاید وہ کچھ کہے۔ معذرت کے چند لفظ پیار بھری کوئی سرگوشی۔

"حاجرہ۔" ذرا سے توقف کے بعد جمال نے پھر کہا۔

"میں جانتا ہوں تم پریشان ہو۔ میں تمہاری چاہت سے بھی بے خبر نہیں ہوں۔ تم میری بیوی ہو۔ میری منکوحہ لیکن میں اپنے اس دل کا کیا کروں جو تمہاری طرف مائل ہی نہیں ہوتا۔ میں نے چاچا سے کہا تھا میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ دھن' نہ دولت

اور نہ ہی اپنا آپ۔ میں تو بالکل ہی تہی دامن ہوں۔ لیکن چاچا میری بات سمجھ نہیں سکا اور میں نے چاچا کو بات سمجھانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ شاید میرے من میں کہیں کوئی چور تھا شاید۔ یہ کہ اگر میں نے چاچا کی بات نہ مانی تو کہاں جاؤں گا میرا تو کوئی بھی کہیں نہیں ہے۔ اور میں چاچا سے سچ نہ کہہ سکا۔"

"تو کیا اس کا دل کہیں اور اٹکا ہوا ہے۔ کیا آپا جی نے سچ کہا تھا۔" اس نے متوحش نظروں سے جمال کی طرف دیکھا اور اس کا دل لحہ بھر لحہ ڈوبتا تھا اور وہ بار بار جمال کی طرف دیکھتی تھی' جواب خاموش بیٹھا تھا۔ تب اپنے ڈوبتے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے جمال کی طرف دیکھا اور اس کے لبوں سے کانپتی ہوئی سی آواز نکلی۔

"وہ سچ کیا تھا جمال؟"

جمال نے لحہ بھر کے لیے نظریں اٹھائیں اس کی نظروں میں کوئی آنچ سلگتی تھی۔ عشق کی آنچ۔ اس کی نظریں حاجرہ کی نظروں سے ٹکرا کر جھک گئیں۔

"میں یہاں آنے سے پہلے ہی اپنا دل ہار چکا تھا۔" اس نے حاجرہ کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ سچ جو وہ فضل دین کو نہیں بتا سکا تھا۔ حاجرہ کا دل ڈوب ڈوب کر ابھرتا تھا اور اس کے رخساروں پر زردیاں گھلی تھیں۔

"وہ ماہ منیر تھی' سائیں اکبر کی چھوٹی بیٹی۔ پتا نہیں کیسے وہ میرے دل میں کھب گئی اور اس نے بھی مجھے اپنے دل کا مکین بنالیا تھا۔ میں اپنی اوقات بھول کر اس کے ساتھ کا خواب دیکھنے لگا۔ خوابوں کے اس سفر میں وہ بھی میری ہم سفر تھی۔ سائیں اکبر کئی مربوں کا مالک اور میرے پاس کیا تھا۔ تھوڑی سی زمین۔ لیکن محبت کب کچھ دیکھتی ہے حاجرہ۔ نہ ماہ منیر نے کچھ سوچا اور نہ میں نے اور ایک روز خوابوں کے اس محل میں آگ لگ گئی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اس کے بابا سائیں نے اس کا رشتہ طے کردیا ہے۔ اور یہ کہ اگر انہیں ذرا سا بھی شک ہوگیا تو وہ تمہیں بھی تمہارے سارے خاندان سمیت مروادیں گے اور مجھے بھی۔ تم یہاں سے چلے جاؤ جمال۔" وہ میرے آگے ہاتھ جوڑنے لگی۔ لیکن میں اسے چھوڑ کر نہیں جاسکتا تھا۔ میں نے کہیں بھی جانے سے انکار کردیا تو وہ میری منتیں کرنے لگی کہ میں اسے امتحان میں نہ ڈالوں۔ اس نے کہا کہ یہ طے ہے کہ مجھے یہ شادی نہیں کرنا اور بابا میرے انکار کی وجہ جاننا چاہیں گے اور انہیں وجہ معلوم کرنے میں دیر نہیں لگے گی جمال۔ اور پھر جو ہوگا تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔ مجھے اپنی زندگی کی پروا نہیں تھی۔

میں نے کہیں بھی جانے سے انکار کردیا' بھلے اس کا ساتھ میرے نصیب میں نہیں تھا' لیکن میں وہاں رہ کر اسے دیکھ تو سکتا تھا۔ تب اس نے ماے سے سب کچھ کہہ دیا۔ تب ماما میرے آگے ہاتھ جوڑنے لگا۔ قسمیں دینے لگا۔

"سائیں اکبر کو ذرا سا شک بھی ہوا تو وہ ہم سب کو مروادے گا اور تمہاری یہ ماموں زاد بہنیں ان کا ہمیں پتا بھی نہ چلے گا کہ کہاں غائب ہوگئیں۔" ماما رونے لگا اور اس نے اپنی پگڑی اتار کر میرے پاؤں پر رکھ دی۔

"تم یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کبھی مڑ کر یہاں نہ آنا۔ تم یہاں رہے تو میں خود کو تم سے ملنے سے نہ روک سکوں گی۔ مجھے رسوا ہونے سے بچالو۔" ماہ منیر نے بھی دوپٹا سر سے اتارا تو میں نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"ایسا مت کرو ماہ منیر تمہاری عزت کی خاطر تو میں اپنے ہاتھ سے اپنا سر کاٹ سکتا ہوں۔" میں نے ماما کی پگڑی اٹھا کر ان کے سر پر رکھی اور یہاں چلا آیا۔ وہ تھک کر چپ ہوگیا اور اس کی سلگتی آنکھوں سے جیسے سمندر ابلنے کو بے تاب ہورہے تھے۔

"مجھے معاف کردینا حاجرہ میں نے خود غرضی کی۔ صرف اپنا سوچا تمہارا نہ سوچا۔ چاچا کو یہ سب نہ بتاسکا۔ تم چاہو تو میں اب بھی تمہیں آزاد کردیتا ہوں اور......"

"نہیں......" حاجرہ نے تڑپ کر اسے دیکھا۔ اس کا دل اپنی دھڑکنیں کھونے لگا تھا۔ "ایسا مت کرنا جمال

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد، صائمہ اکرام، عُشنا کوثر سردار، اشفاق احمد
نمرہ احمد، سعدیہ عابد، نبیلہ عزیز، نسیم حجازی
فرحت اشتیاق، عفت سحر طاہر، فائزہ افتخار، عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو، تنزیلہ ریاض، نبیلہ ابر راجہ، ہاشم ندیم
نگہت سیما، فائزہ افتخار، آمنہ ریاض، مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ، سباس گُل، عنیزہ سید، مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ، رُخسانہ نگار عدنان، اقراء صغیر احمد، علیمُ الحق
رفعت سراج، اُمِ مریم، نایاب جیلانی، ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،
جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

اپنا نام مجھے دے کر مجھ سے مت چھیننا۔" اس کی آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں جیسے دل کا لہو آنکھوں میں چھلک آیا ہو۔

"لیکن حاجرہ۔۔۔" اس نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ "یہ ظلم ہو گا۔ مجھ سے غلطی ہوئی جب میں اپنے دل کو تمہارے لیے کشادہ نہیں کر سکتا تھا تو مجھے یہ بندھن نہیں جوڑنا چاہیے تھا۔"

"نہیں یہ میرے لیے عین راحت ہے۔ بس تمہارا نام میرے نام سے جڑا رہے۔ مجھ سے اپنا نام مت چھیننا جمال! میں تم سے کچھ نہیں مانگوں گی کچھ بھی نہیں۔" وہ رو رہی تھی۔ جمال چپ کر گیا اور اسے چپ ہی کرنا تھا۔ کہاں جاتا وہ۔ کون ساٹھکانا تھا اس کے پاس۔ اور جب اس نے آپاجی کو بتایا کہ وہ سچ کہتی تھیں جمال اپنا دل پہلے ہی ہار چکا ہے۔ تو وہ لحہ بھر کو ساکت سی ہو گئیں، دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ انہیں حاجرہ سے بہت محبت تھی۔ وہ اس کے لیے دکھی ہو رہی تھیں لیکن انہوں نے اپنا دکھ چھپا کر نرمی سے اسے سمجھایا۔

"ماہ منیر اس کی زندگی میں شامل نہیں ہے۔ وہ پیچھے رہ گئی ہے۔ ہو سکتا ہے اسے بھولنے میں جمال کو کچھ وقت لگے لیکن ایک دن آئے گا جب وہ اسے بھول جائے گا۔ تم اس کی بیوی ہو حاجرہ، تم اپنی محبت اور خدمت سے اس کا دل جیت لو۔ مرد کا دل بڑا کشادہ ہوتا ہے۔ اس میں ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری محبت کی گنجائش ہوتی ہے۔ خود کو اس کے رنگ میں رنگ لو۔"

اور حاجرہ جمال کے گرد پروانے کی طرح چکرانے لگی، اب جمال کبھی کبھی اس سے باتیں بھی کرنے لگا تھا۔ اپنی ماہ منیر کی، اپنی ماں کی۔ اس کی نظریں حاجرہ کی طرف اٹھتیں تو اب ان میں اجنبیت اور بے گانگی نہ ہوتی بلکہ پہچان کے رنگ جھلکنے لگے تھے، لیکن ان رنگوں میں محبت کے رنگ کہیں نہیں تھے اور حاجرہ اتنے پر ہی خود کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی لیکن اس دل کا کیا کرتی جو کبھی کبھی اس سے زیادہ کے لیے مچل اٹھتا۔ کبھی تو کوئی دن ایسا ہو جب جمال اس سے اس کے متعلق بات کرے اس کے متعلق پوچھے۔ کبھی وہ بے اختیار ہو کر پوچھ بیٹھتی۔

"ماہ منیر کیسی تھی جمال۔"

"وہ سچ میں ماہ منیر تھی۔ چاندنی میں ڈھلی۔"

"کیا میں اس جیسی نہیں ہو سکتی جمال۔"

"تم بھلا اس جیسی کیسے ہو سکتی ہو حاجرہ۔ ماہ منیر تو ماہ منیر تھی اور تم۔۔۔۔ تم ہو۔"

"تم بتاؤ تو جمال میں اس جیسا بننے کی کوشش کروں گی۔"

"نہیں۔" اس کا لہجہ حتمی تھا۔

"تم کبھی میرے لیے ماہ منیر نہیں ہو سکتیں حاجرہ' چاہے کچھ بھی کر لو۔ تم میری بیوی ہو۔ شاید کبھی میرے بچوں کی ماں بھی بن جاؤ' لیکن یاد رکھنا تم کبھی ماہ منیر کی جگہ نہیں لے سکتیں۔"

"میں کوشش تو کر سکتی ہوں نا اس جیسا بننے کی۔ میرے سینے میں بھی تو ویسا ہی دل دھڑکتا ہے۔ ماہ منیر کے دل جیسا تمہاری محبت سے بھرا۔" اس کی پرامید آنکھیں بار بار اس کی طرف اٹھتی تھیں۔

"دل کا دروازہ تو بس ایک بار ہی کسی کے لیے کھلتا ہے حاجرہ اور پھر بند ہو جاتا ہے۔" وہ ترحم سے اسے دیکھتا۔

"میرے دل کا دروازہ بھی بند ہو گیا ہے حاجرہ! اب کوئی کتنی بھی دستک دے وہ نہیں کھلے گا۔"

☼ ☼ ☼

اس نے ماہ منیر کو اپنے دل میں بٹھانے کے بعد اپنے دل کے دروازے بند کر دیے تھے۔ حاجرہ نے جان لیا تھا پھر بھی اس کا دل اس کی اور لپکتا تھا۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھتا تھا' لیکن اسے تو اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا جمال کی پسند کے کپڑے' جمال کی پسند کا کھانا وہ ہولے ہولے اس کے رنگ میں رنگی جا رہی تھی۔ اسے سیاہ رنگ پسند تھا اور اس نے سیاہ رنگ کے سوا اور کوئی بھی رنگ پہننا چھوڑ دیا تھا۔ اسے

ٹنڈے، بھنڈیاں، کدو پسند نہیں تھے، تو اس نے بھی کھانے چھوڑ دیے تھے۔ اس کی پیاسی نظریں اس کا طواف کرتی رہتیں اور وہ ایسا بے نیاز کہ بس کبھی کبھار ایک ترس بھری نظر اس پر ڈال لیتا۔ اسے احساس ہی نہیں تھا کہ وہ اس کی چاہ میں اتنا آگے نکل آئی تھی کہ حاجرہ حاجرہ نہیں رہی تھی، جمال ہو گئی تھی۔ اب تو کئی کئی دن وہ آپا جی کی طرف بھی نہیں جاتی تھی۔ نہ آس پاس گلی محلے میں سہیلیوں سے ملتی جلتی تھی، اسے جمال کے سوا کچھ اور سوجھتا ہی نہ تھا۔ اس روز آپا جی کے بلانے پر وہ ان سے ملنے گئی تھی۔

"بہت مصروف ہو گئی ہو حاجرہ! اب اپنی آپا جی کی بھی یاد نہیں آتی۔"

"نہیں آپا جی میں آپ کو بھولی تو نہیں ہوں۔ بس ایسے ہی کہیں آنے جانے کو جی ہی نہیں چاہتا۔"

"خیر تو ہے نا حاجرہ کوئی خوش خبری.....!" آپا جی کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"نہیں آپا جی۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔" ان کی بات سمجھ کر اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا اور آنکھوں میں دھند بھر گئی۔

"کیا جمال ابھی تک....." آپا جی کی نظریں اسے کھوج رہی تھیں۔ اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

"آپ کو بتایا تو تھا آپا جی اس کا دل کہیں اور اٹکا ہوا ہے۔ میری محبت، خدمت گزاری اسے کچھ نہیں دکھتا۔ وہ کہتا ہے ماہ منیر کی محبت کو دل میں مقید کر کے اس نے اپنے دل کے دروازے بند کر لیے ہیں۔"

حاجرہ نے نگاہیں نہیں اٹھائی تھیں آپا جی کچھ دیر تاسف سے اسے دیکھتی رہیں۔ پھر بات بدلنے کے لیے یوں ہی کہا۔

"اور یہ کیا تم جب آتی ہو یہ ہی سیاہ ماتمی لباس پہنے ہوتی ہو۔ کتنے پیارے پیارے رنگوں کے کیسے خوب صورت کپڑے فضل دین نے ہمارے ساتھ جا کر خریدے تھے اور وہ سب کیا بکسوں میں بند کر دیے ہیں۔" حاجرہ نے جھکا ہوا سر اٹھایا اس کے لبوں پر بڑی بھید بھری مسکراہٹ نمودار ہو کر معدوم ہو گئی۔

"مجھے تو میرے نیل گر نے اپنے رنگوں میں رنگ لیا ہے آپا جی! وہ مجھے اپنے رنگ میں رنگتا جا رہا ہے اور میں رنگی جا رہی ہوں۔ میرا اپنا تو اب کوئی رنگ نہیں رہا آپا جی۔ ابا کے خریدے ہوئے اپنے جہیز کے سارے کپڑے مجھے بہت اچھے لگتے تھے۔ کتنا شوق تھا مجھے انہیں پہننے کا۔ پر اب تو کوئی رنگ مجھے نہیں بھاتا۔ وہ کہتا ہے پہلی بار میں نے ماہ منیر کو سیاہ رنگ کے لباس میں دیکھا تھا، جیسے سیاہ بدلیوں میں چاند چمکتا ہو، اس کے بعد کوئی رنگ مجھے اچھا نہیں لگا۔ اور مجھے بھی اب سیاہ رنگ کے سوا کوئی رنگ اچھا نہیں لگتا آپا جی۔" اور آپا جی اسے حیرت سے دیکھتی رہ گئیں۔ اس کے سانولے چہرے پر سرخی تھی اور آنکھوں سے جیسے کوئی آنچ نکلتی تھی عشق کی آنچ، تن من کو جلا دینے والی اور آپا جی کو یکایک ادراک ہوا تھا کہ وہ دیوانی تو اس کے عشق میں سرتاپا ڈوب گئی ہے۔

"حاجرہ....." انہوں نے بہت دل گرفتگی سے اس کی طرف دیکھا۔ "ایسے کیسے گزرے گی اتنی لمبی حیاتی۔ میں مولوی صاحب سے بات کرتی ہوں، وہ قاضی صاحب کو لے کر جمال کی طرف جائیں۔ بات کریں اس سے کہ جب اس نے تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا تھا تو نکاح کیوں کیا۔ فضل دین نہیں رہا تو کیا اس نے تمہیں لاوارث سمجھ لیا ہے۔"

"نہیں..... نہیں آپا جی؟" اس نے بے اختیار ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"اس طرح تو بات بڑھ جائے گی۔ ناراض ہو جائے گا وہ کہ میں نے آپ سے بات کیوں کی۔ اب اسے کیا پتا کہ آپ تو میری سب کچھ ہو۔ میری ماں، میری استاد، میری بہن، میری سہیلی آپ سے تو میں کچھ نہیں چھپا سکتی نا۔"

"لیکن حاجرہ۔" آپا جی نے ایک گہری سانس لی۔"

"جمال نے اچھا نہیں کیا تمہارے ساتھ۔ اگر ماہ منیر سے اس کا عشق اتنا ہی سچا تھا تو اسے تم سے نکاح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ نہ آتا تو ایک رشتہ تھا میری نظر اور میں بس فضل دین سے بات کرنے ہی والی تھی۔

”نہیں آپا جی۔۔۔ یہ تو میری خوش نصیبی ہے کہ اس کا نام میرے نام کے ساتھ لگ گیا۔ کبھی تو وہ مجھے دیکھے گا۔ کبھی تو میں اسے نظر آؤں گی نا آپا جی‘ کبھی تو اس کے دل کے دروازے میرے لیے کھلیں گے۔“

اس کی آنکھوں میں امید کے رنگ جھلملانے لگے تھے اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے آپا جی کو خیال آیا تھا۔ وہ اپنے دل کے دروازے نہیں کھولتا تو کوئی اور تو اس کے دل کے دروازے کھول سکتا تھا۔ جمال کو حاجرہ کا خیال نہیں تھا‘ لیکن وہ تو اس کے دل میں اس کا خیال ڈال سکتا تھا وہ جو سب کا خالق تھا اور دلوں کو پلٹنے پر قادر تھا کیا وہ اس کی فریاد نہیں سنے گا۔

”حاجرہ اللہ سے دعا کر اپنے رب کے حضور عرضی بھیج دے وہ اس کا دل تیری طرف پھیر دے۔ وہ چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا۔“ حاجرہ نے سوچا اور اس کی نم آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس روز حاجرہ گھر آئی تو نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔

”ربا اسے میرا بنا دے۔۔۔ اس کا دل میری طرف پھیر دے۔ ماہ منیر کا خیال اس کے دل سے نکال دے۔ اسے میرا کر دے۔“

اس سے پہلے اس نے اس طرح اللہ سے اسے نہیں مانگا تھا‘ لیکن اس روز کے بعد وہ ہر نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی تو اسے سوائے جمال کے کچھ یاد نہ آتا۔ اللہ اسے اس کا کر دے۔ وہ سجدے پر سجدے کیے جاتی دعاؤں پر دعائیں کیے جاتی۔ تڑپ تڑپ کر اپنے رب کو پکارتی۔ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ جاتیں۔ اس کی پر امید نظریں بار بار جمال کی طرف اٹھتیں شاید اس کی آنکھوں میں اسے اپنے لیے کوئی لطیف جذبہ نظر آجائے‘ لیکن وہ تو روز اول جیسا تھا اجنبی‘ بے گانہ اپنے آپ میں گم۔ حاجرہ کی دعائیں در قبولیت پر نہ پہنچ پائی تھیں۔ وہ مایوس ہو رہی تھی جب اس روز آپا جی خود ہی اس کا احوال پوچھنے چلی آئی تھیں۔ اور اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ رنگت میں زردی‘ آنکھوں کے گرد حلقے اور آنکھیں عشق کی آنچ میں سلگتی ہوئی سی۔

"یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے حاجرہ۔"

"کیا ہونا ہے آپا جی۔" وہ افسردگی سے مسکرائی۔

"اک آگ ہے جو تن من کو جلاتی ہے راکھ کرتی ہے۔"

"یہ کیا پاگل پن ہے حاجرہ! اپنا آپ دیکھا ہے آئینے میں کیا حالت ہو رہی ہے۔"

"ہاں یہ پاگل پن ہے تو ہے آپا جی۔" وہ ہولے سے ہنسی تھی۔

"بھلا ایک گہرے رنگ پر دوسرا رنگ چڑھ سکتا ہے۔ نہیں نا آپا جی۔ ماہ منیر کی محبت کا رنگ اتنا گوڑھا ہے کہ اس پر اور کوئی رنگ نہیں چڑھ سکتا۔ میں تو بس یوں ہی بے کار ٹکریں مارتی رہتی ہوں۔ ابا کہتا تھا' کسی گہرے رنگ والے کپڑے کو رنگنے کے لیے پہلے اس کا رنگ کاٹنا پڑتا ہے۔ اسے چٹا سفید کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر اس پر دوسرا رنگ چڑھتا ہے نہیں تو کپڑا بدرنگا ہو جاتا ہے اور میں..... میری محبت میں اتنی طاقت نہیں ہے آپا جی کہ جمال کے دل سے ماہ منیر کی محبت کا رنگ مٹا کر اسے چٹا سفید کر کے پھر اپنی محبت کے رنگ میں اسے رنگ دے۔" ٹپ ٹپ آنسو اس کی آنکھوں سے نکلنے لگے۔ آپا جی نے اس گلے سے لگا لیا اور ہولے ہولے تھپکنے لگیں۔

"حوصلہ کر حاجرہ اللہ تمہاری دعائیں ضرور سنے گا اور اس کا دل پھیر دے گا۔"

"نہیں آپا جی..... وہ میری دعائیں نہیں سنتا۔ میری تو ساری دعائیں رستے میں ہی کہیں بھٹک جاتی ہیں۔ کوئی بھی۔ کوئی بھی دعا در قبولیت تک نہیں پہنچ پاتی۔" وہ سسک رہی تھی۔ آپا جی ہولے ہولے اسے تھپکتی رہیں۔ پھر دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر اس کی پیشانی چومی اور اس کے آنسو پونچھے۔

"جمال کو اس کے حال پر چھوڑ دے حاجرہ اور اللہ سے جمال کو مانگنے کے بجائے اپنے لیے سکون اور صبر مانگ اللہ سے۔ دعا کر' تیرے دل سے اس کا خیال نکل جائے۔ اسے اگر تیرا ہونا ہوا تو وہ خود ہی تیرا ہو جائے گا۔" اس کو یوں بے حال دیکھ کر آپا جی کو بے حد دکھ ہوا تھا۔

"کیا ایسا ہو سکتا ہے آپا جی کہ اس کا خیال میرے دل سے نکل جائے۔ وہ ماہ منیر سے دور رہ کر بھی اسے نہیں بھولتا تو کیسے میرے اس کا خیال دل سے نکل سکتا ہے۔" حاجرہ نے بے بسی سے پوچھا۔

"وہ چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا حاجرہ۔" آپا جی نے اسے تسلی دی۔

"ہاں وہ چاہے تو اس کی محبت میرے دل سے ختم کر دے اور چاہے تو میرا خیال اس کے دل میں پیدا کر دے۔ پر پتا نہیں وہ کیا چاہتا ہے۔" حاجرہ نے سوچا..... کئی دن سوچا اور اس کی نگاہیں جمال پر سے پلٹ پلٹ کر آتی رہیں اور اس کی دعاؤں کا انداز بدل گیا۔ دعائیں بدل گئیں وہ اب بھی جاء نماز پر بیٹھتی تو سب کچھ بھول کر سجدوں پر سجدے کیے جاتی۔

"اللہ میرے دل سے اس کا خیال نکال دے۔ ربا میرے دل کو اپنی محبت سے بھر دے۔ اپنے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے۔" وہ رو رو کر گڑ گڑا گڑ گڑا کر دعائیں کرتی۔ اس کی پلکیں ہر وقت بھیگی رہتیں۔ پر جمال کا خیال اس کے دل سے نکلتا ہی نہ تھا۔ وہ تو جیسے دھرنا مار کر اس کے دل میں بیٹھ گیا تھا۔ کبھی کبھی وہ گھبرا کر جاء نماز سے اٹھ جاتی اور پھر کئی کئی دن تک وہ دل میں بے چینی سموئے ادھر ادھر پھرتی رہتی۔ بے مقصد چکراتی پھرتی۔ یا اللہ میرے دل کی بے چینی اور اضطراب کو کم کر دے۔ دو چار روز بعد وہ آنسوؤں سے بھیگا چہرہ لیے وہ پھر جاء نماز پر بیٹھی سجدے پر سجدے کر رہی ہوتی۔

جمال اس کا نہیں تھا۔ جمال اس کا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ پورے کا پورا ماہ منیر کا تھا۔ اس کے عشق میں ڈوبا۔ اس کی محبت میں سرشار۔ حاجرہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں تھی۔ پھر بھی وہ حاجرہ کے دل سے نہیں نکلتا تھا اور وہ رو رو کر اللہ سے دعا مانگتی تھی کہ وہ جو پہلی نظر میں اس کی اسیر ہو گئی تھی اس کی اسیری سے آزاد ہو جائے۔ "ربا مجھے اپنی محبت کے رنگ سے رنگ دے اللہ مجھے اپنی محبت عطا کر۔"

☼ ☼ ☼

اس رات بہت حبس تھا۔ اس نے صحن میں چارپائیاں بچھا کر بستر لگا دیے تھے اور سرہانے ٹیبل فین لگا دیا تھا۔ جمال تو کھانا کھاتے ہی سو گیا تھا۔ اسے نہ تو اس کی بھیگی پلکیں دکھتی تھیں نہ چہرے پر پھیلا کرب نظر آتا تھا، لیکن اسے کسی پل چین نہیں تھا کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتی کبھی لیٹ جاتی کبھی سوئے ہوئے جمال کو دیکھنے لگتی۔ جمال جو اپنے نام کی طرح سراپا جمال تھا۔ اس پورے محلے میں کوئی اس جیسا نہیں تھا۔ کشادہ روشن پیشانی پر بکھرے بالوں کو پیچھے کرنے کی خواہش کو بمشکل اس نے دبایا تھا۔ بادامی آنکھوں پر پلکوں کی جھالریں۔ گداز لبوں کے دائیں طرف کونے میں سیاہ تل جسے چھونے کی خواہش دل میں مچل مچل جاتی۔ وہ جمال کو دیکھتے دیکھتے اپنے خالق کے متعلق سوچنے لگی۔ جس کی تخلیق اتنی خوب صورت تھی کہ نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹتی ہی نہ تھیں تو وہ خالق کیسا ہوگا۔ لمحہ بھر کے لیے اسے خیال آیا اور اس پر کپکپی سی طاری ہوگئی یکایک فضا میں خنکی محسوس ہونے لگی۔ اس نے اوپر آسمان پر نظر ڈالی، کہیں کہیں بادلوں کے ٹکڑے چاند کی چاندنی میں تیرتے نظر آئے اس نے بمشکل جمال کے چہرے سے نظریں ہٹائیں اور آہستگی سے اپنی چارپائی سے اٹھی۔ بے بسی سے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔ آنسو اس کی آنکھوں میں چمکے اور نم آنکھوں کے ساتھ وہ وضو کر کے برآمدے میں جاء نماز پر بیٹھ گئی۔

وہ نفل پر نفل پڑھے جاتی، سجدے پر سجدے کیے جاتی، وہ کیا مانگ رہی تھی اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ اس کی زبان پر کیا تھا وہ نہیں جانتی تھی آنسو اس کے چہرے کو دھو رہے تھے اس کے دل سے میل اتار رہے تھے۔ فضل دین کہتا تھا پہلے کپڑے کا پرانا رنگ اتارنا پڑتا ہے۔ اسے چٹا سفید کرنا پڑتا ہے جب تک وہ چٹا سفید نہ ہو جائے اس پر نیا رنگ نہیں چڑھتا، چڑھاؤ تو بدرنگا ہو جاتا ہے اور اسے بدرنگا ہونے سے ڈر لگتا تھا۔ آسمان یک دم سیاہ بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔ گیٹ پر لگے بلب کی مدھم سی روشنی برآمدے میں پڑ رہی تھی۔ دور کہیں بجلی چمکی اور بادل گرجا تھا۔ جمال ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ غیر ارادی طور پر اس کی نظر ساتھ والی چارپائی پر پڑی، چارپائی خالی تھی چادر اسی طرح تہ کی ہوئی پائنتی کی طرف پڑی تھی۔ ”کہاں گئی؟“ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر برآمدے میں سجدے میں گری حاجرہ کو دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھا اور چارپائی سے اتر کر ہولے ہولے چلتا ہوا برآمدے میں آکر کھڑا ہو گیا۔

وہ سجدے میں تھی اور اس کا پورا وجود سسکیوں سے ہولے ہولے ہل رہا تھا۔ جمال گہرے اندھیرے میں کھڑا تھا اور اس کی نظریں سجدے میں گری حاجرہ پر تھیں، بہت دیر بعد اس نے سجدے سے سر اٹھایا۔ مدھم روشنی میں اس کا چہرہ واضح نظر نہیں آرہا تھا۔ جمال دو قدم آگے بڑھا حاجرہ کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

”حاجرہ… اس طرح راتوں کو اٹھ اٹھ کر سجدے میں گر کر رو رو کر اللہ سے کیا مانگتی ہو۔“ حاجرہ نے ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اندھیرے میں کھڑا ایک سایا سا لگ رہا تھا۔ ”مجھے… مجھے مانگتی ہو نا اللہ سے… مت مانگو مجھے۔ مت ضائع کرو اپنے آنسو… تم ماہ منیر کی جگہ نہیں لے سکتیں۔ کبھی نہیں… تم نے تو کہا تھا تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم مجھے دیکھ لیتی ہو۔ پھر اب اس سے زیادہ کی طلب کیوں کرتی ہو۔ بولو نا، حاجرہ بولتی کیوں نہیں ہو… مجھے مانگتی ہو نا۔“ وہ ہولے سے ہنسا۔ اس کی ہنسی میں تفخر سا تھا چاہے جانے کا فخر۔

”نہیں…“ حاجرہ کا سر بے اختیار نفی میں ہلا اور اس کے لبوں سے پھر گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔ جمال کے لبوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ چاند سے ذرا سا بادلوں کا پردہ ہٹا اور پورے صحن اور برآمدے میں ملگجی سی روشنی پھیل گئی۔ حاجرہ کی نگاہیں جمال کی طرف اٹھیں بالکل خالی، سادہ، بے ریا۔ یہ وہ نظریں تو نہیں تھیں اس کی طلب گار، اس کا طواف کرتیں۔ اس کے عشق میں ڈوبی اس پر نثار ہوتیں جمال کے لبوں پر

بکھری مسکراہٹ سمٹ گئی لب بھنچ گئے' اب چاند کی روشنی حاجرہ کے چہرے پر پڑ رہی تھی سانولے رخساروں پر کاجل پھیلا تھا۔ کالے رنگ کا سوٹ جس میں کہیں کہیں سفید اور گلابی پھول تھے۔ کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ آنکھوں میں بھر بھر کے کاجل کیوں ڈالتی ہے وہ زیادہ تر۔ سیاہ رنگ ہی کیوں پہنتی ہے۔ اس کے لبوں پر پھر تمسخرانہ سی مسکراہٹ ابھری۔

"تم کتنا بھی خود کو میرے رنگ میں رنگ لو حاجرہ! تم ماہ منیر کی جگہ نہیں لے سکتیں۔" وہ حاجرہ سے بہت زیادہ باتیں نہیں کرتا تھا' لیکن پتا نہیں رات کے اس پہر وہ کیوں چڑ گیا تھا۔ شاید وہ حاجرہ سے "نہیں" سن کر حیران ہوا تھا۔ ورنہ اس نے آج تک اس طرح حاجرہ سے طنزیہ انداز میں بات نہیں کی تھی۔ حاجرہ کی نظریں جھک گئی تھیں پھر وہ یوں ہی جھکی نظروں کے ساتھ ہولے ہولے بولنے لگی جیسے خود سے بات کرتی ہو۔

"میں ماہ منیر کی جگہ نہیں لینا چاہتی۔ میں جانتی ہوں ایک گوڑھے رنگ پر دوسرا رنگ نہیں چڑھتا۔ میں تمہیں نہیں مانگتی جمال۔ اب نہیں۔ میں تو دعا کرتی ہوں میرے دل پر جو رنگ چڑھا ہے' میرا اللہ اسے اتار کر اسے بالکل چٹا شفاف کر دے۔ میں تو بس اپنے دل کے آئینے کو رگڑتی مانجھتی رہتی ہوں۔ اور اس کے رنگ میں خود کو رنگنا چاہتی ہوں جو حقیقی نیل گر ہے' پر میرا دل شاید بہت میلا ہے بدرنگا ہے۔"

آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے۔ یک دم پورے کا پورا چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا تھا۔ صحن کے بیچوں بیچ اوپر آسمان پر چودھویں کا چاند چمکتا تھا۔ جس کی روشنی سیدھی حاجرہ کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اس کے آنسو موتیوں کی طرح اس کی آنکھوں میں چمکتے تھے اور جیسے کوئی انجانا رنگ کاٹ اس کے دل سے پرانا رنگ اتار کر شفاف کرتا تھا اور حاجرہ کا چہرہ لمحہ بہ لمحہ کسی الوہی روشنی سے چمکتا جاتا تھا۔

"حاجرہ۔" جمال پتا نہیں کیا کہنا چاہتا تھا کہ اس کی نظریں حاجرہ کی اٹھی نظروں سے ٹکرائیں۔ حاجرہ کی نظروں میں بے گانگی اور اجنبیت تھی۔ یہ نظریں اس پر محبت نہیں لٹا رہی تھیں اس کا طواف نہیں کر رہی تھیں۔ ان نظروں میں کوئی اور ہی آنچ سلگتی تھی۔ حاجرہ کی اٹھی نظریں جھک گئیں۔ آج اسے جمال میں وہ کشش محسوس نہیں ہوئی تھی۔ جو اسے اپنی طرف کھینچتی تھی مسحور کرتی تھی۔

تو کیا... تو کیا اللہ نے اس کی دعا سن لی۔ وہ ہولے ہولے لرزنے لگی اور اس کے دل کا آئینہ چمکتا تھا۔ صاف شفاف چٹا سفید۔ سچا اور حقیقی نیل گر اس کے چٹے سفید آئینے کو اپنے رنگ سے رنگ رہا تھا اور وہ ان رنگوں کی برسات میں بھیگی جاتی تھی اور جمال مبہوت سا کھڑا اس کے چہرے پر بکھری ست رنگی روشنیاں دیکھتا تھا جو سانولی سی عام سی حاجرہ کو عجیب ملکوتی حسن بخشتی تھیں۔

سالگرہ نمبر

گلِ کہسار

فرح بخاری

کمال شوق کا حاصل یہی ہے
ہمارا شہر سے بے زار ہونا
فراق آغاز ہے ان ساعتوں کا
ہے آخر جن کا وصل یار ہونا

مارچ کے آخری ایام تھے۔ سردی اب وادیوں سے اپنا ہاتھ چھڑا کر دور پہاڑوں میں گم ہو رہی تھی اور وادی کو ڈھیروں جنگلی پھولوں کے تحفے سے نواز کر اگلے برس کے عہد میں باندھ گئی تھی۔ موسموں کا بدلنا... گویا انسانی کیفیات میں انگڑائی لے کر پھر سے بے دار ہونے کا نام ہے، کبھی کچھ بہت نیا کرنے کو دل چاہنے لگتا ہے تو کبھی فقط کسی پرانی یاد کے سائے میں بیٹھ کر گزرے سالوں کی کہانیاں دہرانے لگتا ہے، لیکن اسجد عالم نے تو ابھی اپنی گل آویزہ کے ساتھ ہر موسم جیا ہی نہیں تھا۔ چھ ماہ پہلے آغاز سرما اس کی زندگی میں شامل ہونے والی گل آوی کے حوالے سے مٹھی میں ٹھٹھرتی سردیوں کی محض تین چار ملاقاتیں تھیں اور اب... جانے یہ کیسا موسم گل تھا۔ بہار کی بارش نے یوں تو ایک ایک ڈالی ایک ایک پتا دھو ڈالا تھا پر نہیں ہٹا سکی تھی تو اس کے اور گل کے رشتوں پر جمی دھول...

"جانے کب برسے گی وہ بارش جس میں بھیگ کر میری پیاسی روح سیراب ہو سکتی ہے، کہاں ہے وہ کرم کا بادل جس کے ٹوٹ کر برسنے کی چاہ میں نگاہیں آسمان پر ٹکی ہیں، کہاں ہو میرے مہرباں..." وہ جیسے کسی دھن میں بڑھا چلا جا رہا تھا۔

"لالہ آپ ادھر سے کیوں جا رہے ہیں۔" زرمین نے کالی بلی کی طرح بھائی کا راستہ کاٹا اور وہ دل ہی دل میں لاحول پڑھ کر رہ گیا۔ آج وہ بڑی ترنگ میں ناشتے کے بعد حویلی کے پچھلے راستے سے ڈیرے پر جانے کے لیے مڑا تھا۔ خواہش یقیناً "گل آویزہ کو ایک نظر دیکھ لینے کی تھی، لیکن یہ گھر کی "سی آئی ڈی..."

"کیوں... کیا اس راستے میں سانپ بچھو بستے ہیں۔" وہ خفگی سے مڑا۔

"آپ کو سامنے کے راستے سے جانا ہو گا لالہ... یہاں کے سارے راستے فی الحال بند ہیں۔ آپ کو مسئلہ ہو گا۔" زرمین پوری طرح ڈھٹائی پر آمادہ تھی۔

"توبہ ہے تم لوگوں سے... اپنے ہی گھر میں "نو گو ایریاز" بنا رکھے ہیں۔" وہ جھلا کر پیر پٹختا مجبوراً "بڑے پھاٹک کی طرف بڑھ گیا اور زرمین کچھ نہ سمجھتے ہوئے ایک اور ہی تشویش میں مبتلا ماں کی طرف بھاگی بھاگی آئی۔

"اماں جان... مجھے صاف لگتا ہے کہ لالہ اور اس گل آویزہ کے بیچ کچھ چل رہا ہے۔"

"ہائیں..." تسبیح کے دانے گراتے ان کا ایک لخت ہاتھ رکا۔ "وہ کیسے اور... اس نواب زادی نے تو اس

مکمل ناول

پانچویں اور آخری قسط

طرف آنا ہی چھوڑ دیا ہے۔"

"یہی تو...." وہ پرجوش انداز میں آگے کو جھکی۔

"ضرور کسی خاص وجہ سے اس نے یہاں آنا چھوڑا ہے۔ لالہ کو میں نے نوٹ کیا ہے۔ کچھ دن سے حویلی کے بڑے چکر لگانے لگا ہے۔ پہلے تو یاد نہیں' ناشتا کرکے جاتا تو مغرب کی اذان آنے پر لوٹتا تھا۔ اب تو تین تین بار واپس آتا ہے' باورچی خانے میں ضرور جاتا ہے۔ بڑے کمرے میں بیٹھا رہتا ہے اور ابھی پچھلی طرف سے ڈیرے پر جا رہا تھا۔ میں نے روکا تو غصہ کرتا ہوا باہر چلا گیا۔" زرمین کی رپورٹ خاصی طویل اور غور طلب تھی۔ خان بیگم خاصی سنجیدگی سے کچھ سوچنے لگیں۔ جیسے پچھلے چند دنوں کی باتوں پر غور کر رہی ہوں۔

"تو کیا اس نے آویزہ کو دیکھ لیا ہے؟"

"مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے۔"

"کہیں.... اس روز سید و جاتے ہوئے تو نہیں.... یہ لوگ ایک ہی گاڑی میں تھے نا...." خان بیگم کو جواز بھی جلدی ہی مل گیا۔ "ذرا ان دو نکمیوں سے پوچھنا۔ اس روز یہ بانو اور نورینہ تھیں اسجد کی کار میں وہی بتا سکتی ہیں کیا کچھ ہوا راستے میں.... بہت ہوشیار ہے یہ لڑکی اور میرا بیٹا بہت سیدھا اور بھولا ہے۔ پتا نہیں کس منحوس گھڑی میں اسے بہو بنا لانے کا فیصلہ کر بیٹھی.... کسی طرح اس بلا ور والے قصے سے نکلیں اور حالات ذرا بہتر ہوں تو سب سے پہلے اس کی دوسری شادی کرواتی ہوں۔" وہ خود کلامی کے انداز میں آگے کا لائحہ عمل ترتیب دینے لگیں۔

☼ ☼ ☼

کیاریوں میں لگے پرانے ٹنڈ منڈ پودوں اور سوکھی لکڑی جیسی ڈنڈیوں سے یک لخت تازہ ہری کونپلیں پھوٹنا شروع ہو گئی تھیں۔ بہار اپنے سرسبز پر چہار سو پھیلا دینا چاہتی تھی' لیکن حویلی کے پچھلے حصے میں جہاں سال بھر کے خشک پتے' مٹی اور کبھی کبھی کی بارشوں سے جم جانے والی کیچڑ کی تہیں لگی تھیں' کونپلوں کی حالت نکلنے سے پہلے مرنے والوں جیسی ہو گئی تھی۔ گل آویزہ نے جب سے سامنے کے حصے میں جانا چھوڑا تھا' اس کا تمام وقت اسی طرف گزر رہا تھا۔ سامنے کے پورشن کو شیشے کی طرح چمکا کر رکھنے والی جمال بی بی' نسیمہ اور رحیمہ کو کبھی یہاں کی جھاڑو لگانے کا خیال نہیں آیا تھا۔ گل آویزہ نے دیر سے سہی بہرحال اس بے توجہی کا نوٹس لے ہی لیا۔ اب وہ روزانہ ناشتے کے بعد سے ہی کام میں جت جاتی۔ سب سے پہلے کیاریوں کی اچھی طرح صفائی کر کے پودوں کو کھل کر سانس لینے کا موقع فراہم کیا۔ پھر پورے صحن کی جھاڑو لگا کر مٹی اور خشک پتوں کے ڈھیر ٹھکانے لگائے.... روزانہ پودوں کو پانی دے کر' صحن میں ہلکا چھڑکاؤ کر کے' اپنے کمرے کی صفائی وغیرہ سے فارغ ہو کر خود بھی نہا دھو کر فریش ہو جاتی۔

سامنے کے حصے میں جانا اب اس نے بالکل ہی ترک کر دیا تھا۔ خان بیگم اور بیٹیوں کا رویہ کچھ زیادہ ہی تذلیل آمیز ہو گیا تھا۔ اس نے بہتر یہی جانا کہ ان سب کے سامنے ہی نہ جائے۔ اسجد کی بے تابیوں کا احساس بھی تھا' لیکن اپنے اور اس کے معاملے کا مستقبل بھی خاصا تاریک نظر آتا تھا اور ان دنوں تو اس کا دھیان ویسے بھی ایک اور مسئلے کی طرف رخ کر گیا تھا۔ جب سے اس نے جرگے کے انعقاد کی بات سنی تھی دل و دماغ ایک دم بہت اپ سیٹ ہو گئے تھے۔ اسجد نے جس بے خوفی سے معافی نامہ پھاڑا تھا۔ نتائج کچھ بھی ہو سکتے تھے۔ اس کا ذاتی خیال اس بارے میں یہ تھا کہ اگر اسجد اس معافی نامے کو قبول کر لیتا تو فوری طور پر سر پر چھائے خطروں کے بادل یقیناً" چھٹ جاتے کیونکہ بخت اور بلاور تو دل ہی دل میں انتہائی سہمے ہوئے تھے۔ معافی نامہ قبول ہو جانے کی صورت میں ان کے سروں پر لٹکتی تلوار ہٹ جاتی اور وہ سکون کا سانس لیتے ہوئے کچھ عرصے کے لیے ٹھنڈے ہو کر بیٹھ جاتے' لیکن معافی نامہ مسترد ہونے کی صورت میں

جہاں بلاور کے لیے مسائل کھڑے ہوگئے تھے وہیں چھپے دشمن بخت کو بھی کئی وہموں نے گھیر رکھا ہوگا۔
"جانے بلاور لالہ جرگے میں کیا کہنے والا ہے۔ کیسے پتا کروں۔۔۔؟" گل آویزہ اس وقت دیوار کے ساتھ ساتھ قطار میں لگے درختوں کے نیچے کیاریوں کے نزدیک چھوٹی تپائی پر بیٹھی گلاب کے پودے سے نکلنے والی پہلی سرخ کلی کو دیکھ رہی تھی۔ "کیا پتا زیبا کے پاس کوئی اطلاع ہو۔" وہ اچانک اس خیال کے آتے ہی کمرے کی طرف بھاگی۔ پچھلی رات ہی اس نے زیبا کے ذمے کام لگایا تھا کہ وہ یاسمین سے ملے اور پتا کرے کہ بلاور جرگے کے حوالے سے کس سوچ میں ہے۔
"میں یاسمین سے ملی تھی گلے۔۔۔ لیکن وہ کہتی ہے کہ لالہ کے ارادوں کی اسے کچھ خبر نہیں ہے۔۔۔ بس وہ ہر وقت پریشان رہتا ہے اور کافی چڑچڑا ہوگیا ہے۔ بابا جان سے بھی اس کی بول چال بند ہے۔"
"اسے اتنا تو پتا ہوگا کہ وہ جرگے میں کیا کہنے والا ہے۔" گل آویزہ بری طرح جھنجلا گئی۔ یہ امید بھی ٹوٹتی نظر آنے لگی تھی۔
"نہیں۔۔۔ اس حوالے سے بھی وہ کچھ نہیں بتاپا رہی، لیکن تم پریشان کیوں ہو؟"
"جرگے میں سب کی شمولیت ضروری ہوتی ہے نا زیبا۔۔۔ اب ظاہر ہے اس روز بلاور بھی ہوگا اور اسجد بھی۔۔۔ بخت اور ولی بھی آئیں گے جانے وہاں کیسی صورت حال پیدا ہوجائے۔ کہیں کوئی جھگڑا وغیرہ ہوگیا تو۔۔۔" اس کا دل انجانے خدشوں سے بری طرح کانپ رہا تھا۔

"تو تم لالہ سے کہو کہ جرگے کا انعقاد وہ جمعہ کے دن رکھ لیں۔" زیبا نے اس کی سوچ پڑھ کر مشورہ دیا تو گل آویزہ چونکی۔
"ارے ہاں۔۔۔ یہ خیال تو مجھے آیا ہی نہیں۔ یہ تو ہوسکتا ہے۔ اچھا بند کرتی ہوں۔ تم اماں کا خیال رکھنا اور یاسمین کچھ بتائے تو میسج بھیج دینا۔" فون بند کرتے ہی گل آویزہ کی سوچ کا دھارا دوسری جانب مڑ گیا۔
ان کے قبیلوں میں رواج تھا کہ جمعہ کے دن یہاں ہر قسم کی قتل و غارت اور لڑائی جھگڑے کی ممانعت تھی۔ اگر جرگے کا انعقاد جمعہ کے دن کیا جائے تو یقیناً" کسی بھی ناخوش گوار اور پریشان کن صورت حال سے نجات مل سکتی تھی۔ یعنی اب کسی بھی طرح خان تک یہ پیغام پہنچانا تھا کہ جرگہ جمعہ کے دن بلایا جائے اور اب۔۔۔ اب اسے ناز بھابھی سے ملنا تھا۔ یہ جاننے کے لیے کہ بخت کیا سوچ رہا ہے۔ بلاور کے جرگے میں آنے کے حوالے سے اسے کیسے خوف گھیرے ہوئے ہیں۔ گل آویزہ کا خیال تھا کہ بلاور سے زیادہ اس وقت بخت پریشانی میں مبتلا ہوگا۔ کیونکہ بلاور تو اب ایک طرح سے کھلے دشمن کے طور پر سامنے آچکا تھا بلکہ دشمن قبیلے سے ہی تعلق رکھتا تھا لیکن بخت کا نام کسی بھی حوالے سے سامنے آنا دونوں قبیلوں کے لیے دھماکا خیز ہوسکتا تھا اور نتیجہ بھی کچھ اسی قسم کا ظاہر ہوتا۔

نسیمہ اس کے لیے دوپہر کا کھانا لائی تو گل آویزہ نے اس کی منت کی کہ وہ کسی بہانے ناز بھابھی کے گھر جائے اور انہیں کہے کہ گل آویزہ آج ہی انہیں بلا رہی ہے۔ نسیمہ پر اسے بھروسا تھا وہ بات اپنے تک ہی رکھتی تھی اور جس قسم کی پابندیوں کا گل آویزہ یہاں شکار تھی تو نسیمہ اس کی مدد کرکے خوشی محسوس کرتی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اسے اپنے اسجد لالہ کی خوب صورت سی یہ دلہن دل سے بہت پسند تھی۔ وہ مسکرا کر سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی اور ناز بھابھی تو اس کا پیغام پاکر ایسے پریشان ہوئیں کہ نسیمہ کے ساتھ ہی چل پڑیں۔
"آپ کو کسی نے دیکھا تو نہیں بھابھی؟" گل آویزہ گھبرا کر پیچھے دیکھنے لگی۔
"پریشان نہ ہو۔ ولناز اور نوری باہر بیٹھی تھیں۔ میں نے کہا کہ گل آویزہ کا کڑھائی والا کالا سوٹ لینے جارہی ہوں کیونکہ اپنا ویسا ہی بنوانا چاہتی ہوں تو بس

چپ بیٹھی رہیں۔ اب اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی یہاں آجائے' جلدی بولو کیا کہنا ہے۔۔۔۔" جواباً" گل آویزہ نے بخت سے متعلق اپنے خدشات کا اظہار کر دیا۔

"مجھے صرف اتنا پوچھنا تھا بھابھی کہ بخت لالہ جرگے کے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔"

"کیا کہہ سکتی ہوں گلی۔۔۔۔" ناز نے مایوسی سے کندھے گرائے۔" اس روز تو یقین مانو اللہ پاک کی مدد ہوئی تھی اسجد کے ساتھ۔ یقیناً" اللہ نے ابھی اس کی زندگی لکھی تھی جو یوں صاف صاف میں نے بخت کا منصوبہ اپنے کانوں سے سن لیا' لیکن آج کل تو زیادہ تر وہ اپنی باہر والی بیٹھک میں ہوتا ہے۔ گھر کے اندر بھی فون پر مصروف دیکھوں تو ضرور کان لگانے کی کوشش کرتی ہوں' لیکن ایسی کوئی مشکوک بات کبھی پلے نہیں پڑی۔ باقی تمہارے وہم بھی میں سمجھ رہی ہوں۔۔۔۔ بخت کو یقیناً" بہت ڈر ہے اس بات کا کہ بلاور کہیں سچ نہ اگل دے۔ پچھلے دنوں تو وہ اتنا پریشان اور الجھا ہوا سا تھا کہ ہر وقت گھر میں لڑتا جھگڑتا رہتا۔ میرے بچوں کو مار پیٹ بھی دیتا' پریشانی نے اس کی بھوک تک اڑا رکھی تھی۔ کھانا بھی ٹھیک سے کھاتا نہیں تھا' لیکن ہاں۔۔۔۔" ناز لمحے کو رکی۔" کل سے پھر کافی خوش اور مطمئن نظر آرہا ہے۔ پتا نہیں کیا وجہ ہے۔" وہ خود سوچ میں پڑ گئی۔

"لیکن بھابھی۔ جب تک جرگے کا دن آکر گزر نہ جائے۔ اس کی پریشانی تو کم نہیں ہونی چاہیے۔"

"ہاں۔ ہونا تو ایسا ہی چاہیے۔ لیکن وہ ابھی سے بہت خوش ہے۔ ہو سکتا اس نے بلاور سے کوئی وعدہ وغیرہ لے لیا ہو کہ اس کا نام درمیان میں نہ آئے۔۔۔۔ یا ہو سکتا ہے کوئی اور منصوبہ۔۔۔۔" اس نے مارے تشویش کے جملہ ادھورا چھوڑ کر گل آویزہ کی طرف دیکھا جس کا سرخ و سفید چہرا ایک دم زرد پڑنے لگا تھا۔

"یہ تو بہت فکر والی بات ہے بھابھی۔۔۔۔ اگر کسی طرح پتا چل سکتا کہ وہ کیا سوچ بیٹھا ہے تو۔۔۔۔" اس نے کسی امید پر ناز کو دیکھا۔

"لیکن کیسے آویزہ۔۔۔۔ اب اس کے ذہن میں کیا ہے' میں کیسے جان سکتی ہوں۔"

"اچھا آپ دھیان میں ضرور رکھیے گا یہ بات۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کچھ سامنے آجائے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔۔۔۔ تم فکر نہ کرو۔ مجھ سے جتنا ہو سکتا ہے میں کروں گی۔" وہ اس کا کندھا تسلی کے انداز میں تھپتھپاتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اور ہاں اپنا وہ موتی ٹانکے والا کالا سوٹ تو دے دو۔ تاکہ ان سب کو شک نہ ہو۔"

"جی بھابھی۔" وہ فوراً" الماری کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

گھڑی نے رات کا ایک بجایا تو اسجد نے لیپ ٹاپ بند کر کے ایک گہری سانس لی۔ وہ اس وقت حویلی میں اپنے کمرے میں تھا اور جو سوچ بیٹھا تھا اس پر عمل کرنے کا شاید یہی صحیح وقت تھا کمرے کی لائٹ تو پہلے ہی آف تھی وہ آہستگی سے دروازہ اپنے پیچھے بند کر کے باہر نکل آیا۔ توقع کے مطابق ہر طرف گہری خاموشی اور اندھیرے کا راج تھا۔ چاند کی بھی آخری تاریخیں چل رہی تھیں اس لیے روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس نے باہر صحن میں نکل کر پچھلے حصے کا رخ کیا۔ جمال بی بی کا کمرا بند تھا۔ وہ ایک نظر آس پاس پر ڈال کر گل آویزہ کے کمرے کے سامنے آیا۔ ہلکا سا دباؤ دیا لیکن دروازہ نہیں کھلا۔ اسجد نے بہت ہلکی دستک دے کر موبائل کی ٹارچ آن کی۔ دستک کا کوئی رسپانس نہ آنے پر ٹارچ کی روشنی دروازے کی نیچے والی لکیر سے اندر ڈالی۔ پھر کچھ دیر بعد دوبارہ معمولی سا دروازہ بجایا۔ روشنی ابھی بھی جل رہی تھی۔

"کون۔۔۔۔" گل آویزہ کی گھبرائی ہوئی سی مدھم آواز سنائی دی۔

"اسجد ہوں۔" اس نے آہستہ سے کہا اور کچھ ہی

دیر میں دروازہ کھل گیا۔ اسجد نے اندر داخل ہو کر فوراً" دروازے کی چٹخنی چڑھادی۔ گل آویزہ نے کسی قسم کی حیرت کا اظہار نہیں کیا وہ بس خاموش کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے آدی۔" وہ اسے شانوں سے تھامے... سامنے کھڑا بغور اس کا چہرا تک رہا تھا۔ "شکل تک دکھائی چھوڑ دی... بہت ناراض ہو۔؟"

"نہیں..." سر جھکائے اس نے نفی میں سرہلایا۔

"ہوں۔" اسجد نے کچھ دیر رک کر جیسے سوچنے کا وقت لیا۔ "میں جانتا ہوں تم کیوں اداس ہو..." جواباً" آویزہ نے جھٹ سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اس روز تم نے اماں جان کی باتیں سنی تھیں نا۔"

"وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک ہیں خان..." گل آویزہ شانے چھڑا کر رخ موڑ گئی۔ "ایک ایسی لڑکی جو کسی معاہدے کی رو سے لائی گئی ہو۔ اس کا نہ خوشیوں پر کوئی حق ہوتا ہے نہ محبت پر... آپ دوسری شادی کرلیں خان... میری وجہ سے خان بیگم پریشان بھی رہتی ہیں۔ بیمار بھی... نئی بہو گھر لا کر یقیناً" ان کی بیماری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔" اب پتا نہیں وہ خفا تھی یا سنجیدہ... اسجد نے خوب توجہ سے اس کی باتیں سن کر اپنی مسکراہٹ روکی۔

"اچھا تو تمہاری مرضی بھی شامل ہے' اس میں' مجھے تو جب بھی اماں جان نے دوسری شادی کا کہا' میں نے تمہاری وجہ سے انکار کردیا۔ سوچا پتا نہیں تم کیسے برداشت کرو گی... لیکن خیر... اگر تم خوش ہو تو میں انہیں ہاں میں جواب دے دیتا ہوں۔ میں بھی جانتا ہوں ان کی بیماری کی اصل وجہ یہی ہے۔"

"جی...؟" وہ آنکھوں میں بے یقینی لیے پوری اس کی طرف مڑی۔ جس جواب کی وہ ہر گز توقع نہیں کررہی تھی اسے سن کر اپنے تاثرات چھپا نہیں پائی۔

"آپ دوسری شادی کریں گے...؟"

"ہاں۔ کیونکہ لگتا ہے اس گھر کے ہر مسئلے کا حل میری دوسری شادی میں ہے۔ پھر تم بھی چاہو تو اپنے گھر واپس چلی جانا۔"

"مجھے کہیں نہیں جانا۔۔۔ چاہے تو اصطبل میں باندھ دیں۔ بس یہیں پڑا رہنے دیں۔" اس نے چڑتے ہوئے کہاں کی ٹینشن کہاں نکالی۔ اسجد نے خوب لطف لیا۔

"کیا کرو گی یہاں رہ کر۔۔۔ وہ "دوسری والی" تو ملنے بھی نہیں دے گی، چوری چھپے کا بھی کوئی چانس نہیں، ہر وقت اس کی کڑی نگاہوں کا پہرا ہو گا مجھ پہ۔۔۔ ابھی تو کمرے میں اکیلا ہوتا ہوں جو موقع بھی ڈھونڈ۔۔۔۔"

گل آویزہ نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"خان آپ کے سوا میرے پاس جینے کا کوئی بہانہ نہیں، آپ سے دور مجھے صرف موت آسکتی ہے۔"

"تو پھر نہ کروں دوسری شادی۔" اسجد کے موڈ پر تو اسے دیکھتے ہی ترنگ چھا جاتی تھی اوپر سے آج اس کے انداز بھی خالص بیویانہ سے تھے۔

"اونہوں۔۔۔" وہ اس کا بازو اپنے دونوں ہاتھوں میں زور سے بھینچے نفی میں سر ہلانے لگی۔ اسجد نے کندھے سے تھام کر اسے اپنے سامنے کھڑا کیا۔ موٹی موٹی آنکھوں میں کاجل پھیل گیا تھا وہ رو رہی تھی اور حد سے زیادہ سنجیدہ تھی۔

"نہ مذاق سمجھتی ہو اور نہ ہی اب تک اپنے خان کو سمجھ پائی ہو پاگل۔۔۔" اس نے نرمی سے گل آویز کو اپنے ساتھ لگایا۔ "سر پھرا ضرور ہوں، لاابالی نہیں ہوں۔۔۔ میری محبت اور میرے جنون کو ایک وقتی ابال مت سمجھنا۔۔۔ تمہیں دیکھنا، تمہیں ڈھونڈنا، تم سے چوری چھپے ملنا میری دیوانگی میرا عشق ہے آوی۔۔۔ مطلب پرستی نہیں۔

تم سے ملنے کے بعد میری زندگی کی کتاب میں جس نئے باب کا اضافہ ہوا ہے وہ سب سے خوب صورت سب سے بھرپور ہے۔۔۔ اس وقت کا کوئی نعم البدل نہیں، نہ ہی تمہارے جیسا کوئی اور ہے۔۔۔ تمہیں تمہارا جائز مقام دلانا اور پوری دنیا کے سامنے اپنانا اس وقت میری زندگی کا سب سے اہم سب سے بڑا مقصد ہے۔۔۔ اور کتنا خوش کن ہے یہ تصور کہ تم پورے حق سے میرے ساتھ رہو۔ جیسے دنیا کے تمام میاں بیوی رہتے ہیں اور اس سے بھی پیارا تصور جو تمہیں پالینے کے بعد پہلی مرتبہ میرے اندر جاگا۔۔۔ ان بچوں کا ہے جو ہمارے ہوں گے۔ میرے اور تمہارے۔ اسجد عالم کی آنے والی نسل، میرے وارث۔۔۔" وہ اس کے بالوں میں پیار سے انگلیاں پھیرتے ہوئے اسے آنے والے خوب صورت دنوں کی تصویر دکھا رہا تھا اور وہ جو اب تک بے آواز رو رہی تھی۔ باقاعدہ سسکیاں لینے لگی۔

"تم رو رہی ہو گل آوی۔۔۔؟ اسجد نے حیرت سے اسے خود سے قدرے دور کیا۔ "کیا یہ تصور تمہارے لیے خوش کن نہیں ہے۔۔۔؟"

"یہ تصور بہت خوب صورت ہے۔ خان۔۔۔ لیکن میری بدنصیبی مجھے کبھی خوش نہیں ہونے دیتی۔"

"تم ابھی بھی خود کو بدنصیب سمجھتی ہوں کیا ہمارا ملنا ایک خوش بختی نہیں؟"

"میں بھی اپنی خوش بختی پر یقین کرنا چاہتی ہوں خان، آنے والے حسین وقت کے تصور سے خوش ہونا چاہتی ہوں، لیکن کچھ نہ کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ میں ڈرتی ہوں، خدانخواستہ میری بدنصیبی کے سایے کہیں آپ کی زندگی کی راہیں تاریک نہ بنا دیں۔"

"ڈر کو اپنی زندگی سے نکال کر صرف ان لمحوں میں جیو آوی، جو آج ہماری مٹھی میں قید ہیں جن پر صرف ہمارا اختیار ہے، جو ہم سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ کل کے بارے میں سوچ کر آج کا حسن برباد نہ کرو، جانتی ہو آوی۔۔۔" اس نے پوروں سے گل آویزہ کی نم پلکیں صاف کیں۔

"میری زندگی کا حاصل ہیں وہ سب لمحے جن میں تم میرے سامنے، میرے پاس، میرے قریب تھیں۔۔۔ انہیں زندگی سے نکال دوں تو اس بنجر خالی زندگی میں کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔"

"خان مجھے بلاور اور بخت سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ آپ نے معافی نامہ مسترد کر کے بلاور کا غصہ مزید

بڑھادیا ہوگا۔۔۔ اور بخت۔۔۔ وہ اس خیال سے کسی نئی سازش کا جال بن رہا ہوگا کہ بلاور اس کا راز فاش نہ کردے۔" آج وہ چاہ کر بھی اسجد کی باتوں پہ خود کو بہلا نہیں پارہی تھی۔

"کیوں سوچتی رہتی ہو یہ سب باتیں۔" اسجد نے چہرے پر آئی اس کی چند لٹوں کو نرمی سے ایک طرف کیا۔

"خان۔۔۔" وہ ہولے سے سسکی۔۔۔ "کیوں سب آپ کی جان کے دشمن بن گئے ہیں' آپ حویلی کے پھاٹک سے قدم باہر رکھتے ہیں اور میرا دل پتے کی طرح کانپنے لگتا ہے۔۔۔ ہر کھٹکے پر آہٹ پر کسی انہونی کا احساس میری جان نچوڑ لیتا ہے۔ خدا کے لیے آپ شہر واپس چلے جائیں' ورنہ میں پاگل ہوجاؤں گی خان۔۔۔" دھیرے دھیرے سسکیاں لیتی گل آویزہ اچانک دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے باقاعدہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔ جانے آج اسے کیا ہوگیا تھا۔ اسجد پہلی بار صحیح معنوں میں پریشان ہوگیا۔ اسے شانوں سے تھام کر پلنگ کے کنارے پر بٹھایا اور خود بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"جس نے یہ زندگی عطا کی ہے گل آوی۔۔۔ وہی بہتر سمجھتا ہے کہ یہ جان اس وجود میں کب تک رہے گی۔۔۔ کوئی بلاور' کوئی بخت چاہ کر بھی اسے بڑھایا' گھٹا نہیں سکتے۔۔۔ مجھ سے اتنی بھی محبت نہ کرو کہ وہم اور خدشات تمہارا جینا ہی محال کردیں۔"

"یہ دیکھو۔۔۔" اس نے اچانک گھڑی پہ نگاہ کی۔ "اتنی دیر ہوگئی مجھے آئے ہوئے اور تم نے یہ تک نہیں پوچھا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔"

"جی۔۔۔؟" گل آویزہ نے حیرت سے چہرا اٹھایا۔ وہ یہاں کسی کام سے آیا تھا۔؟

"کل میں پشاور جارہا ہوں فراز سے ملنے۔۔۔ لیکن بنا تمہیں دیکھے' تمہیں خدا حافظ کہے کیسے چلا جاتا' اس لیے آدھی رات تک جاگا تاکہ تم سے مل سکوں۔" وہ اب اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

"آپ کل پشاور جارہے ہیں۔؟ وہ پوری اس کی طرف مڑ گئی۔ "کس وقت اور۔۔۔ اور ساتھ کون ہے۔۔۔" وہ ساری تسلیاں بھول بھال ایک مرتبہ پھر وہموں میں گھر گئی تھی۔ "خان آپ کو جرگے والا معاملہ حل ہونے تک کہیں آنا جانا نہیں چاہیے۔۔۔ پھر آپ کا گزر تو دورے سے بھی ہوگا۔۔۔ اگر بلاور کو کسی نے اطلاع کردی تو۔۔۔" بے تابی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ پہلے سے بھی زیادہ حواس باختہ نظر آنے لگی تھی۔

"اووف۔۔۔" اسجد نے بے ساختہ کھینچ کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔ "پل میں فرش سے اٹھا کر عرش پہ بٹھا دیتی ہو۔۔۔ مت کرو اتنی محبت کہ مغرور ہو کر تم سے ہی آنکھیں پھیر بیٹھوں۔" اس کے لب اپنے آپ مسکرانے لگے گل آویزہ اس کی مسکراہٹوں سے بے نیاز اب اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے بیٹھی تھی۔

"میرا خود پر اختیار ختم ہوگیا ہے خان۔۔۔ چاہوں بھی تو خوش نہیں رہ پاتی۔۔۔ دل بہت بوجھل بہت بھاری ہے۔۔۔ اب آپ نے اپنے جانے کا بھی بتادیا' دل اور بے چین ہوگیا ہے۔ کاش میں بھی آپ کے ساتھ جاسکتی۔"

"کیوں نہیں جاسکتیں۔۔۔ تمہارا دل چاہتا ہے تو چلو۔۔۔"

"آپ رک جائیں نا خان۔۔۔ بس کچھ دن اور۔۔۔" وہ کسی امید پر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ اسجد نے پیار سے اس کا گال تھپکا۔

"فراز کو کافی کریٹیکل سچویشن (نازک صورت حال) میں چھوڑ آیا تھا۔۔۔ صرف اس لیے کہ یہاں اماں جان ہلکان ہورہی تھیں۔ ڈاکٹرز نے بھی مجھے چند دنوں کا ریسٹ بتایا تھا۔۔۔ ورنہ سچ پوچھو تو فراز کی حالت مکمل طور پر سنبھلنے تک میرا یہاں آنے کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں تھا۔۔۔ اب تو ریسٹ بھی خوب کرلیا' کیا سوچتا ہوگا فراز۔۔۔ جس دوست کی وجہ سے موت کے منہ سے واپس آیا اس نے تو پلٹ کر پوچھا بھی نہیں۔۔۔ تم بس خیریت کی دعا کرتی رہنا۔۔۔ ان شاء اللہ

زندہ سلامت اپنی جان کے پاس واپس لوٹوں گا۔"
"ساتھ کوئی ہے......؟" وہ نیم رضامند ہوئی۔
"ہاں..... رستم کو لے جارہا ہوں۔ بابر پیچھے ڈیرے کے معاملات ذرا اچھی طرح دیکھ لیتا ہے۔"
"اپنی خیریت کی اطلاع دیتے رہیں گے؟" وہ اب دوسرے پہلوؤں پر غور کرنے لگی۔
"جی بالکل دیتے رہیں گے، لیکن اس کے لیے آپ کو اپنا موبائل آن رکھنے کی زحمت کرنا ہوگی۔" اسجد نے میٹھا سا طنز کیا تو پہلی مرتبہ وہ بھی مسکرادی۔
"ٹھیک ہے۔ آن رکھوں گی۔"
"تو میں جاؤں۔؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور گل آویزہ کا دل چاہا کہہ دے۔ اتنی جلدی..... لیکن لحاظ آڑے آگیا۔
"کچھ کہنا ہے.....؟" اسجد مبہم سا مسکرایا تو گل آویزہ نے گھبرا کر فوراً" نفی میں سر ہلایا۔
"کہہ دو تو مجھے اچھا لگے گا۔"
"نہیں..... وہ مسکرانے لگی۔" صبح آپ کو سفر پر نکلنا ہوگا۔ اور ٹائم پہلے ہی بہت زیادہ ہوگیا ہے؟
"تو ٹھیک ہے پہلے تم پرامس کرو کہ بلاوجہ کی ٹینشن نہیں لوگی اور خوش رہوگی۔"
"ہوں۔ اور آپ وعدہ کریں کہ اپنا خیال رکھیں گے اور کھلی جیپ میں نہیں جائیں گے۔" اس نے اسجد کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تو اس نے مسکراتے ہوئے ہلکے سے اس کا ہاتھ دبایا اور باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

"تم..... جارہے ہو کہیں.....؟" بخت درمیانی دروازے سے حویلی میں داخل ہوا۔ اسجد سر پر سواتی ٹوپی جما کر واسکٹ کے بٹن بند کرتا صاف کہیں جانے کے ارادے سے نظر آیا۔ بخت نے اپنی تیز عقابی نگاہ اردگرد پہ دوڑائی۔ جمال بی بی ایک چھوٹا سفری بیگ ہاتھ میں لیے پھاٹک کی طرف جاتی نظر آئی۔
"ہاں۔ پشاور جارہا ہوں....." اسجد اپنے روکھے لب و لہجے پر آج کل چاہ کر بھی قابو نہیں رکھ پاتا تھا۔ بخت کے خوب صورت چہرے پر سوائے دھوکے اور غداری کے کوئی تحریر نظر نہیں آتی تھی۔
"اچھا..... کتنے دنوں کے لیے..... واپس کب آؤگے.....؟" وہ ایک دم ہی فعال ہوگیا۔ اسجد کو دل ہی دل میں خود پر غصہ آیا کہ وہ کچھ دیر پہلے کیوں نہ نکل گیا..... لیکن وہ بھی کیا کرتا..... اس دشمن جاں کے انتظار میں کام کاج بھی سست روی سے نمٹائے۔ اسجد کو یقین تھا کہ آج کم از کم وہ ضرور آئے گی۔ لیکن اماں جان کو بھی معلوم نہیں کیوں اسے پشاور بھیجنے کی اتنی جلدی لگی ہوئی تھی کہ اس سے پہلے اس کا سامان باہر بھجوادیا۔ مجبوراً" اسے بھی وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے باہر نکلنا پڑا۔
"واپسی کب ہے.....؟" بخت نے اپنا سوال دہرایا۔ جواب ابھی اسجد کے منہ میں تھا کہ نظر پچھلے دروازے سے باہر آتی گل آویزہ پر پڑی بخت پر نظر پڑتے ہی جو ٹھٹک کر وہیں درخت کے نیچے رک گئی تھی بخت کی گل آویزہ کی طرف پشت تھی جبکہ اسجد کا ادھر چہرا تھا۔ بخت کا سوال غالباً" اس نے بھی سن لیا تھا تب ہی فوراً" ہی ناں کے انداز میں ہاتھ ہلا کر اسجد کو باز رہنے کی تنبیہہ کی۔
"آں....." اسجد لمحے کو رکا۔ "ابھی طے نہیں کیا۔ ویسے ارادہ ہے کہ پرسوں صبح وہاں سے نکلوں گا۔" اسجد نے جان بوجھ کر غلط معلومات اس تک پہنچائی جیسا کہ گل آویزہ چاہ رہی تھی ورنہ اسجد کا اپنا پروگرام اگلی شام واپسی کا تھا۔
"پشاور میں کہاں ٹھہرو گے۔" بخت اپنی مرضی کی معلومات لینے کے چکر میں اس کے ساتھ ہی بیرونی دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ مجبوراً" اسجد بھی گل آویزہ کی ایک جھلک پر گزارا کرتا باہر نکل گیا۔ گل آویزہ بھی الٹے قدموں اپنے کمرے میں واپس آگئی۔ بخت کے مشکوک سوالوں نے اسے بری طرح پریشان کردیا تھا۔ اللہ جانے کیا سوچ بیٹھا تھا۔ اسجد کے پشاور جانے کا سن کر اس کا ایک دم پرجوش ہونا کوئی اچھا

اشارہ نہیں تھا۔ سر تو پہلے ہی درد سے پھٹا جا رہا تھا۔۔۔ بخت کے انداز دیکھ کر تو اعصاب بھی بری طرح ڈھیلے پڑنے لگے۔۔۔۔ وہ ست' تھکا وجود لیے برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھ گئی۔

"یا اللہ۔ میرے خان کی حفاظت فرمانا۔ اس پر کوئی آنچ نہ آئے۔"

"بھابی تمہیں خان بیگم بلا رہی ہیں۔۔۔۔" گل آویزہ کو وہاں بیٹھے ہوئے پندرہ بیس منٹ گزرے تھے کہ رحیمہ بلانے آگئی۔

"خان بیگم۔۔۔۔" وہ حیرت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ تو اس کی صورت دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھیں' جانے بلا کیوں بھیجا تھا۔ جلدی سے چادر درست کر کے رحیمہ کے پیچھے چل پڑی۔ خان بیگم اپنے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ ساتھ اس وقت صرف زرمین باجی بیٹھی تھیں۔ وہ مودب سی ایک طرف جا کر کھڑی ہو گئی۔ انہوں نے آنکھ کے اشارے سے رحیمہ کو جانے کا کہا۔ اس کے نکلتے ہی زرمین نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ گل آویزہ کو پہلی مرتبہ کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ خان بیگم نے اتنی نفرت سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"تمہیں اپنے گاؤں جانا ہے۔۔۔۔ آج ہی۔"

"جی۔۔۔۔" اس نے حیرت سے سر اٹھالیا۔ اپنے گاؤں کا ذکر سن کر کہیں کوئی خوشی کی لہر نہیں دوڑی۔۔۔۔ نہ ہی کوئی جوش سا ابھرا۔ وہ تو ان کے لہجے کے زیر و بم میں الجھی تھی۔

"یہ جو کھیل تم نے چوری چھپے شروع کر رکھا ہے نا۔۔۔ آج سمجھو اس کے انجام کا دن ہے۔" انہوں نے بڑے ہی ٹھنڈے ٹھنڈے اس کے سر پہ بم پھوڑا لیکن گل آویزہ کو حقیقتاً "اپنا انجام دکھائی دینے لگا۔ چوری چھپے کے کھیل سے بھلا اور کیا مراد ہو سکتی تھی۔

"میرا بیٹا بہت سیدھا ہے لڑکی۔۔۔۔ لیکن مت بھولو کہ سوائے میرے وہ کسی کی نہیں سنتا۔۔۔ یہ نشہ بھی دنوں میں اتار دوں گی۔۔۔ جسے شاید تم عمر بھر کا ساتھ سمجھنے کی بھول کر بیٹھی ہو۔" آخری جملے پر وہ استہزائیہ ہنسیں۔

"کب سے چل رہا ہے یہ سب۔۔۔۔؟" اب کے انہوں نے سیدھا سیدھا سوال کر ڈالا۔ جس کا جواب گل آویزہ مر کر بھی نہیں دے سکتی تھی۔ یہ میاں بیوی کی ذاتیات تھیں۔ ان میں تو ماں بھی پرائی ہوتی ہے۔

"بولو بھابھی۔۔۔۔ کب اور کیسے پھنسایا لالہ کو۔۔۔ ہمارے سامنے تو بڑی میسنی بنی پھرتی ہو۔۔۔ اور آپ کہتی تھیں اماں جان' سیانی ہے۔ گھونگھٹ میں رہتی ہے۔ ارے وہ گھونگھٹ تو ہماری عقلوں پر پردہ ڈالنے کے لیے تھا۔" زرمین کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی۔ گل آویزہ کی پلکیں بھیگ گئیں اس تذلیل پر۔۔۔۔ اس لمحے کوئی آئینہ کر دیتا اس کے سامنے تو وہ خود سے بھی نظریں نہ ملا پاتی۔

"تمہاری ماں اور اس بلاور کے ساتھ معاہدے میں طے پایا تھا کہ اسجد کو دوسری شادی کی کھلی اور مکمل اجازت ہے۔ ارادہ تو میرا یہی تھا کہ ایک سال بعد اس پر غور کروں گی لیکن تم نے اپنی غلطی کی وجہ سے خود ہی ماحول پیدا کر دیا۔ جبین کی بہن کے لیے رشتے کی بات ہو چکی ہے۔ اگر تم چاہتی ہو کہ تمہاری یہ بھول میں معاف کر دوں تو اسے میری طرف سے معافی سمجھو۔۔۔۔ اسجد سے میں کہہ دوں گی کہ تمہاری ماں کی طبیعت بہت خراب تھی جلدی میں بھیجنا پڑا۔۔۔ اور تم۔۔۔۔ فی الحال ادھر واپسی کا سوچنا بھی مت۔۔۔۔ اسجد کے واپس آتے ہی ہفتے بھر کے اندر اس کا بیاہ کروا دوں گی۔ چاہیں تو بنا تمہیں بتائے بھی یہ سارے کام مکمل کیے جا سکتے ہیں لیکن یہ ہماری شان نہیں۔۔۔۔" ان کی گردن میں کچھ اور تناؤ پیدا ہوا۔ "ورنہ تمہاری اتنی حیثیت ہے کہ تم سے چھپ چھپا کر کام کرتے پھریں۔۔۔۔ اسجد سے رابطہ کرنے یا چغلی کرنے کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ ہم نے سب طے کر لیا ہے۔ اس کے پاس دوسرا راستہ ہی نہیں ہے سوائے شادی کرنے کے۔۔۔۔ خاموش رہنے میں ہی تمہاری عافیت ہے۔۔۔۔ باقی تمہیں بھجوانے کا بندوبست کروا دیا ہے۔ چاہتی تو میں یہ ہوں کہ کبھی واپس نہ آؤ لیکن جرگے کے اصولوں

کے آگے بے بس ہوں۔ بہر حال جب تک ہم نہ بلائیں۔ ادھر کا منہ مت کرنا۔" بنا اس کی اندرونی کیفیت کی پروا کیے وہ ایک تسلسل اور روانی سے جاری تھیں۔ گل آویزہ کو لگا واقعی سب کچھ طے ہے۔

"ضرورت پڑی تو ہم ہی بلوا بھیجیں گے۔ تب تک میرا بیٹا نئی دلہن کی زلفوں میں الجھ کر تمہیں بھول چکا ہوگا۔ صورت پہ اترانا چھوڑ دو' شرمین کی خوب صورتی چاند سورج کو بھی شرماتی ہے۔ ہوش اڑ جائیں گے اسجد کے....." وہ پہلی مرتبہ کسی تصور سے مسکرائیں۔

"اب تم جاؤ۔ اپنا ضروری سامان اٹھالو۔ بابر تمہیں لے جانے کے لیے تیار کھڑا ہے۔" اکتائے ہوئے انداز میں ہاتھ اٹھا کر انہوں نے گویا دفع ہو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ نظریں جھکائے فوراً" ہی دروازے کی طرف مڑ گئی۔

"سنو....." خان بیگم نے دوبارہ کسی خیال سے پکارا تو وہ پلٹی۔ "کوئی اور گل تو نہیں کھلا بیٹھیں....؟" ان کے خدشوں بھرے لہجے پر زرمین کے بھی دماغ کی گھنٹی بجی۔ اس پہلو پر تو سوچا ہی نہیں۔ اس نے بھی اپنی تفتیشی نظریں گل آویزہ پر گاڑ دیں۔ بات جس کی سمجھ میں ذرا دیر سے ہی آئی تھی لیکن اندازہ سا لگالیا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہیں۔ بنا کوئی جواب دیے وہ اپنے آنسو پیتی باہر نکل آئی۔

لاکھ اسجد عالم کے دل پر حکمرانی سہی' کھلی آنکھ کی حقیقت تو بس یہی ہے کہ کھڑے کھڑے اسے گھر سے نکال دیا گیا۔ حتیٰ کہ اپنی صفائی میں کچھ بولنے کا موقع تک نہیں دیا گیا۔ اور یہی وہ فرق تھا اس میں اور ایک عام بیوی میں جو اسجد خان کو نظر نہیں آتا تھا۔

وہ کہنا چاہتی تھی خان بیگم سے کہ رات آپ سب نے جو کچھ بھی دیکھا اس کی روشنی میں انگلی صرف ان کے بیٹے پر اٹھتی ہے۔ وہ جو خود چل کر اس کے پاس آیا تھا' سوال جواب بھی اسی سے کیے جانے چاہئیں تھے' لیکن نہیں..... گل آویزہ نے اپنے ہی باغی خیالات کی خود نفی کی۔

خان کے چوری چھپے ملنے کی ذمہ دار بھی تو میں ہوں..... وہ بے خوف شہزادہ تو اس کا ہاتھ تھام کر سب کے سامنے اقرار کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔ وہ اسجد کے تصور سے پہلی مرتبہ مسکرادی۔ یہ دربدری بھی تمہاری محبت میں قبول ہے خان..... پھر یہ احساس بھی کیا کم ہے خان بیگم کا' کم از کم واپسی کی راہیں تو کھلی چھوڑ دی ہیں۔ بھلے کسی مصلحت کے تحت ہی سہی۔

اس نے ایک آہ بھر کر الماری سے کپڑے نکالنا شروع کیے۔

"جانے کس کی زبان کالی ہے۔ رات ہی تو وہ اسے دوسری شادی کے ذکر پر چھیڑ رہا تھا۔ اور وہ سچ سمجھ کر بری طرح حواس باختہ ہو رہی تھی۔ پتا نہیں خان کا رد عمل کیا ہوگا' جانے اسے کیا کہانی سنائی جائے گی۔ کیا وہ دوسری شادی کے لیے تیار ہو جائے گا..... اگر اس کی پچھلی رات کی باتوں کی روشنی میں سوچتی تو ہرگز ایسا نہیں لگتا تھا۔ پھر خان بیگم اتنی پر اعتماد کیوں تھیں..... ہمارے بیچ اتنا سب کچھ ہو گیا اور جس بات کے کھلنے کا خیال اس کے رونگٹے کھڑے کر دیتا تھا' وہ کھلی تو ضرور پر خان بیگم اس کی توقع سے بہت کم ناراض تھیں..... جیسے "اس سب" کے ہونے کی انہیں پہلے سے توقع ہو تو کیا وہ اپنے ماں ہونے کا فائدہ اٹھائیں گی۔ انہیں کیوں یقین ہے کہ اسجد خان ان کا کہنا مان لے گا۔ وہ کپڑے بیگ میں رکھتے ایک لمحے کو ٹھٹکی۔ کیا اس لیے کہ اسجد نے اب تک ونی کی ہر شرط پوری کی تھی۔ اور باوجود اتنی تعلیم اور شعور کے اس نے قبیلوں کے رسم و رواج میں اپنی ذاتی سوچ کو حاوی نہیں ہونے دیا تھا..... تو کیا وہ روایت پرست ہے۔

ہاں آخر پچھلے دو ماہ سے یعنی جب سے وہ اور اسجد رابطے میں تھے بھلا کب اس نے کوئی عہد شکنی کی..... میں نے چوری چھپے ملنے کا کہا اور اس نے چپ چاپ مان لیا..... پچھلے چھ ماہ سے میں' حویلی کے پچھواڑے میں نوکروں کے ساتھ رہ رہی ہوں' کب اس کا دل پسیجا..... خان بیگم کے دل میں جگہ بنا لینے کی خاطر سارا سارا دن کاموں میں جتی رہی اور وہ دیکھ کر بھی انجان بنا رہا..... ہو سکتا ہے وہ فطرتاً" فرمانبردار ہو۔ جو میں نے کہا

وہ بھی مان لیا' جوماں کہے گی وہ بھی مان لے گا۔ آخر اسجد کے علم میں لاتے ہوئے ہی تو دوسری شادی کو معاہدے میں شامل کیا گیا تھا۔۔۔ تو کیوں نہیں وہ ماں کی بات مان سکتا۔۔۔ ہو سکتا ہے اس کی محبت واقعی منہ دیکھے کی ہو۔ اور جب میں دور چلی جاؤں گی تو خان بیگم اس دوری کا فائدہ اٹھا کر۔۔۔ اوہ۔" کپڑے پٹخ کر وہ پلنگ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ آنکھیں ایک بار پھر جل تھل ہو گئی تھیں۔

"جان لے کر چھوڑو گے خان۔۔۔!" اور پھر۔۔۔ گل آویزہ حویلی سے رخصت ہو گئی۔۔۔ کچھ اس طرح کہ نہ تو کسی نے خدا حافظ کہا' نہ ہی کوئی ملنے آیا۔۔۔ نہ واپسی کا عہد' نہ انتظار کی بے تابی۔۔۔ ہاں البتہ پھاٹک تک وہ پہنچی تو نسیمہ ضرور بھاگتی ہوئی آئی تھی۔

"بھابھی' تم اچانک کیوں جا رہی ہو۔"

"بس وہ اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"جلدی واپس آنا بھابھی' تمہاری بہت یاد آئے گی۔" نسیمہ نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھاما' گل آویزہ نے گرم ہاتھوں والی اس مخلص سی لڑکی کو دیکھا' اس کی پلکیں نم تھیں۔ گل آویزہ بے ساختہ اس کے گلے لگ گئی۔

"دعا کرنا نسیمہ کہ تمہاری یہ بھابھی جلد واپس آئے۔" اور پھر فوراً" ہی مڑ کر باہر نکل گئی۔

بابر نے اس کے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ سامان کا بیگ پہلے ہی جمال بی بی نے گاڑی میں رکھوا دیا تھا۔ وہ بھی اندر بیٹھ گئی تو بابر پچھلا دروازہ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گل آویزہ کا دل اتنا بھاری تھا اس لمحے کہ اپنے آنسوؤں پر اس کا اپنا اختیار ہی ختم ہو گیا تھا۔ بڑی سی چادر کے اندر آنسو بہاتی وہ خود ہی بیٹھی انہیں پونچھتی رہی۔۔۔ دس منٹ کا سفر بمشکل گزرا ہو گا کہ گاڑی اچانک رک گئی۔ گل آویزہ نے بے ساختہ سر اٹھا کر آس پاس دیکھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں ایک بار کار روک کر اسجد نے اسے آگے آنے کو کہا تھا۔ بابر گاڑی سے اتر کر تھوڑی دور چلا گیا تھا اور اب موبائل فون کان سے لگائے کسی سے بات کر رہا تھا۔۔۔ تقریباً" پندرہ بیس منٹ بعد وہ واپس آیا اور کار دوبارہ اسٹارٹ کر دی۔ گل آویزہ نے دھیان ہٹانے کے لیے اردگرد پہ نگاہ کی۔۔۔ ہریالی' کھیت' پہاڑ' موسم' پانی' ندیاں۔۔۔ آج کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ذہن بار بار انجانی سمتوں میں بھٹک رہا تھا۔۔۔ درہ اب دکھائی دینے لگا تھا۔ پھر وہ جگہ بھی آ کر گزر گئی جہاں اسجد نے اسے چھوڑا تھا۔۔۔ درہ کراس کرتے ہی وہ گاؤں کی حد سے باہر نکل آئے تھے۔ جس ذیلی سڑک پر وہ موجود تھے وہ آگے جا کر بڑے روڈ سے ملتی تھی لیکن اس سے پہلے ہی تھوڑا آگے جانے پر بائیں طرف کو جاتی ایک اور ذیلی سڑک گل آویزہ کے گاؤں کو مڑتی تھی۔

حمدان اسے وہیں سے لایا' لے جایا کرتا تھا۔۔۔ جانے آج وہاں کس نے اطلاع بھیجی تھی۔۔۔ اسے کیا کہنا تھا اپنے گھر والوں سے' فوری طور پر کوئی معقول بہانہ۔۔۔ وہ سوچوں میں گھری تھی جب بابر نے گاؤں جانے والے روڈ پر مڑنے کے بجائے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ وہ حیرت سے پیچھے رہ جانے والے اپنے گھر کی طرف جاتے رستے کو دیکھنے لگی۔ اس کے علاوہ تو کوئی راستہ نہیں تھا گاؤں جانے کا۔۔۔ دل میں گھبراہٹ اور بے چینی محسوس کرتے وہ مجبوراً" سیدھی ہو بیٹھی' تھوڑی ہی دیر بعد وہ لوگ بڑی سڑک پر آ نکلے۔ بابر نے روڈ پر چڑھاتے ہی گاڑی دائیں طرف موڑ دی۔ گل آویزہ کی سانسیں کسی نامعلوم خطرے کے خوف سے اٹکنے لگیں۔

بابر اسے کسی انجانی منزل کی طرف لے جا رہا تھا۔۔۔ لیکن کہاں۔۔۔؟ اس نے تیزی سے سوچنا شروع کیا۔ کیا وہ خان بیگم کی حکم عدولی کر رہا ہے۔ کہیں اس کی نیت تو خراب نہیں۔۔۔ اور کہیں۔۔۔ ایسا تو نہیں۔۔۔ ایک خیال کے ذہن میں آتے ہی اس کا دل بیٹھنے لگا۔ کہ وہ خان بیگم کی حکم عدولی نہیں بلکہ ان کے حکم کی پاسداری کر رہا ہے۔ خان بیگم نے یقیناً" اسے ٹالنے کے لیے کہہ دیا تھا کہ چند دن وہ میکے رہ آئے۔ ورنہ اصل میں ان کے اعتماد کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہمیشہ کے لیے اس سے پیچھا چھڑوا رہی تھیں۔ بابر ضرور

اسے دور کسی ویرانے میں جاکر ختم کرنے والا تھا.... اسجد سے وہ کہہ دیں گے کہ میں گھر سے بھاگ گئی۔ ہاں یہی بات ہوگی۔ گل آویزہ نے اپنے خشک لکڑی جیسے لبوں پر زبان پھیر کر اپنی طرف سے بالکل درست اندازہ لگا کر شدت کا خوف محسوس کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ بعض دفعہ زیادہ سمجھداری بھی بندے کے بڑے خلاف جاتی ہے۔ سوچ بچار کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے اور سوچنے والا نجانے کہاں کہاں تک ہو آتا ہے۔

گل آویزہ اس پراسرار سفر کے ڈراپ سین سے متعلق ہر منفی بات سوچ بیٹھی تھی۔ اب خاموشی سے جان بچانے کے ممکنات پر بھی غور و فکر شروع کردیا تھا.... بابر سے کچھ بھی پوچھنا بے کار تھا۔ اس نے تو ہر حال میں خان بیگم کے حکم کی بجا آوری کرنی تھی۔

کسی سے مدد مانگنے کے لیے تو محض زور زور سے چیخا جاسکتا تھا۔ اس نے آس پاس نگاہ دوڑائی.... بھاری ٹریفک ایک روانی اور تیزی سے آجارہی تھی۔ اپنا موبائل بھی وہ بیگ میں کافی نیچے چھپا کر رکھ چکی تھی۔ دل ہی دل میں شدید بے بسی محسوس کرتے وہ اللہ سے مدد طلب کرنے لگی.... اسجد خاناں کی یاد بھی بہت شدت سے آرہی تھی۔ کاش کس طرح وہ اسے بتاسکتی کہ اس کی جان اور عزت دونوں اس وقت کتنے خطرے میں ہیں۔ اگر میری عزت پر آنچ آئی تو میں اپنی جان دے دوں گی خان لیکن تمہارا سامنا ہرگز' ہرگز نہیں کروں گی.... تمہاری گل آوی کے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا ہے خان.... کہاں ہو تم.... وہ بے آواز روئے جارہی تھی۔

انہیں سفر کرتے ایک ڈیڑھ گھنٹے کا وقت گزر چکا تھا جب کسی شہر کے آثار نظر آنے لگے۔ ایک بڑا پٹرول پمپ گزرا اور اس کے فوراً" بعد کار سڑک سے اتر کر کنارے پر رک گئی۔ گل آویزہ نے دھڑ دھڑ کرتے دل پر بمشکل قابو پاتے حالات کا جائزہ لیا۔ بابر اپنی کار سے نکل کر تھوڑے فاصلے پر ان سے آگے کھڑی ایک دوسری کار کی طرف پیدل بڑھا' تو گل آویزہ نے سیکنڈز کے اندر فیصلہ کیا کہ یہی مناسب موقع ہے اسے یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔ نظریں آگے جاتے ہوئے بابر کی پشت پر جمائے اس نے گاڑی کے ہینڈل کو ہاتھ مارنے شروع کیے۔ کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی دروازہ کہاں سے کھولنا ہے۔ پھر بھی کوشش جاری رکھی اور یوں ہی ہاتھ مارتے اللہ جانے کیسے "کٹک" کی آواز سے دروازہ ڈھیلا ہو کر کھل گیا۔ گل آویزہ نے جلدی سے پیر نیچے رکھا اور نکلنے سے پہلے احتیاطاً" ایک بار پھر بابر کو دیکھا۔ وہ اگلی گاڑی کے شیشے پر جھکا کسی سے بات کررہا تھا۔ تب ہی اس اگلی گاڑی کا دروازہ کھول کر کوئی باہر نکلا۔ گل آویزہ کے پاس وقت کی شدید قلت تھی۔ بابر یا وہ اگلی کار والے کسی بھی وقت اس کی طرف متوجہ ہوسکتے تھے۔ اس نے دروازہ پورا کھول کر نیچے اترتے ایک آخری نگاہ دوبارہ سامنے اٹھائی اور دل.... جیسے دھڑکنا ہی بھول بیٹھا۔ آنکھوں سے چشمہ اتار کر سامنے کی جیب میں اٹکاتے بابر کے ہم قدم اس کی کار کی طرف بڑھتا وہ شخص کوئی اور نہیں اس کا اپنا خان تھا۔

"اوف...." گل آویزہ نے جیسے طویل ذہنی تھکا دینے والی مسافت کے بعد ڈھیلا سا ہو کر سیٹ سے پشت ٹکائی.... اب خان یہاں کیوں اور کیسے تھا اور وہ اس کے پاس کیوں لائی گئی۔ اب اسے ان گتھیوں کے سلجھانے سے ہرگز کوئی سروکار نہ تھا۔ فی الحال بس یہ طے تھا کہ اس کی عزت اور جان محفوظ تھی کیونکہ وہ ایک بہت اپنے کی حفاظت میں تھی۔ تشکر کا آنسو بے ساختہ آنکھ سے ٹپکا اور اس نے باقاعدہ زبان سے اللہ کا شکریہ ادا کیا اور پھر اسجد گاڑی کے بالکل قریب آکر شیشے پر جھکا اور ایک مسکراتی نگاہ اس پر ڈالی۔

"آجاؤ...." وہ بھی بنا سوال جواب کیے باہر آگئی اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ اسجد نے دوسری گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بابر نے اس کا بیگ برابر والی سیٹ پر لاکر رکھ دیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر رستم بیٹھا تھا۔ اسجد نے باہر کھڑے کھڑے کچھ دیر تک بابر سے باتیں کیں اور جب بابر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر واپس مڑ گیا تو وہ بھی آکر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

رستم نے کار اسٹارٹ کردی اور ایک مرتبہ پھر سفر کا آغاز ہوگیا۔ ذہن پر سکون ہوا تو گل آویزہ کے دل میں کچھ اور سوال پیدا ہوئے، لیکن وہ پچھلے دو گھنٹے شدید اعصابی دباؤ کا شکار رہی تھی۔ اس لیے ان نئے سوالوں کو زبردستی پیچھے دھکیل کر آنکھیں موند لیں۔ رستم کی موجودگی میں اسجد کے اس سے مخاطب ہونے کا ویسے بھی امکان نہیں تھا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے کے مزید سفر کے بعد وہ ایک بہت بڑے شہر میں داخل ہوئے جو یقیناً" پشاور ہی ہو سکتا تھا۔ یہ بھی گل آویزہ کا اندازہ تھا کیونکہ اسجد صبح پشاور کے لیے ہی نکلا تھا۔ ورنہ اس نے نہ تو کبھی پشاور دیکھا تھا اور نہ ہی باہر کی باقی دنیا۔ وہ اس بڑے شہر کی رونقیں انتہائی حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی جب کار ایک نہایت خوب صورت بلڈنگ کے پارکنگ ایریا میں داخل ہوئی۔ گل آویزہ نے نیون سائن پڑھا وہ ایک ہوٹل تھا۔ اسجد اسے اپنی معیت میں لیے اندر آیا اور ریسپشن پر ایک کمرہ بک کروایا۔ رستم سامان رکھ کر وہیں سے اجازت لے کر باہر چلا گیا۔ ان دونوں کو سامان سمیت ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اسجد نے دروازہ بند کر کے سب سے پہلے موبائل نکالا۔

"ہاں یار... پشاور میں ہوں... بس ابھی پہنچا ہوں۔ نہیں... یہاں ایک ہوٹل میں ہوں، دراصل..." کچھ دیر کے لیے وہ خاموش ہوا۔ "یار... پوری بات تو سن لو... پھر نکال لینا گالیاں..." وہ مسکرایا۔ "رستم تمہارے پاس آرہا ہے۔ پندرہ بیس منٹ میں پہنچ جائے گا۔ تمہارے پاس ہی ٹھہرے گا۔ میں تمہاری بھابھی کے ساتھ ہوں۔ شام تک ویٹ کرو۔ اسے ساتھ لے کر ہی آؤں گا۔"

"اچھا بھائی... تمہاری طرف ہی کھائیں گے۔ بس فی الحال اور کچھ مت پوچھو۔ شام میں دونوں کان کھینچ لینا۔ ابھی ٹائم نہیں ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے موبائل آف کر کے جیب میں رکھا اور گل آویزہ کی طرف مڑا۔

"ارے... تم کھڑی کیوں ہو اور یہ چادر..." اس نے خود ہی آگے بڑھ کر گل آویزہ کی بھاری بھرکم چادر اتاری۔ جسے فوراً" ہی دوبارہ کھینچ کر اس نے گلے میں ڈالا کیونکہ ظاہر ہے وہ بنا دوپٹے کے تھی اسجد نے ہنس کر چادر چھوڑ دی اور دو قدم چل کر اس کے مقابل آیا۔

"تم اپنے گاؤں جا رہی تھیں گل آوی... خیریت تو تھی نا...؟" وہ یک لخت سنجیدہ ہوا۔

"جی...؟" گل آویزہ نے حیرت سے اسجد کو دیکھا۔ کون کس بات سے آگاہ تھا اور کس سے بے خبر، کچھ کہنا مشکل تھا۔

"آپ نے مجھے یہاں کیسے بلوایا خان...؟" وہ اپنی جگہ حیران تھی۔

"بھئی ہم تو ابھی مردان ہی پہنچے تھے کہ بابر کی کال آگئی۔ اس نے بتایا کہ خان بیگم نے بھابھی کو ان کے گاؤں چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ ان کی والدہ کی طبیعت خراب ہے۔ ساتھ ہی تنبیہہ بھی کی ہے کہ اسجد سے اس بارے میں کوئی بات نہ کی جائے۔ بابر ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تمہیں حویلی سے تو لے آیا، لیکن اماں جان شاید جانتی نہیں کہ بنا میرے علم میں لائے یہ لوگ کوئی کام نہیں کرتے اور یہاں تو معاملہ میری بیوی کا تھا۔ بہرحال مجھے کافی حیرت ہوئی سن کر۔ میں نے بابر سے پانچ منٹ کا وقت لیا اور فوراً" ہی تمہارا نمبر ملایا، لیکن وہ بند تھا۔ تب یوں ہی حال احوال کے لیے حمدان کو کال کرلی۔ اس نے والدہ کی بیماری یا تمہاری آمد سے متعلق کوئی بات نہیں کی تب میں سمجھ گیا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ بس فوراً" ہی بابر کو دوبارہ کال ملا کر کہا کہ تمہیں وہ میرے پاس لے آئے۔ ہم وہیں مردان میں ہی رک گئے، تم لوگوں کے انتظار میں... بس غلطی کردی کہ جس وقت بابر مجھے یہ سب بتا رہا تھا، اسی کے موبائل سے تم سے بھی بات کرلیتا۔ بالکل ہی خیال نہیں آیا۔"

"تو بابر بھائی حویلی سے نکلنے کے بعد آپ سے فون پر بات کر رہے تھے۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"خان۔ کاش آپ اس وقت مجھ سے بات کرلیتے۔ بابر

بھائی انجان راستوں پر گاڑی چلاتے جارہے تھے' میں بہت ڈر گئی تھی۔" اس کی آنکھیں پانیوں سے جھلمل کرنے لگیں۔ "مجھے لگا... مجھے لگا..." وہ بات بھی مکمل نہیں کرپائی اور شدت سے رونا آگیا۔ اسجد نے اپنے قریب کیا تو اس کے سینے سے لگ کر روتی چلی گئی۔

"آئی ایم سوری' آوی... سب کچھ ایسے اچانک پیش آیا کہ یقین کرو میرے لیے ابھی تک سمجھنا مشکل ہے۔" وہ اپنی جگہ درست تھا۔

"تو خان۔ آپ نے وہیں مردان میں مجھ سے پوچھ لیا ہوتا۔" وہ آنکھیں رگڑ کر حیرت سے اسے دیکھنے لگی تو ایک دم ہی وہ ہنس پڑا۔

"سب کچھ پوچھنا ہے یقیناً" لیکن اس وقت مجھے بس اتنا یاد رہا کہ تم نے رات میرے ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں نے سوچا اللہ پاک نے سبب پیدا کردیا ہے۔ اکٹھے پشاور پہنچ کر ساری باتیں کرلیں گے۔ اب بیوی کے اغوا پر کوئی دفعہ لگتی ہے تو بتاؤ۔" اس کے لیے ہر بات سے اہم تھی' گل آویزہ کی یہاں موجودگی' وہ خوش تھا اور خوشی اس کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔

"رات میں نے جو بھی کہا' سب سچ ہو رہا ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر قدرے دور ہوگئی۔ اسجد نے کچھ دیر رک کر اس کی بات پہ غور کیا۔

"یہاں آؤ..." اس نے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر گل آویزہ کو اپنی طرف موڑا اور قریب رکھے بیڈ کے کنارے پر اسے بٹھا کر اپنے لیے نزدیکی کرسی گھسیٹ لی۔ اب وہ بالکل اس کے سامنے بیٹھا سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اب بتاؤ... کیا ہوا تھا میرے آنے کے بعد..."

"خان وہ رات..." گل آویزہ بات کے آغاز میں ہی اٹک گئی۔ نظریں نیچی کیے بلاوجہ انگوٹھی گھمانے لگی۔ اسجد نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"رات کیا...؟"

"کسی نے آپ کو دیکھ لیا تھا۔" وہ ابھی بھی نظریں نہیں اٹھا پارہی تھی۔

"ہوں..." اسجد نے ہاتھ چھوڑ کر کرسی سے ٹیک لگائی۔ "اور تمہیں گاؤں بھیجنے کی وجہ...؟"

"آپ کی شش شادی... دوسری..."

"ہر بات بتاؤ گل... اور کیا کچھ کہا انہوں نے..." وہ اب خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔

"جی خان۔" گل آویزہ نے تابعداری سے سر ہلاتے ہوئے ہر بات دہرادی۔

"سب میری کوتاہی ہے۔" وہ کرسی سے اٹھ گیا۔ "آج اگر سیدھے سبھاؤ سب کے سامنے تمہیں اپنا چکا ہوتا تو تمہارے یوں دربدر ہونے کی نوبت نہ آتی۔"

"اب آگے کیا ہوگا خان..." وہ بھی پریشانی سے اٹھی۔ "اگر انہیں پتا چل گیا کہ میں اپنے گاؤں نہیں گئی اور..."

"بے فکر رہو۔ بابر انہیں کچھ نہیں بتائے گا اور تمہارے گھر ڈائریکٹ وہ کبھی رابطہ نہیں کریں گی۔ معلوم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تو آپ واپسی پر مجھے گاؤں چھوڑ دیں گے...؟" فوری طور پر گل آویزہ کی سمجھ میں بس یہی آسکا۔ اسجد اس کے معصوم سوال پر بری طرح شرمندہ ہوگیا۔ اس کی سادگی پر ترس' پیار جانے کیا کچھ محسوس ہوا۔ غلامی کی زندگی جینے والے شاید اپنی زنجیروں کے اتنے عادی ہوجاتے ہیں کہ آزادی کا پروانہ محض انہیں ایک خواب نظر آتا ہے۔ گل آویزہ کے لیے یہ سوچ ہی ناقابل یقین تھی کہ وہ اس وقت پوری طرح آزاد ہے اور چاہے تو اس آزادی کو محسوس کرسکتی ہے۔

"اوئے پاگلے..." اسجد نے بازو اس کے گرد حمائل کرکے اپنے ساتھ لگایا۔ "تمہیں لگتا ہے یہاں اپنی عیش کی خاطر ایک روز کے لیے بلا کر دوبارہ تمہیں حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں گا؟ اپنے خان کو کٹھ پتلی سمجھ رکھا ہے۔ بابا... ہم ایک ساتھ حویلی جائیں گے اور کل میں اماں جان کی ساری غلط فہمیاں دور کردوں گا۔ جو وہ سوچے بیٹھی ہیں کبھی نہیں ہوگا۔ مجھے

میری یہی اکلوتی بیوی بہت عزیز ہے اور اب مجھے اس کا ساتھ دن رات صبح شام چاہیے۔" اس نے پیار سے وضاحت دے کر انگلی سے اس کا گال چھوا۔

"فی الحال تم فریش ہو جاؤ۔ میں کھانے کا آرڈر دیتا ہوں۔ بہت سخت بھوک لگی ہے۔ پھر تم کچھ دیر آرام کرنا۔ مجھے ایک دو ضروری کام ہیں' میں ڈیڑھ دو گھنٹے میں واپس آجاؤں گا۔" وہ اسے پروگرام بتا کر انٹرکام پر کھانے کا آرڈر دینے لگا۔ گل آویزہ سرہلا کر اپنے بیگ کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

"تم سوئی نہیں ہو شاید......؟" اسجد قریب دو گھنٹے بعد باہر سے واپس آیا تو گل آویزہ یوں ہی فارغ بیٹھی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگ گل آویزہ کو دیے۔

"میں دن کو کبھی نہیں سوتی...... عادت نہیں ہے۔" وہ مسکرا کر سامان دیکھنے لگی۔

"یہ ایک ڈریس ہے تمہارے لیے...... ہمیں دراصل کچھ دیر میں فراز کے گھر کے لیے نکلنا ہو گا۔" وہ تھک کر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گیا اور ٹانگیں سامنے سیدھی کیں۔ "فراز سخت خفا ہے کہ میں نے ہوٹل میں کمرا کیوں لیا۔ پشاور میں تو ہمیشہ اسی کے پاس ٹھہرتا ہوں نا...... تمہارے بارے میں بتایا تو اور بھی غصہ ہو گیا کہ بھابھی کیا ہمارے گھر نہیں رہ سکتیں۔ مجبور ہو کر کہنا پڑا کہ بھائی چھ ماہ ہو گئے ہیں شادی کو...... ایک چھوٹے موٹے ہنی مون پر ہمارا بھی حق بنتا ہے۔" وہ اب کافی ریلیکس موڈ میں گل آویزہ کے ساتھ حال احوال بانٹ رہا تھا۔ وہ زیر لب مسکراتے ہوئے اپنا ڈریس دیکھنے لگی۔ لائٹ پنک کلر کا ایک ریڈی میڈ سوٹ تھا۔ بہت ہی خوب صورت اور جدید طرز کا...... ساتھ ہی ہلکے رنگوں کی کڑھائی والی سفید چادر تھی اوڑھنے کے لیے۔

"یہ......؟" اس نے نظروں ہی نظروں میں سوال کیا۔

"ان دو دنوں میں تم یہ پہنوگی...... یہاں یہ لمبا گھونگھٹ اور کالی چادر نہیں چلے گی' اب تم میرے ساتھ ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے واضح کرنے لگا۔

"لگتا ہے آپ کو شہری بیوی لانے کا بہت شوق تھا۔" گل آویزہ پہلی مرتبہ شرارت کے موڈ میں آئی۔

"اچھا......" وہ خوش دلی سے ہنسا۔ "لیکن دل تو پہاڑن کو دے بیٹھا ہوں۔"

"اور اب پہاڑن کو ماڈرن بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"کیوں نہیں......" اسجد بڑے موڈ میں مسکراتا ہوا قریب آیا۔ "پہاڑن اگر زیرو زیرو سیون بن سکتی ہے تو ہماری خاطر شہری بھی بن سکتی ہے۔" سامنے آئی بالوں کی لٹ کو اس نے انگلی پر لپیٹا۔

"تو کب بننا ہے مجھے شہر والی......" اس نے اسجد کا ذہن اپنی طرف سے ہٹانے کی شعوری کوشش کی۔

"او ہاں......" اس نے چونک کر کلائی آگے کی۔ "چار بج گئے۔ یار' رات کو ہم فراز کی طرف کھانے پر انوائٹڈ ہیں۔ باتھ تم لے چکی ہو۔ ایسا کرو یہ ڈریس اور چادر پہن لو۔ مغرب سے پہلے تک کا وقت پشاور میں گھومیں پھریں گے اور وہیں سے فراز کی طرف چلے جائیں گے۔"

"خان ہمیں یہ سب......" گل آویزہ کا ذہن اچانک پشاور سے خان بیگم اور گاؤں کی طرف بھٹکا۔

"اونہوں......" اسجد نے فوراً" اس کے لبوں پہ انگلی رکھ کر بولنے سے منع کیا۔ اب وہ بنا کہے اس کی ہربات سمجھنے لگا تھا۔

"یہ دو دن صرف ہم دونوں کے ہیں گل آویزہ اسجد......" اس نے گل آویزہ کا خوب صورت چہرا اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنی ٹھہری چمکتی نگاہیں اس پر جمائیں۔ "ان دو دنوں میں نہ ہم آنے والے کل کے بارے میں سوچ کر پریشان ہوں گے اور نہ ہی پیچھے کیا ہوا اس پر کوئی بات کریں گے۔ تم جانتی ہو آوی۔ پچھلے چھ ماہ کی مشکل سے تین چار ملاقاتوں میں ذہن پر "چوری چھپے" کا کتنا دباؤ تھا اور آنے والے کل میں

جب ساری باتیں اماں جان کے سامنے کھل جائیں گی تو معلوم نہیں کیسے حالات میں وہاں رہنا پڑے۔ اس لیے یہ شام۔ یہ رات اور کل کا دن میرے لیے کیا معنی رکھتے ہیں تم اندازہ لگا سکتی ہو۔ مجھے کسی بھی دباؤ کسی بھی مجبوری سے آزاد ہو کر بہت کھل کر صرف "تمہیں" محسوس کرنا ہے اور میں تم سے بھی یہی توقع کرتا ہوں کہ ہر پریشانی کو ذہن سے ہٹا کر تم صرف اور صرف میرے بارے میں سوچو گی' میرا خیال رکھو گی' مجھے پیار دو گی۔ بس میں اور تم۔۔۔" وہ کسی لاڈلے بچے کی طرح ضد پر اڑا ہوا تھا۔ جذباتیت اس لمحے انتہاؤں کو چھو رہی تھی۔ گل آویزہ کے لیے اس کی دلی اور ذہنی کیفیت سمجھ کر اس کا ساتھ دینا اس لمحے دنیا کی ہر بات پر مقدم ہر شے سے بڑھ کر تھا۔ وہ اسے خوش رہنے کی درخواست کر رہا تھا۔ وہ جو خوشیوں کے حصول کو خود بھی ترس گئی تھی کیسے اس کی خواہش کا احترام نہ کرتی۔ اس کا شوہر ساری خوشیاں اس کی جھولی میں ڈالنے کو تیار کھڑا تھا۔ گل آویزہ نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"میں تیار ہو کر آتی ہوں۔" نیا ڈریس اٹھا کر اس نے باتھ روم کا رخ کیا' لیکن کچھ سوچ کر مڑی۔

"خان۔۔۔ وہ۔۔۔"

"ہاں۔ ہاں کہو۔۔۔" موبائل کی طرف متوجہ ہوتے اسجد نے سر اٹھایا۔

"ان کپڑوں کے ساتھ یہ جوتا اچھا نہیں لگے گا۔۔۔ اگر آپ پہلے مارکیٹ سے۔۔۔" وہ جھجک کر رک گئی۔ اسجد یہ سارا اہتمام اسے دوست کے ہاں پہلی بار لے جانے کے لیے کر رہا تھا۔ کسی قسم کی کمی رہ جانا خود اس کے شوہر کے لیے شرمندگی کا باعث تھا۔

"ہم دونوں یہاں سے پہلے مارکیٹ ہی جا رہے ہیں ڈیئر۔ پہلے تمہیں تمہاری مرضی کی شاپنگ کرواؤں گا اس کے بعد کچھ گھومیں پھریں گے۔ یہ ایک ڈریس بھی فی الحال کے لیے بہت ضروری تھا اس لیے خرید لیا۔ ورنہ میں چاہتا تھا تم اپنی ساری شاپنگ اپنی پسند سے کرو۔۔۔ تو ٹھیک ہے سب سے پہلے جوتا خرید لیتے ہیں' اس کے بعد باقی شاپنگ کر لیں گے۔" اسجد نے تفصیل میں جا کر اسے تسلی دی۔

تیار ہو کر وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی' آج اس نے بال بھی قدرے ماڈرن انداز میں بنانے کی کوشش کی تھی اور ہلکی گلابی لپ اسٹک جو اسجد ہی سامان کے ساتھ لایا تھا لگائی۔ اسجد نے اسے منہ چھپانے سے منع کر دیا تھا۔ وہ سلیقے سے نئی چادر اوڑھے اس کی سنگت میں روانہ ہو گئی اور اب حیرت سے روشنیوں' رنگوں اور لوگوں کی بہار دیکھ رہی تھی۔ بیس سالہ زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے اپنی پسند سے کچھ خریدا تھا۔ اسجد نے اس کی طرف سے ایک سوٹ فراز کی والدہ کے لیے خرید کر پیک کروایا۔ وہ پہلی مرتبہ ان کے ہاں جا رہی تھی۔ خالی ہاتھ جانے کا ان کی طرف رواج نہیں تھا۔ مغرب کی اذان ہونے لگی تو اسجد اسے فراز کے گھر لے آیا۔ وہاں فراز کی امی' بہن اور بھابھی اس کی منتظر تھیں۔ فراز ابھی تک چلنے پھرنے کی حالت میں نہیں تھا۔ سلام کر کے اسجد کو لیے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

ان کا بنگلے نما گھر بہت ہی خوب صورت تھا۔ تمام اہل خانہ بھی نہایت مہمان نواز اور کافی ہنس مکھ تھے۔ پچھلے چند گھنٹوں کے دوران گل آویزہ ایک ایسی نئی دنیا میں آ گئی تھی کہ وقتی طور پر سچ مچ ہر دکھ ہر خوف اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ بس یاد تھی تو ایک اسجد کی سنگت' اس کی محبت' اس کی باتیں اور یہ سارا دلفریب منظر اگر یہ سب ایک خواب تھا تو وہ کبھی اس خواب سے جاگنا نہیں چاہتی تھی۔ کھانے کے بعد بھی فراز اسے جانے نہیں دے رہا تھا۔ اسجد نے سب کی نظر بچا کر با قاعدہ ہاتھ اس کے آگے جوڑ دیے۔ وہ تب بھی ڈھٹائی سے سر نفی میں ہلاتے ہوئے ہنستا رہا۔

"ایک گھنٹے بعد۔۔۔" فراز نے انگلی اٹھا کر آرڈر دیا۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔ مجھے بھی ادھار چکانے کا موقع ملے گا۔ یاد رکھنا تم۔۔۔"

"صبح تو آؤ گے نا۔" وہ بے شرمی سے ہنس رہا تھا۔ اسجد نے پہلی مرتبہ سنجیدگی سے دھیان دیا۔ وہ یقیناً"

اسے بہت مس کر رہا تھا۔ اسجد بھی آیا تو یہاں اسی ارادے سے تھا کہ پورے دو دن اسے مکمل وقت دے گا لیکن اس نئی صورت حال نے واقعی مجبور کر دیا تھا۔

"صبح بھی آؤں گا۔" وہ مسکرایا۔ "اینڈ ڈونٹ وری۔ یہ کل آویزہ اور اماں جان والا معاملہ حل کر دوں تو جلد ہی دوبارہ تمہارے پاس واپس آؤں گا۔ بس دعا کرو ایک بار یہ مسئلہ اچھی طرح سیٹ ہو جائے۔"

"ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فراز نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔ "اور ہاں۔ تم لوگ اب نکل چلو۔ گیارہ بج گئے ہیں۔ یہاں کے حالات میں اتنی دیر تک باہر رہنا ٹھیک نہیں۔"

"چلو شکر ہے۔ گیارہ بجے ہی سہی، تمہیں ہماری خیریت کا خیال آ ہی گیا۔" مسکراتے ہوئے اسجد نے گاڑی کی چابی سنبھالی۔

☆ ☆ ☆

"خان میں نے معلوم کر لیا ہے۔ اسجد یہاں ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہے۔"

"ہوٹل میں...؟" بخت کو اچنبھا ہوا۔ "خان بیگم نے تو کہا تھا وہ اپنے دوست کی طرف ہی جاتا اور ٹھہرتا ہے۔ تمہیں یقین ہے وہ اسجد خان ہے۔" بخت کو اپنی آدمی کی رپورٹ پر شبہ گزرا۔

"جی خان... وہ اسجد ہی تھا، لیکن اس کے ساتھ کوئی عورت تھی۔ شاید اسی لیے..."

"اوہ..." بخت کی آنکھوں میں چمک آئی۔ "عیاش کہیں کا... گاؤں میں شرافت کی نقاب اوڑھے پھرتا ہے اور شہر میں رنگ رلیاں... ٹھیک ہے خان صاحب... تمہیں تو اب رنگے ہاتھوں پکڑوا کر اوپر بھیجوں گا۔ مرنے کے بعد بھی تمہیں اچھے نام سے یاد نہیں رہنے دوں گا۔" بخت نے کسی خیال سے دانت کچکچائے۔

"نجیب اللہ، تم ہوٹل سے ایک منٹ کے لیے بھی ادھر ادھر نہ ہونا۔ وہ صبح کب وہاں سے نکلے کچھ کہہ نہیں سکتے، کسی قیمت پر بھی یہ موقع ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ میں اور ولی صبح اذانوں تک پشاور پہنچ جائیں گے۔ مجھے لگتا ہے اس کے ہوٹل سے نکل کر کہیں جانے کا وقت ہی ہمارے لیے سب سے مناسب رہے گا۔"

"بے فکر رہیں خان... میں صبح تک یہیں ہوں۔ آپ پہنچ کر اطلاع کر دیں۔"

"ہوں... ہم بس نکل رہے ہیں کچھ دیر میں..." بخت نے ولی کو اشارہ کیا۔ رات کے بارہ بجے کا عمل تھا۔ وہ ابھی کچھ گھنٹے پہلے ہی خان بیگم کے پاس گیا تھا۔ ان سے اسجد کی آمد کا پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ کل دن میں کسی بھی وقت وہ پشاور سے نکل پڑے گا۔ بخت کو اسجد کی غلط بیانی پر بھی سخت غصہ آیا جس نے اسے پرسوں واپسی کا بتایا تھا۔ اگر وہ احتیاطاً" خان بیگم کے پاس چلا نہ جاتا تو اسجد اگلے روز گھر بھی پہنچ جاتا اور وہ موقع ضائع ہونے پر ہاتھ ہی ملتا رہ جاتا، خان بیگم کی درست اطلاع پر اس نے راتوں رات پروگرام ترتیب دیا۔ خان بیگم کے ہاں سے اٹھتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا کہ آج رات ایک دوست کی عیادت کو مردان جا رہا ہوں تاکہ اسجد کے قتل کا واقعہ ہونے پر اس کی ذات شک کے دائرے میں نہ آئے۔ حتیٰ کہ اپنے گھر والوں سے بھی مردان کا کہہ کر ولی کو لیے پشاور روانہ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

"خان... دس بج گئے ہیں۔ اٹھ جائیں۔" بیڈ کے کونے پر بیٹھتے ہوئے وہ بہت ہلکی آواز میں گویا ہوئی۔

"ہوں...؟" کروٹ بدل کر سیدھے لیٹتے اس نے مندی مندی آنکھوں سے دیکھا۔ گیلے بالوں اور میرون سوٹ میں وہ دودھ کی طرح سفید لگ رہی تھی۔ جانے کیسا اپنی جانب کھینچنے والا نور تھا اس کے چہرے پر... اسجد مسکراتے ہوئے پورا بیدار ہو گیا۔

"تم کب جاگیں۔ مجھے تو کچھ ہوش ہی نہیں تھا۔"

"تقریباً" ایک گھنٹا ہوا ہے۔ آپ اتنی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ میرا دل نہیں چاہا۔ لیکن اب دس بجے تو سوچا ہم کہیں لیٹ نہ ہو جائیں۔" وہ ہاتھوں کو گود میں رکھے نظریں جھکائے اسے بتانے لگی۔

"ہاں یار۔۔۔ ہمیں تو یہاں سے نکلتے بھی گیارہ ہو جائیں گے۔ فراز بھی ویٹ کر رہا ہو گا۔" اسجد اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "سوتے سوتے ہی اذانیں ہو گئیں" اس نے کھسیا کر بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"میں نے آپ کے کپڑے نکال دیے ہیں۔ کوشش کریں تو ساڑھے دس تک نکل سکتے ہیں۔" وہ اٹھنے لگی، لیکن اسجد نے بڑھ کر کلائی تھام لی۔

"کچھ دیر بیٹھ نہیں سکتے؟"

"جی نہیں۔" اس نے مسکرا کر ہاتھ جھٹکا۔ اسجد بھی ہنستے ہوئے واش روم چلا گیا۔ گل آویزہ نے جلدی جلدی چیزیں سمیٹ کر اپنے اور اسجد کے بیگ میں ڈالیں۔ یہاں سے پہلے انہوں نے فراز کے پاس جانا تھا اور اس کے بعد گاؤں۔۔۔ گل آویزہ کا دل گاؤں کے خیال سے یکبارگی دھڑکا۔ یہ غیر متوقع صورت حال خان بیگم کے تصور میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ وہ تو اسے اس کے گاؤں بھیج کر خوب اطمینان محسوس کر رہی ہوں گی۔ پتا نہیں خان ان سے کیسے بات کرے گا اور کیا وہ اتنی آسانی سے ہار مان لیں گی۔ دیوار سے ٹیک لگائے وہ کہیں بہت دور پہنچی ہوئی تھی جب اسجد بالوں میں کنگھی کرتا باتھ روم سے باہر آیا۔

"کیا سوچ رہی ہے میری پرنسز۔۔۔؟" اس نے دھیرے سے ہاتھ آگے لہرایا تو وہ محض اسے دیکھ کر رہ گئی۔ ڈارک گرے شلوار قمیص میں وہ اتنا فریش اتنا خوب صورت لگ رہا تھا کہ گل آویزہ سب بھولنے لگی۔

"آج کی اتنی حسین صبح میں یہ اداسی اس چاند چہرے پر کچھ سج نہیں رہی۔"

"خان۔ آج ہم نے گاؤں جانا ہے۔" اس نے تمہید باندھی۔

"ہوں۔۔۔ تو۔۔۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھے گل آویزہ کے نزدیک آیا۔

"آپ کو میری خوشی کی خاطر اپنی ماں کا دل دکھانا پڑے گا۔ کیا یہ ایک مشکل فیصلہ نہیں ہو گا؟"

"مشکل ضرور ہے آوی۔ ناجائز قطعاً" نہیں۔ ہم رات کو چوری چھپے ملے مانتا ہوں اس بات نے انہیں ٹھیس پہنچائی، لیکن جواب میں انہوں نے جو کچھ کہا وہ کس کتاب میں درست ہے۔ تم سے چوری چھپے ملنے میں مجھ پر شریعت کی کوئی قید نہیں۔۔۔ نہ دنیا مجھ پر انگلی اٹھا سکتی ہے نہ دین میں کوئی قدغن ہے۔۔۔ مت بھولو گل آوی کہ میرا تمہارا رشتہ اتنا مضبوط اتنا طاقت ور ہے کہ بنا ایک بھی لفظ بولے میں صرف تمہارا ہاتھ پکڑ کر یہ ساری جنگ جیت سکتا ہوں۔" اس نے نرمی اور پیار سے گل آویزہ کو اپنے ساتھ لگا کر اس کے بالوں پر اپنے ہونٹ رکھے۔ "جہاں تک ماں کا دل دکھانے کی بات ہے مائی لو۔۔۔ تو والدین کی فرماں برداری کچھ اور چیز ہے اور ان کے ہاتھوں جذباتی بلیک میلنگ کا شکار ہو کر ان کے ناجائز حکم مان کر اپنے جائز رشتے کو اس کی بھینٹ چڑھانا کچھ اور۔۔۔ شروع کے چار ماہ میں نے تم سے لاتعلقی بنائے رکھی جس کی وجہ سے یقیناً" تمہیں یہ غلط فہمی رہی ہو گی کہ میں اماں جان کے دباؤ میں آکر ایسا کر رہا ہوں جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ صنوبر والے واقعے نے مجھے لڑکیوں سے انتہائی بدگمان کر دیا تھا۔ سچ کہوں گل آوی! اپنی شدت پسندی سے خود بھی سخت خائف ہوں اور اسے اپنی خامی ہی تصور کرتا ہوں۔ دلی خواہش میری بھی یہی ہے کہ محبت ہو یا نفرت۔۔۔ کسی بھی معاملے کی انتہا تک پہنچنے سے پرہیز کروں، لیکن کیا کریں کہ یہی دو جذبے ہیں جن کا سیدھا اثر دل پر ہوتا ہے، میں بھی دل کے معاملات میں خود کو بے بس محسوس کرتا ہوں۔ ہاں۔۔۔ اب تم میری زندگی میں آگئی ہو تو ہو سکتا ہے تمہاری ذہانت، عملی سوچ اور حقیقت پسندی سے میچ ہو کر میری انتہائیں بھی اعتدال کے دائرہ میں آجائیں۔ اور ہاں۔۔۔" شانوں سے تھام کر اسجد نے اسے بالکل اپنے مقابل کھڑا کیا۔ "اس نازک موقع پر بھی تم ہی میری طاقت بنو گی۔ کیونکہ بہرحال ہم

درست ہیں اور حق پر ہیں۔" آخر میں ابرو اٹھا کر سوال کیا۔ "کیا سمجھیں...؟"

"جی..." اس نے اثبات میں سر کو جنبش دی، لیکن اسجد نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"ایک چھوٹے سے اضافے کی اور ضرورت ہے۔"

"ہوں...؟" وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔

"اگر میں نے تمہیں کھو دیا تو برباد ہو جاؤں گا۔ تم میری فطرت سے ابھی واقف نہیں ہو اس لیے نہیں سمجھ سکتیں، لیکن وہ ماں ہیں ان سے بہتر مجھے کون سمجھ سکتا ہے۔ صرف ایک بار انہیں احساس ہو جائے کہ میرے لیے تم کیا ہو تو شاید خود ہی پیچھے ہٹ جائیں اور یہ جذباتی بلیک میلنگ نہیں ہے۔ میری مجبوری ہے۔" وہ رسان سے اسے سمجھا رہا تھا جو پلکوں میں حیرت لیے عجیب انداز میں اسے تک رہی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔"

"کیا میں واقعی اتنی خوش قسمت ہوں خان..." وہ بے ساختہ در آنے والے تشکر کے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکی اور بے ساختہ اسجد کے گلے لگ گئی۔

"کاش یہ زندگی مجھے اتنی مہلت عطا کر دے کہ میں اس بے تحاشا محبت کا قرض اتار سکوں۔"

"چاہو تو تم یہ قرض روز کے حساب سے ساتھ ساتھ چکا سکتی ہو۔" اسجد نے اچانک ہی لہجہ بدل کر ماحول کی سنجیدگی ختم کی تو وہ بھی روتے روتے ہنس پڑی۔

"اب چلیں...!"

"آف کورس میڈم...! فراز سے جوتے نہیں کھانے..." اس نے فوراً" ہی بیگز اٹھا کر دروازے کا رخ کیا۔

☆ ☆ ☆

یہ ایک پارکنگ ایریے کا منظر تھا جہاں سڑک کی مغربی سمت میں تھوڑا سا پیچھے کو ہٹ کر ایک قطار میں بڑی بڑی دکانیں تھیں۔ پارکنگ ایریا بھی دراصل ان ہی کو الاٹ کیا گیا تھا۔ پارکنگ میں کھڑی بے شمار گاڑیوں میں سے ایک گاڑی بخت کی بھی تھی۔ وہ لوگ پانچ بجے صبح ہی نجیب اللہ سے آملے تھے جس نے پچھلی پوری رات یہیں بیٹھ کر گزار دی تھی۔ اس وقت بھی تینوں کار میں بیٹھے تھے۔ صبح آٹھ بجے کے قریب باری باری تینوں قریبی ریسٹورنٹ سے ناشتا بھی کر آئے تھے۔ اسجد کا جس ہوٹل میں قیام تھا وہ اس دو رویہ سڑک کی دوسری جانب واقع تھا۔ ہوٹل کی عمارت باقاعدہ ایک احاطے کے اندر تھی اور اس کا ایک ہی داخلی خارجی گیٹ تھا یعنی اسجد نے اسی سے گزر کر باہر آنا تھا۔ اسی وقت گیٹ سے ایک کار برآمد ہوئی تو تینوں چوکنا ہو گئے، لیکن وہ اسجد کی کار نہیں تھی۔ بخت نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ پونے گیارہ بجے تھے۔

"خان! ہمیں یہ تو معلوم نہیں ہے کہ اسجد خان نے یہاں سے کدھر جانا ہے۔" ولی بخش نے سگریٹ سلگا کر کش لگایا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اب ہم آگئے ہیں تو مسلسل پیچھا کریں گے جیسے ہی کوئی مناسب جگہ نظر آئی اپنا کام کر دیں گے۔" بخت کا انداز نہایت دوٹوک تھا۔ ولی بخش کو جواب مل گیا۔ یعنی اب تو کوئی معجزہ ہی اسجد کو موت کے منہ میں جانے سے بچا سکتا تھا۔

"خان گاڑی..." نجیب اللہ نے توجہ دلائی تو دونوں چونکے۔ بلاشبہ وہ اسجد تھا۔ گیٹ سے نکال کر اس نے گاڑی شمال کی سمت میں ڈال دی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے بخت نے فوراً" چابی گھما کر کار اسٹارٹ کی۔ یوٹرن محض بیس، پچیس فٹ پیچھے تھا۔ سیکنڈز میں اس نے گاڑی ٹرن کر کے اسجد کی گاڑی کے پیچھے لگائی۔ مفلر سے اپنا ناک منہ لپیٹنے کی کوشش بھی کی تھی۔

"اس کے ساتھ واقعی عورت ہے خان..." ولی نے معمولی سی جھلک میں ہی دیکھ لیا تھا۔

"ہاں... اب یقیناً" وہ اسے کہیں اتارے گا۔ چلو

دیکھ لیتے ہیں اچھا ہے نا۔ ذرا اکیلا ہو جائے۔" گاڑی ابھی تک ڈبل روڈ پر ہی تھی۔ جانے اسجد اور اس لڑکی کا ساتھ کب تک کا تھا۔ بخت کے ذہن میں یہ بات بھی چل رہی تھی کہ ہو سکتا ہے اسجد دوبارہ اپنے دوست کی طرف جائے۔ اس صورت میں بخت کا پلان تھا کہ وہ اس کے دوبارہ وہاں سے نکلنے کا انتظار کرے گا۔ یہ البتہ طے تھا کہ جلد یا بدیر۔ اس نے اپنا مشن آج ہی پورا کرنا تھا۔ اسجد کی کار تقریباً" آدھے گھنٹے سے شہر کے اندر ہی گھوم رہی تھی اور اس نے ایک بارونق جگہ پر گاڑی سڑک سے اتار کر کنارے پر کی۔ شاید وہ عورت یہاں اترنے والی تھی۔ بخت اور اس کے ساتھی دم سادھے اگلے عمل کا انتظار کرنے لگے۔

☆ ☆ ☆

جے میں ویکھاں تاں ویکھی جاواں
جے ناں ویکھاں تاں مرجاواں
تینوں نیناں دے وچ بند کراں
تے تینوں دھڑکن وچ وساواں
جے درد حبیب دا وس چلے
تیری آئی میں مرجاواں
اے جے پیار بڑا انمول، سوہنڑیا توں سانبھ کہ رکھیں
آجا تینوں ساواں دے دھاگے اچ پرولواں
سینے وچ چلدیاں رگاں اچ لکولواں
دوریاں دا سپ کھتے ساہنوں ڈنگ جاوے ناں
تیرے میرے پیار نوں نظر لگ جاوے ناں

سرجیت خان کی سریلی آواز میں وہ ایک پنجابی گانا تھا۔ ہلکی آواز میں چلتے پلیئر کا والیوم اسجد نے بڑھا دیا جیسے اپنا پسندیدہ گانا آنے پر اس کی توجہ ادھر ہو گئی ہو۔

"خان آپ کو میوزک بہت پسند ہے۔۔۔ ہے نا۔"

گل آویزہ نے مسکرا کر اسجد کا چہرہ دیکھا۔

"ہاں۔۔۔" وہ بھی ہنسا۔ "میری ہر کیفیت کا ساتھی ہے یہ۔۔۔ مجھے پرسکون رکھنے میں مددگار۔"

"اور آپ ہر قسم کا میوزک سنتے ہیں۔ بلا تفریق۔"

"واہ۔ یہ بھی جانتی ہو۔" اسجد نے ایسے صحیح اندازہ لگانے پر ایک تعریفی نگاہ اس پر ڈالی۔

"تین مرتبہ آپ کی گاڑی میں بیٹھی ہوں، تینوں مرتبہ الگ ہی میوزک سنا۔"

"میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھنا اور میوزک سننا کیسا لگتا ہے؟" شوخ مسکراہٹ لبوں پہ سجائے بھرپور محبت سے وہ اپنی محبوب کا چہرا دیکھ رہا تھا۔

"بہت اچھا خان۔۔۔ لیکن آج۔۔۔" وہ مبہم سا مسکرائی تو اسجد چونکا۔ "آج میرا دل چاہ رہا ہے کہ ہم باتیں کریں، ہماری اپنی باتیں۔۔۔ ہم ایک دوسرے کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں نا۔۔۔"

"بالکل۔۔۔" اسجد نے میٹھی مسکراہٹ سے تائید میں سر ہلایا۔ "باتیں بھی کریں گے، میوزک بھی سنیں گے، کھاتے پیتے اور خوب مستی کرتے ہوئے جائیں گے۔ آج ہمارا سفر کافی طویل ہے، اسے اپنی چاہت سے یادگار بنا دیں گے۔" اسجد نے بھرپور شوخی کے موڈ میں ڈائیلاگ بازی کی تو گل آویزہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اسجد نے لحظے کو رخ موڑ کر اس کا کھلکھلاتا روپ اپنی آنکھوں میں قید کیا۔

"خوش ہو آوی۔۔۔؟"

"بہت خوش خان۔۔۔ بہت زیادہ۔۔۔ مجھے زندگی سے اور کچھ نہیں چاہیے۔" شکر گزاری سے چور لہجے میں ہلکی سی نمی در آئی۔ اسجد نے اپنا بایاں ہاتھ نرمی سے اس کے ہاتھ پہ رکھا۔

"ہم بھی تو یہ آغاز ہے گل آوی۔۔۔ یوں سمجھو خوشیوں کا ایک در وا ہوا ہے۔ ابھی خوشیوں کی راہ میں بہت کچھ دیکھنا باقی ہے۔ بس تمہارا ساتھ چاہیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔۔۔ اب مجھے پرسکون رہنے کے لیے صرف تمہاری ضرورت ہے۔"

"میں آپ کے ساتھ ہوں خان ہمیشہ۔ اسی میں میری خوشی ہے اور۔۔۔" وہ ذرا دیر کو رکی۔ "اور اس کے علاوہ میری زندگی میں کچھ ہے ہی نہیں۔ نہ واپس پیچھے جا کر، نہ یہاں۔" اس کی نم آواز دھم پڑ گئی۔

"ایسے مت کہا کرو آوی۔۔۔" اسجد نے اس کے ہاتھ پہ رکھے اپنے ہاتھ کو تسلی کے انداز میں تھپکا۔

"ننکل آؤ اس احساس سے کہ تمہیں ونی کیا گیا تھا۔ آئندہ تمہیں کبھی بھی یہ محسوس نہیں ہوگا کہ تمہاری زندگی میں یا کسی عام عورت کی زندگی میں کوئی فرق ہے۔ تمہیں وہ تمام حقوق پوری آزادی کے ساتھ ملیں گے جو ہماری روایات میں موجود ہیں۔"

"مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے خان۔۔۔ آپ میری زندگی میں آئے یہ میری خوش نصیبی ہے' آپ کے نام سے منسوب ہونا میرے لیے باعث فخر ہے۔ اب تک جو ہوا وہ قدرت کا لکھا تھا' یہ سب اسی طرح ہی ہونا تھا روشنی چھونے کی چاہ میں پر تو جلتے ہی ہیں۔"

"میرے لیے وہ روشنی تم ہو آوی۔" اسجد نے جذب سے بوجھل لہجے میں بے ساختہ گل آویزہ کا جملہ مکمل کیا تو وہ مدھم سا مسکرا دی۔

"مقام و مرتبہ تو وہ اوپر والا متعین کرتا ہے۔ ایسا سورج سا مزاج تو کسی شاہوں جیسی تمکنت رکھنے والے کو ہی زیب دیتا ہے۔ حاوی ہونے والا' چھا جانے والا' ایک ادا سے روشنی برساتا۔۔۔ من مانی کرتا۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولتی چلی گئی۔ اسجد کو ہنسی آگئی۔

"مجھے تو کسی نے یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ میری بیوی اتنی پڑھی لکھی ہے۔"

"پڑھی لکھی تو نہ کہیں خان۔۔۔" وہ بری طرح جھینپ گئی۔ "میں نے تو صرف دسویں پاس کی ہے۔"

"ہوں۔۔۔ اور تم سمجھتی ہو خان جو یونیورسٹی سے ڈگریاں لے کر آیا ہے تو میٹرک پاس کی اس کے نزدیک کوئی ویلیو نہیں۔" اس نے اپنی خمیدہ بھنویں لحظے کو اٹھائیں۔ "تمہیں اپنے گاؤں میں میٹرک تک کی سہولت میسر تھی' سو تم نے وہاں تک پہنچ کر دکھایا ہو سکتا ہے تمہیں آگے جانے کا موقع ملتا تو تم مجھ سے زیادہ گنس نکلتے۔ کسی کو محض اس بنیاد پر انڈر اسٹیمیٹ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کم پڑھا لکھا ہے۔ ذہانت کسی انسٹی ٹیوٹ سے نہیں ملتی' یہ خداداد صلاحیت تو کسی کے حصے میں بھی آ سکتی ہے۔۔۔ تعلیم البتہ اسے ابھارنے اور پالش کرنے کا ایک میڈیم ضرور ہے۔ ویسے اگر تمہیں آگے پڑھنے کا شوق ہے تو میں ان شاء اللہ تمہاری بھرپور مدد کروں گا۔"

"سچ خان۔۔۔" وہ حقیقی خوشی سے چلائی۔ "مجھے گریجویشن کا بہت شوق ہے۔"

"گریجویشن ہی کیوں۔۔۔" وہ گیئر بدلتے مسکرایا۔ "تم ایم۔ اے کرو' جس سبجیکٹ میں تمہارا دل چاہے۔۔۔ میں تو اپنی بہنوں کو بھی آگے تعلیم دلوانے کے حق میں تھا لیکن اماں جان کبھی اس کے لیے راضی نہیں ہوئیں۔ پھر بہنوں میں بھی کسی نے زیادہ دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ سوائے بریخنہ کے۔۔۔ وہ بہت شارپ اسٹوڈنٹ تھی لیکن اماں جان نے اسے بھی میٹرک کے بعد گھر بٹھا دیا۔"

"تو خان۔۔۔ پھر کیوں نہ میں اور بریخنہ اکٹھے ایف۔ اے کی تیاری شروع کر دیں۔" گل آویزہ خوشی سے بے حال ہو رہی تھی۔

"ہوں۔" غائب دماغی سے جواب دیتے ہوئے اسجد نے پہلے پلیئر آف کیا پھر بیک ویو مرر ایڈجسٹ کر کے پیچھے کچھ دیکھنے لگا۔ موبائل ہاتھ میں لے کر اس نے کوئی نمبر نکالا لیکن پھر جانے کیا سوچ کر دوبارہ رکھ دیا۔ ماتھے پر اچانک ہی لاتعداد شکنیں ابھر آئی تھیں۔ گل آویزہ نے بڑی خاموشی سے اس کی کیفیت کا جائزہ لیا۔ وہ بار بار بیک ویو مرر میں دیکھ رہا تھا۔ گل آویزہ نے سر گھما کر خود بھی دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے ہی اسجد نے بڑی سرعت سے کندھے پر دباؤ دے کر اسے دوبارہ سیٹ کی پشت سے ٹکایا۔

"پیچھے مڑ کر مت دیکھنا۔" اس کی آواز میں عجیب سے سرسراہٹ تھی۔ گل آویزہ پہلی دفعہ پریشان ہوئی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتی' اسجد نے اسے مخاطب کیا۔

"اگر میں تمہیں فراز کا ایڈریس سمجھا کر یہیں کہیں اتاروں تو تم رکشا' ٹیکسی وغیرہ لے کر چلی تو جاؤ گی نا۔؟"

"جی۔۔۔؟" ایسی غیر متوقع بات پر وہ بے یقینی سے

فقط اتنا کہہ سکی۔

"دیکھو' گھبرانے کی بالکل کوئی بات نہیں ہے۔ ٹیکسی والا تمہیں مطلوبہ پتے پر ہی پہنچائے گا۔ مجھے کچھ بہت ضروری کام ہے۔" اسجد کی توجہ ابھی بھی پیچھے کے شیشے پر تھی۔

"کوئی ہمارا پیچھا کررہا ہے خان۔؟" اس نے دو ٹوک استفسار کیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم بس وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔" اسجد نے بٹوے سے کچھ نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ "میں تمہیں ایڈریس سمجھا دیتا ہوں۔"

"میں کہیں نہیں جاؤں گی خان....." اس نے مضبوطی سے سیٹ کو تھاما۔

"پلیز آوی..... ضد مت کرو۔" اس نے باقاعدہ گاڑی سڑک کے کنارے روک کر اسے ایڈریس سمجھانا شروع کردیا۔

"خان آپ مجھے دھکے بھی دیں تو میں ٹلنے والی نہیں ہوں' آپ کار آگے بڑھائیں ورنہ پیچھے والوں کو شک ہونے لگے گا۔" وہ پوری طرح ضد پر اڑ گئی۔ اسجد نے ایک گہرا سانس لے کر گاڑی دوبارہ سڑک پر ڈال دی۔

"پیچھے کون ہے خان.....؟"

"بخت اور اس کے آدمی....." اسجد نے قدرے خفا انداز میں سنجیدگی سے اطلاع دی اور گل آویزہ نے لب بھینچ کر پشت سے سر ٹکایا۔

"اور آپ مجھے محفوظ مقام پر بھیج کر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال رہے تھے۔"

"تمہیں میرے ساتھ نہیں ہونا چاہیے گل آویزہ۔" اسجد کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت بہت واضح تھی۔

"پچھلے دو دنوں سے میں یہ سوچ رہی تھی کہ خان بیگم نے مجھے آپ سے دور کرنے کی خاطر گھر سے نکالا تو قدرت نے آپ کے پاس کیوں بھیج دیا۔ اب سمجھ آرہی ہے۔" وہ بڑی مشکل سے مسکرائی۔

"میں تمہیں خطرے کے حوالے نہیں کرسکتا۔"

"ہم خطرے کا حصہ بن چکے ہیں خان..... اب جیسے بھی حالات پیش آئے ہم نے مل کر اس کا سامنا کرنا ہے۔ آپ اس وقت صرف یہ سوچیں کہ ہمیں کرنا کیا ہے۔"

"تم بتاؤ۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔" اسجد نے قائل ہوتے ہوئے سوال کیا تو ایسی مشکل صورت حال میں بھی گل آویزہ کو خوش گوار سی حیرت ہوئی وہ اس سے مشورہ طلب کررہا تھا یقیناً" کسی قابل سمجھ کر۔

"خان مجھے بخت کی نیت تو کسی طور ٹھیک نہیں لگ رہی..... کیونکہ اگر وہ کسی کام سے پشاور آیا ہے اور اس نے اتفاقاً" آپ کو دیکھ لیا ہے تو بجائے اس طرح پیچھے آنے کے اسے آپ کو کال کرنی چاہیے۔"

"ہاں اس کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں۔" اسجد نے تائید کی۔ "اس کا انداز بھی صاف پیچھا کرنے والوں جیسا ہے۔ ہم نے گاڑی سائڈ پر روکی تو وہ بھی مخصوص فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے پیچھے رک گیا۔ ملنے کی نیت ہوتی تو وہی سب سے مناسب موقع تھا۔ دوسرے کل صبح جب وہ مجھ سے پشاور آنے اور یہاں ٹھہرنے وغیرہ کے سوال کررہا تھا تو اپنے آنے کا ذکر تک نہیں کیا۔"

"خان وہ یقیناً" اس وقت بارونق علاقے کے ختم ہونے کا انتظار کررہا ہے۔ اگر ہم فراز بھائی کے گھر گئے تو ہوسکتا ہے ہمارے گاڑی سے نکلتے وہ فائر کھول دے۔ کیونکہ ان کا گھر کافی پرسکون جگہ پر ہے۔ لیکن فرض کریں کہ وہ ہمارے اندر جانے تک کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کرتا تو آخر کب تک ہم وہاں چھپے رہیں گے۔ الٹا اپنے میزبانوں کو مشکل میں ڈالنے والی بات ہے۔ پولیس اسٹیشن بھی نہیں جاسکتے' ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ سیدھے گاؤں کے لیے روانہ ہوجائیں تو یقیناً" کسی ویران جگہ پر وہ ہمیں کراس کرکے آگے سے روک لے گا۔" گل آویزہ نے دھیان ہر طرف سے ہٹا کر اب معاملے کے تمام ممکنہ پہلوؤں پر غور کررہی تھی۔

اسجد کو پہلی بار ہنسی آگئی۔

"تمہیں تو کسی سراغ رساں ایجنسی میں ہونا چاہیے تھا۔۔۔ خیر تو ثابت یہ ہوا کہ اب ہر حال میں اپنے دشمن کو فیس کرنا ہے۔۔۔ اور جب فیس ہی کرنا ہے تو بھرپور مقابلے پر اترنا ہوگا۔" اس نے ڈیش بورڈ سے اپنا موبائل اٹھا کر ایک نمبر ملایا۔

"رستم۔۔۔ تمہیں فراز کی گاڑی مانگ کر ابھی میرے پاس آنا ہے۔ میں اور تمہاری بھابھی گاڑی میں ہوٹل سے نکلے تو بخت اور اس کے آدمیوں نے ہمارا پیچھا شروع کر دیا۔ قریب آدھے گھنٹے سے وہ ہمارے پیچھے ہیں اس کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں۔ میری مسلسل ڈرائیو نے ضرور اسے شک میں ڈال دیا ہوگا۔ اب وہ بنا اپنا کام پورا کیے پیچھے نہیں ہٹے گا۔ میں تمہیں جگہ سمجھاتا ہوں تم اس طرح آؤ کہ ہم دونوں کی گاڑی کے پیچھے تمہاری گاڑی ہو بخت کو تمہاری موجودگی کا قطعاً" علم نہ ہو۔ اور ہاں جب تم اس کی گاڑی کے پیچھے اپنی گاڑی لگا دو۔ تو مجھے فون کر دینا۔ لوڈڈ ریوالور اپنے پاس رکھو اور دیکھو فراز کو اس سارے معاملے کی بھنک بھی مت پڑنے دینا۔ زندگی رہی تو میں بعد میں سنبھالوں گا۔۔۔ ہاں ٹھیک ہے۔ فوراً" نکلو۔۔۔ موبائل پر رابطے میں رہنا۔۔۔ ہوں۔۔۔ او کے۔" اسجد نے بات مکمل کر کے موبائل بند کیا۔ گل آویزہ منہ کھولے حیرت سے اسجد کو دیکھ رہی تھی۔ رستم کا تو اسے خیال ہی نہیں آیا تھا۔ اسجد نے ابرو چڑھا کر استفسار کیا تو اس نے جھینپ کر کھلا منہ بند کیا۔ اسجد نے کچھ دیر اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"گھبرا تو نہیں رہیں۔؟"

"گھبرا رہی ہوں خان۔۔۔" گل آویزہ نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر سختی سے لب بھینچے۔۔۔ حواس جیسے کام کرنا چھوڑ رہے تھے۔ خطرے کے سر پر آپڑنے کا احساس پوری شدت سے اس لمحے جاگا۔ آنے والے وقت کے دامن میں جانے کیا کچھ تھا۔۔۔ خوف سے ریڑھ کی ہڈی میں لہریں سی دوڑ رہی تھیں۔ اس کے خان کے سر پر موت کے سائے منڈلا رہے تھے اور وہ بے بسی سے محض تماشا دیکھ رہی تھی۔

"آگے کچھ بھی پیش آئے گل آویزہ۔ تم نے گاڑی سے باہر نہیں آنا۔ اسے میرا حکم سمجھو یا التجا لیکن اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو سمجھو میں تم سے خفا ہو کر دنیا سے۔۔۔"

"نہیں۔۔۔" گل آویزہ نے بے ساختہ اس کے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کر روکا۔ بڑی دیر سے ضبط اور حوصلہ جمع کیے بیٹھی تھی۔ اسجد کے ایک ہی جملے نے بند توڑ دیے وہ ہاتھوں میں چہرا دیے رونے لگی۔

رستم نے اپنی گاڑی بخت کے پیچھے لگا دی تھی۔ اسجد نے ڈیش بورڈ کے نچلے خانے سے ریوالور نکال کر سائڈ جیب میں رکھا۔ آبادی والے علاقے سے اب وہ لوگ باہر نکل آئے تھے۔۔۔ روڈ البتہ رواں دواں تھی۔ اسجد کو ایک ایسی ذیلی سڑک کی تلاش تھی جس پر ٹریفک نہ ہو۔ غصے اور نفرت کے خونی انجام سے بچنے کے لیے ایک کوشش تو ضروری تھی۔ بخت کی ہدایت اسجد کی زندگی کی ضامن بن جاتی اور گمراہی کی صورت میں خان بیگم کی گود اجڑنا یقینی تھا۔ اسجد نے ایک گہری سرد آہ کھینچ کر خود کو حال میں حاضر کیا۔ ذیلی سڑک دکھائی دینے لگی تھی۔ اللہ کا نام لے کر اسجد نے گاڑی بائیں ہاتھ کو موڑ دی کھیتوں کے درمیان یہ ایک کچا راستہ تھا۔ کافی فاصلے پر دور ایک فیکٹری دکھائی دیتی تھی لیکن یہ راستہ اس کی طرف نہیں جاتا تھا۔ اس کا مین گیٹ غالباً" اگلی ذیلی سڑک مڑنے پر آتا تھا۔ اسجد نے موبائل فون کان سے لگایا۔

"سنو رستم۔۔۔ بخت اگر اس چھوٹے روڈ پر مڑ کر ابھی جائے تو تم بڑے روڈ پر ہی اپنی گاڑی روک لینا۔ ابھی وہ تمہیں نہ دیکھے۔ البتہ سرے سے ذرا سا ہی پیچھے رہنا تاکہ بوقت ضرور فوراً" مڑ کر آجاؤ۔۔۔ گھنے درخت اور جھاڑیاں تمہاری گاڑی کو اوٹ میں رکھنے میں ہیلپ دیں گی۔ ہماری کال مسلسل آن رہے گی۔ میں موبائل فون جیکٹ کی اندرونی جیب میں چھپا کر ہینڈز فری سیٹ کانوں میں لگا رہا ہوں۔ دور سے بخت کو سمجھ نہیں آئے گی۔"

"جی خان۔۔۔" رستم نے ہدایات غور سے سنیں۔" خان، بخت موڑ کاٹ کر کچے میں اتر رہا ہے۔"

"ہوں۔" اسجد نے آن موبائل فون فوراً جیکٹ کی اندرونی جیب میں ڈالا۔ کسی فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ کر اس نے کار روک دی۔ زیادہ دور جانے کی صورت میں اس کا اور رستم کا درمیانی فاصلہ بڑھ جاتا۔

اسجد نے سر موڑ کر گل آویزہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر خوف کی جگہ اب ایک عزم دکھائی دیتا تھا ساتھ ساتھ وہ کچھ پڑھ کر اس پر دم بھی کر رہی تھی۔۔۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو بخت نے اپنی گاڑی اندر موڑتے ہی روک دی تھی۔ دونوں گاڑیوں کا درمیانی فاصلہ قریب چالیس فٹ تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی باہر نہیں نکلا تھا۔ اسجد نے گل آویزہ کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر اپنے لبوں سے لگایا۔

"آئی لو یو گل آوی۔۔۔ اپنا خیال رکھنا۔ دعا کرو کہ میں بخت کو سمجھا سکوں۔" وہ کہتے ساتھ ہی دروازہ کھول کر نیچے اترا۔ لیکن یوں کہ کار کا دروازہ بدستور کھلا ہوا تھا اور بجائے دور جانے کے کہ وہ اترتے ہی وہیں رک گیا۔ رخ البتہ اب بخت کی کار کی طرف تھا۔ گل آویزہ کو وہ سینے سے تھوڑا نیچے تک دکھائی دے رہا تھا۔ گل آویزہ نے ماتھے سے پھوٹتے ٹھنڈے پسینے کو چادر کے کونے سے صاف کرتے ایک نظر پیچھے دیکھا اور ذہن میں اٹھتے وہموں کے پیش نظر اپنی سیٹ چھوڑ کر اسجد کی سیٹ پر آبیٹھی۔ اب وہ اس کے بالکل نزدیک تھی۔ دروازے والی سمت رخ موڑ کر وہ گاڑی کے اندر سے ہی پیچھے دیکھنے لگی۔ بخت کی کار کے تین دروازے بیک وقت کھلے اور تین آدمی باہر آئے۔ گل آویزہ صرف بخت کو پہچانتی تھی۔ ان تینوں نے نہ صرف ریوالور اٹھائے ہوئے تھے بلکہ تانے ہوئے بھی تھے۔

اسجد کا ریوالور البتہ ابھی تک اس کی جیب میں تھا۔

"ہاں۔۔۔ آخری مرتبہ بات کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن کہو گے کیا۔؟ اپنی زندگی کی بھیک مانگو گے تب تو کوئی فائدہ نہیں۔۔۔ ہاں البتہ آخری خواہش کے طور پر پوچھو تو یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ میں تمہیں مارنا کیوں چاہتا ہوں۔"

"نہ میں زندگی کی بھیک مانگتا ہوں بخت آور! نہ یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم مجھے مارنا کیوں چاہتے ہو۔۔۔ مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ گاؤں کا سردار بننے کے بعد میری ماں اور بہنوں کو کسی قسم کی تکلیف مت پہنچانا۔ اگر تمہارا مقصد مجھے مار کر حل ہو جاتا ہے تو بس اس حد سے آگے مت جانا۔ باقی تمہارے ارادوں سے میں بہت پہلے آگاہ ہو چکا تھا۔"

"بہت خوب۔۔۔ تم نے تو میرا کام آسان کر دیا۔" وہ بلاوجہ ہنسا۔

"جہاں تک آخری خواہش کا تعلق ہے۔ تو پہلے وعدہ کرو کہ میری آخری خواہش کو ہر قیمت پر یقینی بناؤ گے۔ میں جانتا ہوں ایک خان اپنے کہے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔"

"بولو۔۔۔" بخت کا بے زار لہجہ ایک دم انتہائی سرد ہو گیا۔ جیسے سر پر صرف خون سوار ہو۔

"میرے ساتھ میری بیوی ہے گل آویزہ۔ وعدہ کرو کہ اسے کوئی آنچ نہیں آنے دو گے اور عزت کے ساتھ اس کے گاؤں پہنچاؤ گے۔۔۔ وہ تمہاری خلاف گواہی نہیں دے گی لیکن "عزت" سے پیش آنا شرط ہے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو اسجد۔۔۔ وہ یہاں کیسے ہو سکتی ہے۔ میں نے خود دیکھا تم وہاں سے اکیلے نکلے تھے۔ کیا تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔" بخت اب پاگلوں کے انداز میں چلا رہا تھا۔ "میرے ساتھ کوئی کھیل کھیلنے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہو گا۔ ولی، نجیب، گھیر لو اسے۔" وہ ریوالور تانے درمیانی فاصلہ کم کرنے لگے۔ گل آویزہ نے بغور بخت کی انگلی کی طرف دیکھا۔ اسجد نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا رکھے تھے۔ ریوالور جیب سے نکالنے کی اس نے کوشش بھی نہیں کی تھی۔ ولی اور نجیب دائیں، بائیں جانب پھیل کر گاڑی کی طرف بڑھنے لگے۔ گل آویزہ چاہ کر بھی اسجد کا ریوالور اس کی جیب سے نکال نہیں پائی۔ مقابلے پر تین لوگ تھے وہ بھلا

کس کس سے دفاع کرتی۔۔۔ اسجد دھیرے سے بڑبڑایا۔

"رستم آجاؤ۔۔۔" گل آویزہ نے نظر بخت کی انگلی نہیں ہٹائی۔۔۔ ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھا اور وہ ایک جست میں اسجد کے سامنے آئی۔ فائر کی آواز اور گل آویزہ کا فوری رد عمل کچھ ایسے ایک ساتھ انجام پائے کہ اسجد کچھ سمجھ ہی نہیں پایا۔۔۔ تب ہی تین اور فائر اکٹھے فضا میں گونجے جس کے نتیجے میں سب سے پہلے بخت زمین پر گرا۔ اسے سڑک سے آتے رستم نے اپنی گولی کا نشانہ بنایا تھا۔ باقی کی دو گولیاں یکے بعد دیگرے ولی اور نجیب کے پستولوں سے نکلی تھیں۔ جن میں سے ایک اسجد کے بالوں کو چھوتی ہوئی نکل گئی اور دوسری کا رخ سڑک سے آتے رستم کی جانب تھا جو کہ اس وار سے صاف بچ نکلا تھا۔ رستم نے بخت کو گرانے کے بعد ولی اور نجیب کو بھی سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اسجد نے سینے پر گولی کھا کر گرتی گل آویزہ کو اپنے بازوؤں میں سنبھال کر فوراً گاڑی میں لٹایا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ ولی اور نجیب گولیاں کھا کر لنگڑاتے ہوئے کھیتوں میں گھس گئے تھے۔ رستم بھاگ کر اسجد کے قریب آیا۔ جس نے عجلت میں گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھادی تھی۔

"رستم اپنی گاڑی میں ہمارے پیچھے آؤ۔۔۔ اور دیکھو اگر اس خبیث میں جان باقی ہے تو اسے بھی اسپتال لے آؤ۔" اس نے تیز چلاتی آواز میں ہدایات دے کر اسپیڈ بڑھادی جبکہ رستم ذرا فاصلے پر نڈھال پڑے بخت کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

"سسٹر! میری وائف۔۔۔" نرس کو آپریشن تھیٹر سے نکلتے دیکھ کر اسجد تیزی سے آگے بڑھا۔

"ابھی آپریشن جاری ہے سر۔۔۔ فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ زخمیوں کی گولیاں نکالی جارہی ہیں۔" وہ معذرت کرتی آگے بڑھ گئی۔ اسجد نے تھک کر دیوار سے ٹیک لگائی رستم نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور قریبی چیئر پر بٹھادیا۔ سر ہاتھوں پہ گرائے اسجد اس وقت کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ گل آویزہ نے اسے بچانے کی خاطر اپنا آپ خطرے کے حوالے کردیا تھا۔ آج اگر اسے کچھ ہوگیا تو وہ زندگی بھر خود کو معاف نہیں کرپائے گا۔ اس کے پورے جسم کا خون جیسے نچڑ کر چہرے پر آگیا تھا۔ دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے۔ اب اسے جی بھر کے اپنی غلطی کا احساس ہورہا تھا۔ گل آویزہ کو اپنے ساتھ رکھ کر اسے ہرگز اس خونی کھیل کا حصہ نہیں بننا چاہیے تھا۔ کسی بھی قیمت پر لیکن گل آویزہ کو پہلے خود سے دور کرنا تھا۔

"خان۔۔۔ گھر پر اطلاع کردیں۔" رستم اس کے قریب مودب سا کھڑا تھا۔

"نہیں۔۔۔ ابھی نہیں۔۔۔" اسجد نے سختی سے نفی میں سر ہلایا اور ابھی نہیں۔ کہتے ہوئے اس کا دل درد سے بھر گیا۔ آنے والے وقت میں جانے کیا ہونے والا تھا۔ گل آویزہ کو کھودینے کا تصور ہی جانگسل تھا۔

ویٹنگ روم میں بیٹھے ایک طویل اور عذاب ناک گھنٹہ بیت گیا تھا۔ تب ہی آپریشن تھیٹر سے ایک ڈاکٹر اور نرس باہر نکلے۔ اسجد بھاگ کر قریب آیا۔

"میری بیوی۔۔۔؟"

"انہیں سینے کے دائیں جانب قدرے اوپر کندھے کی طرف گولی لگی ہے۔ لیکن ابھی ان کا آپریشن ہورہا ہے۔ اور۔۔۔" "ڈاکٹر ذرا دیر کو رکا۔" وہ دوسرا زخمی جس کی پیٹھ میں گولی لگی تھی۔ انہیں آئی سی یو منتقل کیا جارہا ہے۔ گولی ہم نے نکال دی ہے اور وہ ہوش میں بھی ہیں لیکن ان کا کافی خون بہہ گیا تھا اس لیے اگلے چار پانچ گھنٹے کافی خطرناک ہیں۔۔۔ اینڈ۔۔۔ اسجد کیا آپ ہی ہیں؟" ڈاکٹر نے بات کرتے کرتے رک کر سوال کیا تو اسجد نے اثبات میں سر ہلایا۔ "وہ آدمی آپ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ ویسے تو اس صورت حال میں ہم مریض کو زیادہ بولنے کی اجازت نہیں دے سکتے لیکن بہرحال روک بھی نہیں سکتے۔ آپ کوشش کیجیے کہ زیادہ سوال نہ کریں ان سے۔۔۔ وہ بھی مشکل سے شاید چند جملے ہی بول پائیں۔"

"جی۔" اسجد نے کافی غائب دماغی کی حالت میں ساری باتیں سنیں۔ بخت کی حالت سے حقیقتاً "اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جانے گل آویزہ کس حال میں تھی۔ اتنی دیر کیوں لگ رہی تھی۔

"سر۔۔۔ آپ اس زخمی آدمی سے بات کرلیں۔ پھر آپ کو کچھ پولیس انکوائری وغیرہ کا سامنا بھی ہے۔" نرس دوسری مرتبہ اس کے قریب آئی۔ انداز البتہ نہایت مودب سا تھا۔ رستم نے غالباً "انہیں بتادیا تھا کہ وہ اپنے گاؤں اور قبیلے کا سردار ہے۔

"ہوں۔۔۔" آپریشن تھیٹر کی طرف ایک امید بھری نگاہ ڈالتا وہ ڈھیلے قدموں سے آئی سی یو کی طرف بڑھ گیا جہاں بخت اس کا منتظر تھا۔

☼ ☼ ☼

"مبارک ہو سر۔۔۔ آپ کی وائف اب خطرے سے باہر ہے۔" نرس نے مسکراتے لبوں کے ساتھ نوید سنائی۔

"اوہ۔۔۔!" اسجد فرط جذبات سے بے ساختہ رستم کے گلے لگ گیا۔ جس کی اپنی حالت خان کو افسردہ دیکھ کر گھنٹوں سے غیر تھی۔

"کیا میں انہیں دیکھ سکتا ہوں۔۔۔؟"

"جی میں ڈاکٹر سے پتا کرتی ہوں۔"

"ایکسکیوز می سر۔۔۔" ایک دوسری نرس دوڑتی ہوئی آئی سی یو سے باہر نکلی۔۔۔ "وہ آدمی۔۔۔ آپ کا کزن۔ ہی از نو مور۔"

"اوہ۔۔۔!" اسجد نے سختی سے لب بھینچے۔ "بخت لالہ نہیں رہا۔ اس نے رستم کی طرف دیکھا۔ تب ہی فاصلے پر کھڑے دونوں پولیس والے تیزی سے قریب آئے۔ ابھی پچھلا ایک گھنٹا جن کے ساتھ اچھی خاصی مغز ماری ہوئی تھی۔ بات ان کی سمجھ میں آتو گئی تھی لیکن اب یہ نیا موڑ۔۔۔

بہر حال طے یہی پایا کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ آنے کے بعد وہ بھی ڈیڈ باڈی کے ساتھ گاؤں تک چلیں گے۔ اسجد کا ساتھ جانا تو یوں بھی ناگزیر تھا۔ ولی اور نجیب ابھی تک لاپتا تھے۔ پولیس ان کی تلاش میں لگی تھی۔ یہاں ایک اسجد ہی لاش کا وارث تھا۔ پھر گاؤں پہنچ کر صورت حال کو سنبھلنا بھی صرف اسی کا کام تھا۔

"خان۔۔۔" رستم نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

"وہ بڑے خان کو اطلاع۔۔۔"

"ہوں۔۔۔" اس نے چونک کر سرہلایا۔ ایک مشکل ترین مرحلہ، جس سے بہر طور اسجد کو گزرنا ہی تھا۔ قربان چاچا سے براہ راست بات کرنے کی تو ہمت نہ ہو سکی اس نے زمان لالہ کا نمبر ملا کر جیسے تیسے یہ قیامت خیز خبر سنائی۔ اس کے بعد اماں جان کو فون کیا۔ مختصر ترین الفاظ میں بخت کی ڈیڈ باڈی کے ساتھ گاؤں آنے کی اطلاع دی اور اس کے بعد فراز کو فون کرکے مکمل تفصیل سے آگاہ کیا۔ ساتھ ساتھ آگے کی صورت حال پر مشورہ بھی طلب کیا۔۔۔ وہ خود تو فی الحال اسپتال آنے کی حالت میں نہیں تھا۔ البتہ بڑے بھیا، بھابھی اور بہن کو فوری طور پر گل آویزہ کا خیال رکھنے کے لیے اسپتال بھیجنے کا وعدہ کرلیا۔ اسجد کو یقین تھا کہ فراز کے ہوتے اسے گل آویزہ کے لیے پریشان ہونے کی قطعاً "ضرورت نہیں ہے۔ آگے تین چار روز تک اس کا گاؤں سے واپس لوٹنا بہت مشکل تھا۔ اس حوالے سے بھی فراز کے ساتھ اس کی تفصیلی بات ہوئی۔ دوائیوں کے اثر میں بے خبر لیٹی گل آویزہ کو اس نے شیشے کے پار سے ایک نظر دیکھا اور روانہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

وقت اور تقدیر کے دامن میں اتنی تبدیلیاں اتنا ہیر پھیر ہے کہ وہ کبھی نہ ایک سا رہتا ہے نہ کسی ایک کا رہتا ہے۔ وہ پروردگار جسے چاہے عزت دیتا ہے جسے چاہے ذلت، جسے چاہے فنا کردے جسے چاہے بقا عطا فرمائے۔ دوام حاصل ہے تو بس ان سچے جذبوں کو جو مہرو وفا کی مٹی سے گندھے ہوتے ہیں۔ غرض اور لالچ کے گرداب میں پھنس جانے والوں کا مقدر صرف ڈوبنا ہے۔ یہاں بھی اور وہاں بھی۔ ہر عروج کو زوال ہے تو کبھی کچھ پستیاں، بلندی کے روشن میناروں کو بھی چھو

آتی ہیں۔

برسوں خان بیگم کی ہر منصوبہ بندی بنا کسی جھول کے صرف نفع ان کے دامن میں ڈالتی انہیں خوشیوں اور کامیابیوں سے ہمکنار کرتی آئی تھی۔ زرمین نے بیوگی کی چادر اوڑھی تو انہیں داماد کی موت کی صورت میں اسجد کی زندگی اس کی سلامتی نظر آنے لگی۔

ونی کا فیصلہ ایک بساط تھا تو گل آویزہ کی حیثیت اس بساط پر سوائے ایک مہرے کے کچھ نہ تھی' ایک ایسا مہرہ جسے زندگی بھر انہوں نے اپنی مرضی کے مطابق چلانا تھا۔۔۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھیں کہ ایک بساط وقت نے بھی بچھائی تھی' جس پر آگے پیچھے دوڑتے دو الگ سمتوں کے مہرے۔۔۔ محبت کے دھاگوں سے لپٹے یوں ایک دوسرے کی طرف کشش کرتے گئے کہ باقی کی ساری بساط ان محبت کے ریشمی دھاگوں میں الجھ کر رہ گئی۔ حتیٰ کہ بخت جیسا کھلاڑی بھی اپنی ہار تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ مرنے سے پہلے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اپنا ہر گناہ قبول کر کے اپنی تمام سازشوں کو خود ہی بے نقاب کر گیا۔

خان بیگم نے اسجد کی زبانی تمام حالات سن کر حیرت سے ایک ہی بات بار بار دہرائی کہ بخت اسے کیوں مارنا چاہتا تھا۔ اس کے ارادے اور نیت کیا تھی تب اسجد نے بخت کے اپنے منہ سے قبول کیے تمام گناہ' غلطیاں' گلے شکوے بھی بلا کم و کاست انہیں بتا دیے کہ یہ آگاہی ان کے لیے ضروری بھی تھی۔ وہ جو آستین میں سانپ پالے' سامنے کے بظاہر نظر آنے والے دشمن پر نظریں گاڑی بیٹھی تھیں۔ ایسے ایسے حیران کن انکشافات کا پردہ چاک ہونے پر حیرت سے گنگ بیٹھی رہ گئیں۔ بخت تو وہ سانپ تھا جس نے اپنے مالک کے ہاتھوں دودھ پی کر بار بار خود اسی کو ڈسا تھا۔ اور گل آویزہ جسے وہ اپنے بیٹے کی زندگی سے نکالنے کے درپے رہی تھیں۔ اپنی محبت کے سایے اسجد پر پھیلائے اسے ہر طوفان سے بچائے ہوئے تھی۔ ان کا بیٹا گاؤں کا سردار بنتے ہی کیسے کیسے خطروں میں گھر گیا تھا انہیں تو پتا ہی نہیں تھا۔

قربان چچا جوان بیٹے کی موت پر خاموش تھے۔ ایک غیرت مند باپ کے لیے یہ بات کسی تازیانے سے کم نہ تھی کہ ان کا بیٹا اپنے گاؤں قبیلے اور سردار سے غداری کر کے دشمن سے ہاتھ ملاتا رہا تھا۔ اور یہاں کی روایات میں دشمن سے ہاتھ ملانے کی سزا موت سے بھی بدتر تھی بخت تو پھر اپنے کھودے گڑھے میں خود ہی جا گرا تھا۔ موت تو یوں بھی اس کا مقدر تھی اور یوں بھی۔

"گل آویزہ کے پاس نہیں جاؤ گے۔۔۔؟" خان بیگم نے اپنے پاس سے اٹھ کر اسے واپس باہر جاتے دیکھا تو حیرت سے پوچھ بیٹھیں۔

"مہمان وغیرہ چلے جائیں' پھر آؤں گا۔" وہ کہتا وہیں سے پلٹ گیا۔

گل آویزہ آج صبح ہی پشاور سے واپس آئی تھی۔ بخت کی تدفین' قل خوانی اور پھر افسوس کے لیے آنے والوں کی خاطر پچھلے پانچ روز سے وہ ادھر ہی تھا۔ فراز کے گھر والوں نے اس دوران گل آویزہ کا بہت اچھی طرح خیال رکھا تھا۔ پھر قل خوانی کے بعد خان بیگم کے کہنے پر اس نے نصیب لالہ اور جبین بھابی کو بھی پشاور بھیج دیا تھا۔۔۔ اسجد کی اپنی مرضی تو ایک لمحہ بھی گل آویزہ سے دور رہنے کی نہ تھی لیکن یہاں سب کا یہی ماننا تھا کہ جب تک ولی اور نجیب روپوش ہیں' کسی قسم کا رسک نہ لیا جائے۔۔۔ اسجد کا ایسے حالات میں پشاور کا سفر خطرے سے خالی نہیں تھا۔ مجبوراً" وہ چپ ہو گیا۔ اور آج صبح نصیب لالہ اور جبین بھابھی گل آویزہ کو گھر واپس لے آئے تھے۔ اسجد نے حمدان کو بھی اطلاع کر دی تھی وہ لوگ گل آویزہ سے ملنے آنا چاہتے تھے۔ اسجد نے بھی فوراً" حامی بھر لی۔ اسے احساس تھا کہ گل آویزہ ان حالات میں یقیناً" اپنی ماں کو بہت یاد کر رہی ہو گی۔ اسجد نے ان لوگوں کو حویلی ہی بلایا تھا۔ کیونکہ نہ تو گل آویزہ کی حالت ایسی تھی کہ اسے ماں سے ملنے کے لیے کہیں اور بھیجا جاتا اور نہ ہی خان بیگم نے ان کے حویلی آنے پر کوئی اعتراض کیا تھا۔ وقت بدل رہا تھا۔ کڑی شرطوں کی کھچی کمانیں

ڈھیلی پڑنے لگی تھیں۔ گل آویزہ کو حویلی پہنچنے پر سامنے کے حصے میں اسجد کے کمرے میں بٹھایا گیا تھا۔ اس کی ماں اور زیبا اس وقت کمرے میں اس کے پاس موجود تھیں۔ اسجد نے مداخلت ضروری نہ سمجھتے ہوئے وہیں سے باہر کا رخ کیا تھا۔ حالانکہ جب سے وہ واپس آئی تھی وہ ایک بار بھی اس کا حال احوال نہیں پوچھ پایا تھا۔ کیونکہ اس کے آس پاس رش ہی اتنا تھا وہ چاہ کر بھی موقع نہیں نکال پایا۔ پر جانے کیوں گل آویزہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس سے خفا ہے۔ زیبا نے کمرے کی کھڑکی سے جب دیکھ کر کہا کہ اسجد لالہ آ رہے ہیں تو وہ فوراً" اٹھ کر بیٹھ گئی تھی.... لیکن نظریں دروازے پر ہی لگی رہ گئیں اور اسجد اندر نہیں آیا۔

پانچ بجے کے قریب اس کی اماں اور زیبا اپنے گاؤں واپس لوٹ گئیں.... پھر سلطانہ چاچی' نور زادہ چاچی اور ناز بھابھی آ کر بیٹھ گئیں۔ اسجد حویلی واپس نہیں آیا تھا۔ مغرب کی اذانیں بھی ہو گئی تھیں.... کھانا بھی اس نے اکیلے کھایا تھا۔ سب کے چلے جانے کے بعد خان بیگم خود چل کر اس کے کمرے میں آئی تھیں۔ بہت پیار اور نرمی سے اس کی خیریت دریافت کی.... وہ اٹھ کر کھڑے ہونے سے قاصر تھی ورنہ ان کی آمد گل آویزہ کے لیے کسی اعزاز سے کم نہ تھی.... عشا کے بعد کہیں جا کر کمرا مکمل خالی ہوا تو وہ تھک کر لیٹ گئی.... ایک ایک کو تفصیلی حال احوال دیتے اب وہ خود بے حال ہو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"خان آپ جا کر آرام کریں.... یہاں میں اور رستم ہیں۔" بابر نے اسے ٹائم کی جانب متوجہ کرنا چاہا۔

"ہاں بابر.... میں بس نکل ہی رہا تھا۔" اسجد نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ ضروری سامان سمیٹ کر اسجد نے گھر کی راہ لی۔ ہر کوئی سو رہا تھا شاید' لاؤنج بھی خالی ملا۔ وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا لیکن ٹھٹک کر دروازے میں ہی رک جانا پڑا۔ گل آویزہ سامنے بیڈ پر اردگرد سے بے نیاز میٹھی نیند سو رہی تھی۔ رکا اس لیے کہ ہلکی سی آواز بھی اس کی نیند میں خلل کا باعث بن سکتی تھی۔ جوتے باہر اتار کر آہستگی سے دروازہ بند کیا۔ چیزیں بھی بنا آواز پیدا کیے صوفے کے کنارے پر رکھ دیں۔ شال کندھے سے اتار کر صوفے پر ہی لیٹنے کا ارادہ کیا۔ آواز تو کوئی نہیں ہوئی تھی' جانے گل آویزہ کو کیسے اس کی آمد کی خبر ہو گئی۔

"خان' آپ...." وہ اچانک ہی مستعدی سے اٹھ بیٹھی تھی۔

"ارے.... آرام سے...." وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔ "لیٹی رہو بھئی۔"

"میں ٹھیک ہوں خان.... آرام بھی کافی کر لیا ہے۔ وہ دوپٹا درست کر کے نظریں چرانے لگی' اسجد نے دلچسپی سے اس کی کپکپاتی پلکوں کا سایہ دیکھا' وہ اس کی جانب دیکھنے سے گریز کر رہی تھی' جانے کیوں.... پر اسجد کو تو بہت اچھا لگ رہا تھا بھلا یوں فرصت سے اس دیکھنے کا موقع کہاں ملتا تھا۔

"خان آپ.... مجھ سے ناراض ہیں....؟" اسجد کی سارے دن کی غیر حاضری سے گل آویزہ نے جو اخذ کیا' فوراً" پوچھ بھی لیا شاید بڑی مشکل سے جبر کیا تھا پورا دن.... اور وہ فوری طور پر تو خوب حیران ہوا۔ امید بھری نظروں سے اسے دیکھتی گل آویزہ پر ایک پرسوچ سنجیدہ نگاہ ڈال کر ہنکارا ابھرا۔

"ہاں۔ بہت زیادہ۔" کلائی سے گھڑی اتارتے وہ بھی بیڈ کے کنارے آ بیٹھا۔

"ہوا کیا ہے....؟" وہم یقین میں تبدیل ہوا تو وہ مزید گھبرا گئی۔

"پوچھتی ہو.... ہوا کیا ہے؟" بے ساختہ اس کے ابرو کھنچ گئے۔ "ایسی نافرمان بیوی سے تو میں کنوارا اچھا تھا۔"

"جی.... جی....؟" وہ گڑبڑا کر سمجھ ہی نہیں پائی کہ کیا بولے۔

"کہا جو تھا کہ کار سے مت نکلنا... تو بس یہی اہمیت ہے شوہر کے کہے کی... یا یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ بڑی افلاطون قسم کی محبت کرتی ہو مجھ سے... وعدے وعید جائیں بھاڑ میں..." موضوع چھڑا تو اسجد کے بھولے ہوئے غصے حقیقتاً" پھر سے تازہ ہو گئے۔

"وعدہ آپ کی جان سے بڑھ کر تو نہیں ہو سکتا خان..." وہ روہانسی ہو گئی۔ "کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔"

"اور تمہاری جان گل آویزہ...؟" اسجد نے اپنی روشن چمکتی نگاہ بہت جتاتے انداز میں اس کے چہرے پر جمائی۔ گل آویزہ نے بے ساختہ نروس ہو کر نگاہ ہٹالی۔ اسجد نے ایک جذب سے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔ "تمہارے لیے میرے بغیر جینا مشکل ہے... اور میرے لیے...؟ میرا کیا ہوتا گل آوی... دیکھو کیا حالت بنالی ہے تم نے کوئی اتنا بوجھ بھی اٹھاتا ہے کسی کی خاطر... یہ تو اللہ پاک نے زندگی لکھی تھی جو آج صحیح سلامت بیٹھی ہو... جانے کیا کرنے والی تھیں۔" اسجد کو وہ لمحہ یاد کر کے جھرجھری آگئی۔

"خان! بخت لالہ کے گھر والے تو بہت افسردہ ہوں گے۔ دلشادے چاچی کا کیا حال ہو گا' ان کا جوان بیٹا..."

"ہاں..." اسجد نے ایک آہ بھر کر ہتھیلیاں پیچھے بیڈ پر جمائیں۔ "بخت لالہ کی منفی سوچ اسے لے ڈوبی' لیکن اس کی مجبوری تھی وہ میرے لیے اپنا دل کشادہ نہیں کرپا رہا تھا۔ شاید اس میں بھی اماں جی کا کچھ قصور ہے۔ پندرہ سالوں میں کہیں نہ کہیں تو اس کی حق تلفی بھی ضرور ہوئی تھی۔ اماں جان نے میرے آتے ہی یوں اسے دیوار سے لگا دیا جیسے وہ کبھی تھا ہی نہیں۔"

"لیکن خان۔ لالہ کے دل میں آپ کی نفرت ابھی کی نہیں تھی' ایسا ہوتا تو چند سال پہلے صنوبر والا واقعہ نہ ہوا ہوتا۔"

"ہاں' صحیح کہتی ہو..." بالوں میں انگلیاں گھماتے اسجد نے تائید میں سر ہلایا۔ "لیکن صنوبر کے قصے میں اور بھی کئی عوامل ساتھ مل گئے تھے۔"

"جی...؟" گل آویزہ چونکی اس کے جملے پر... "کچھ... معلوم ہوا ہے کیا؟" وہ ایک دم سیدھی ہو بیٹھی۔

"تمہارے سب سوالوں کے جواب مل گئے ہیں آوی... بخت لالہ نے اس آخری دن خود ہی مجھے ہر بات سے آگاہ کر دیا تھا... اگرچہ حالت اس کی بہت خراب تھی' ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بہت اٹک اٹک کر چند جملے ادا کیے' لیکن وہی چند جملے ہمارے الجھی گرہوں کو کھولنے اور کہانی کو مکمل کرنے کا باعث بنتے ہیں۔"

"تو..." گل آویزہ کی سانسیں تھمنے لگیں۔ "کیا بخت لالہ ہی صنوبر کا قاتل تھا اور..."

"نہیں..." اسجد نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں تمہیں شروع سے سب... بتاتا ہوں۔"

☼ ☼ ☼

"سردار بننے کا خواب بخت خان نے تب سے دیکھنا شروع کر دیا تھا جب بارہ سال کے اسجد کو خان بیگم نے پشاور بھیج کر قربان خان اور بخت کی مدد سے گاؤں کے معاملات کو دیکھنا شروع کیا۔ بخت کے دل میں تب ہی پہلی مرتبہ یہ خیال آیا تھا کہ ایک بارہ سالہ بچے کے جوان ہونے کا انتظار کر کے سرداری اسے سپرد کیے جانے سے بہتر ہے کہ جو اس اہل کے نہیں انہیں سردار تسلیم کیا جائے۔ اور بخت کے ذہن نے جب سے اسجد کے قتل کا منصوبہ بنانا شروع کیا تھا تب سے یہ پلاننگ بھی اندر ہی اندر اس کے دل میں پنپ رہی تھی کہ جب بھی وہ اسجد کی جان لے گا دشمن قبیلے کو بیچ میں کسی نہ کسی طرح ملوث کر کے لے گا۔ تاکہ سارا الزام دونوں علاقوں کی برسوں پرانی دشمنی پر آئے اور اس کی ذات پر شک کا ہلکا سا سایا بھی کبھی نہ پڑے۔ دشمن قبیلے کا نام استعمال کرنا اس کی ایسی کامیاب اور فول پروف پلاننگ تھی کہ اس کے لیے وہ جتنا چاہے طویل اور صبر آزما انتظار کر سکتا تھا۔ کیونکہ مقصد محض

اسجد کی جان لینا نہیں بلکہ گاؤں کا سردار بننا بھی تھا۔
اسجد کو رئیس قبیلے کی نام نہاد دشمنی کی بھینٹ چڑھانے کا پہلا موقع بخت کو ڈھائی تین سال پہلے تب ملا جب صنوبر نورزادہ چاچی کے ہاں رہنے کے لیے آئی اور اسے بخت سے محبت ہو گئی۔ اور بخت نے اس کا محبت سے بھرپور فائدہ بھی اٹھایا۔ صنوبر نے بخت کو بتایا تھا کہ بلاور اس پہ بری نظر رکھتا ہے اور بہت بار اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کر چکا ہے۔ بخت کے شراتی دماغ نے اسی نقطے کو بنیاد بنا کر اپنے کھیل کا آغاز کیا' ولی بخش کے ذریعے اس نے بلاور کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ صنوبر وہاں دشمن قبیلے میں اسجد خان کے ساتھ پیار کی پینگیں بڑھا رہی ہے۔ اس نے پندرہ دنوں کے اندر اندر صنوبر کو اسجد کی طرف جھکنے پر تیار کیا۔ وہ ایک ایسی صورت حال پیدا کرنا چاہتا تھا جس سے اسجد اور صنوبر رنگے ہاتھوں بلاور کی نظر میں آجائیں۔ صنوبر ان دنوں امید سے تھی اور بری طرح حالات کی ستم ظریفی کا شکار تھی۔ نہ وہ فلرٹ تھی نہ دھوکے باز' وہ تو بخت کی محبت کے پر فریب جال میں پھنسی ایک ایسی مچھلی تھی جس پر ظالم شکاری کا جال کستا ہی جا رہا تھا۔ صنوبر کے پاس سوائے بخت کے ہاتھوں بلیک میل ہونے کے اور کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ اپنی نادانی اور بے وقوفی کی وجہ سے جتنی مصیبتیں وہ مول لیے بیٹھی تھی ان سب کا حل اب صرف بخت سے شادی کی صورت میں ہی مل سکتا تھا۔ دنیا کی بدنامی کا خوف صنوبر کے دماغ پر اس بری طرح سوار ہو گیا تھا کہ بخت کی ہر جائز و ناجائز بات ماننا اس کی مجبوری بن گئی تھی۔ بخت سے ہر حال میں شادی کرنا اس کی زندگی کا اب واحد مقصد تھا۔

ڈائری کے چھ صفحات بخت نے اس سے زبردستی لکھوائے تھے۔۔۔۔ بخت کے ذہن میں یہ تھا کہ بلاور جب اسجد اور صنوبر کو رنگے ہاتھوں پکڑے گا تو موقع پر دونوں کو ہلاک بھی کر دے گا۔ تب دونوں کی موت کے بعد وہ کسی بہانے ڈائری کو دنیا کے سامنے لے آئے گا' اسجد کو بدنام کرنے اور قتل کی وجہ کے طور پر سامنے

لانے کے لیے۔۔۔ منصوبہ اس کا یقیناً" بہت مکمل بہت کامیاب تھا ہر حوالے سے' لیکن یہاں بلاور کی پلاننگ نے معاملات کو بالکل ہی نیا رخ دے دیا۔ صنوبر کے ناکام عاشق بلاور کے دل و دماغ پر صرف صنوبر سے بدلے کا جنون سوار تھا۔ بلکہ ایک دہری چال وہ بھی سوچے بیٹھا تھا۔ اسے ہمیشہ ہی اس بات کا قلق رہا کہ اجمل قبیلے کی کوئی لڑکی کبھی ان کے ہاں ونی ہو کر نہیں آئی تھی۔ اس نے سوچا بجائے اسجد کو جان سے مارنے کے کیوں نہ اس موقع سے دہرا فائدہ اٹھایا جائے۔ اس نے صنوبر کو قتل کر کے اسجد کے ڈیرے کے باہر جان بوجھ کر پھینکا تاکہ قتل کا الزام اسجد پر آئے اور رئیس قبیلہ صنوبر کے قتل کے بدلے میں اجمل قبیلے کی لڑکی ونی میں طلب کر سکے۔ اس نے بخت سے ڈائری سامنے لانے کی بات بھی کرلی۔ بخت اگرچہ اسجد کا قتل نہ ہونے پر سخت برہم تھا لیکن پھر یہ سوچ کر بلاور کا ساتھ دینے پر تیار ہو گیا کہ اس بہانے اور نہیں تو کم از کم اسجد کو صنوبر کے قاتل کے طور پر تو پھنسا ہی سکتا ہے۔ لیکن یہاں صنوبر کے بھائی حمدان کی جذباتیت نے ان دونوں کا منصوبہ ناکام کر دیا۔ حمدان نے خان بیگم کے داماد کو قتل کر کے صنوبر کا بدلہ لے لیا۔ اب بلاور صنوبر کے قتل کے بدلے میں ونی کا مطالبہ نہیں کر سکتا تھا۔ بخت نے بھی ماحول موافق نہ پاتے ہوئے ڈائری اپنے پاس چھپا کر رکھ لی اور واقعے کے دو سال بعد جب خان بیگم نے اپنے داماد کے قتل کے بدلے میں ونی کا مطالبہ کیا تو بخت اور بلاور ایک بار پھر اکٹھے ہو گئے۔ بلاور کی اس بار بھی یہی کوشش تھی کہ اسجد کے ہاتھوں ان کے قبیلے کے کسی بندے کا قتل کروا کر بدلے میں اس کی بہن ونی میں مانگ لے' لیکن گل آویزہ کی کوشش کے باعث وہ ایسا کرنے میں ناکام رہا۔ تب بخت کے مشورے سے بلاور نے وہ ڈائری گل آویزہ کے سامنے لانے کا پروگرام بنایا۔ حمدان اپنی ماں کی بیماری کے سلسلے میں مالی مدد مانگنے آیا تو بلاور نے اس کے ذہن میں یہ خیال ڈالا کہ اس کی ماں اپنی بیٹی گل آویزہ کی جدائی میں بیمار ہوئی ہے۔ بلاور نے وہ ڈائری اپنے ایک آدمی کے ذریعے رات کے اندھیرے میں چوری چھپے ان کے صندوق میں رکھوادی تھی اور اب وہ چاہتا تھا کہ گل آویزہ کسی طرح جلد از جلد اپنے میکے واپس آئے۔ ماں کی بیماری بہانہ بنی اور بلاور نے نور زادہ پھوپھی سے سفارش کروا کر گل آویزہ کو گاؤں واپس بلوا بھیجا۔ بخت اور بلاور سمجھ گئے تھے کہ گل آویزہ ڈھال بن کر اپنے شوہر کی حفاظت کر رہی ہے اور ہر مشکل سے عین وقت پر اسے نکال لے جاتی ہے۔ وہ ڈائری اس کے علم میں لا کر اسے اسجد سے بدظن کرنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک پہلا اہم کام اسجد اور گل آویزہ کو ایک دوسرے سے دور کرنا تھا۔ بلاور کے دل میں اسجد کے لیے شدید نفرت آج بھی اسی وجہ سے تھی کہ وہ اسے صنوبر کا محبوب اور اپنا رقیب تصور کرتا تھا۔ ڈائری کے چھ صفحوں کو بھی وہ سچ سمجھتا تھا۔ بخت نے یہ حقیقت ہمیشہ اس سے چھپائے رکھی کہ ڈیرے پر اسجد اور صنوبر کی ملاقات دراصل اس کی ایک سازش تھی۔ وہ چاہتا تھا بلاور کے دل میں اسجد کی نفرت کا زہر دن بہ دن پھیلتا ہی رہے۔ کبھی نہ کبھی تو وہ اس کی جان لینے میں کامیاب ہو ہی جائے گا۔

لیکن بہرحال وہ اپنی نفرت کے جال میں خود ہی پھنس گیا تھا۔ اسجد پر پچھلے حملے کے بعد بلاور اب کھل کر سامنے آچکا تھا اس موقع پر البتہ بخت کو سرپیر کی پڑ گئی کہ اگر بلاور نے جرگے میں اس کا نام بھی لے دیا تو کیا ہوگا۔ تب ہی جرگے کے انعقاد سے چند روز پہلے اس نے اسجد کو جان سے مار کر الزام بلاور کے سر ڈالنے کا عمدہ پلان بنایا۔ اب اگرچہ بلاور اس وقت اپنے گاؤں میں تھا' لیکن اسجد کے قتل ہوتے ہی سب کو پہلا شک یہی گزرتا کہ بلاور نے یہ کام اپنے آدمیوں سے کروایا ہوگا۔ اس طرح بخت کی راہ کا سب سے بڑا کانٹا اسجد بھی راستے سے ہٹ جاتا اور سردار کی پگڑی بھی اس کے سر پر سجتی' لیکن اس اوپر والے منصوبہ ساز نے اب اسجد اور گل آویزہ کی راہ سے سارے کانٹے ہٹا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسجد کی زبانی سارے حالات سن کر گل آویزہ کی

آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اپنی بے وقوف بہن کی بے بسی کا نقشہ آنکھوں کے آگے پھر گیا۔ کیسی چوٹ کھائی تھی غریب نے محبت کی، کس پتھر دل سے پیار کا رشتہ جوڑ بیٹھی تھی اور بدلے میں کیا ملا۔ بس ایک درد بھری موت۔

"تو صنوبر کا قاتل بلاور تھا اور وہ بار بار زور دے رہا تھا قاتل حویلی میں ہے۔ آپ کا نام وہ کھل کر نہیں لے سکتا تھا کہ ظاہر ہے پھر تو میں شادی سے ہی انکار کردیتی۔ کاش کبھی صنوبر نے ہمیں بھی بتایا ہوتا کہ بلاور اس پر بری نظر رکھتا ہے کم از کم اس شیطان کو بھائی بنانے کی بھول تو نہ کرتی۔" وہ پلو سے آنکھیں صاف کرتی بری طرح سسک رہی تھی۔ اسجد نے پیار سے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

"وہ بھی اپنے انجام کو پہنچے گا۔ دیکھتی جاؤ۔"

"قبیلوں کی اس دشمنی کا کوئی انجام نہیں ہے خان۔۔۔؟" گل آویزہ کے لہجے میں ایک مایوس کن سی تھکن تھی۔ اسجد نے نرمی سے اس کے ہاتھ تھامے۔

"یہی سوال بہت دن پہلے فراز نے بھی مجھ سے کیا تھا' تب میں اسے کوئی جواب نہیں دے پایا تھا۔ مجھے لگا تھا ہم بدنصیب قوم ہیں جو نہ چاہتے ہوئے بھی صدیوں پرانی دشمنیوں کا شکار ہونے پر مجبور ہیں' لیکن شاید یہ سچ نہیں ہے آوی۔ گاؤں کا سردار بننے کے بعد' تم سے ملنے کے بعد' اپنوں اور پرایوں کے پل پل بدلتے رویوں کو سہنے کے بعد میرا سوچنے کا ڈھنگ یکسر بدل گیا ہے۔ ہم بدنصیب ضرور ہیں' لیکن صرف اس لیے کہ دشمنی کا کیڑا ہمارے اندر رچ بس چکا ہے۔ بلکہ اسے دشمنی کہنا بھی غلط ہوگا' یہ تو ضد اور انا کا پودا ہے اور ایسا جنگلی پودا جو بنا کسی آبیاری کے خود بخود پلتا اور جوان ہوتا رہتا ہے۔ تم ذرا قبائلی دشمنی کی حقیقت پہ غور کرو۔" وہ تاسف سے مسکرایا۔ "یہاں صرف مخالف نہیں مرتا' کتنے ہی اپنے بھی اس آگ کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ بلاور نے دشمنی کی آگ کو بھڑکائے رکھنے اور اسے مزید تیز کرنے کے لیے ایندھن کے طور پر اپنے ہی علاقے کی لڑکی کو قتل کردیا۔ ادھر بخت نے بھی اسی دشمنی کو آڑ بنا کر اپنا مقصد نکالنے اور اس دشمنی کو جوان رکھنے کی کوشش میں اپنے خون اپنے بھائی کی جان لینے کی کوشش کی اور صرف بخت اور بلاور ہی کیوں۔۔۔" اس نے ایک طویل سرد آہ کھینچ کر لحظہ کو توقف کیا۔

"میں بھی تو اسی صف میں شامل ہوں۔ صنوبر نے میرے ساتھ اتنا بھی برا نہیں کیا تھا کہ میں صنف مخالف سے ہمیشہ کے لیے اچھائی کی امید چھوڑ دوں۔ تم میری زندگی میں نہ آتیں تو یہ رویہ برس ہا برس طویل ہو سکتا تھا۔ جب تک ہم ضد' دشمنی' انا اور نفرت کو اپنے اندر سے نہیں نکالیں گے' یہ سلسلہ کبھی کہیں رک نہیں سکتا' پھر بھی میں مانتا ہوں کہ ہم جو دشمنی کی چھاپ تلے زندگی بسر کرتے ہیں' باقیوں کی نسبت کہیں زیادہ بدنصیب ہیں۔ یہی دیکھ لو کہ ہم سب جو رئیس قبیلے کو علی الاعلان اپنا دشمن تصور کرتے ہیں تو کیا ہم سارے اجمل قبیلے والے ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے رہتے ہیں' کیا ہم سب ہی ایک دوسرے کی ڈھال ہیں۔۔۔؟ نہیں نا۔۔۔ تو بس یہ ایک لیبل ہے دشمنی کا جو کہیں کہیں بدقسمتی سے پوری شدومد کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ ورنہ نظریات کا ٹکراؤ' جھگڑے' اختلافات کہاں نہیں ہوتے۔ بس انہیں سلجھانے کے طریقوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے پہلی کوشش کے طور پر خود کو بدلنے کی ضرورت ہے۔"

"دشمنی تو میں نے بھی نباہی خان۔۔۔" گل آویزہ نے شرمندگی سے اقرار کیا تو اسجد نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔ غالباً" اس کا اشارہ ڈائری سامنے آنے کے بعد اسجد سے اپنا رویہ تبدیل کرلینے کی طرف تھا۔

"دشمنی بذات خود کچھ نہیں ہے۔ یہ تو نفرت کا وہ جذبہ ہے جو ہمیں منفی عمل پر ابھارتا ہے جس کا دل میں پیدا ہونا عین فطرت ہے اسے ہم زندگی سے نہیں نکال سکتے۔ اسے بھی نفس کے گھوڑے کی طرح لگام کی ضرورت ہے۔ مضبوط قوت ارادی سے جذبوں کو اپنے دام تلے لایا جاتا ہے۔ تھوڑی سی کمی یا بیشی کے

ساتھ ہر انسانی رویہ ہر انسان میں پایا جاتا ہے۔ سمجھیں ڈیئر وائف۔۔۔؟" دھیمے لہجے میں سمجھاتے اسجد نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ قائل ہونے کے انداز میں مسکرادی۔ "اور ہاں۔۔۔" اسجد کی مسکراہٹ بھی گہری ہوئی۔ "نفرت کے موضوع پر بہت بول لیا۔ باقی کی رات ہم صرف محبت کی بات کریں گے۔"

"محبت کی بات۔۔۔" گل آویزہ نے شرارت سے آنکھیں چندھیا کر لبوں پر انگلی بجائی، جیسے کچھ سوچ کر محظوظ ہو رہی ہو۔ "تو میں کچھ پوچھوں آپ سے۔۔۔؟"

"ہوں۔۔۔ پوچھو۔۔۔" وہ دھیمی مسکان لبوں میں دبائے اسے بھرپور توجہ اور پیار سے دیکھ رہا تھا۔

"لڑکیوں سے اس قدر بے زاری اور نفرت کے بیچ میرے لیے نرم گوشہ پیدا ہونے کی وجہ کیا تھی؟"

"میں اس کا بہت فوری اور سمپل جواب بھی دے سکتا ہوں۔" وہ ایک دم سیدھا ہو بیٹھا۔ سوال اس کے نزدیک کافی دلچسپ تھا اور جواب بہت طویل۔۔۔

"سادہ اور سامنے کا جواب تو یہ ہے آوی کہ تمہارا حسن کسی صورت نظر انداز کیے جانے والا نہیں ہے۔ مجھ جیسے رومانٹک بندے کا پہلی جھلک میں فریفتہ ہو جانا بہت ہی سمجھ میں آنے والی بات ہے، بلکہ میں مان بھی لیتا ہوں کہ ہاں اس رات آغا جان کی بیٹی کی شادی میں جب پہلی بار تمہیں دیکھا، تمہارا گھونگھٹ اڑتے ہی میں مبہوت سا کھڑا تمہیں دیکھتا رہا تھا، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ صرف صورت پر فدا ہونا آگے چل کر کبھی بھی مجھے عشق کی انتہاؤں تک نہیں لے جا سکتا تھا۔۔۔ یہ میں اپنی نیچر کو جانتے ہوئے پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں۔ اس لیے یہ تمہارے سوال کا مکمل جواب نہیں ہے۔" گل آویزہ کی حیرت چھلکاتی گہری کالی آنکھوں میں دیکھتے وہ رسان سے مخاطب تھا۔

"مکمل جواب یہ ہے کہ اس رات تم جن حالات میں میرے سامنے آئیں اس نے دو برس پہلے کے ٹوٹے ہوئے ایک سلسلے کو جوڑ کر پرانے اسجد سے ملا دیا تھا۔ جمود کی کیفیت جو دو سال پہلے ایک لڑکی کی دھوکا دہی سے شروع ہوئی تھی، تمہاری ہمدردی، مہربانی، احسان یا جو بھی اسے کہہ لیں۔۔۔ کی بدولت ایک پل میں ختم ہو گئی ساری نفرت سارا عناد جیسے ریت بن کر مٹھی سے پھسل گیا۔ یاد رہ گیا تو صرف اتنا کہ کوئی لڑکی میری جان بچانے کے لیے جانے کتنے خطروں سے کھیل کر آئی ہے۔ تمہاری اس رات کی جرات کی میرے دل میں آج بھی بڑی قدر ہے اور ہمیشہ رہے گی۔"

"میں نے تو بیوی ہونے کا فرض نبھایا تھا۔۔۔" وہ تعریف سن کر جھینپ گئی۔ "یہ اور بات کہ آپ کو اس وقت معلوم نہیں تھا۔"

"معلوم تو مجھے اور بھی بہت کچھ نہیں تھا۔" اس نے ہلکی بڑھی شیو پر انگلی سے کھجایا۔ "جیسے یہ کہ تم مجھے چوری چھپے دیکھا کرتی تھیں۔ کبھی کچن کی کھڑکی سے، کبھی اصطبل کے دروازے۔۔۔ کبھی۔۔۔"

"آپ مجھے ہمیشہ چھیڑیں گے اس بات پر۔۔۔" وہ ایک دم برا منا گئی۔ اسجد کا بے ساختہ قہقہہ بلند ہوا۔

"ہمیشہ نہیں بس کبھی کبھار۔۔۔ جب تم مجھ سے جھگڑا کرو گی۔"

"میں کیوں کروں گی جھگڑا۔۔۔" وہ نروٹھے لہجے میں بولی، لیکن ہنسی چھپا نہیں پائی۔

"اللہ، اماں جان کا سایا تادیر سلامت رکھے، جھگڑے تو ہوتے رہیں گے۔" اسجد کی شوخی اور برجستگی دونوں عروج پر تھے۔ گل آویزہ نے ہنسی چھپانے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، لیکن پھر اچانک کچھ خیال آنے پر چونک سی گئی۔ ایک اہم ترین بات جو وہ بہت دیر سے بھولے بیٹھی تھی۔

"خان بیگم آپ سے خفا تو نہیں تھیں۔۔۔ ان سے کیا بات ہوئی۔ اس روز مجھے پشاور بلوا لینے پر۔۔۔"

"خفا کس لیے بھئی۔۔۔" وہ بشاشت سے مسکرایا۔

"تم نے اپنے ایکشن سے جو کایا پلٹی ہے، کسی ناراضی یا وضاحت کا پہلو ہی کہاں نکلتا ہے۔ الٹا وہ شرمندہ ہیں کہ تمہیں گھر سے نکالنے کی مجھے کیا صفائی دیں گی۔"

"بس آپ بھی کچھ مت پوچھیں ان سے اس بارے میں۔" گل آویزہ نے فوراً نصیحت جھاڑی۔

"جی بہتر... اور کوئی حکم...؟" اسجد نے تھوڑا سا سر کو خم کیا تو وہ ایک ادا سے مسکرائی۔
"لیکن وہ آپ کی دوسری شادی کی بات نہیں کریں گی۔"
"یعنی میں کر سکتا ہوں...؟" اسجد کا سوال کافی بے ساختہ تھا۔ وہ پہلے تو حیرت سے دیکھے گئی پھر سمجھ آنے پر ہنستی چلی گئی۔
"چلیں... صرف "بات" کرنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" انداز خاصا احسان جتانے والا تھا۔ اسجد نے مصنوعی خفگی سے گھورا۔
"تو اسجد عالم خان کو اب بیوی کے حکم کا تابع ہونا پڑے گا۔"
"عافیت اسی میں ہے۔" وہ ابرو چڑھاتے بڑے ناز سے مسکرائی۔
"گاؤں کے سردار کو گھر میں ایک شریف شوہر کی طرح رہنا پڑے گا۔"
"شریف" تو یہاں لفظی رعایت ہے ورنہ مراد تمہاری جورو کے غلام سے کم کی نہیں تھی۔"
"توبہ ہے خان، کیسی مثالیں ڈھونڈ لاتے ہیں۔" وہ بری طرح جھینپ گئی۔ "میں آپ کو جورو کا غلام سمجھوں گی۔"
"تو پھر کیا سمجھو گی... ہوں...؟" وہ تکیہ کہنی کے نیچے پھنسا کر نیم دراز ہوتے اسے پرشوق نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
"آپ جانتے ہیں، آپ میرے لیے کیا ہیں...." وہ شرما گئی۔
"لو اب مجھے کیا پتا، سمجھتی تو تم مجھے دھوکے باز، بے وفا اور مطلبی بھی رہی ہو۔" وہ اسے چھیڑنے کے لیے ایک ایک لفظ پکڑ رہا تھا۔ گل آویزہ نے زچ ہو کر سر ہاتھوں پہ گرایا۔
"کیا ہوا... سر میں درد ہے...؟" لبوں میں ہنسی دبائے وہ بظاہر تشویش سے استفسار کر رہا تھا۔ وہ ہار مان کر مسکرائی۔
"آپ جیتے خان، میری توبہ...." اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔
"ارے ہاتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں، میں نے تمہارے سب قصور معاف کر دیے۔" وہ ہنوز سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا۔ گل آویزہ نے سرہانہ اٹھا کر بے ساختہ اس پر لہرایا، پھر اپنے ہی سر میں دے مارا۔
اسجد کی شوخ کھلکھلاتی ہنسی کھڑکی سے چھن کر آتی چاندنی میں شامل ہو کر تاروں کی سی جھلمل کرتی کمرے میں رقص کرنے لگی... ایک چاندی سا چمکتا تارا محویت اور محبت سے اسے تکتی گل آویزہ کی پلکوں پر بھی جگمگایا جسے مسکراتے ہوئے اس نے پوروں کی اوٹ میں چھپا لیا کہ خوشی کے لمحوں میں تشکر کے موتی پلکوں پر لرزہی جایا کرتے ہیں۔

سالگرہ نمبر

سائرہ رضا

"مگر اس کا قصور کیا ہے؟"

"یہ گھر سے بھاگ رہی تھی۔"

"گھر سے بھاگ..." باقی کا جملہ حلق میں اٹک گیا۔ آنکھیں ابل کر حلقوں سے باہر آگئیں۔

"اور... وہ کہاں ہے جس کے ساتھ بھاگ رہی تھی؟"

"اسے بھگا دیا گیا ہے۔ اکلوتا بیٹا تھا دریا کے ساتھ والی زمین کا وارث۔"

"او... وو... وو۔"

"اسے کیسے مار سکتے ہیں سمجھا کرو یار..."

"مگر وہ بھی تو برابر کا حصہ دار تھا ناں... بھگا کر لے کے تو وہی جا رہا تھا۔"

"لڑکی اکیلے تھوڑی بھاگتی ہے۔"

"او بے وقوف! لڑکے تو اس عمر میں چھوٹے موٹے معاشقے اور دل پشوری کرتے ہی ہیں۔ اس لڑکی کا فرض ہے گھر کی دہلیز نہ ٹاپے۔"

"پر اسے مجبور تو لڑکے ہی نے کیا نا..."

"نہ ہوتی مجبور... گھر سے کھینچ کر تو نہیں لا رہا تھا۔ خود ہی سب کی چائے میں نیند کی گولی ملا کر سب سمیٹ کر نکلی تھی۔"

"نیند کی گولی، اوہو... مگر وہ اس نے کہاں سے لی؟"

"لڑکے ہی نے لا کر دی... اس نے تو یہی بتایا ہے۔"

"لیکن جب دونوں برابر کے مجرم ہیں تو سزا اس اکیلی کو کیوں؟" نووارد کا ہر سوال حقیقت سے قریب تر اور بجواب طلب تھا۔

"پھر وہی احمقانہ سوال... اب پکڑی گئی ہے تو کیا چھوڑ دیں۔ ایسی سزا دیں گے کہ رہتی دنیا تک عورتوں کے لیے مثال بنے۔"

اس نے دانت پیس کر کہا تھا۔ کچکچاہٹ صاف سنائی دی۔ دماغ کے اندر جا کر لگی۔

"اور وہ سزا کیا ہوگی... اور کون دے گا؟"

"اس کا فیصلہ جرگہ کر رہا ہے اور کون کا کیا سوال... ہم دیں گے... تم دو گے، پورا معاشرہ دے گا۔ یہ ہمارے معاشرے اور روایات کی بقاء کا سوال ہے۔"

"معافی مانگ تو رہی ہے، معاف کر کے قصہ ختم کر دینا مناسب رہے گا۔"

"معافی... مناسب؟" وہ بمشکل خود کو چلانے سے باز رکھ سکا۔ احترام مجلس تھا شاید۔

بڑی گمبھیر صورت حال تھی۔ معززین کی نشست تھی۔ لڑکی کا باپ غریب آدمی تھا وہ ہاتھ جوڑے، خالی مگر جالا زدہ آنکھوں سے سب کو دیکھ رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی نگاہ بھٹک بھٹک کر بیٹی پر جاتی۔

وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اسے بیٹی کے گھر سے بھاگنے کا صدمہ زیادہ تھا یا ممکنہ انجام کی فکر۔

مار کھا کھا کر وہ ادھ موئی تو ہو چکی تھی۔ اب مزید

اور کیا سزا دی جائے گی۔ نشان عبرت تو ابھی بھی تھی وہ۔
اس کا بھیگا سوجا ہوا سرخ چہرہ ' لرزتی انگلیاں دیکھ کر سوچا اس نے اپنی چادر پیشانی سے کافی نیچے کھینچ رکھی تھی۔ مگر پھر بھی بے بسی ' خوف ' رحم کی درخواست جھکی پلکوں سے بھی عیاں تھی۔
سوکھے اکڑے ' پھٹے ہونٹ.... وہ بار بار اپنی زبان ان پر پھیر کے انہیں تر کرنے کی ناکام کوشش کرتی۔ زبان پر تری کہاں سے آتی جب حلق ہی خشک ہو چکا ہو۔
اس نے بہت بڑا قدم اٹھایا تھا۔ محبت کرنا چھوٹا موٹا کام نہیں ہوتا۔
ایک جست میں آسمان کو چھو لیتے ہیں اور مٹھیاں بھر بھر ستارے جھولی میں بھر لیے جاتے ہیں۔ پوری پوری کہکشائیں ایک دوسرے کے نام کر دی جاتی ہیں۔ محبت چھوٹی بات نہیں ہوتی اور سولہ سترہ برس کی محبت؟
او خدا.... ! جیسے ہر اچھا کام شروع کرنے سے پہلے شیطان سے پناہ مانگتے ہیں بالکل ایسے ہی اس عمر کی محبت سے بھی پناہ مانگنی چاہیے۔
سترہ برس کا دل تازہ گندھی مٹی کی طرح کا ہوتا ہے۔ بڑی خود سپردگی سے ڈھلتا ہے۔ ہلکی آنچ پر بھی

ایسا پکتا ہے کہ رنگ تو دہکتا ہوا۔۔۔ بے پناہ مضبوط شہادت کی انگلی ٹیڑھی کر کے بجاؤ تو آواز ایسی نکلتی ہے۔ جیسے ڈومنیوں نے راگ چھیڑنے چاہے ہوں۔
جیسے۔۔۔ کچے گھڑے پر انگوٹھی کی دستک سے سر بکھرتے ہیں۔
"تو یہ اس عمر کی محبت تھی اور چونکہ پہلے ہی کہا کہ پناہ مانگنی چاہیے تو اس نے محبت سے پناہ مانگنے کے بجائے۔۔۔ محبت کی پناہ میں جانا مناسب سمجھا اور آج یہ حال تھا کہ اس کے لیے کہیں پناہ نہیں تھی۔۔۔ کوئی جائے اماں نہیں تھی۔
محبوب کا باپ مجلس کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھے بیٹھا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے ہر جرم کو قبول کر رہا تھا اور اس بات پر بھی حامی بھرتا تھا کہ اسے بھی سزا ملنی چاہیے جو دوسروں کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کا۔ بھگانے کا (یا بھگ جانے کا) مرتکب ہوا تھا۔ لیکن بے چارہ اب کیا کرے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ گیا۔ (باپ نے خود جگہ چن کر راتوں رات بہ حفاظت بھگایا تھا) نجانے کب اس کی صورت دیکھنے کو ملے گی۔
(کب سے کیا مطلب۔۔۔ معاملہ ٹھنڈا ہوتے ہی دبئی کا ٹکٹ کٹوانا تھا۔ اکلوتے بیٹے سے کوئی اتنے دن دور رہ سکتا ہے۔ اس کی ماں تو پہلے ہی بولائی بولائی پھر رہی تھی۔ اور اس لڑکی کو کوستی تھی جس کی وجہ سے بیٹے پر مصیبت ٹوٹی اور دربدری مقدر بنی)
جرگہ جو فیصلہ کرے گا وہ اسے قبول ہے۔ ہرجانہ یا کچھ بھی۔۔۔ معاشرے کو سلامت رکھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ روایات و اقتدار کا پاس رکھا جائے۔ امیر طبقے کا کام ہے وہ غریبوں کو پاسداری کا سبق سکھائے۔ روایات سے روگردانی کتنا بڑا جرم ہے۔
اور گھر سے بھاگ کر شادی کا فیصلہ۔۔۔ قیامت ہے قیامت۔۔۔
کیا مثال رہے گی آنے والی نسلوں کے لیے۔۔۔
لڑکے کے باپ نے ہرجانہ بھرنے کا اقرار کیا۔۔۔ اور لڑکی کا باپ۔ اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ سو سزا کے لیے تیار تھا۔
لڑکی چلانے لگی وہ بتانا چاہ رہی تھی کہ کیسے لڑکے نے اس کے راستے میں آکر اسے مائل کیا۔۔۔ اسی نے اسے گھر سے نکلنے کی راہ سجھائی تھی کہ وہ بعد میں سب کو منا لے گا۔ بس وہ بے وقوف بن گئی' باتوں میں آگئی۔
اسے اتنی بڑی سزا نہ دی جائے۔ وہ آئندہ ایسا کچھ نہیں کرے گی۔
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک کے مصداق سب نے فیصلے پر مہر لگائی۔
لڑکی کو مرنا ہو گا تاکہ نشان عبرت رہے۔
اور یہ معاشرہ ہمیشہ عبرتیں تلاشتا ہے تاکہ مثالیں بنا سکے اور وقت پڑنے پر انہیں استعمال کر سکے۔
"اسے معافی تلافی پر چھوڑ دیں تو سب کو نیا راستہ مل جائے گا کہ جو کرنا ہے کر لو بعد میں معافی مل ہی جائے گی۔ ہمیں کوئی رسک نہیں لینا۔"
"معاف تو اللہ بھی کر دیتا ہے۔" اس کے منہ سے بلا ارادہ نکلا۔
"یار کیسی بات کرتے ہو' وہ رحیم و کریم ہے۔ معاف کر ہی دے گا۔"
"مگر دنیا کو چلانے کا اختیار اللہ ہی نے بندے کو دیا ہے اور دنیا کو سیدھا رکھ کے چلانا بڑا مشکل کام ہے۔ شہر میں نوکری کرنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم اپنے گاؤں کی روایتیں بھول جاؤ۔"
"روایتیں نہیں بھولا مگر بس اس کا رونا پیٹنا دیکھا نہیں جاتا۔"
"اس کا رونا برداشت کر لو ورنہ پوری نسلیں ہم کو روئیں گی کہ کیسا رواج ڈال کر چلے گئے۔" وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر شور نے بولنے نہ دیا۔

☆ ☆ ☆

فیصلہ ہو گیا تھا' لڑکی کو مرنا ہو گا۔ وہ چلا رہی تھی' پھڑپھڑا رہی تھی۔ خود کو چھڑانے کی کوشش میں زخمی بلی کی طرح جھپٹے مار رہی تھی۔ اس کے سر کی چادر اتر کر شانوں۔۔۔ شانوں سے اتر کر پیروں میں رل گئی۔

اس نے کسی آدمی کے ہاتھ پر دانت گاڑنے چاہے تھے اور زور کا تھپڑ کھایا تھا۔ چند لمحے پہلے وہ مظلوم' بے ضرر' بے بس دکھائی دے رہی تھی اور اب بقاء کی جنگ لڑتے ہوئے اس مرغی کی طرح اچھلتی تھی جس کی شہ رگ پر چھری پھیر دینے کے بعد ٹھنڈا ہونے کے لیے پلاسٹک کے ڈرم میں بے پروائی سے ڈال دیا گیا ہو۔

اسے لڑکی سے اتنے شدید ردعمل کی توقع نہیں تھی۔ کیوں کر رہی تھی وہ یہ سب' جب جرم ثابت ہو چکا تھا۔ اور اتنے معززین نے سزا تجویز کی تھی تو ٹھیک ہی کی تھی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جو جنونی ہو کر نجانے کیا بولتی جاتی تھی اور خود کو چھڑانے کی کوشش سے باز آنے کو تیار نہیں تھی۔

اسے مکے تھپڑ برابر لگ رہے تھے۔ اس کے بال نجانے کس وحشی کی گرفت میں تھے کہ جب یکدم اس نے خود کو چھڑا لیا۔

ہاہ... پھر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا' وہ اندھا دھند بھاگی تھی۔ اس کے بالوں کا گچھا اس آدمی کی مٹھی میں رہ گیا تھا۔ پر وہ تکلیف سے بے پرواہ... دوپٹے اور جوتی سے بے خبر بھاگ نکلی تھی۔

"ایک جم غفیر اس کے پیچھے تھا۔ کبھی شہی رگ دیوچا ہرن بھی بھاگ سکتا ہے۔ ہاتھ آیا شکار... نسلوں کی اقدار داؤ پر لگ گئیں۔ کیا منہ دکھائیں گے وہ ایک دوسرے کو... بلکہ خود کو...

لڑکی کی اتنی ہمت کہ وہ بھاگی... اسے تو خاموشی کے ساتھ سر قربان گاہ پر رکھ دینا چاہیے تھا۔ مگر خیر کہاں تک بھاگ سکتی تھی۔

سب ہی اس کے پیچھے لپکے تھے' پکے یقین کے ساتھ جست بھر میں پکڑ لیں گے اور سزا اب کے اور زیادہ کڑی ہو گی۔

تب ہی کسی ایک نے بھاگنے کے بجائے زمین پر پڑا پتھر دے مارا... خوب نشانہ تھا ٹھاہ... اور لڑکی دھڑام سے نیچے... اس نے گردن گھما کر اپنے پیچھے دیکھا۔ کوئی دم تھا کہ وہ دوبارہ پکڑی جاتی۔ نہیں' وہ بھاگ کر مرنا قبول کرے گی۔ بھاگتے بھاگتے دریا میں جا گرے' کسی ٹرالر کے نیچے آ کر کچلے جانا بھی منظور تھا مگر ایسے نہیں... وہ دوبارہ اٹھی تھی اور سر پر پاؤں رکھ کے بھاگی تھی۔

اس کی مسلسل ہمت (سرکشی) سب کے لیے شدید حیرت کا باعث تھی۔ کہاں تو اتنے دنوں کی بھوک' پیاس تشدد کہ باہر لانے تک سہارے سے گھسٹتی تھی اور کہاں تکور سی رفتار...

مگر افسوس...

دوسرا پتھر اس کے سر پر لگا تھا پر وہ رکی نہیں اور وہ جمرات کی کنکریاں ہوتی ہیں چھوٹی چھوٹی سی' جو ابلیس کی روح کو زخمی کرتی ہیں۔ یہ تیر تھے بڑے بڑے ٹیڑھے میڑھے... وہ علامتی پھٹکار ہوتی ہے۔ یہ جسمانی للکار...

تیروں برسنے لگے جیسے زانی کو سنگسار کیا جا رہا ہو۔ ایسے پڑتے تھے جیسے بنی اسرائیل پر پتھروں کی بارش ہوئی تھی۔ جیسے زلزلے میں پہاڑ اپنی جگہ چھوڑتے ہیں اور میدانوں میں ڈھیر ہو جاتے ہیں۔

اور وہ کیا تھی۔ سترہ برس کی نازک شاخ بیداں جیسی لڑکی... پتھر پڑنے پر تو خونخوار پاگل کتا بھی دبک جاتا ہے۔

وہ کب تک بھاگتی اور کہاں تک... اور کیسے...

پہلا پتھر مارنے والا سلامت لنگڑا تھا۔ وہ بھاگ نہیں سکتا تھا۔ لڑکی کے بھاگنے کی رفتار نے اس کے اندر کی کمی کو بری طرح اجاگر کیا تھا۔

وہ زندگی میں کبھی نہیں بھاگا تھا۔ اس نے عجیب حسد رشک اور احساس محرومی میں مبتلا ہو کر اس کی رفتار کو دیکھا تھا۔

کاش وہ بھاگ سکتا اور اسے پکڑ کر سب کے سامنے پیش کر دیتا۔ کاش... اس نے مٹھیاں بھینچی تھیں اور ٹانگیں تو کام کر نہیں سکتی تھیں۔ دماغ خوب تیز چلا اس کے پہلے پتھر ہی نے اسے گرا دیا تھا۔ بھلے وہ دوبارہ اٹھ کر بھاگ پڑی تھی مگر۔

"واہ سلامت لنگڑے...! جہاں کسی کا دماغ نہ پہنچا

وہاں تو پہنچا خوب ـــ" اس نے ہی سب کو فاتحانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے دور سے پتھر برسایا تھا اب کی بار گری تو اٹھنا مشکل تھا۔
مگر کیا ڈھیٹ ہڈی تھی۔ لیکن سلامت لنگڑا خوش تھا۔ اس نے جو راہ بجھائی تھی۔ اس پر سارے دوڑے' وہ پیش رو تھا اس کا عمل قابل تقلید ـــ
اس کے پہلے اور دوسرے پتھر پر سب نے اسے دیکھا تھا اور اس کی مسکراہٹ اکسانے والی تھی۔ پھر کون رکتا ـــ
دوسرا پتھر مارنے والا زمان تھا۔ کئی سال پہلے اس کی بیوی اس کی مار کٹائی سے جان بچا کر گھر سے بھاگ گئی تھی۔ آج تک نہ ملی کوئی سراغ نہ مل سکا اس نے دوسری شادی بھی نہیں کی۔ ایک زمانے کی باتیں سنیں زندگی کا بس ایک مقصد تھا اس حرام زادی کا پتا چل جائے' زندہ نہ سہی لاش ـــ بچا کھچا پنجر ہی مل جائے مگر ملے تو ـــ
اس سے نفرت اور انتقام ایسا تھا جیسے ہر لقمے کے ساتھ نیم کے پتوں کی رگڑی چٹنی کھاتا ہو۔ وہ سالی تو نہ مل سکی۔
مگر آج اس بھاگتی لڑکی کو دیکھ کر وہ نفرت عود کر آئی۔
انتقام یاد آگیا۔ اپنی ہرزہ سرائی کا بوجھ ڈھوتے ڈھوتے تھک گیا تھا۔ اس نے سوچا سامنے بھاگتی وہ لڑکی ـــ لڑکی نہیں ہے۔ اس کی وہ بیوی ہے۔ جس نے ـــ آگے اسے کچھ یاد نہ رہا۔
اس کا شکنجے سے نکل جانا سب کے منہ پر طمانچہ تھا۔
چیونٹی جیسی عورت ـــ اس کی یہ مجال ـــ وہ روگردانی کرے' سرکشی دکھائے یا بھاگ پڑے۔
"ٹھہر ذرا ـــ مزہ چکھ لے۔"
وہ گر چکی تھی اور پتھروں سے بچنے کے لیے دیوانہ وار گھوم رہی تھی۔ بیٹھے بیٹھے پھر اس سے بھی گئی۔
اس نے اپنے بازوؤں میں سر دے دیا۔ اس کے بے رنگ لباس پر مٹی لگی تھی' اس مٹی میں سرخ پھول سے پیدا ہونے لگے۔ بے حد سرخ بالکل خون رنگ جیسے ـــ

اور وہ سب اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ چار اطراف کھیت تھے اونچے درخت اور پنیریاں ـــ تپتی دوپہر کے سناٹے میں اس کی آواز ضرور بلند ہوتی مگر وہ سارے شیطانی قہقہے ـــ اور ہاہاکار۔ وہ بھی دھکے لگتے لگتے بہت نزدیک آگیا تھا۔
اس کے ساتھ محو گفتگو دوست ـــ اسے ٹھوکے دے رہا تھا کہ وہ بھی پتھر مار کے ثواب دارین حاصل کرے۔ اور یہی نہیں اس نے اس کے ہاتھ میں تیر دے بھی دیے۔ اس نے پتھر کو دیکھا اور لڑکی کو ـــ لڑکی نے اپنے ہونے کی شناخت کھو دی تھی۔ نجانے کیسے نقش رہے ہوں گے۔ ہاں مگر اس کی کلائی میں ٹوٹنے سے بچی وہ تین سیاہ چوڑیاں ـــ اسے کچھ یاد دلانے لگیں۔
اس کے دفتر میں کام کرنے والی وہ سادہ سی لڑکی ـــ جو خاموش طبع فطرت کی حامل تھی۔ سادہ لباس' سادہ انداز گفتگو ـــ مگر اپنے کام میں وہ ماہر تھی۔
اور اس نے اسے رجھانے کی کوشش کی تھی اور لڑکیاں بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ خط مستقیم جیسی ـــ سیدھی بھی۔
مگر مرد باتوں کے لچھے ڈال کر انہیں گھما دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ بھی باتوں میں آگئی۔
وہ خود اس سے جونیئر تھا اور اس کی ترقی کے مواقع بہت زیادہ تھے اس کی عمر ڈھل رہی تھی۔ اس پر ذمہ داریاں تھیں۔ اس نے ذمہ داریاں بانٹنے کا یقین دلایا۔
سب ٹھیک چل رہا تھا مگر ایک روز لڑکی نے اس ـــ کی اصل باتیں سن لیں۔ وہ کیا کیا منصوبے بنائے بیٹھا تھا۔ وہ اسے سیڑھی کی طرح استعمال کرنے والا تھا۔
خیر تھی۔ (آج کل کی حقیقت پسند لڑکیاں ـــ سیڑھی ہو جانے پر اعتراض کرنا چھوڑ چکی ہیں) مگر اوپر پہنچ کر اس کا دھکا دینے کا بھی ارادہ تھا۔
"نہیں ـــ" اس نے لنچ بریک میں اس کی لگاوٹ کے اظہار پر اپنے ضبط کی حد کو ختم ہوتے دیکھا اور پوری طاقت سے سارے ورکرز کے سامنے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ اور ایک پر اکتفا نہیں کیا۔ یہ تابڑ

توڑ تھپڑ تھے۔ اس کے گال پر انگارے دہک اٹھے۔ مگر دل میں ذلت کی جو آگ بھڑکی اس کے لیے کوئی مثال نہ تھی۔ یہ سب اتنا ناقابل برداشت تھا کہ اسے اچھی بھلی ملازمت چھوڑنا پڑ گئی۔ اس کا دل چاہتا وہ اس کے منہ پر تیزاب ڈال دے۔ اس کے ہاتھ کو قیمہ بنانے والی مشین میں دے دے۔

یا اس کے ساتھ وہ... وہ کرے جسے لکھنا مشکل ہے۔

پر وہ کچھ نہ کر سکا۔ ایک غلطی پر دوسری غلطی...

مگر آج یہ جو موقع مل رہا تھا۔ اس نے سوچا سامنے بیٹھی لڑکی دراصل وہ آفس والی لڑکی ہے۔ نظر پر ایسی تہہ جم گئی کہ اسے بس وہی یاد رہ گئی اور پھر پتھر مارنے والوں میں وہ بھی شامل ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

پتھر مارنے والوں میں بوڑھا گل شیر بھی شامل تھا۔ اسے عورت ذات سے نفرت تھی (حالانکہ خدا کی قسم! اسے بھی عورت ہی نے جنا تھا... مگر...)

اسے بااختیار عورت سے۔

من مانی کرنے والی عورت سے۔

پڑھی لکھی عورت سے۔

بے پردہ عورت سے۔

غرض ہر عورت سے نفرت تھی۔

وہ ملٹی نیشنل کمپنی کے مین گیٹ کا چوکیدار تھا۔ اسے گیٹ کھولنا پڑتا تھا اور آنے والے افسر کو سیلوٹ کے سے انداز میں سلام کرنا ہوتا تھا۔

کمپنی کی سب سے بڑی افسر عورت تھی۔ اونچی لمبی گوری چٹی، گٹ پٹ انگلش بولتی میڈم... سر کے خفیف اشارے سے سلام کا جواب دیتی اور اندر... اسے اس کے لباس و انداز سے نفرت تھی۔

اس کی بڑائی اور اپنے کمتری کے احساس کو کچوکے لگاتے، گل شیر نے نوکری چھوڑ دی۔ اگلی نوکری کسی چینل کے کچن میں مل گئی۔ اسے چائے، کافی اور گرین ٹی بنانی ہوتی تھی۔ یہ آسان کام تھا۔ اس عمر میں اب سیلوٹ ہوتا بھی نہیں تھا۔

مگر مشکل تب شروع ہوئی جب چائے وغیرہ بنانے کے ساتھ ساتھ سرو کرنے کا کام بھی کرنا پڑ گیا۔ گل شیر کے لیے یہ مسئلہ زیادہ گھمبیر تب ہو گیا۔ جب اسے عورتوں کے کیبن میں چائے لے کر جانا پڑتی۔

ہر عمر کی عورتیں... کچھ اس کی بیٹی اور نواسی کی عمر کی اور ایک دو خود اس کی عمر کی... پھر ان کے پاس ہر روز آنے والی مہمان... بھی عورتیں۔ وہی چائے کی ٹرے وہ دس بار مردوں کو سرو کرتا تھا۔ اور وہی چائے ان عورتوں کے لے جانا اس کے لیے شدید ہتک کا باعث بن گیا۔

بری طرح کام میں مصروف، تیز تیز لہجوں سے اردو انگریزی ملا کر بولنے والی وہ سب... جب بلند آواز سے گل شیر چائے۔ گل شیر کافی... گرین ٹی دے جائیں۔ پکارتیں تب اسے اپنے پورے جسم میں شرارے دوڑتے ہوئے محسوس ہوتے۔ دل چاہتا گرم چائے ان کے خوب صورت چہروں پر انڈیل دے۔

اس عمر میں اس سے اچھی نوکری نہیں مل سکتی تھی۔ اس کا دل چاہتا وہ ایک ہنٹر لے کر سب کو پیٹ ڈالے۔ اسے لیڈی باس کے کمرے میں اجازت لے کر جانا پڑتا۔ وہ تنک مزاج اصول پسند خاتون تھی۔ اس کے براہ راست ورکرز بھی اس کے احترام میں دھیما بولتے... وہ حکم چلاتی، باتیں سمجھاتی، رائے دیتی، گردن اٹھائے آگے چلتی۔ سارے مؤدب (بے غیرت) ہو کر بغور سنتے۔ چند قدم پیچھے، وہ اتنا بڑا چینل چلا رہی تھی۔ اس کا ایک نام تھا۔ مقام تھا۔ اسے اللہ نے یہ عزت اور مرتبہ عطا کیا تھا۔

گل شیر کے کڑھنے سے کیا حاصل، اب یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ اسے ہٹا کر خود سیٹ پر بیٹھ جائے۔ سو بھڑاس نکالنے کے لیے جب اس پر... یا باقی سب پر نگاہ پڑتی مغلظات زیر لب بکتا جاتا۔ کون کون سے ننگے القابات نہ ہوں گے جو اس نے اسے دیے۔ بظاہر بے ضرر نگاہیں جھکا کر کام کرنے والا بوڑھا... مگر۔

اور پھر جب وہ گھر آتا بات بات پر اپنی سفید بالوں

والی بیوی کو مارنے کو لپکتا۔۔۔ بہوؤں پوتیوں نواسیوں سے جوتے موزے اتارنے کو کہتا۔۔۔ کبھی جو بیوی اتارتی تو بہانہ ڈھونڈ کر اسے ٹھوکر دے مارتا۔ کھانا کھانے کے لیے چلمچی میں ہاتھ دھلواتا۔ بلاوجہ گالیاں دیتا اپنی دہشت سارے گھر پر طاری کر کے جو سکون ملتا۔ وہ دن بھر کی اس ذلت کا غم ہلکا کر دیتا جو اسے چائے کے کپ دینے سے ہوتی تھی۔

عورت کا کیا کام ہے برابری کا۔۔۔ کم عقل مخلوق۔۔۔ اسے ان مردوں کی مردانگی پر تف بھیجنے سے بھی دلی تسکین ملتی جنہوں نے یونہی خوامخواہ ان کو سر چڑھا رکھا ہے۔ اس کا بس چلے تو وہ۔۔۔

لیکن آج اس لڑکی پر پتھر برسا کر سارے غم بھول گیا۔ سب داغ دھل گئے۔

"چائے میں چینی نہیں ڈالنی تھی گل شیر۔۔۔" ایک پتھر ٹھاہ۔

"ذرا دور کھڑے ہو کر اور نظریں جھکا کر بات کرو۔۔۔ تم غصے میں کیوں نظر آتے ہو گل شیر اپنی پرابلم۔۔۔" ٹھاہ ٹھاہ ٹھاہ۔

اس نے سارے بدلے لے لیے۔ ہر سلیوٹ کی سود سمیت واپسی۔

اب زندگی سے کوئی شکوے نہیں تھے۔ تیر برسانے والے اور بھی تھے۔ انسان کی حیوانی جبلت بیدار ہو جائے تو اس سے بڑھ کر خون خوار کوئی نہیں۔۔۔ مقابلہ برابر کا ہو تو جیت خوشی دیتی ہے۔ مقابلہ کمزور سے ہو۔۔۔ نہتے سے ہو تو بے غیرت بدمست سانڈ کی طرح ہو جاتے ہیں۔ جنہیں ایم جناتی ہو انصاف ہو گیا تھا۔ رہتی دنیا کے لیے مثال مل گئی تھی۔

اب کوئی دوبارہ ایسی ہمت نہیں کرے گا۔ اور اگر کرے تو۔۔۔

وہ سب بیٹھے ہیں ناں حق کے علمبردار، روایات کے ٹھیکے دار، سچائی کا پیکر۔۔۔

سب نے ہاتھ جھاڑے، دامن جھاڑے، چہروں پر آئی حیرانی، سرخی کو پونچھا۔ اور لہو کے چھینٹوں سے دامن بچاتے اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچے۔

✡ ✡ ✡

انصاف کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والے تمام لوگ سرشار تھے نہ کہ شرمسار۔ لڑکی کے باپ کو خوفناک انجام کی دھمکیاں دے کر خوش رہنے کی تلقین کر دی گئی تھی۔ منہ سے کوئی کچھ نہیں بولا تھا۔ مگر سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والے راز ادا تو زبان ہی سے ہوتے ہیں اور کان دیواروں کے بھی ہوتے ہیں۔

ایک آنکھ کیمرے کی بھی ہوتی ہے۔ جو منظر قید کر لیتی ہے۔ اور قیدی چھوٹ بھی جایا کرتے ہیں۔

سوشل میڈیا پر پتھر کھاتی مرتی ہوئی لڑکی کی ویڈیو نے تہلکہ مچا دیا۔

این جی اوز سر پیٹ پیٹ کر ہار رہیں۔ انصاف کے حق میں دلائل دے کر دانشوروں کے گلے بیٹھ گئے۔۔۔ ٹاک شوز کو گرما گرم مسالا دار خبر مل گئی تھی۔ سب اپنی ہنڈیا چڑھا کر بیٹھ گئے۔

کچھ دھیمی آنچ پر پکا رہے تھے۔ کچھ تیز شعلوں پر۔۔۔ لرزہ خیز انجام سے دوچار لڑکی کا جرم کیا تھا۔ کچھ اسے محبت کی کہانی کہہ رہے تھے۔ کچھ غیرت کی۔۔۔ کچھ کسی پرانی دشمنی کا شاخسانہ۔۔۔ سب بکواس یونہی خوامخواہ کے قیافے۔۔۔ یہ کوئی محبت وحبت کا معاملہ نہیں تھا نرا دھوکا اور غیرت۔۔۔ شرم والے ہوتے تو اللہ سے شرم کھاتے، اس کی نافرمانی نہ کرتے۔ اللہ نے تو خون ناحق سے منع کیا ہے۔ اور اللہ تو معافی طلب کرنے پر رحیم ہو جاتا ہے۔

اور رہا دشمنی کا معاملہ۔۔۔ ہاں وہ شاید تھی ازل سے۔۔۔ عورت کو حقارت سے دیکھنے والے مرد۔۔۔ کم تر جاننے والے۔ عورت سے پیدا ہوتے ہیں۔ عورت کو پیدا بھی کرتے ہیں۔ اپنے ہاتھ پیر جسم کے سارے اعضاء پیارے لگتے ہیں حتیٰ کہ مونچھ کے بال پر بھی فخر کرتے ہیں اور اپنے ہی وجود کے ماخذ سے اتنی بے زاری۔۔۔

ایسی نفرت۔۔۔

گل شیر کے چینل میں آج کام نہیں ہو رہا تھا۔ ہر

ایک کی زبان پر یہی ذکر تھا۔ بے بسی آمیز طیش۔۔۔۔ غم و غصہ۔۔۔۔ نا سمجھی کی کیفیت' نیوز چینلز پہ لڑکی کی تصویریں دھندلی کر کے دکھائی گئی تھیں مگر فیس بک پر بالکل واضح شارٹس تھے۔ جنہیں دیکھنا دل گردے کا کام تھا۔

ایک لڑکی نے تو آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے' وہ دوبارہ یہ منظر دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔ (اس سے بعد میں سارا دن کچھ کھایا بھی نہیں گیا)

ایک اور نے جھرجھری لی تھی اور دھپ سے اپنی کرسی پر بیٹھ کر ہتھیوں پر اپنے دونوں ہاتھ اس سختی سے جمائے تھے کہ رگیں پھٹنے پر آ گئیں۔

ان سے الگ حساس سی زہرہ رونے لگی تھی۔ پھر کمرے سے چلی گئی۔ وہ اس موضوع کو سن بھی نہیں سکتی تھی۔ ایسے تو کوئی پاگل کتے کو بھی نہیں مارتا۔ مگر کچھ مضبوط دل کی بھی تھیں۔۔۔ جو جبڑے بھینچے پھٹی وحشت زدہ آنکھوں سے سینے پر ہاتھ لپیٹے دیکھتی رہیں۔

ایک سے ایک اندازے قیافے گمان اور بدگمان قصے۔۔۔۔

ویڈیو میں صرف لڑکی پر پتھر پڑتے نظر آ رہے تھے مگر مارنے والے نہیں۔۔۔۔

"کون لوگ تھے وہ۔۔۔۔ جنہیں ذرا رحم نہ آیا۔۔۔۔ انسان اتنا ظالم بھی ہو سکتا ہے۔"

"انسان نہیں مرد۔۔۔۔" کسی نے تصحیح کی۔

"نہیں مرد کیوں۔۔۔۔ سب ایک سے نہیں ہوتے۔۔۔۔ میرے ابو میرے بھائی بہت اچھے مرد ہیں۔۔۔۔" ایک یقین سے بھرپور لہجہ۔۔۔۔

"تو یہ بھی تو کسی کے باپ بھائی ہوں گے۔" کوئی مصر تھا۔

"یہ جو ہمارے باپ' بھائی' بیٹے ہوتے ہیں نا۔۔۔۔ جو ہمیں دودھ کے دھلے ساری دنیا سے افضل و یکتا لگتے ہیں۔ یہ باہر کی عورتوں کے لیے صرف مرد ہوتے ہیں۔ وہی جانتی ہیں کہ یہ دراصل کیا ہیں۔ کیسے ہیں۔ ہمارے ساتھ تو وہ پاکیزہ رشتوں میں گندھے ہوتے ہیں۔" یہ چینل کی باس کا جملہ تھا۔ وہ عمومی انداز سے بہت مختلف لگ رہی تھی۔ بے بس' بے چین اور دکھی' سب کے سراثبات میں ہلے۔ ہاں وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔

"کیسے شقی القلب ہوتے ہوں گے وہ لوگ۔۔۔۔ جنہیں ذرا رحم نہ آیا۔ ذرا سی سوئی لگنے پر ہم چلاتے ہیں۔ وہ کیسے کیسے نہ تڑپی ہو گی۔" آواز میں غم تھا اور نمی بھی۔

"میرا دل چاہتا ہے۔ میں ان سب مردوں میں سے کسی ایک کو بس ایک کو دیکھ لوں کہ وہ دکھنے میں کیسا ہو گا۔ ہمارے تمہارے جیسا عام انسان۔"

"میرے خیال سے تو اس کے سینگ ہونے چاہئیں' خون خوار آنکھیں۔۔۔۔ باہر کو نکلے دانت۔۔۔۔ بڑھے ناخن اور بہت بھیانک چہرہ۔۔۔۔ اور ہونٹوں سے ٹپکتا خون۔۔۔۔"

"میں دیکھنا چاہتی ہوں۔۔۔۔ پتا نہیں کیوں۔۔۔۔" وہ اپنی دلی کیفیت بیان کرنے سے قاصر تھی۔

"آپ کی چائے بی بی۔۔۔۔" گل شیر ٹرے بھر کے مگ لایا تھا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ سفید داڑھی سر پر ٹوپی جھریوں بھرے ہاتھ سے وہ کپ بڑھا رہا تھا۔ وہ مؤدب تھا اور مہربان سا۔۔۔۔

"آپ کی گرین ٹی میڈم۔۔۔۔" اس نے دوسرا کپ اٹھایا۔

"اوہ تھینک یو گل شیر۔۔۔۔" گفتگو میں وقفہ آ گیا تھا۔ گل شیر سب کے پسندیدہ کپ میں پسندیدہ مشروب پیش کر رہا تھا۔

"پانی کی بوتل لا دو گل شیر۔۔۔۔" یہ باس کی آواز تھی۔

"جی میڈم۔۔۔۔" وہ تیزی سے نکلا۔ واپس آیا تو ماحول جوں کا توں تھا۔ گرین ٹی میں چمچ چل رہا تھا۔ ایک اپنے کپ کے کناروں پر انگلی پھیر رہی تھی۔ ایک بالکل بے نیاز تھی۔ قلم منہ میں دبائے غیر مرئی نقطوں کو تکتی وہ بڑی ناول نگار اور کامیاب اسکرپٹ رائٹر تھی۔ بہت اچھا بولنا بھی جانتی تھی مگر اس وقت تو جیسے گنگ تھی۔

اس نے ہمیشہ مضبوط عورت اور ظالم مردوں کی کہانیاں لکھی تھیں۔ مگر ایسا ظلم تو سان و گمان سے پرے تھا۔

"میرا دل کرتا ہے...." یکدم ٹیبل پر مکا برسایا گیا۔ برتن چھنک اٹھے سب نے چونک کر دیکھا۔

"ایک بار بس ایک بار ان سب خبیثوں' بے غیرتوں میں سے کوئی ایک بس ایک میرے سامنے آجائے تو میں... میں۔" مٹھیاں بھینچ گئیں۔ جبڑے کچکچاتے آنکھوں سے وحشت جھلکنے لگی۔

"وہ.... وہ عبرت ناک سزائیں بتانے لگیں جو قدیم مصریوں کے ہاں رائج تھیں یا افریقیوں کے جنگلی قبائل میں.... وہ سب سزائیں وہ ان لوگوں کو دینا چاہتی تھی۔ گل شیر نے دیکھا سب کے چہرے تمتمانے لگے تھے۔ وہ متفق تھیں جو بھی کیا جائے وہ کم ہے۔

خوب صورت' پڑھی لکھی' بااعتماد لڑکیاں.... ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھی۔ قابلیت آنکھوں سے عیاں تھی۔ اے سی کی ٹھنڈک میں بھی ان کے دل بھڑک رہے تھے۔ ان کے جسموں پر قیمتی لباس تھے جو ان کی اپنی محنت کی کمائی کے تھے اور گل شیر.... ان کے سامنے مؤدب کھڑا چینی دان بڑھا رہا تھا۔ جگ سے پانی کا گلاس بھر کر ذرا خمیدہ ہو کر دیتا تھا۔ وہی ہمیشہ کا منظر

مگر آج گل شیر جل نہیں رہا تھا۔ اس کا وجود شانت تھا۔ ہلکا پھلکا... ایک تسکین بخش احساس۔" بے وقوف عورتیں.... صرف باتیں ہی کر سکتی ہیں۔ ڈھونڈتی رہیں گی عمر بھر.... ان تھپڑ مارنے والوں کو.... مل جائے تو کہنا ارے بڑی قابل بنتی ہو۔ بڑے ایوارڈ لاتی ہو۔ لاکھوں روپے کی تنخواہ مار لیتی ہو تمہارے سامنے تو کھڑا ہوں۔ یقین تو دور' شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ میں نے تم سے اپنے سارے بدلے لے لیے۔

تم سب کے نام لے لے کر تھپڑ مارے تھے۔ ناقص العقل مخلوق.... ایک سرشاری کیفیت کے زیر اثر وہ کمرے سے نکل گیا....

آج چائے "فردا" "فردا" پیش کرتے ہوئے اسے غصہ نہیں آیا تھا۔

یہ فرد کی کہانی نہیں — یہ معاشرے کی کہانی ہے۔

یہ اس سوچ کی کہانی ہے۔ جس نے تفریق کرتے کرتے عورت کی جگہ صفر لکھ دیا ہے۔

اپنے سے اوپر حاوی شخص کا غصہ گھر آکر بیوی کو مار کے نکالنے والے لوگ۔ اپنی ناکامیوں کی وجہ گھر کی عورت کو قرار دینے والے لوگ۔

عورت کو منحوس کہنے والے "منحوس۔"

پتھر مارنے والوں نے اپنے اندر کی گھٹن اپنا طیش ایک کمزور پر نکالا تھا۔

عورت کو اگال دان سمجھ کر اس پر تھوکنے والے لوگ .... بھول جاتے ہیں آسمان پر تھوکا ہمیشہ منہ پر آکر گرتا ہے۔

عورت ہر مرد کا آسمان ہی تو ہوتی ہے۔ استھان ہوتی ہے۔ جس پر براجمان ہو کر وہ شہنشاہی کرتا ہے۔ عورت مدار ہوتی ہے۔ جس کے گرد مرد ساری عمر گھومتا ہے۔ مدار سے ہٹ جانے والے لوگ خلا میں بھٹک جائیں گے۔

نہ جنت ملے گی نہ جہنم .... صرف برزخ .... تا قیامت اور قیامت کے دن کیا ہوگا یہ تو کتاب حق کے ہر ورق پر درج ہے۔

انصاف ہوگا.... اور.... واقعی انصاف ہوگا۔

انصاف کی ننگ دھڑنگ دیوی کی آنکھ پر تو پٹی بندھی ہوتی ہے۔ لیکن اللہ سب دیکھتا ہے۔ بس یہ ہے کہ ہمیں احساس نہیں۔

✡ ✡

سالگرہ نمبر

شبانہ شوکت

اک اک لمحہ زندہ ہو

"اللہ نظر بد سے بچائے ڈرامے اپنے پاکستان کے، کیا منظر کشی ہے کیا ایکٹنگ ہے اور کیا زوردار جاندار کہانی ہے کس کس چیز کی تعریف کی جائے اور وہ انڈیا کے ڈرامے آجاتی تھیں منوں میک اپ تھوپ کر سازشیں کرنے تیز تیز بجتے میوزک پر دس دس منٹس کا ایک ایک سین ان پر پابندی لگی تو یہ ترکی کے ڈرامے آگئے ڈزن ڈزن چلتی گولیاں ایک دوسرے کا پیچھا کرتے لوگ اب کوئی پوچھے کہ تمہارے ملک میں کوئی شریف بندہ بھی رہتا ہے کہ نہیں لڑکے لڑکیاں جتنے ہیں سارے ایک دوسرے سے عشق کرنے میں مصروف یا دوسروں کو گولیاں مارنے میں ہلکان تو پوچھو اللہ کے بندوں پھر پولیس کس لیے رکھی ہوئی ہے جب شہری خود ہی قانون ہاتھ میں لیے پھر رہے ہیں اور جتنا یہ اپنی پولیس کو دوڑائے پھرتے ہیں ان کی پولیس کا ہی حوصلہ ہے توبہ اور پھر شراب تو ایسے کھلم کھلا پی جا رہی ہوتی ہے کہ کیا پانی پیا جاتا ہو گا۔ استغفر اللہ! کہنے کو مسلمان ملک کے باشندے ہیں۔"

دادی نے سب کا شجرہ کھنگالا تھا۔

"تو دادی وہ صرف نام کا مسلمان ملک ہے ورنہ تو وہ سیکولر کہلواتے ہیں اور خود کو یورپ کا حصہ سمجھتے ہیں۔" شارمین نے تصحیح کی۔

"اور دادی اگر آپ کو ان کے ڈرامے اچھے نہیں لگتے تو آپ دیکھتی کیوں ہیں۔" سین نے چھیڑا اور وہ چھڑ بھی گئیں۔

"اے میں تو لعنت بھیجوں مگر اڑتی پڑتی نظر پڑ ہی جاتی ہے۔"

"یہ اڑتی پڑتی نظر ہے۔" وہ صدمے سے بے حال ہوئی۔

"ہر چیز کی اتنی باریکی سے تجزیہ نگاری کی ہے آپ نے اور یہ اڑتی پڑتی نظر ہے۔"

"بس یہ تو اللہ کی شان ہے میں طائرانہ نگاہ میں بڑی گہرائی سے سب جانچ لیتی ہوں۔" انہوں نے فاخرانہ نظر سب پر دوڑائی۔

"دادی جی دادی جی۔" عظیم گرتا پڑتا آیا "ایک لڑکا آیا ہے جی آپ سے ملنے۔"

"کیا!" دادی تو یوں اچھلیں کہ تخت سے گرتے گرتے بچیں "مجھ سے ملنے؟ لڑکا آیا ہے؟" انہیں لگا کہ انہیں سننے میں مغالطہ ہوا ہے کون ہے اور مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟"

شارمین رامین سبین اور روانیہ جو ٹیبل پر چائے کی ٹرے رکھ رہی تھی اپنی اپنی جگہ سکتے میں رہ گئی تھیں "لڑکا آیا بھی تو دادی سے ملنے؟ چار چار لڑکیوں کی موجودگی میں؟ تف ہے اس لڑکے پر۔"

"چلیں مبارک ہو دادی ترکی میں تو لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کے عشق میں مبتلا ہوتے ہیں پر یہ پاکستان ہے یہاں لڑکے بوڑھیوں کے عشق میں....."

سبین کا سکتہ ٹوٹا تھا اور بات مکمل ہونے سے پہلے دادی کی جوتی اڑتی ہوئی آئی تھی اس نے جھکائی دے کر خود کو بچایا۔

"چلو بٹھاؤ اسے ڈرائنگ روم میں میں آتی ہوں۔" ڈرامے کے دوران تو وہ کسی کو بولنے کی اجازت نہیں دیتی تھیں (سوائے اپنے خود رواں تبصرہ کرتی رہتی تھیں) کجا کسی سے ملنے کے لیے ڈرامہ ادھورا چھوڑ کر جانا طوہا" وکرہا" اٹھی تھیں۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں تو سامنے بیٹھا نوجوان بصد احترام کھڑا ہو گیا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے عمیق نگاہوں سے جائزہ لیا۔ لڑکا تو بڑا ہی خوب صورت تھا عمدہ ڈریسنگ لمبا قد صحت مند جسم کھلتی ہوئی رنگت کے ساتھ بڑے خوب صورت نین نقش۔

"بیٹھو بیٹا اور اپنا نام بتاؤ۔" وہ خود بھی پاس رکھے سنگل صوفے پر آبیٹھیں۔

"عکاشہ میرا نام عکاشہ ہے۔"

"اچھا نام ہے مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہ رہے تھے؟" انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

"کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس گھر کی بڑی آپ ہیں تو ایک ضروری بات آپ سے کہنی تھی" وہ رکا وہ

منتظر نظروں سے اسے دیکھتی رہیں' وہ ہلکا سا کھنکارا
"یہاں اس گھر میں میری بہن رہتی ہے' میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"تمہاری بہن اور ہمارے گھر" دادی تو ہکا بکا رہ گئیں۔ اسے بغور دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں "کون ہے تمہاری بہن اور یہاں کیسے رہتی ہے؟"

"دانیہ نام ہے میری بہن کا۔" اس نے کوئی دھماکا کیا تھا یا دادی کو ایسا لگا "دانیہ' وہ تو میری نواسی ہے' وہ تمہاری بہن کیسے ہو گئی۔ میری ثانیہ کا تو کوئی بیٹا نہیں تھا۔"

"وہ اس طرح کہ میرے پاپا نے دو شادیاں کیں تھیں پہلے میری ممی سے پھر ثانیہ آنٹی سے' میری ممی سے انہوں نے اپنی پسند سے چھپ کر شادی کی اور مرتے دم تک انہیں چھپ چھپا کر ہی خرچا دیتے رہے مجھے ثانیہ آنٹی اور دانیہ کے متعلق بتایا تھا' اپنی بیماری کے دوران انہوں نے تایا سے رابطہ کر کے مجھے انہیں سونپ دیا تھا کہ میرا دنیا میں تایا کے سوا کوئی نہیں تھا۔

اب جبکہ میں اس قابل ہو گیا ہوں کہ اپنا گھر لے کر اپنی بہن کو رکھ سکوں تو ——————
اپنی بہن کو بھی لے جانا چاہتا ہوں۔" وہ بہت رسان سے تفصیل بتا رہا تھا اور جیسے جیسے بتا رہا تھا ویسے ویسے دادی کا منہ کھلتا جا رہا تھا وہ ایک سکتے کی کیفیت میں سنتی رہیں۔ بالآخر وہ حواسوں میں آئیں۔

"یہاں وہ اپنی سگی نانی اور سگے ماموؤں کے پاس رہ رہی ہے اور میرا دماغ خراب ہے کہ میں اسے اٹھا کر سوتیلے رشتوں میں بھیج دوں اور مجھے تو تمہاری کہانی پر بھی یقین نہیں آ رہا' کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ تم واقعی اسامہ کے بیٹے ہو۔"

ایک ہی صدمہ کیا کم تھا کہ داماد نے انہیں دھوکے میں رکھا' ان کی ثانیہ کے ساتھ اتنی بڑی بے ایمانی کی اور انہیں تو کیا ثانیہ تک کو کبھی شک بھی نہ ہوا۔
عکاشہ نے دو تصویریں ان کے سامنے کیں۔
"یہ دیکھیں پاپا کے ساتھ میری تصویریں۔" دادی نے تصویریں دیکھیں' بلاشبہ وہ اسامہ تھے' پانچ چھ سال کے بچے کے ساتھ۔

"یہ تو خیر کوئی ایسے ثبوت نہیں ہیں کہ جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ تم واقعی اسامہ کے بیٹے ہو مگر پھر بھی چلو میں مان لیتی ہوں تو بھی میں دانیہ کو تو ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجنے والی۔"

"میں تائی کو ساتھ لے آؤں پھر....."

"پھر بھی نہیں' وہ پہلے ہی بہت مظلوم ہے' بے ماں باپ کی بچی' دوسروں کا منہ دیکھ کر چلنے والی' یہاں کم از کم میں تو موجود ہوں نا' اس کی سگی نانی' میں کیوں اسے سوتیلے رشتوں کے حوالے کروں۔"

"میں کوئی سوتیلا نہیں ہے' آپ آتی جاتی رہیے گا' دیکھ لیجیے گا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے' خدانخواستہ آپ کو کوئی بات پسند نہیں آئی تو آپ اسے واپس لے آیئے گا۔" وہ ہر صورت انہیں راضی کرنا چاہتا تھا۔

"نہیں بچے یہ ممکن ہی نہیں ہے۔" اتنے میں چائے آ چکی تھی' انہوں نے پیالی اٹھا کر دی اور خود بھی چسکیاں لینے لگیں۔

"آپ دانیہ کو بلوائیں' میں اس سے مل تو لوں۔"

"ہاں یہ کر سکتی ہوں میں' اس میں کوئی حرج نہیں۔" انہوں نے اندر آتی رضیہ کو دانیہ کو بلا لانے کے لیے کہا' وہ گئی اور کچھ ہی دیر میں دانیہ اندر آ گئی۔

"جی دادی؟" سب کی دیکھا دیکھی وہ بھی انہیں دادی ہی کہتی تھی' انہوں نے مختصراً عکاشہ کا تعارف کروایا' دانیہ نے حیرت' بے یقینی اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ اس کا بھائی' دانیہ کا بھائی' اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ تو اپنے تنہا ہونے کا ہی غم مناتی رہتی تھی اور اس کا ایک بھائی بھی اسی دنیا میں موجود تھا' اس کے ہونٹ کپکپانے لگے' آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔
عکاشہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔

"ہیلو دانیہ" اس نے ایک ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور دوسرا آگے بڑھایا' دانیہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ

میں دے دیا' اس کا تو دل چاہ رہا تھا وہ اپنے بھائی سے لپٹ جائے' اس میں اپنے باپ کا عکس تلاش کرے مگر ایک جھجک آڑے آ رہی تھی' عکاشہ نے دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا اور اسے اپنے پاس بٹھا کر چھوٹے چھوٹے سوال کرتا رہا وہ جواب دیتی رہی۔ اس نے جیب سے والٹ نکال کر پانچ پانچ ہزار والے نوٹ جو شاید چھ تھے اس کے ہاتھ پر رکھے۔

"یہ رکھ لو' میں تمہارے لیے کچھ لا نہیں سکا' آئندہ تمہیں خود ساتھ لے جا کر تمہاری پسند کی شاپنگ کرواؤں گا بلکہ میں نگین کو ساتھ لے آؤں گا' ہمارے چاچو کی بیٹی ہے بڑی نٹ کھٹ سی ہے' تم اس کے ساتھ بہت انجوائے کرو گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا "اچھا اب میں چلتا ہوں پھر آؤں گا اگر آپ کی اجازت ہو تو۔۔۔" وہ اٹھ گیا تھا۔ دادی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"پھر کب آئیں گے بھائی؟" وانیہ کی آواز میں بے تابی تھی' وہ پھر سے مسکرایا تھا۔

"ان شاء اللہ جلد ہی' یہ میرا نمبر رکھ لو۔" اس نے جیب سے نکال کر ایک کارڈ اسے دیا "اچھا دادی جان مجھے اجازت۔" دادی نے اٹھ کر اس کے شانے پر ہاتھ پھیرا پھر وہ وانیہ کی طرف مڑا "اللہ حافظ میری گڑیا۔" اس بار اس کا سر اپنے شانے سے لگا کر دوسرے ہاتھ سے تھپکا اور مسکراتا ہوا چلا گیا ان دونوں کو حیرت' خوشی و بے یقینی کے دریا میں غوطے کھاتا چھوڑ کر۔

☆ ☆ ☆

"کہاں تھے تم' کتنی دیر ہو چکی ہے تمہیں آفس سے نکلے ہوئے' کتنے فون' کتنے ٹیکسٹ کیے میں نے' کسی کا بھی ریپلائی نہیں' مجھے بتاؤ تم کہاں تھے؟"

گھر پہنچتے ہی اس کٹکھنی بلی سے ٹکراؤ ہوا' وہ آستین چڑھائے' دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اس سے پرسش کر رہی تھی۔

"تھا ایک ضروری کام' اسی مصروفیت میں پتا ہی نہیں چلا کہ کیا ٹائم ہو گیا ہے۔" وہ اسے ٹال کر آگے بڑھنے لگا مگر وہ بڑھنے دیتی تب نا۔

"اتنا ضروری کام کہ میرے ٹیکسٹ' میری کالز سب اس کے آگے غیر ضروری ہو گئے۔" اس کی آواز میں اترتی نمی نے عکاشہ کو ٹھٹکا دیا تھا۔

"ارے ایسا کچھ بھی نہیں ہے یار' میں نے فون سائلنٹ پر لگایا ہوا تھا' اس لیے پتا نہیں چل پایا' سکون سے بیٹھنے دو گی تو ہی تفصیل بتاؤں گا نا۔" وہ ناراضی سے اسے دیکھتی مڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی' وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آ گیا' فریش ہو کر نیچے آیا تو وہ لاؤنج میں ٹی وی کے آگے بیٹھی تھی' ٹیبل پر پر تکلف چائے کے سارے لوازمات موجود تھے' عکاشہ کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"ممی کہاں ہیں؟"

"سامنے والوں کے یہاں گئی ہیں۔" آواز میں ناراضی نمایاں تھی۔ عکاشہ مسکراتا ہوا اس کے قریب موجود دوسرے صوفے پر آ بیٹھا۔

"ویسے تو میں چائے پی چکا ہوں' مگر اب تم نے بھی یہ زحمت کر لی ہے تو لاؤ دے دو۔"

نگین تو اسی پوزیشن میں بیٹھی رہ گئی تھی۔ نگین کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی کہ اس نے تھوڑا قریب ہو کر اس کے منہ کی طرف پھونک ماری' وہ جھٹکے سے پیچھے ہوئی۔

"کون ہے وہ؟"

"وانیہ۔" ایک لفظی جواب' نگین ایک دم ڈھیلی ہو گئی "اوہ۔" سارے تناؤ کا خاتمہ ہو گیا تھا "تو مل ہی گئی۔"

"ہاں مل گئی شکر ہے۔ بہت پیاری ہو گئی ہے ماشاء اللہ۔" وہ چائے پیتے ہوئے اسے تفصیل سے سب بتانے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

وانیہ نے ہوش سنبھالتے ہی خود کو نانی اور ماموؤں

کے پاس ہی پایا۔ دو ماموں‘ مامیاں اور ان کے ساتھ بچے‘ چار بڑے ماموں کے اور تین چھوٹے ماموں کے‘ کچھ عرصہ تو اس کے ساتھ ماموں کا سلوک بہتر رہا پھر وہی روایتی کہانی دہرائی جانے لگی‘ شاید کہانیاں بنتی ہی دہرائے جانے کے لیے ہوتی ہیں یا واقعات کی یکسانیت انہیں ایک کہانی بنا دیتی ہے۔ دادی (روحانہ بیگم) جہاں تک ہوتا اس کی پشت پناہی کرتیں مگر تا کجے‘ مامیاں اسے اپنے کاموں کے لیے دوڑائے رکھتیں اور ان کے بچے اپنے کاموں کے لیے۔ بڑے ماموں سعید احمد کے چار بچے تھے‘ ولید‘ معید‘ شاہین اور رامین‘ چھوٹے ماموں زاہد احمد کے تین بچے تھے‘ اسد‘ احد اور سبین‘ یہ تینوں لڑکیاں برائے نام ہی کسی کام کو ہاتھ لگاتیں‘ ماؤں کی مدد کے لیے کام والیاں آتی تھیں اور پھر وانیہ تو تھی ہی نا‘ ہر کام کے لیے اس کی پکار پڑتی تھی۔

ولید‘ معید اور اسد جاب کرتے تھے اور احد ابھی پڑھ رہا تھا‘ شاہین اور سبین ماسٹرز کر رہی تھیں جبکہ رامین ڈاکٹر بن رہی تھیں‘ ایک وانیہ تھی جس نے بمشکل گریجویشن کیا تھا‘ آخر گھر کے کاموں کے لیے بھی تو کسی کو ہونا چاہیے تھا نا اور وانیہ نے کون سا پڑھ لکھ کر گورنر لگ جانا تھا۔

✡ ✡ ✡

”کاشی ادھر آؤ‘ میرے پاس بیٹھو اور مجھے بتاؤ یہ جو ڈرامہ تم کر رہے ہو اس کا کیا انجام ہوگا۔“

ثوبیہ نے عکاشہ کو آواز دی‘ وہ مسکراتا ہوا ان کے پاس آبیٹھا ”ان شاء اللہ ہیپی اینڈنگ ہوگا۔“

”بس اللہ ہی کرے۔“ وہ کچھ ٹینس تھیں وہ انہیں دیکھ کر مسکرایا۔

”دوبارہ وہاں کب جاؤ گے‘ میں بھی چلوں گی۔“ نگین جو کافی دیر سے چپ بیٹھی تھی۔ ایک دم سے بولی۔

”وہ تو مجھے پہلے ہی پتا تھا‘ اس لیے میں وہاں کہہ آیا تھا کہ آئندہ میرے ساتھ نگین بھی آئے گی۔“ وہ بے اختیار ہنسا تھا۔ ثوبیہ مسکرا رہی تھیں۔

نگین ان کے سب سے چھوٹے دیور کی بیٹی تھی۔ حذیفہ بڑے‘ اسامہ منجھلے اور حنظلہ چھوٹے تھے‘ حذیفہ کے دو بیٹے تھے‘ عکاشہ اور عکرمہ‘ اسامہ کی ایک ہی بیٹی تھی وانیہ اور حنظلہ کی شمیلہ سے ایک بیٹی نگین تھی‘ شمیلہ کراچی اپنے میکے گئیں تو اندھی فائرنگ کا شکار ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئیں‘ حنظلہ نے کچھ عرصے بعد ابوظہبی میں دوسری شادی کر لی اور اب دو بیٹوں کے بھی باپ تھے۔ نگین کو ثوبیہ نے اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا‘ ان کی بیٹی کی خواہش پوری ہو گئی تھی‘ وہ اس سے بے پناہ پیار کرتی تھیں‘ عکرمہ تو کچھ روڈ اور موڈی تھا مگر عکاشہ بہت کیئرنگ تھا۔ وہ نگین کا بہت خیال رکھتا تھا‘ رفتہ رفتہ نگین اس سے اتنی مانوس ہو گئی کہ اپنا ہر مسئلہ اس سے ڈسکس کرنے لگی‘ بڑے ہو جانے پر تو وہ اسے اپنی ملکیت ہی سمجھنے لگی تھی‘ کسی لڑکی سے بات کرتے تو وہ اسے دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔

”میں نے خود کو اس کا بھائی شو کیا ہے‘ اگر یہ کہتا کہ میں اس کا تایا زاد ہوں تو کوئی اس سے ملنے بھی نہ دیتا۔“

”دکبھی تو یہ حقیقت کھلے گی نا‘ اس سے بہتر نہیں تھا کہ تم اسے سچائی بتاتے۔“

”صحیح بتایا ہے‘ ہے تو وہ میری بہن ہی‘ میری تو حسرت تھی ایک بہن کی‘ وہ پوری ہو گئی‘ اتنی پیاری اور معصوم ہے میری بہن‘ جب مجھ سے ملنے آئی تو خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔“ وہ جیسے اسی منظر میں کھو گیا تھا مگر اپنے حواس قائم رکھے تھے‘ تب ہی تو پہلے بہن بنایا پھر تعریف کی تھی ورنہ نگین کے سامنے صنف نازک کی تعریف اور وہ بھی عکاشہ کرے‘ توبہ توبہ۔

”میری دونوں دیورانیاں ہی بہت پیاری تھیں تو اولاد کیسے پیاری نہیں ہوگی۔“ ثوبیہ کی آنکھیں بھیگ گئیں دونوں مرحوم دیورانیوں کو یاد کر کے۔

✡ ✡ ✡

صبح، جب سب ہی گھر کے افراد ناشتے کے لیے میز پر موجود ہوتے تھے اور وہ مخصوص ہڑبونگ جو عموماً ناشتے کے ٹائم مچی ہوتی تھی، وہ آج بھی تھی۔ سب آفس، یونیورسٹی اور کالج جانے کی دیر ہو جانے کے ڈر سے افراتفری پھیلائے ہوئے تھے۔ ابھی بھی وانیہ اور ثمن مامی تیزی سے سب کے لیے ناشتا تیار کر رہی تھیں مگر پھر بھی آوازیں پڑ رہی تھیں، وانیہ نے جلدی جلدی جتنے انڈے بنے ٹرے میں رکھے اور تیزی سے ٹیبل پر پہنچائے پراٹھے، ڈبل روٹی، رسک، جام، جیلی، مکھن، جوس، دودھ اور چائے سب کچھ موجود تھا۔ سب کے جاتے ہی وہ ہلکان ہو کر کرسی پر گرنے کے انداز میں آ بیٹھی تھی۔ سچ مچ وہ تھک گئی تھی۔

"آ میری بچی اب خود بھی تسلی سے ناشتا کر لو۔" دادی نے محبت سے پکارا۔

"آ رہی ہوں دادی۔" اتنے میں ثمن، چائے لے کر آ گئیں ابھی دونوں ناشتے سے فارغ ہوئی تھیں کہ پتا چلا مہمان آئے ہیں۔

"کون مہمان؟" دادی نے پوچھا تو عظیم نے بتایا کہ اس دن والا لڑکا ایک لڑکی کے ساتھ آیا ہے۔ وانیہ اور دادی ڈرائنگ روم میں آئیں، جہاں عکاشہ کے ساتھ ایک بہت خوب صورت لڑکی موجود تھی۔ عکاشہ نے باہمی تعارف کروایا، وانیہ بہت خوش دلی سے ملی۔

"جاؤ بہن کو مامیوں سے ملوا لاؤ۔" وانیہ اسے اندر لے گئی تو دادی نے پوچھا۔

"اسامہ کے دو بھائی تھے نا، ایک بڑا اور ایک چھوٹا، یہ چھوٹے کی بیٹی ہے نا؟"

"جی، جی یہ حنظلہ انکل کی بیٹی ہے۔" عکاشہ نے تائید کی۔

"اور بڑے والے کے کتنے بچے ہیں؟"

"جی ان کے دو بیٹے ہیں۔" عکاشہ نے بڑی خود اعتمادی سے جواب دیا۔

"ہوں، تو تم کہاں رہتے ہو، وہیں تایا کے پاس؟"

"جی، جی....!" ویسے تو پوری تیاری سے آیا تھا مگر اندر کہیں گھبراہٹ بھی تھی کہ کوئی ایسا سوال نہ سامنے آ جائے جو غیر متوقع ہو۔

"یہ بچی بھی تم لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے؟"

"جی ہاں، چاچو تو باہر ہوتے ہیں، آنٹی کی ڈیتھ ہو گئی تھی تو ہمارے پاس ہی ہوتی ہے یہ۔"

"اچھا تو اس طرح سے لڑکے ماشاء اللہ تین ہوتے ہیں تمہارے گھر میں۔" دادی نے پر سوچ لہجے میں کہا۔

"تین....." وہ چکرایا۔

"ایک تم، دو تمہارے تایا کے لڑکے تو تین، ہوئے نا؟"

"جی، جی بالکل۔" وہ بری طرح سٹپٹایا تھا۔

"تو تمہاری تائی کو چاہیے کہ خدا خوفی کر کے اس بچی کو اپنے کسی بیٹے کے لیے لے لیں، میں تو یہی بات ہے اس بات کی قائل ہوں کہ جب گھر میں لڑکے، لڑکی کا جوڑ بنتا ہو تو اللہ کا نام لے کر بنا دینا چاہیے۔"

"جی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" اس نے دل و جان سے تائید کی تھی۔ وہ اسے کتنی ہی دیر باہر کے رشتوں میں ہونے والے گھپلوں سے آگاہ کرتی رہی تھیں اور ساتھ ہی یہ افسوس بھی کہ آج کل کی اولاد گھر کے بجائے باہر منہ مارنا پسند کرتی ہے۔

"ویسے تو تمہارے ساتھ بھی بہت اچھی لگ رہی تھی۔" انہوں نے اچانک ٹریک چینج کیا تھا، وہ چونک گیا۔ "کون؟"

"یہی بچی نگین، جو تمہارے ساتھ آئی ہے۔" وہ جھینپ گیا تھا۔ وہ مسکرا دیں۔

"میں وانیہ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں اگر آپ کی اجازت ہو تو....."

"میں نے اپنے بیٹوں سے بات کی تھی، انہوں نے کہا تھا کہ اگر آئندہ عکاشہ آئے تو انہیں بلوا لوں، وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں، اب اگر تم کچھ دیر اور بیٹھ جاؤ تو میں انہیں بلوا لیتی ہوں۔"

"جی ضرور۔" دادی نے سعید اور زاہد کو فون کیے اور تھوڑی دیر میں دونوں ہی آ گئے تھے۔ نگین اندر مامیوں کے پاس تھی اور عکاشہ ماموؤں اور دادی کے

ساتھ۔

☼ ☼ ☼

وانیہ کو بہت عجیب لگ رہا تھا یوں کسی اور کے گھر جانا مگر چونکہ دادی بھی ساتھ آئی تھیں تو تسلی تھی، بڑا خوب صورت گھر تھا۔ بیرونی گیٹ سے لے کر انٹر پیئر تک، عکاشہ انہیں بٹھا کر ثوبیہ کو بلا لایا۔

"السلام علیکم روحی آنٹی، کیسی ہیں آپ؟" وہ بڑے احترام سے ان سے ملنے کے لیے آگے آئی تھیں۔

دادی نے چونک کر انہیں دیکھا، دیکھی بھالی سی شکل۔

"تم، تم تو تانیہ کی جٹھانی، کیا نام تھا۔" انہوں نے ذہن پر زور ڈالا۔

"جی ثوبیہ، ثوبیہ حذیفہ نام ہے میرا۔"

"ہاں ثوبیہ تو تم عکاشہ کی تائی ہو؟"

"ہیں، جی؟" وہ گڑبڑائیں اور عکاشہ کی جانب دیکھا، وہ آگے بڑھا۔

"جی۔۔ جی میری بھی تائی ہیں یہ۔"

"اچھا، اچھا۔" اب وہ تسلی سے گلے ملیں اور وانیہ سے گلے ملتے ہوئے تو ثوبیہ نے کتنی ہی دیر اسے گلے لگائے رکھا۔

"بنی بنائی تانیہ ہے۔"

"ہاں بالکل اور تم سناؤ، تمہارے کتنے بچے ہیں؟"

"جی میرے تو بس دو بیٹے ہی ہیں۔"

"ماشاء اللہ، کہاں ہیں وہ، ملواؤ ان سے بھی۔"

"نگی تم وانیہ کو اپنے کمرے میں لے جاؤ، میں آنٹی سے گپ شپ کرلوں، تم دونوں بھی انجوائے کرو۔"

"آؤ۔" نگین اسے ساتھ لیے کاریڈور میں آگے بڑھی ہی تھی کہ ایک نوجوان اندر آیا۔

"نگی مجھے چائے بھجوا دینا۔"

"اچھا اور ہاں اس سے ملو یہ وانیہ ہے، اسامہ انکل کی بیٹی اور وانیہ یہ عکرمہ ہے حذیفہ انکل کا بیٹا۔" نگین نے تعارف کروایا تو وانیہ نے اس کی طرف دیکھا، وہ بھی ٹھٹک گیا تھا۔

"السلام علیکم۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"وعلیکم السلام۔" بہت آہستگی سے کہہ کر وہ مڑ گیا تھا۔

"کیسا لگا تمہیں عکرمہ؟ نگین نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"اچھے ہیں۔" وہ اور کیا کہتی، اتنا خوب صورت لڑکا، عکاشہ ہی کی طرح کھڑے کھڑے نقوش، مگر آنکھیں عکاشہ سے بھی زیادہ خوب صورت اور گہری، کچھ ہی لمحوں کے لیے اس کی طرف دیکھا تھا مگر اندر کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ یہ تو وانیہ کا سیلف کنٹرول تھا کہ اس کے اندر کتنی گڑبڑ ہوئی، اس نے اوپر سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"یہ بڑے ہیں یا چھوٹے؟" اس نے پوچھا۔

نگین جواب دینے کے بجائے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائی۔ وانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا، اسے یوں حیران دیکھ کر وہ ہنس پڑی "آؤ یار میرے کمرے میں چلتے ہیں۔" انہوں نے نہ صرف ریفریشمنٹ پر بلکہ کھانے پر بھی بہت اہتمام کیا تھا۔

شام کو دادی چلنے کو تیار ہوئیں تو نگین اور ثوبیہ نے دادی کو بہت مجبور کردیا کہ وہ وانیہ کو دو تین دن ان کے پاس رہنے کی اجازت دے دیں۔ دادی بھی چونکہ مطمئن ہو چکی تھیں سو اسے وہاں چھوڑ کر خود اسد کے ساتھ واپس چلی گئیں۔ نگین اور وانیہ کی خوب گپ شپ چلتی رہی، بلکہ نگین ہی زیادہ بولتی رہی، وہ تو کسی کسی بات میں ہی حصہ لیتی رہی کیونکہ اس کی معلومات نگین جتنی بالکل نہیں تھیں۔ نگین نے مووی لگائی، اس دوران مختلف قسم کا کھانا پینا بھی چلتا رہا، عکاشہ آیا تو وہ اور ثوبیہ بھی لاؤنج میں بیٹھ کر وانیہ سے خوب باتیں وغیرہ کرتے رہے۔

رات گئے تک سب جاگتے رہے، صبح اذانوں کی آواز پر وہ اٹھ گئی تھی۔ نماز پڑھ کر وہ باہر لان میں چلی آئی، چہل قدمی کرتے وہ پھولوں کے پاس آگئی، ان پر ہاتھ پھیرتے ایک گلاب پر آکر ہاتھ ٹھہر گیا، بے اختیار اسے توڑ کر وہ لان چیئرز میں سے ایک پر آبیٹھی۔ اف صبح کا سہانا سماں ٹھنڈی، ٹھنڈی باد نسیم اور گلاب کی

خوشبو' اس نے آنکھیں بند کرکے پھول کو ناک کے قریب لا کر اس کی معطر مہک اپنے اندر اتاری اور اس خوب صورت احساس کو پوری طرح محسوس کرنے لگی۔ جاگنگ کرتا عکرمہ' اندر آتے اس پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک گیا تھا' بے حد سفید شفاف رنگت' بھورے بال چہرے کے اطراف لپٹی ہوئی لٹیں' چھوٹی سی ستواں ناک' خوب صورت کٹاؤ والے سرخ چیری جیسے ہونٹ اور بے حد گھنی سیاہ پلکوں والی آنکھیں بند کیے وہ اپسرا گلابی لباس میں اس روشن ہوتی صبح کو کچھ اور خوب صورت بناتی' کسی کو بھی حواسوں سے بیگانہ کرسکتی تھی' گلاب کے پھول کو پھر سے ناک تک لا کر سونگھا اور گہری سانس لیتے ہوئے آنکھیں کھول دیں' اس سے پہلے کہ وہ اسے دیکھ پاتی' وہ تیزی سے اندر چلا گیا تھا وانیہ نے آنکھیں کھولتے ہی اس کی پشت دیکھی تو ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ اسے چائے کی طلب ہو رہی تھی' چائے بنانے کے لیے کچن میں آئی تو عابد (خانساماں) کو دیکھ کر رک گئی' اس کی موجودگی میں اندر جانا مناسب نہیں لگا تھا۔

"کچھ چاہیے بی بی؟" اس نے استفسار کیا۔

"جی چائے کا ایک کپ۔"

"آپ کیسی چائے پینا پسند کرتی ہیں۔"

وانیہ نے اسے بتایا اور خود ٹی وی لاؤنج میں آگئی' جتنی دیر میں وہ ٹی وی آن کرکے بیٹھی' عابد اس کے لیے چائے اور مکھن لگے سلائس لے آیا تھا۔

"واہ وانیہ بی بی واہ' کیا عیش ہیں' آج آپ بھی بیگم صاحبہ بن کر ٹھاٹھ سے ناشتا کرو۔" وہ خود سے مخاطب ناشتے میں مگن ہوگئی۔ کتنا مزا آرہا تھا یوں بے فکری سے ناشتا کرتے' ٹی وی دیکھتے' واہ۔

"گڈ مارننگ سیس۔" وانیہ نے چونک کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا' عکاشہ مسکراتے ہوئے اسے وش کرتا ہوا نیچے آرہا تھا۔ وہ احتراماً" کھڑی ہوگئی۔

"گڈ مارننگ بھائی۔" وہ پیار سے اس کے سر پر چپت لگاتا ڈائننگ کی طرف چلا گیا' وہ بیٹھنے لگی تھی کہ اس کی نظر سیڑھیاں اترتے عکرمہ پر پڑی' نہا دھو کر پستئی کلر کے سوٹ میں' ملبوس' نکھرا ستھرا' خوشبوئیں بکھیرتا ہوا' ایک ہاتھ میں چھوٹا سا بیگ اور دوسرے ہاتھ میں فون اور چابیاں' بے نیازی سے اس کے قریب سے گزر کر ڈائننگ ٹیبل کی طرف چلا گیا' لاؤنج کے ایک کونے میں ڈائننگ ٹیبل سیٹ تھی' وہ وہیں بیٹھ گیا اور وانیہ؟ وہ تو جیسے مسمرائز کھڑی تھی جیسے کیا طلسم پڑھ گیا تھا وہ اس پر' وہ گم صم کھڑی تھی کہ عکاشہ نے آواز دی۔

"وانیہ آؤ گڑیا ناشتا کرو۔"

"میں نے کرلیا بھائی۔" اس کی مری مری سی آواز نکلی۔

"اچھا آؤ نا' ہمیں جوائن تو کرو۔" اس کے اصرار پر وہ اٹھ کر وہاں آگئی۔ عکاشہ نے مسکراتے ہوئے اس کے لیے اپنے برابر والی کرسی کھینچی وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر بیٹھ گئی۔

"تو میری بہنا صبح صبح اٹھ جاتی ہے۔"

"جی۔" وہ مسکرائی' وہ شعوری کوشش سے صرف عکاشہ کو دیکھ رہی تھی۔ "آپ بھی تو اتنی صبح اٹھ گئے ہیں۔"

"میں کہاں اٹھا ہوں' اس ہلاکو نے جگایا ہے مجھے۔ خود تو نماز پڑھ کر جاگنگ کے لیے چلا جاتا ہے اور آکر تیار بھی ہوجاتا ہے' مجھے ابھی تیار ہونا ہے۔"

"تایا ابو کہاں ہیں؟"

"وہ دو دن کے لیے اسلام آباد گئے ہوئے ہیں' آج آجائیں گے۔" عکاشہ نے باتوں کے دوران ابلا ہوا انڈہ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"اونہوں کھاؤ۔" اس نے مجبوراً" پلیٹ اپنی طرف کھسکائی۔

"گگی اور مما تو کافی دیر سے اٹھیں گی تم بور نہ ہوجاؤ' اس لیے کوشش کرو کہ تم بھی سوجاؤ۔"

"آپ آنٹی کو مما کہتے ہیں؟"

"ہیں؟" وہ سٹپٹایا "ہاں وہ عادت ہی ہوگئی ہے۔" کہتے کے ساتھ ہی اٹھ بھی گیا۔ "میں چینج کرکے آتا ہوں۔" وہ اوپر چلا گیا۔ وانیہ نے کنکھیوں سے ہلاکو

خان کو دیکھا۔ وہ بے نیازی سے ناشتے میں مگن تھا' جوس سینڈوچز اور ابلے انڈے' ساتھ ساتھ اپنے فون پر انگوٹھے سے اوپر' نیچے اسکرو کرتے ہوئے کچھ دیکھ رہا تھا' وہ بھی بمشکل انڈے کو حلق سے اتارنے لگی' اٹھنا بھی غیر اخلاقی سا لگ رہا تھا' اتنے میں عکاشہ بھی بلو سوٹ میں نیچے آگیا۔

"اچھا گڑیا' اب ان شاء اللہ شام میں ملیں گے' گڈ بائے۔"

"گڈ بائے۔" وہ مسکرائی تو جیسے کلیاں چٹک گئیں' اچٹتی سی نظر پڑی تھی عکرمہ کی مگر اسے پلٹنا بڑا مشکل ثابت ہوا تھا' عین اسی لمحے وانیہ نے بھی اسے دیکھا تھا اور اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہو گئیں۔ ہرچند کہ عکرمہ نے فوراً" نظر پھیرلی تھی مگر وانیہ گھبرا گئی تھی۔ دونوں کی نظر عکاشہ کی طرف نہیں گئی تھی جس کے ہونٹوں پر ایک شریر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

نگین اسے خوب گھمانے پھرانے کے بعد شاپنگ کے لیے لائی تھی' اس کے منع کرنے کے باوجود بھی کئی سوٹ' جوتے ہینڈ بیگز اور جیولری دلوائی تھی۔ اب فوڈ کورٹ میں بیٹھی رونا رو رہی تھی۔

"یار تمہیں تو کتنا مزا آتا ہوگا نا اتنے کزنز میں رہتے ہوئے' ایک میں ہوں' سارا دن یا تو آنٹی ہوتی ہیں یا میں' یونی کی بھی چھٹیاں چل رہی ہیں' یہ دونوں بھائی آفس چلے جاتے ہیں' اب بندہ کتنا ٹی وی دیکھے یا فیس بک کو انجوائے کرے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی۔

شام کو حذیفہ آگئے' کتنی ہی دیر وانیہ کو سینے سے لگائے رکھا' ان کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"میری بیٹی' میری گڑیا۔" وہ ان کے سینے سے لگی ان کی خوشبو میں اسامہ کی خوشبو کو محسوس کرتی رہی' اسے بالکل نہیں لگا کہ وہ انہیں پہلی بار دیکھ رہی ہے' پہلی بار مل رہی ہے۔ وہ اسے لیے صوفے پر آبیٹھے۔

"آپ مجھ سے پہلے کیوں نہیں ملنے آئے؟" اس نے شکوہ کیا۔

"پہلے ہم یہاں نہیں تھے' ابوظہبی میں تھے' پھر میں نے سیٹ ہونے کے بعد یعنی یہاں آکر سیٹ ہو کر تم سے ملنے کی کوشش کی' تو تمہارے ماموؤں کا رویہ بہت سرد تھا' انہوں نے مجھے کوئی صحیح رسپانس نہیں دیا' انہوں نے نہ تمہیں مجھ سے ملوایا نہ ہی تمہیں میرے متعلق کچھ بتایا' مگر میں اپنے خون کو کیسے چھوڑ دیتا' میرے بھائی کی ایک اکلوتی نشانی ہو تم۔"

"نہیں ایک تو نہیں' عکاشہ بھائی بھی تو ہیں نا۔"

"عکاشہ؟ کیا ہے عکاشہ؟" انہیں سمجھ میں نہیں آئی وانیہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"میرے بھائی ہیں نا وہ' میرے پاپا کے بیٹے' پاپا نے دو شادیاں کی تھیں نا آپ کو نہیں پتا؟"

"یہ کیا بکواس ہے' کس نے یہ مذاق کیا ہے؟" وہ اس سے زیادہ حیران تھے۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔

"بکواس' مذاق؟"

"تمہیں کس نے بتایا کہ عکاشہ' اسامہ کا بیٹا ہے؟" اب شاید انہیں کچھ محسوس ہوا تھا۔

"خود عکاشہ بھائی نے' انہوں نے کہا کہ وہ میرے سوتیلے بھائی ہیں' ان کی مما میرے پاپا کی پہلی بیوی ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" وہ بڑبڑا کر رہ گئے "اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی بہت شریر ہو گیا ہے یہ۔"

"تو وہ میرے بھائی نہیں ہیں؟" صدمے سے اس کی آواز ہی بیٹھ گئی تھی۔

"کیوں نہیں ہے' بالکل ہے مگر اس طرح نہیں جیسے اس نے بتایا ہے' عکاشہ اور عکرمہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔"

"آپ کے بیٹے" اسے چکر آنے لگے "یعنی وہ دونوں سگے بھائی ہیں اور میرے کزن۔"

"ثوبیہ' ثوبیہ۔۔۔" انہوں نے زور سے آواز دی۔

"جی یہ چائے لا رہی تھی آپ کے لیے۔" وہ ٹرالی دھکیلتی ہوئیں آئی تھیں۔

"یہ عکاشہ کیا کہہ کرلایا ہے اسے۔" انہوں نے کڑی نظر توبیہ پرڈالی تھی۔

"اسی سے پوچھیے گا' میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ وہ توان سے زیادہ خفا تھیں "پتا نہیں یہ ڈرامے کرنے کا کیا شوق ہوا ہے اس کو۔"

حذیفہ نے وانیہ کی طرف دیکھا' وہ تو حیرت و صدمے سے گم صم بیٹھی تھی' جس بھائی کا مان کرکے وہ یہاں تک آئی تھی' وہ تو بھائی ہی نہیں تھا' اور بہت سارے کزنز کی طرح ایک کزن' تایا زاد بھائی' اس کے نصیب میں تنہا رہنا لکھا تھا' وہ تنہا ہی تھی' اسے پہلے کب خوشیاں راس آئی تھیں جو اب آتیں' وہ انہی دکھ بھری سوچوں میں الجھی ہوئی تھی اور حذیفہ نے فون کرکے عکاشہ کو گھر بلایا تھا۔ جب تک وہ آیا' نگین بھی آچکی تھی' لاؤنج میں داخل ہوتے ہی معاملے کی نوعیت اس کی سمجھ میں آگئی تھی اداس' غم زدہ وانیہ' نگین کا مسکراتا چہرہ' آنکھوں کی شریر چمک' ممی کا ناراض اور ڈیڈ کا قہربان انداز' وہ محتاط ہو کر آگے آیا تھا۔

"السلام علیکم ڈیڈ۔"

"کون ڈیڈ؟ میں تمہارا تایا نہیں ہوں!"

یہ سوال نہیں تھا' اطلاع تھی کہ مجھے سب معلوم ہوگیا ہے' عکاشہ نے چور نظروں سے وانیہ کو دیکھا جو ہنوز صم بکم کی عملی تصویر بنی بیٹھی تھی۔ وہ آگے آیا۔

"پلیز ڈیڈ' پوری بات تو سن لیں کہ ہوا کیا ہے' آپ تو یونہی غصہ ہو رہے ہیں۔"

"اچھا تو پھر یہ جھوٹ بولنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تمہیں' ویسے کیا وہ لوگ تمہیں وانیہ سے نہیں ملنے دیتے یا اسے یہاں نہ آنے دیتے' آخر اس کے تایا کے بیٹے ہو تم۔"

"وہ سچ مچ نہ ملنے' دیتے نہ ہی یہاں آنے دیتے' اسی لیے میں نے یہ بے ضرر سا جھوٹ بول دیا تو اس سے کیا فرق پڑا۔"

"میرے مرحوم بھائی پر دوسری شادی کا بے بنیاد الزام لگا کر کہتے ہو کیا فرق پڑا؟" وہ دھاڑے تھے۔

"تو انکل سے روز قیامت' معافی مانگ لوں گا۔"

"روز قیامت تک کے معاملات کا تو سوچ لیا اور جو زمانہ حال کے معاملات درپیش ہیں ان کے بارے میں کیا فرمانا پسند کریں گے آپ؟"

"میں کلیئر کرلوں گا سب کو' یہ میرا ذمہ ہے' دادی سے' انکلز سے' سب سے بات کرلوں گا اور وانیہ سے بھی میں خود ایکسکیوز کرلوں گا' یہ تو میری پیاری سی بہنا ہے نا۔" اس نے وانیہ کے پاس بیٹھ کر اس کے کندھوں کے گرد بازو پھیلایا۔

"ہے نا وانیہ؟" وانیہ نے اس کی طرف دیکھا' وہ مسکرا رہا تھا محبت اپنائیت' خلوص' ہر رنگ تھا اس کی آنکھوں میں' وہ بھی ہلکا سا مسکرادی۔

"ڈن۔" اس نے انگوٹھا کھڑا کیا۔

"تمہارا دل صاف ہو گیا ہے وانیہ اس نالائق کی طرف سے۔" حذیفہ کے پوچھنے پر وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی مسکرائی۔

"چلو پھر میں نے بھی اسے معاف کیا ورنہ میرا ارادہ کچھ اور تھا۔" انہوں نے ایک بار پھر عکاشہ کو کڑی نظر سے دیکھا اور اٹھ گئے "میں ذرا فریش ہو کر آتا ہوں۔"

"تبھی تو مجھے عکرمہ کا دوسرا بھائی نظر ہی نہیں آیا۔" وانیہ نے حیرت و افسوس سے کہا۔

"عکرمہ کے آگے کوئی اور نظر آ بھی نہیں سکتا۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا تھا' اب سیدھا بیٹھ کر چائے پی رہا تھا۔ وانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"جی؟"

"اوہوں' یہ بسکٹ کھاؤ' بڑے مزے کے ہیں۔" اس نے پلیٹ وانیہ کے آگے کی' اس نے ایک بسکٹ اٹھالیا۔ نگین چہکی تھی۔

"بچ گئے بچو آج۔"

"اچھا بڑی خوشی ہو رہی ہے میرے بچنے کی۔"

"ہونہہ' خوش فہمی۔" اس نے چڑایا۔

"لوگ خوش فہمی میں مبتلا کرتے ہیں تو ہوتی ہے نا۔"

"پتا نہیں کون بے وقوف لوگ ہیں جو یہ کام کرتے

ہیں۔" نگین نے لاپروائی سے بات اڑانا چاہی۔

"اپنے آپ کو بے وقوف کہنے والی آپ دنیا کی واحد خاتون ہیں۔" آگے بھی عکاشہ تھا۔ وانیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی' ان دونوں کی نوک جھونک نے ماحول ہی بدل دیا تھا۔

✡ ✡ ✡

"بھائی آج میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟" بڑی ہمت کر کے اس نے باہر جاتے عکرمہ کو مخاطب کیا تھا اور اسے جیسے کرنٹ لگا تھا' ایسے وہ پلٹا تھا' آنکھیں سکیڑ کر یوں اچنبھے سے اسے دیکھا جیسے یقین نہ آرہا ہو کہ اسی نے اسے بھائی کہا ہے۔

"یہ آپ نے بھائی کسے کہا ہے' مجھے؟" اپنی طرف اشارہ کیا۔

"جی' وہ' میں...." وانیہ کا تو گلا ہی خشک ہو گیا۔

"وہ جو ایک بھائی بنا ہوا ہے' وہ کافی نہیں ہے' اسے ہی بھائی سمجھیں اور بھائی پکاریں' میں کسی بھی طرح آپ کا بھائی نہیں ہوں۔" اس کا لہجہ نہ سخت تھا نہ تلخ' پھر بھی پتا نہیں کیوں وہ ہرٹ ہوئی تھی' اپنی کیفیت چھپانے کے لیے مڑنے لگی تو اس نے پکارا۔

"آئیں چلیں۔" اب خود سے اسے کہہ کر منع کیسے کرتی' سو جیسے تیسے اس کے پیچھے پیچھے چل ہی پڑی۔

"اس طرح تو میرا آفس ٹائم نکل جائے گا۔" وہ ہلکی سی آواز میں بڑبڑایا تھا' وانیہ مارے شرمندگی کے تیز تیز چلنے لگی تھی۔ تقریباً دس منٹس کے فاصلے پر پارک تھا۔ وہ وہاں جا کر ایک بنچ پر بیٹھ گئی اور وہ ٹریک پر جاگنگ کرتا آگے چلا گیا۔ وہ چپ چاپ ادھر ادھر دیکھتی رہی' صبح کا سہانا سماں تھا' پرندے' چہکتے گنگناتے بسیط فضاؤں میں محو پرواز تھے' کچھ چڑیاں اس کے سامنے زمین پر اپنا رزق تلاش کرتی چوں چوں کر رہی تھیں' ان کی چہکار نے اسے ان کی طرف متوجہ کیا تھا' وہ دلچسپی سے انہیں دیکھنے لگی' وہ تو اس سے تھوڑی سی بے تکلفی حاصل کرنے کے لیے اس

کے ساتھ آئی تھی۔ اور اس نے پہلی بات کا ہی ایسا جواب دیا تھا کہ وہ ٹھنڈی ہو گئی تھی' دوبارہ وہ اس کے سامنے سے جاگنگ کرتا گزرا تھا۔ تیسری بار میں اس کے قریب چلا آیا۔

"آئیں' چلتے ہیں۔" وہ اٹھ کر چل پڑی' اس بار عکرمہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ وہ جو اس سے فرینک نیس کے لیے آئی تھی تو اب یوں لگ رہا تھا' خواہ مخواہ مشقت ہی کی صبح ہی صبح' وہ تو اسی طرح تھا ٹھس کا ٹھس' کیا مجال کہ منہ سے کچھ پھوٹ جائے' اتنے میں اس کی کال آنے لگی' اس نے ٹراؤزر کی پاکٹ میں سے فون نکالا۔

"ہاں' ہوں.... مارننگ یار.... بس واپس آ رہا ہوں۔ ہاں ہے' ہاہاہا۔" وانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ بھی ہنس سکتا ہے اس طرح' پتا نہیں کون خوش نصیب ہے' جسے یہ شرف بخشا گیا ہے۔

"نو ڈاؤٹ یار۔ اچھا پھر بعد میں او کے۔"

"آپ کی چائے لیٹ ہو گئی۔" اب وانیہ سے مخاطب ہوا۔ وہ تو مارے حیرت کے سکتے میں رہ گئی تھی۔

"نہیں' کوئی خاص دیر تو نہیں ہوئی' پی لوں گی۔"

"آج جوس پی لیں میرے ساتھ۔"

اس کی آفر پر وہ بے ہوش ہوتے ہوتے رہ گئی۔ عکرمہ اور اس سے یوں مخاطب حالانکہ وہ اس سے تھوڑی سی فری ہونے کے لیے ہی ساتھ آئی تھی اور اب جب وہ بات کر رہا تھا تو بھی اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی اندر لاؤنج میں داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹک گئی' نگین سامنے ہی بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ ان پر نظر پڑتے ہی چہکی تھی۔

"اوہ بیوٹی فل کپل۔" وانیہ نے سٹپٹا کر پہلے اسے پھر عکرمہ کو دیکھا' وہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کھڑے کر کے "چیئرز" کا اشارہ کرتا اوپر چلا گیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" وانیہ اس کے پاس آ کر دھیمے سے غرائی تھی۔

"کیا ہو گیا یار تعریف کی ہے تم دونوں کی۔" اس

نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔
"اور کن معنوں میں کی ہے' شرم تو نہیں آتی بھائی ہیں وہ میرے۔" وہ ناراضی سے کہتی اس کے پاس بیٹھ گئی۔
"خیر اب سب تو تمہارے بھائی نہیں ہو سکتے' ایک بن گیا ہے نا' وہی کافی ہے۔" نگین نے منہ بنایا۔
"ہیں؟" وہی عکرمہ والا جواب' وہ حیران سی اسے دیکھنے لگی۔ "تم اس وقت کیسے اٹھ گئیں۔"
"یار نماز کے لیے تو اٹھتی ہی ہوں' نماز پڑھ کر دوبارہ لیٹنے لگی تو عکاشہ آگیا' کہنے لگا سونا نہیں' یہ عکرمہ' وانیہ کو لے کر غائب ہو گیا ہے وہ بھی صبح صبح' او ذرا پتا تو لگائیں' کہاں چلے گئے ہیں دونوں۔ پھر رومی کو فون کیا تو پتا چلا کہ پارک میں ہیں' تسلی ہوئی۔" وانیہ کے تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔
"کیا؟ بھائی بھی اٹھے ہوئے ہیں؟"
"جی' بالکل اٹھے ہوئے ہیں' ابھی یہیں میرا سر کھانے میں مصروف تھے' تم دونوں کو آتے دیکھا تو اوپر گئے ہیں تیار ہونے۔" وانیہ کا چہرہ سرخ ہو گیا' یہ دونوں آخر کیا سمجھ کر غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔
"میں تو یونہی ساتھ چلی گئی' میں نے سوچا صبح صبح ــــ"
"آؤ' ٹیبل پر چلتے ہیں' یہ دونوں بھی آنے والے ہیں۔" نگین ایک دم یوں اٹھی کہ اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی' دونوں ابھی ڈائننگ چیئرز پر آکر بیٹھیں ہی تھیں کہ وہ دونوں خوشبو بکھیرتے چلے آئے' عکاشہ نگین کے برابر والی کرسی پر بیٹھا تو عکرمہ' وانیہ کے ساتھ' اس کی تو حالت غیر ہونے لگی' اس نے چور نظروں سے دیکھا' عکاشہ اور نگین آپس میں بات کر رہے تھے' عکرمہ نے جوس گلاس میں ڈال کر وانیہ کی طرف بڑھایا۔
"یہ لو۔" انداز تخاطب ہی بدل گیا تھا۔
"تھینکس۔" پھنسی پھنسی آواز گلے سے نکلی تھی۔
"ہیں' تم تو صبح پہلے چائے لیتی ہو نا۔" عکاشہ نے حیرت سے دیکھا۔
"میں نے کہا ہے' آج میرے ساتھ جوس پیے۔" عکرمہ آرام سے جواب دے کر خود ناشتے میں مصروف ہو گیا' وانیہ کے لیے ایک گھونٹ لینا مشکل ہو گیا۔
"یہ کیا صرف دیکھنے کے لیے لیا ہے؟" عکرمہ نے اس کی طرف قدرے ناراضی سے دیکھا' وہ گلاس اٹھا کر چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگی۔ صبح اسے چائے پینے کی اتنی پختہ عادت ہو چکی تھی کہ جوس اس کے حلق سے نیچے نہیں اتر رہا تھا۔
"صرف جوس؟ یہ سلائس اور انڈہ بھی لو نا۔" اس بار نگین نے ٹوکا۔
"نہیں بس میں جوس لوں گی۔" عکرمہ نے سلائس کا اور انڈے کا پیس فورک میں پرویا اور وانیہ کے منہ کے پاس لے آیا۔
"کھاؤ۔" وہ گھبرا کر پیچھے ہوئی۔
"نہیں' مجھے نہیں کھانا۔"
"میں کہہ رہا ہوں نا' منہ کھولو۔" ہلکی سی ڈپٹ' آنکھوں میں نجانے کیسا تاثر' وانیہ نے بڑی مشکل سے تھوڑا سا ٹکڑا لیا تھا' عکرمہ نے اس کا بچا ہوا لقمہ اطمینان سے اپنے منہ میں رکھ لیا۔
"تم کچھ زیادہ ہی فرینک نہیں ہو رہے ہو۔" نگین نے عکرمہ کو گھورنے کی کوشش کی' ہاں صرف کوشش ورنہ اس کی مسکراتی آواز اس کوشش کا ہرگز ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ وانیہ سے تو کسی کی طرف دیکھا بھی نہیں گیا۔
"کیوں بے تکلف ہونے کے لیے کیا کوئی اجازت نامہ لینا پڑے گا۔" عکرمہ نے بھنویں اچکائیں۔
"بالکل' بڑوں سے باقاعدہ اجازت لی جاتی ہے۔"
"وہ تو کب کی مل چکی۔" وہ اسی طرح ناشتا کرتا رہا۔
"بندہ ہو تو عکرمہ بن حذیفہ جیسا۔" عکاشہ نے بے اختیار سراہا۔ "دو دن میں یہاں تک پہنچ گیا اور ایک میں ہوں' جیسے ہاتھ پکڑنے کے لیے بھی اجازت لینی پڑتی ہے۔" نگین نے اسے گھورا۔
"تو ــــ ان کا نکاح ہو چکا ہے' ہمارا نہیں۔" وانیہ تو

ساری شرم اور گھبراہٹ بھول کر ہکا بکا رہ گئی۔
"کس کا نکاح، کن دونوں کا نکاح؟"
"تم دونوں کا یعنی تمہارا اور رومی کا نکاح، بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔" نگین نے اتنے آرام سے کہا جیسے کوئی بہت عام سی بات ہو اور وانیہ؟ اس کے اعصاب پر تو جیسے بم پھاڑ دیا تھا اس نے، منہ تو کھلا ہوا تھا ہی، آنکھیں اتنی پھیل گئی تھیں کہ مزید کی گنجائش نہیں رہی تھی۔
"یہ یہ تم کیا۔"
"ہاں نا، صحیح بتا رہی ہوں، یہ مسٹر تمہارے ہسبینڈ ہوتے ہیں۔" اس نے ہاتھ سے عکرمہ کی طرف اشارہ کیا، وہ ناشتے میں یوں مگن تھا جیسے کسی بات سے کوئی فرق ہی نہ پڑ رہا ہو اسے۔
"مجھے یقین نہیں آ رہا۔" وانیہ نے نفی میں سر ہلایا۔
"چلو رومی تم اسے یقین دلاؤ میں کاشی کے ساتھ جا رہی ہوں، یہ مجھے یونی چھوڑتا ہوا آفس چلا جائے گا۔"
وہ اندر اپنا ہینڈ بیگ وغیرہ لینے چلی گئی، تیار تو پہلے ہی تھی۔
وہ دونوں چلے گئے اور وہ اسی بے یقینی میں مبتلا بیٹھی تھی کہ عکرمہ کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔
"آؤ۔"
"کہاں؟" وہ چونک کر کھڑی ہو گئی۔
"اوپر میرے کمرے میں۔" وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔
"کیوں۔" وہ بدک کر پیچھے ہوئی، بڑی مشکل سے عکرمہ نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کا گلا گھونٹا تھا۔
"کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"
"یہیں کر لیں۔"
"یہاں کرنے کی نہیں ہیں۔"
"میں نہیں جاؤں گی۔" وانیہ کی تو حالت خراب ہو گئی۔
"تو میں اٹھا کر لے جاتا ہوں۔" وہ اس کی طرف بڑھا، وہ ہلکی سی چیخ مار کر پیچھے ہٹی تھی۔
"نہیں۔"
"تو چلو۔" اس نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔
وانیہ کی تو مارے گھبراہٹ کے ٹانگیں کانپ رہی تھیں دل الگ دھڑک رہا تھا۔ عکرمہ نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا، بہت خوب صورت فرنشڈ کمرہ، وہ جلدی سے سائیڈ میں پڑے صوفے پر بیٹھ گئی، ورنہ اسے لگ رہا تھا کہ وہ گر جائے گی، وہ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ وانیہ سمٹ سی گئی، دل تو اب باقاعدہ ڈھول کی طرح بجنے لگا تھا۔ اس کی اڑی ہوئی رنگت گود میں رکھے کپکپاتے ہاتھ، عکرمہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔
"کیوں اتنا گھبرا رہی ہو یار، میں تمہیں کھا تو نہیں جاؤں گا۔" پر وہ تو کانپنے لگ گئی تھی۔ وانیہ خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی، کچھ نارمل ہوئی تو وہ اس کے پاس آ بیٹھا۔
"اپنا ہاتھ دو مجھے۔" وانیہ نے اپنا ہاتھ سامنے کیا، عکرمہ نے اپنے بائیں ہاتھ میں اسے تھاما اور ایک بہت خوب صورت انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا دی، کچھ دیر دیکھتا رہا اس کا ٹھنڈا یخ ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا۔
"میں تو سوچ رہا تھا لنچ کہیں باہر کرنے کے لیے پر تمہاری حالت دیکھ کر تو لگ رہا ہے، تم بے ہوش ہی نہ ہو جاؤ اس لیے ابھی یہ آئیڈیا تو ڈراپ کر دیتا ہوں، تم فی الحال آرام سے ہمارے رشتے کے لیے سوچو اور جب ریلیکس فیل کرو تو پھر چلیں گے، ہوں۔"
"میں جاؤں؟" وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا، وہ مزید گھبرا رہی تھی۔
"اوکے جاؤ۔" پھر اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں اترنے لگا۔
"گر تو نہیں جاؤ گی۔" اس کی نظر اس کی بے ترتیب چال پر تھی۔
"نہیں نہیں۔" وہ جلدی جلدی سیڑھیاں اتری۔
"اوکے بائے، شام کو ملیں گے پھر۔" وہ پیچھے سے پکارا۔ وہ شرمندہ ہو کر پلٹی۔
"اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ میری جان۔" کہہ کر باہر چلا گیا' وہ تیز تیز دھڑکتے دل کے ساتھ آکر بیڈ پر لیٹ گئی' اتنی غیر متوقع صورت حال' عکرمہ جیسے پہلی بار دیکھ کر اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی' جو اس کے دل کو ایک دم بھا گیا تھا' جس کی بے نیازی اس کے لیے باعث بے چینی تھی وہ اسے پہلی ہی نظر میں بہت اچھا لگا تھا مگر وہ کچھ روڈ سا لگتا تھا لیکن اس نے جب بھی وانیہ کی طرف دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر اسے نظر آیا تھا تو وہ اس لیے کہ وہ اس کے ساتھ اتنے مضبوط بندھن میں بندھی ہوئی تھی وہ انجان تھی تو کیا وہ تو اپنے اور اس کے مابین رشتے کو جانتا تھا نا' تبھی تو بھائی کہنے پر اسے کرنٹ لگا تھا' وانیہ کو صبح کا منظر سوچ کر ہنسی آنے لگی' آج کا عکرمہ کا اپنائیت بھرا رویہ اسے خواب کی طرح لگ رہا تھا۔ اس نے سرشاری سے آنکھیں بند کر لیں' اگر یہ خواب تھا تو اب وہ ہمیشہ کے لیے اسی خواب میں رہنا چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"تمہارا واپسی کا کب تک ارادہ ہے؟"

"جی دادی بس آج شام تک میں بھائی کے ساتھ آجاؤں گی۔"

"ہاں میری بچی اب آجاؤ' میرا دل تمہارے لیے اداس ہو رہا ہے۔" دادی کی آواز میں محبت تھی۔

"جی جی دادی' آج آرہی ہوں میں ان شاء اللہ۔" وہ بات کر کے ثوبیہ آنٹی کے پاس بیٹھ گئی' وہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں' تین بجے نگین بھی آگئی' آتے ہی اس سے پوچھا۔

"کیا کہہ رہا تھا رومی؟" اس نے مسکرا کر اپنا ہاتھ آگے کیا۔

"واؤ' بیوٹی فل۔" "تو تمہیں رومی کا گفٹ' سمیت رومی کے پسند آیا ہے نا۔" وانیہ مسکرا دی' نگین نے ایک مہنگے سیل فون کا ڈبا اسے پکڑایا یہ کاشی نے دیا ہے تمہارے لیے۔"

"سب مل کر مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔"

"ارے' کن تکلفات میں پڑ رہی ہو تم' میرا اور تمہارا ایک ہی جیسا رشتہ ہے ان سے اور میں تو چھین جھپٹ کر لے لیتی ہوں' جو چاہیے ہوتا ہے۔"

"تمہارے پاپا تو زندہ سلامت ہیں نا' تم رہتی بھی یہیں ہو تو تم حق جتا سکتی ہو۔" وانیہ کے لہجے میں حسرت تھی' نگین کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"تو؟ تم نے ان تین دنوں میں ان کا مجھ سے کوئی رابطہ ہوتے دیکھا ہے' ان کے لیے میرا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ ان کی بیوی' بچے ان کے پاس موجود ہیں۔ انہیں صرف انہی کی فکر ہوتی ہے' انہی کا خیال' مجھے تو حذیفہ انکل اور ثوبیہ آنٹی نے رکھ لیا' انہوں نے شکر ادا کیا کہ ان کی اس ذمے داری سے بھی جان چھوٹی' پیرنٹس کا نہ ہونا اتنا بڑا دکھ نہیں ہے جتنا ان کے ہوتے ہوئے یتیموں جیسی زندگی گزارنا' لیکن اب میں بھی مضبوط ہو گئی ہوں' میں بھی ان کے متعلق بالکل نہیں سوچتی۔ اب یہی لوگ میرا سب کچھ ہیں' یہ چاروں کے چاروں مجھ پر اپنی بے پناہ محبتیں نچھاور کرتے ہیں تو میں کیوں افسردگی و غم کا نمونہ بنی رہوں سو میں بھی خوش رہتی ہوں اور ہمیشہ خوش رہنا چاہتی ہوں۔" پہلی بار نگین کی آنکھوں میں نمی اور آواز میں شدت جذبات سے لرزش آتے دیکھی تھی وانیہ نے' اس کے تو لب سل گئے تھے وہ تو ہمیشہ اپنے ماں باپ کے مرنے کا دکھ لیے اداس رہتی تھی اور نگین سچ مچ کتنی بہادر تھی' ہر دکھ' ہر خلش اپنے اندر چھپائے ہر وقت ہنستی' مسکراتی' چہکتی گنگناتی نظر آتی تھی' اس کی طرح اداسی کا بورڈ چسپاں کیے نہیں پھرتی تھی۔ "تم بھی یہاں آؤ گی تو بہت خوش رہو گی' یہاں ان فرشتہ صفت لوگوں میں آکر کوئی اداس ہو ہی نہیں سکتا' یہ میں تمہیں گارنٹی دیتی ہوں۔"

نگین نے خود ہی ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کے لیے مسکرا کر بات کی۔ وانیہ بھی مسکرا دی۔

"اچھا مجھے اپنا نمبر تو بتاؤ' تم سے بات ہی کر لیا کروں گی۔"

"ہاں مجھے دو یہ فون' چارجنگ پہ بھی لگا دوں اور

سب کے نمبر بھی سیو کر دوں۔"

شام سات بجے حذیفہ اور عکرمہ بھی آ گئے تھے۔ کتنی ہی دیر حذیفہ نے اسے سینے سے لگائے رکھا' پیشانی چوم کر الگ ہوتے تو آنکھوں میں نمی تھی۔

"اب جلدی آنا۔"

"جی انکل۔" وہ بھی روہانسی ہو رہی تھی۔ ثوبیہ اور نگین بھی اداس کھڑی تھیں' وہ دونوں عکاشہ کے ساتھ اسے چھوڑنے جا رہی تھیں۔

"اللہ حافظ۔" اس نے عکرمہ کو دیکھا' وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا' ہلکا سا مسکرا کر ہاتھ وانیہ کی طرف بڑھایا' اس نے گھبرا کر چور نظروں سے سب کو دیکھا' پھر بڑی مشکل سے اس سے ہاتھ ملایا' جسے اس نے بڑی گرم جوشی سے دبایا تھا۔

"او کے بائے۔" چھوڑا بھی یوں جیسے چھوڑنے کا جی نہ چاہتا ہو۔ اس بار وانیہ نے اس کی طرف نہیں دیکھا اور آگے بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ آ تو گئی تھی مگر دل لگتا تھا وہیں چھوڑ آئی تھی' حواسوں پر تو عکرمہ سوار تھا' کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا' بے دلی سی چھائی ہوئی تھی' شارمین' رامین اور سیین نے دل کھول کر اس کے تحائف دیکھے تو تعریف کی تھی۔

دادی نے اسے اپنے پاس بٹھا کر پوچھا۔

"کیسا لگا تمہیں اپنا ددھیال؟"

"بہت اچھا دادی' سب بہت اچھے ہیں۔"

"تمہاری تائی بھی بھلی عورت ہے' بہت اپنائیت سے ملی اور روز فون بھی کرتی تھی مجھے۔" وانیہ چونک گئی۔

"آنٹی آپ کو فون کرتی تھیں۔"

"ہاں بے چاری بہت شرمندہ تھی کہ عکاشہ نے اسامہ کی دوسری شادی کا جھوٹ بولا' بار بار معذرت کر رہی تھی مجھ سے۔"

"بتا دیا آپ کو آنٹی نے؟"

"ہاں اور چھوٹے والے کی تصویریں بھی دکھائیں کہ میں دیکھ' پرکھ لوں' کیونکہ اس سے تمہارا بچپن میں ہی نکاح کر دیا گیا تھا نا۔" دادی تو اسے شاک پر شاک لگا رہی تھیں' وہ جو یہ سوچ سوچ کر شل ہوئی جا رہی تھی کہ دادی کو یہ سب کیسے بتا پائے گی اور دادی کا سب سن کر نجانے کیا ری ایکشن ہو اور یہاں دادی ساری معلومات کا ذخیرہ اکٹھا کیے بیٹھی تھیں۔

"آپ کو حیرت نہیں ہوئی یہ سب سن کر۔" اس نے جھجک کر پوچھا۔

"ثانیہ اور اسامہ کا جب انتقال ہوا تو وہ پاکستان آئے ہوئے تھے' اس لیے تم ہمارے پاس رہ گئی تھیں۔ جب وہ دبئی میں تھے تو مجھ سے ثانیہ نے ذکر کیا تھا کہ وانیہ کے تایا اپنے بیٹے کے لیے وانیہ کا رشتہ مانگ رہے ہیں اور اسامہ کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہے' پھر تم دونوں کے نکاح کی اطلاع دی مگر تمہارے ماں باپ کے انتقال کے بعد یہ لوگ دبئی سے ابوظہبی شفٹ ہوئے تو کوئی رابطہ ہی نہیں کیا' نہ کوئی اتا پتا دیا کہ ہم ہی رابطہ کر لیں۔ ہم ماں بیٹے اس فکر میں ہلکان کہ تمہارا کیا بنے گا' سعید نے تو مجھ سے کہا بھی کہ اماں اگر وانیہ کا نکاح نہ کیا ہوتا ان لوگوں نے تو میں اپنے معید کے لیے لے لیتا' اب کچھ عرصہ ہوا حذیفہ نے جب زاہد اور سعید سے رابطے کی کوشش کی تو مارے غصے کے وہ اس سے صحیح نہیں ملے۔ وہ تو ان دنوں سنجیدگی سے سوچ رہے تھے کہ عدالت سے تنسیخ نکاح کا آرڈر لے کر تمہیں آزاد کروا لیں کہ یہ لوگ آ کر ملنے لگے۔"

"اف۔" وہ کانپ سی گئی' تصور میں دو خوب صورت گہری آنکھیں چلی آئیں۔ جن میں اس کے لیے بڑے خوب صورت جذبات ہوتے تھے۔ وہ سارے دن میں اسے بار بار ٹیکسٹ کرتا تھا' بڑے خوب صورت جملے اظہار محبت کے حسین استعارے' تشبیہات' روز رات کو اس کا میسج آتا "مے آئی کال یو" اور وہ "نو" لکھ دیتی' اسے اس سے بات کرتے ہوئے بہت گھبراہٹ ہوتی تھی۔ پر آج وہ ہلکی پھلکی ہو

چکی تھی سو رات کو جب اس کا "مے آئی کال یو" کا میسج آیا تو اس نے یس لکھ کر ریپلائی کر دیا۔ "واؤ!" اس نے فوراً "ٹیکسٹ کیا اور ابھی وہ ٹیکسٹ پڑھ ہی رہی تھی کہ اس کی کال آنا شروع ہو گئی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام' کیسی ہو وانیہ؟"

"جی ٹھیک اور آپ کیسے ہیں؟"

"فائن مجھے تم سے کچھ اہم بات کرنی ہے۔"

"جی۔" وہ "سنبھلی" فرمائیں۔"

"تمہیں میں کیسا لگا۔"

"اب کیا فائدہ پوچھنے کا۔" اسے بھی شرارت سوجھی۔

"نہیں' بہت فائدہ ہے' اگر میں تمہیں اچھا نہیں لگا تو کوئی تمہیں میرے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کرے گا۔" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"نہیں ایسی تو بات نہیں۔" اس کی سنجیدگی محسوس کر کے وہ گھبرا گئی۔

"پھر کیسی بات ہے؟" وہ ابھی بھی اتنا ہی سنجیدہ تھا۔

"جی وہ۔" اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے۔

"کیا وہ' سمپلی بتاؤ کہ میں تمہیں پسند آیا کہ نہیں؟"

"جی' اچھے ہیں۔" بمشکل وہ کہہ پائی۔

"کون اچھے ہیں؟" اب وہ اسے ستا رہا تھا۔

"آپ۔" کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ پھر وہ کال کرتا رہا اس نے نہیں اٹھایا۔ اسے ڈر تھا کہ جس نے اسٹارٹ ہی ایسا لیا ہے۔ وہ آگے کیسی باتیں کرے گا' اسی وقت اس نے ایک نظم بھیجی بلکہ چند اشعار تھے۔

اگر یہ کہہ دو بغیر میرے نہیں گزارہ ' تو میں تمہارا
یا اس پہ مبنی کوئی تاثر ' کوئی اشارہ ' تو میں تمہارا
غرور پرور' انا کا مالک ' کچھ اس طرح کے ہیں نام میرے
مگر قسم سے جو تم نے اک بھی دفعہ پکارا تو میں تمہارا

وانیہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلتی گئی' بہت ہی حسب حال شاعری تھی' وہ ایسا ہی تو تھا۔

☆ ☆ ☆

ولید اور سبین کا رشتہ تو کب سے طے تھا' شاہین کا ان کی خالہ کے بیٹے سے' معاذ نام تھا اس کا اور رامین کا اسد سے' اب وانیہ کا معاملہ بھی کلیئر ہو گیا اور حذیفہ اور ثوبیہ ان کے پاس آئے تھے۔ شادی کی اجازت لینے' یعنی دن طے کرنے کے لیے۔ پھر انہوں نے عکاشہ اور نگین کی بھی ساتھ ہی شادی رکھنی تھی۔ چار چار شادیاں' اف ایک دم ہلچل ہی مچ گئی تھی' اسے تو ادھر سے بھی گھسیٹا جاتا اور ادھر سے نگین آجاتی لینے کے لیے' وہ تو چکرا ہی گئی تھی۔

"بابا خود کر لو میری بھی شاپنگ' مجھ سے نہیں ہو رہی' تھک گئی ہوں۔" اس نے رامین کے سامنے ہاتھ باندھے۔

"ہم تو نہیں تھکتے نا' تم ہی نازک بی بی ہو' ہم سے اپنی نہیں ہوتی' تمہاری کون کرے۔" اس نے صفا چٹ جواب دے دیا تھا۔

"یار تمہارا ہسبینڈ تو قسم سے بہت زبردست ہے۔"

"ریئلی ہینڈسم۔" عکرمہ ماموؤں سے ملنے کے لیے آیا تو اسے دیکھ کر آنے کے بعد وہ سب اس پر تبصرہ کر رہی تھیں۔ وہ مسکرا دی' پھر یہ مسکراہٹ اس وقت اڑنچھو ہو گئی جب پتا چلا کہ اسے اس کے ساتھ برائیڈل ڈریس پسند کرنے جانا ہے۔

"مگر میں کیسے' آج تو نگین بھی نہیں ہے۔" وہ بے چارگی سے بولی مگر سنتا کون؟ مر مر کر وہ اس کے ساتھ کار میں بیٹھی تھی۔

"نگین کیوں نہیں آئی؟"

"اسی سے پوچھنا' ویسے اسے اپنے بھی کئی کام ہیں اب وہ ہر وقت تمہارے لیے ہی تو نہیں بھاگ دوڑ کر سکتی۔"

"ہونہہ۔" دل ہی جل کر خاک ہو گیا' وہ ناراضی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"میں جو ہوں حاضر جان و دل سے۔" عکرمہ نے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما' وانیہ کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ نے چھب دکھلائی تھی۔ ثوبیہ آنٹی

نے ڈیزائنو سے اس کے اور نگین کے ایک جیسے برائیڈل ڈریسز تیار کرنے کا کہا تھا' اسے صرف کلر کا انتخاب کرنا تھا۔

"تمہیں ہمارے نکاح کا کچھ علم نہیں تھا کچھ یاد بھی نہیں تھا۔" عکرمہ اسے ایک ریسٹورنٹ لے آیا تھا اور اب کھانے سے انصاف کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اس نے نفی میں سرہلایا۔

"مجھے تو سب یاد ہے' اچھی طرح اور ممی بھی برین واشنگ کرتی رہیں کہ خبردار کسی لڑکی کی طرف نہیں دیکھنا' تم کسی کی امانت ہو۔" وانیہ نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے چاولوں کا چمچ بھر کر منہ میں رکھا۔

"میں تو اس چھوٹی سی گڑیا کے عشق میں ہی گرفتار رہتا کہ پھر اسے حسن و رعنائی کا مجسمہ بنے دیکھ لیا اور ..." وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا' وانیہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"ہونہہ جھوٹ' کبھی دیکھتے تو تھے نہیں۔" عکرمہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"اوہ' تو یہ شکایت ہے' محترمہ 'نگین اور عکاشہ نے تمہاری آمد سے پہلے میرا ناطقہ بند کیا ہوا تھا کہ وانیہ آئی اور تمہاری طرف سے کوئی اوچھی حرکت ہوئی تو دیکھنا' تم نے بلاوجہ اس کی طرف دیکھنا بھی نہیں ہے' فری بھی نہیں ہونا یہ نا ہو کہ وہ گھبرا جائے' ورنہ مجھے تو اپنی بیگم کو ہر پل دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا پر ان دونوں کی سخت ترین ہدایات' لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ تم میرے نہ دیکھنے پر ناراض ہو جاؤ گی تو میں تمہیں اپنے کمرے میں ہی...."

"بس... بدتمیزی نہیں۔" اس نے گھبرا کر ٹوکا' اس کا کیا پتا تھا' ابھی اور کیا کیا کہہ جاتا۔ پہلے ہی اس کی حالت اندر سے پتلی ہو رہی تھی' عکرمہ کی والہانہ نگاہیں اسے ڈسٹرب کر رہی تھیں۔

"بدتمیزی نہیں محترمہ اسے عشق کہتے ہیں۔" اس نے رسان سے تصحیح کی "اور جن کے انتظار میں دیدہ دل فرش راہ کیے بیٹھے تھے خود پر ضبط کے بندھن باندھ باندھ کر تھک گئے وہ محترمہ ہمیں بھی بھائی کہنے پر تل گئیں۔ سارے رومانوی جذبات کا بیڑہ ہی غرق کر دیا تھا تم نے اس صبح' ویسے بہت مزا آیا تھا اس دن' شادی کے بعد بھی یونہی صبح صبح میرے ساتھ جاگنگ پر چلو گی نا۔"

وانیہ نے شرم سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ سر جھکا لیا۔ خوشیاں اردگرد پریوں کی طرح رقص کر رہی تھیں خوشیوں کی رنگ برنگی تتلیاں اردگرد اڑتی پھر رہی تھیں۔

تمام عمر اسی کے خیال میں گزاری فراز
میرا خیال جسے عمر بھر نہیں آیا

عکرمہ نے اسے مسکراتے دیکھ کر آہ بھری اور شعر داغا' وہ اس بار کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

سالگرہ نمبر

مصباح علی

برگِ اُمیدِ وفا

مکمل ناول

"یہ تم اس لڑکی سے کیا کہہ رہے تھے؟" ارحم نے رامیس کو گھورا۔
"یار! میں اسے بتا رہا تھا کہ میں دل کی تمام دھڑکنوں سے..." وہ دل پر ہاتھ رکھتا' آواز کو جذبات میں ڈھالتا اداکاری کرنے لگا۔
"جو نیل کے ساحل سے گہری' پربت کے کہساروں سے بلند' صحارا ریگستان سے طویل..."
"بکواس نہیں کرو' سیدھی طرح بتاؤ۔" افق ذکران کے ڈپٹنے پر یک مشت بولا۔
محبت ہے اس سے۔
"اچھا..." سب نے مشترکہ کہا "اور کب ہوا یہ الہام۔"
"یار ابھی... دو گھنٹے پہلے۔"
"اور یہ تمہاری کتنوی محبت ہے؟ رامیس انتہائی بھولا منہ بنائے انگشت ہونٹوں پر بجاتے شمار کرنے لگا تھا۔
"ام م... رانی' شازل' رویا' فرح... یہی کوئی پندرہویں..." اس کی طویل گنتی پر تینوں لڑکوں نے مکوں کی بارش کی اور لڑکیوں کا قہقہہ گونج اٹھا۔

☼ ☼ ☼

گلابی اسکارف کے ہالے میں دمکتا پرنور چہرہ' وہی سیاہ غزالی آنکھیں' خوب صورت کراکڑی کھڑی ناک' مسکان رچائے ریشمی عنابی ہونٹ' وقت جیسے اس کے قریب سے نظر بچا کر گزر گیا تھا۔ ہاں اگر کچھ بدلہ تھا تو صرف اتنا کہ بے تحاشا باوقار ہو گئی تھی۔ اس کی نگاہ پڑی تو جھپکنا بھول گئی۔
گم صم ساکت ساکن' ٹھہری...

پتھرا وہ بھی گئی تھی۔ زندگی میں بہت کچھ پلٹ آتا ہے' خواب حقیقت کا روپ دھار سکتے ہیں' وہمے' خدشے وسوسے' بجا ہو سکتے ہیں' گمان بسلط حقیقی بن سکتا ہے۔ مگر وہ...؟ سراپا آرزو' تمنا خواہش بھی پلٹ سکتا تھا؟ یوں اچانک' بنا آہٹ! دل کا کون سا کونا تھا جس کی بجی کھچی کھرچنوں میں دب کر چھپا بیٹھا تھا۔

بظاہر تو وہ اسے اس کے نام' وجود سحر انگیز شخصیت بسمیت بھول چکی تھی۔ بھول جانا ضروری بھی تھا' مجبوری بھی آخر اس دنیا میں زندہ رہنا تھا۔

"آہم!" حارب زور سے کھنکارا "یہ میری خالہ جانی ہیں۔ اور خالہ یہ رمعل کے چاچو..." آغاز تعارف پر وہ "السلام علیکم" کہتا بالکل سامنے آ بیٹھا تھا۔ گم صم پاتال میں اتری آواز' چھو ٹٹولتی نگاہیں۔ الفاظ تھے جو رگ و پے میں ادھم مچا رہے تھے۔ مگر لفظ ہونٹوں کی سرحد پار کرنے کی جسارت سے عاری تھے۔ اک عجب سی کپکپی' یا سنسنی تھی۔ پور پور کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مسام مسام آنسو بہانا چاہتے تھے۔ شکوہ' شکایت معافی تلافی' کچھ بھی! حارب اس بے آواز ملاقات پر دل بھر کر کڑھا' پھر سے "آہم" کے ساتھ کہنی سے ٹھوکا دیا۔

"آں... " وہ دانت جمائے بدبدایا "کچھ کہیں بھی اب..." کہنے کو تو بہت کچھ تھا مگر آج یہاں وہ کسی اور منظر نامے میں تھیں خیر دل مسوس کر مسکرائیں۔

"کیسے ہیں آپ...؟ کھوکھلی آواز... بے معانی جملہ... جواب بھی ویسا ہی آیا۔

"جی ٹھیک' الحمدللہ..." انہوں نے کہنی ٹیبل پر ٹکائی اور نگاہ میز کی چکنی سطح سے اٹھ کر کالی آنکھوں کے سحر میں لحہ بھر ٹھہر سکی پھر پلٹی۔

"ایکچوئلی میں شارجہ میں ہوتا ہوں' یہ..." انہوں نے اشارۃً رمعل کو دیکھا "یہ وزٹ ویزے پر میرے ساتھ آئی تھی مگر اب جاب وغیرہ کے چکر میں پڑ گئی ہے..."

"جی' جی میں جانتی ہوں۔" اس نے ہونٹ دھیرے سے کاٹتے ہوئے کرسی سے پشت ٹکائی "بہت پیاری بچی ہے یہ... حارب بہت ذکر کرتا ہے اس کا۔" رمعل اپنی تعریف پر کھل گئی تھی۔

"حارب بھی بہت اچھا' ہارڈ ورکنگ بچہ ہے' یہ ادھر' میرے پاس... میرے آفس میں ہی ہوتا ہے۔" جانے وہ کیا بتانا چاہ رہے تھے اور کیا نکل رہا تھا۔

"آپ... یہاں دبئی میں...؟" ان کے بے ربط سوال کا مفہوم اچھی طرح جانتی تھی مگر اجنبیت کی جو دیوار آ چکی تھی وہ گرنے نہیں دی۔

"میں کئی سال سے ادھر ہی ہوتی ہوں۔" کیوں' کب' کیسے وہ پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر اس نے بچوں کے سامنے اس موضوع کو کہیں چھیڑا بھا گتی' دوڑتی زندگی میں کہیں' کبھی بھی کوئی یوٹرن' ریورس ایپ نہیں ملتی کہ لحہ بھر کے لیے سہی مگر کچھ وقت پلٹ آئے' ہاں مگر انسانی ذہن' جو بھٹکنے' پلٹنے کے لیے ہی بنا ہے۔ بھٹکتا پلٹتا رہتا ہے۔

☆ ☆ ☆

آہ کہیں سرسبز' کہیں مٹی کے چٹیل خانے سے بنے قائداعظم یونی کا گراؤنڈ اور گراؤنڈ پر بکھرا مارے جل گروپ کے قہقہے' ایک سے بڑھ کر ایک مسخرہ' ایک سے بڑھ کر ایک سچویشن پھیلا یا اچھا خاصا دن بیت گیا تھا۔ نخبہ کی ایوننگ کلاس تھی' جس کی وجہ سے سب ہی رکے تھے۔ وہ تو بھی تو بہت تھی نا۔

"تمہارے سر اظہر پیدائشی آوارہ لگتے ہیں۔" ارحم کے تبصرے پر ربیجہ کی آنکھیں چٹیں' شائزہ کا منہ ارمان نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

"اسے تو بند کرو' بڑی خوف ناک لگ رہی ہو۔" البتہ نخبہ کو اپنے سر کی توہین پر غصہ آیا۔

"کیوں... تمہیں کیوں آوارہ لگتے ہیں...؟"

"بھئی ظاہر ہے..." ارحم وضاحت دینے لگا۔ "ہر بار ایوننگ کلاس ہی کیوں...؟ خوب صورت لڑکیوں کو تاڑنے کے لیے... ارے شام میں کنفیوژ سی بھلی

لگتی ہے نا۔۔۔ فلموں میں تو ایسے ہی دیکھا ہے‘ شام کا وقت ڈری سہمی لڑکی۔“

”ہاں آں۔۔۔“

شائزہ‘ ربیحہ کی ناک سے نکلتی ہاآں پر ارمان کو بے طرح غصہ آیا۔

”کیا پہلے تم لوگوں نے جو کروں کی طرح منہ آنکھیں پھاڑیں تھیں‘ اب گائے کی طرح آں کی صدا لگا رہی ہو‘ کہیں سے نہیں لگتا تم بائیو ٹیکنالوجی کی اسٹوڈنٹ ہو۔“

”تو تم کون سا اکاؤنٹنگ کے پروفیسر لگتے ہو۔۔۔ پورے کارٹون۔۔۔ ہاہاہا۔“

”جی جی مجھے پروفیسر بننا بھی نہیں ہے‘ سمجھیں۔۔۔ ورلڈ بینک میں جاب کروں گا۔ اس کے توصیفی کالر اکڑانے پر ربیحہ بولی۔ ”منہ دھو رکھو۔“

”ہاں تو میں بات کر رہا تھا تمہارے پروفیسر اظہر کی۔“

ارحم کو بولنے کا خبط تھا۔ بولتے اس کی زبان تھکتی تھی‘ نا ہی دماغ‘ وقت گزاری کے لیے جانے ابھی کس کس پروفیسر کو دھوتا مگر اسے بریک سامنے سے مخبوط الحواس بھاگتے آتے رامیس نے لگائی۔

”یا اللہ خیر۔۔۔ صبح تک تو ٹھیک ٹھاک تھا بچہ۔۔۔“ بچہ رک کر سانس بحال کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”یار! ایک ایمرجنسی ہو گئی ہے۔“

”کک۔۔۔ کیا دھماکا نہیں ایکسیڈنٹ۔“ لڑکیاں یک زبان تھیں۔

”آں۔۔۔ ہاں۔“ وہ گڑبڑا کر سنبھلا۔ ”ایکچوئلی۔۔۔ افق زکوان۔۔۔“

”ہائے میرے اللہ۔“ سب کا ہاتھ دل پر۔

”افق کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔۔۔“

”اوہ۔۔۔ مائی گارڈ۔“

”اس کا تو بلڈ گروپ بھی ”O“ نیگٹو ہے۔“

وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ کوئی بھی ”O“ نیگٹو نہیں نکلے گا اسی لیے اپنا سر پکڑ لیا۔

”اب کیا کریں؟“ وہ ہونٹ نیم وا کیے سانس روکے یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ بہت مشکل سے ڈوبتی آواز نکلی۔

”کیا ہوا اسے؟ کہاں ہے وہ۔“

”یار جو ہونا تھا وہ اب ہو گیا۔۔۔ لیکن اب سوچو کرنا کیا ہے۔“

”کیا مطلب۔۔۔“

”یار۔۔۔“ رامیس کچھ دیر ہونٹوں میں ہوا بھرے سوچتا رہا پھر ہوا کا گولا فضا میں افسردگی سے چھوڑا۔

”ایسا ہے گائیز۔۔۔“ اس نے دونوں ہاتھ اسٹاپ کے انداز میں اٹھائے۔

”جو جتنے پیسوں کا ارینج کر سکے‘ فوراً کرے‘ بلکہ اس وقت کچھ نہ کچھ تو ہو گا سب کے پاس۔۔۔ میرے پاس بھی۔۔۔“ وہ کہتے ہوئے اپنی پاکٹس ٹٹول رہا تھا اور لڑکیاں سر ہلاتے اپنے بیگوں میں گھس گئیں۔ ربیحہ کے پاس سے دو سو نکلے‘ شائزہ کے ایک سو تیس‘ ارحم نے بامشکل پچاس ڈھونڈے‘ ارمان تو جیب پھاڑ دینے کی حد تک تلاش کر رہا تھا۔

”یہ۔۔۔ یہ کیا یہ ریزگاری رکھی ہوئی ہے۔“ رامیس برس ہی پڑا ”دوست ہے وہ ہمارا اور اس وقت جس حالت میں ہے۔۔۔ تم سب جانتے ہو آج کل اس کے فادر سے کتنی ٹھنی ہوئی ہے‘ وہ تو شاید ہرگز مدد نہ کریں اور‘ اور تم لوگ یہ ریزگاری۔“

”یہ لو۔“ نخبہ نے یک لخت اس کے ہاتھ پر پندرہ ہزار رکھ کر اس سمیت سب کو حیران کر دیا۔

”اتنے پیسے۔۔۔!“ سب کی حیرانگی سوا ہو گئی۔ غالباً ان کے گروپ میں اتنی پاکٹ منی کی گنجائش تو کسی کی نہ تھی۔ سوائے افق زکوان اور رامیس کے۔ اب ایک حالت مرگ پر تھا اور دوسرا اس وقت کنگال بھتہ خور بنا سب پر برس رہا تھا۔

”یہ۔۔۔ یہ ہوتا ہے جذبہ‘ یہ ہے دوستی‘ فرینڈشپ کا

ثبوت ' محبت کا یقین۔۔۔" اس نے سب کے آگے نوٹ لہرائے۔ "ایک تم ہو' ہونہہ کنجوس مکھی چوس۔"

"ویسے۔۔۔" وہ کان کھجاتے اسے کہنے لگا۔ "دیکھ لو تمہیں کہیں مسئلہ نہ بنے۔"

"دیکھو پلیز۔" وہ وارفتگی سے بولی۔ "پلیز یہ لو اور ہم۔۔۔"

"ہاں ' ہاں ہم۔" ربیجہ نے اس کا جملہ حسب عادت درمیان سے اچکا تھا۔

"ہم اور ارینج کر سکتے ہیں ' یونی فیلوز سے بات کرتے ہیں ' اپنے گھروں میں رابطہ کرتے ہیں ' کچھ نہ کچھ زیادہ ہو جائے گا۔۔۔ تم یہ لے کر تو پہنچو ہاسپٹل۔۔۔" اس نے نہ صرف کہا بلکہ تھم پر نکلی۔ ربیجہ کے پیچھے پیچھے ارمان

اور شائزہ کا تعاقب کرتا ارحم۔ گراؤنڈ میں' اسٹریپس پر ' مختلف ٹولیوں میں بٹے گروپس کے پاس جا کر جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں۔ افق زکوان یونی کے ان اسٹوڈنٹ میں سے تھا اگر خون کا عطیہ بھی مانگا جاتا تو لڑکیوں کی لمبی قطار لگ جاتی۔ وہ جان دینے کو تیار تھیں یہ تو پھر پیسے تھے۔

"تم۔۔۔ تم نہیں گئیں ' کیا میرے دوست کے لیے کسی سے مدد نہیں مانگو گی۔" وہ قریب گم صم کھڑی نخبہ سے کہہ رہا تھا۔

"میں لوگوں سے مدد کیوں مانگوں ' وہ کیا اور کتنا دے سکتے ہیں۔" اس کی آواز گلوگیر تھی۔

"اپنے پروردگار کو کیوں نہ پکاروں ' وہ جب جتنا چاہے دے سکتا ہے۔" گلے میں پڑتی نمی کو وہ بمشکل روک پائی۔ "انکل کو پتا ہے۔"

"ہم سب جانتی تو ہو ' ان کے درمیان کس وجہ سے رنجش ہے ' پھر وہ کیوں اور کیونکر؟"

"کیا مطلب کیونکر۔۔۔؟" اس کے ذو معنی جملے پر وہ درشتی سے بولی۔ "اولاد ہے وہ ان کی۔۔۔ تم مجھے ان کے پاس لے چلو ' وہ جو جو شرائط رکھیں گے مجھے سب

منظور ہے۔ پلیز۔" اور بس پلیز کہتے ہی سارے ضبط کے بند ٹوٹ گئے وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھی۔ اس کے درد کو آواز مل گئی۔ ہچکولے کھاتی لڑکی کو قابو کرنا ' رامیس کے لیے خاصا نیا اور دشوار مرحلہ تھا۔

"یار۔۔۔ یہ ' یہ کیا کر رہی ہو ' کنٹرول یور سیلف پلیز ' اسٹوڈنٹ دیکھ رہے ہیں۔" وہ کچھ سنتی تو تب نا ' وہ ایک ہی بات کرتی رہی۔

"پلیز مجھے افق کے پاس لے چلو ' پلیز۔۔۔ مجھے اس سے ملنا چاہیے ' میں اپنے خون کا ایک ایک قطرہ دے دوں گی ' بلڈ گراس میچ بھی تو ہوتا ہے۔" اس نے حد بے دردی سے آنکھیں پونچھی "پلیز رامیس۔۔۔ پلیز۔"

"ہاں ' ہاں لے چلتا ہوں ' پر یہاں سے اٹھو تو سہی۔" اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھنے میں مدد دی تھی۔ وہ ہاتھوں سے اپنا منہ پونچھتی تیزی سے اس کے

ہم قدم چلنے لگی۔ رامیس نے ذرا مڑ کر اپنے سوشل ورکر گروپ کو ہانک لگائی۔

"آجاؤ۔۔۔ بہت ہو گیا۔" وہ مین گیٹ کے بجائے یونی کے اندرونی سمت بڑھنے لگا۔

"یہ کدھر جا رہے ہو؟"

"ام۔۔۔ ہمیں افق سے ملنا ہے۔" بے چین ربیجہ شائزہ باری باری بولیں اور کنفیوژ سی نخبہ نے صرف رونے کا شغف جاری رکھے تھا۔

"ہاں ' ہاں آجاؤ۔۔۔" وہ کیفے ٹیریا کے اسٹیپ چڑھتا اوپر آگیا۔ "ادھر ہی ہے ' وہ خبیث۔۔۔" اس نے سامنے ٹیبل کی طرف اشارہ کیا تھا جہاں بہت سے لوازمات سجائے سینے پر ہاتھ باندھے خوب مسکرا رہا تھا۔

"یہی ہے وہ گڑبڑ جو ہو گئی تھی۔۔۔ پہلے ڈفر نے ڈھیر آرڈر دے دیا ' اوپر سے والٹ گھر ' یہ تو میں ہی دردمند ہوں جو سارے زمانے کا درد لیے پھرتا ہوں۔۔۔ اس سے پہلے ویٹر درگت بناتا ' مدد کے لیے تم لوگوں کے

پاس بھاگا۔" رامیس تیز تیز چل کر ان سب سے بچتا یہ معلومات دے گیا اور وہ انہیں متحیر سا بنا اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر تالیاں بجاتے گانے لگا۔

"ہپی فیئر ویل ٹو می ۔۔۔ ہپی فیئر ویل ٹو می ' ہپی فیئر ویل ٹو ڈیئر افق زکوان۔۔۔"

"افق بہت برے ہو تم۔" ربیحہ چیخی۔

"تم پل صراط سے ضرور گرو گے ۔۔۔ جھوٹے۔" شائزہ کہتے ہوئے بے ہوش ہوتی بچی اور تینوں لڑکے ہاتھ پر ہاتھ مارتے دہرے ہو رہے تھے۔

"اور تم۔" اب وہ رامیس پر لپکیں۔

"دیکھو دیکھو۔" وہ اپنے دفاع میں میز کے پیچھے ہوا ۔ "دیکھو میرا قصور نہیں ہے 'بھئی ہلاڈ 'ایکسیڈنٹ یہ تو تمہاری ناقص زبان کی تیزی کے جوہر تھے 'سننے سے پہلے ہی بول پڑتی ہو 'اب ایسے وقت میں انکل کو کہاں سے بلاتے مدد کے لیے بابابا۔" اس کے قہقہے ' دل پر وہ کلس کر اس پر جھپٹیں تو ارحم 'کران نے اپنے موبائل نکالتے ہوئے انہیں روکا۔۔۔

"اوہو! پہلے اپنی ویڈیوز تو دیکھ لو۔" اب وہ بنائی گئی ویڈیو دکھا رہے تھے۔

"یار یہ دیکھ 'کیسے فقیرنیوں کی طرح ربیحہ اس گروپ سے مانگ رہی ہے۔۔۔ اور یہ تو دیکھ شائزہ تو پیدائشی بھکارن لگ رہی ہے۔"

"اف خدایا۔!!" انہوں نے سر پکڑا "تم سب ایک ہو کتنے تیز ہو۔" تیز تو وہ خیر تھے 'آنکھوں آنکھوں میں ہی چوئیشن سمجھ گئے تھے۔ تبھی پیسے نکالتے جان نکل رہی تھی۔ ان کی ملی بھگت پر شائزہ ربیحہ کو کھا جانے کی حد تک غصہ تھا اور یہ سب انجوائے کرتا افق زکوان ۔ جی چاہا اسے سچ مچ ہاسپٹل پہنچا دیں۔ ان پانچوں کو آپس میں الجھتا دیکھ کر اس کی توجہ قدرے فاصلے پر موری بنی نخبہ پر گئی۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی بس نم آنکھیں سکیڑے اسے یک ٹک دیکھتی رہی۔

"تو کیا نخبہ حسن کی کسی نے ویڈیو نہیں بنائی۔" وہ استفسار کرتا اس کی جانب بڑھا۔ اس کے چہرے پر اچانک سے آجانے والا 'کرب ہی کرب تھا اور آنکھوں میں تلخی 'سوجھے سوجھے پپوٹے 'آنسوؤں سے دھلے گال۔ وہ سختی سے ہونٹ بھینچے 'اپنی ہنسی کنٹرول کرتا اس کی جانب بڑھا۔

"آج پتا لگا 'کچھ لوگ ہیں دنیا میں میری پروا کرنے والے۔۔۔ کیسا لگا فن۔" اس کی معنی خیز مسکراہٹ پر اس کی آنکھیں مزید تلخ ہوئیں۔ اس نے اچٹتی نگاہ میز پر لگے لوازمات پر ڈالی۔ ڈرنکس 'پزا 'کیچپ 'فروٹ چاٹ 'پیٹیز برگرز اور جانے کیا الا بلا۔۔۔ اگلے ہی پل اس نے کیچپ سے بھرا پیالہ اٹھایا اور اس کے چہرے پر الٹ دیا۔

"گو ٹو ہیل۔۔۔" وہ تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی تھی۔ سرخ بھیانک چہرے پر جھانکتی بھوری آنکھیں 'ہک دک کھلا منہ اور کالر پر ٹپکتا کیچپ۔

"ہا 'آ 'آ۔" سب کی ہنسی گونجی تھی۔

وہ کئی دن بعد یونی آئی تھی۔ خفا خفا 'ناراض ناراض سی اور وہ اسے منانے[illegible]ں کے پیچھے پیچھے بے شک اس کی خفگی 'ناراضی بجا تھی۔ مگر اس نے بھی ارادتاً" ایسا

نہیں کیا تھا۔ بس اچانک سے ہو گیا۔ اس کی غیر حاضری پر اس نے اسے کئی کالز بھی کیں مگر ہر بار۔
"میں فری نہیں ہوں' پھر کسی وقت بات ہو گی"
اور کال منقطع کر دی اور اب وہ تیزی سے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ رہی تھی اور وہ پیچھے۔
"پلیز میری بات تو سنو۔۔۔" اس نے کوئی دسویں بار کہا تھا۔
"مجھے کچھ نہیں سننا۔"
"لیکن مجھے سنانا ہے۔۔۔ ایکچوئلی' وہ سب رامیس کے بچے کا کیا دھرا تھا' مجھے کیا معلوم اس ڈفر نے کیا داستان سنائی۔"
"میں نے تم سے صفائی مانگی۔" نخبہ کا لہجہ دوٹوک مگر تلخ تھا۔
"مگر میں دینا چاہتا ہوں۔"
"ہاں میں جانتی ہوں تم مستقبل کے کامیاب لائر بننے والے ہو۔" اس نے نخبہ کی کلائی پکڑ کر اسے روکا تھا۔
"اور مستقبل کا یہ کامیاب لائر اس وقت اپنی صفائی پیش کرنے سے قاصر ہے' مکمل ناکام۔۔۔" اس نے غصے سے اپنی پکڑی کلائی کی جانب دیکھا۔ اس نے فوراً" چھوڑ دی۔ وہ درشتی سے بولی۔
"تمہیں کیا ثبوت چاہیے تھا اس روز۔۔۔ میری بدحواسی کا' بے بسی' بے چارگی کا یا محبت کا' جو احساس میں نے سینت سینت کر رکھا' خود سے بھی چھپا کر' کہیں کسی پر کچھ عیاں نہ ہو' ہال میں سب پر ظاہر ہو گیا' افق زکوان ملک' تمہیں یہ چاہیے تھا!"
خفگی سے کہتے اس کی آواز بھرا گئی۔ حقیقتاً" اسے بہت دکھ تھا۔ سب دوستوں نے اس کا خوب ریکارڈ لگایا تھا اور خاص کر جو رقم وہ یونی کے ڈیوز کے لیے لائی تھی وہ قطعاً" کسی کو ایک پائی بھی نہ دیتی مگر کیسے لمحہ میں نکال ہاتھ پر رکھ دی۔
"اوہو کس کے لیے۔" سب کے ہاتھ انجوئے کے لیے ایک ایشو آ گیا تھا۔ جس سے وہ بچنا چاہتی تھی۔ اس کی خفگی بجا تھی۔

"اچھا یار سوری۔۔۔ ویری سوری۔۔۔" وہ تیزی سے اس کے آگے آ کھڑا ہوا" وہ تمہارے ڈیوز پے کر دیے میں نے۔"
"تو کوئی احسان نہیں کیا۔۔۔ ویسے بھی میں کر دیتی۔"

"پلیز یار معاف کر دو آئندہ ایسا مذاق نہیں ہو گا۔"
"مذاق کی کوئی حد ہوتی ہے افق زکوان۔۔۔" وہ پھر سے رونا چاہتی تھی۔۔۔ "میرے راستے سے ہٹو۔" اس کے سختی سے کہنے پر وہ کچکچایا۔
"وہ۔۔۔ وہ گاڑی آ رہی ہے' مجھے دھکا دے کر اس سے کچل دو' پھر شاید غصہ اتر جائے' لیکن یاد رکھنا اس سے مجھے تکلیف بہت ہو گی۔" اس نے لہجے کے ساتھ چہرا اتنا بونگا بنایا کہ بے ساختہ نخبہ کا قہقہہ چھوٹ گیا۔
"بہت برے ہو تم افق۔۔۔" اس نے آنکھ کا کونا صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔
"دیٹس گریٹ۔۔۔ ایسے ہنسا کرو۔۔۔" جیسے ہی اس کا موڈ کچھ بہتر ہوا تو فوراً" اسے چڑا دیا۔ "ویسے میرے لیے تمہارا رونا' قسم سے دل کو بھا گیا۔۔۔"
"افق۔۔۔!" اس نے ڈپٹا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس دن کی ملاقات وہ بھلائے نہیں بھول رہا تھا' اک بے قراری رگ و پے میں سما گئی تھی۔ کتنی بار پتھرائی بنجر سی آنکھیں نمی سے ڈگمگائیں۔۔۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا' وہ بہت کچھ بتانا چاہتی تھی مگر ہونٹ سلب رہے' رمل اور حارب اپنی گفتگو میں مشغول تھے۔ ان کا ساتھ دینے کو وہ کسی ایک آدھ جملے پر مسکرا دیتے' ناچاہتے ہوئے بھی ڈنر کیا' واپسی پر انہوں نے حارب کو اپنے گھر انوائٹ کیا تھا۔
"بیٹا اپنی۔۔۔ آنی کو ہمارے گھر لے کر آنا۔" وہ بھنوؤں کے کنارے جوڑے سنتی رہی۔
"میں منتظر رہوں گا۔" وہ بہت آہستگی سے جاتے جاتے کہہ گیا۔ اس نے تیڑھی نگاہیں کیے اس کی

چوڑی پشت کو ہوٹل کی بیرونی جانب بڑھتے دیکھا۔اتنی ہی بارعب چال' وہی دجیہہ قامت۔۔۔ آہ۔۔۔ بس دس سال بیچ آ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

بالآخر اس کی خفگی دور ہو ہی گئی تھی۔ لیکن کبھی کبھی وہ اس کے دل میں اپنی اہمیت جتلا کر باور کروا دیتا اور وہ منہ بھینچے آنکھیں نکالے "افق انسان بنو" کہتی رہ جاتی افق زکوان کا ایل ایل بی زبردست گریڈنگ سے مکمل ہو چکا تھا اور ملک کے مایہ ناز ایڈووکیٹ اور ربابا کے دوست نیاز بیگ کے ساتھ پریکٹس کرنے لگا تھا تاکہ لائسنس حاصل ہو۔ اس کے یونی سے چلے جانے کے بعد بھی پھیریاں سب کو کچھ مشکوک کرتی تھیں اور اب کچھ غیر واضح بھی نہیں تھا۔ گروپ کے برخاست کے بعد وہ دونوں اکثر کسی پیڑ' بینچ پر بیٹھے محو گفتگو دیکھائی دیتے۔ نخبہ کوئی قصہ پارینہ دھیرے دھیرے گوش گزار کرتی رہتی اور وہ گہرائی میں سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلا جاتا' کوئی ایک آدھ جملہ بول کر آنکھیں سکیڑے پھر سے سوچنے لگتا اور وہ ہونٹ کاٹ کر رہ جاتی۔

"ارے۔۔۔ یہ کیا چل رہا ہے' تم دونوں کے بیچ چورا چوری۔۔۔" رامیس جانے کہاں سے ٹپک پڑا۔

"یار پلیز' پرسنل ایشو ہے' تم جاؤ۔"

"دوستوں کے بیچ کچھ پرسنل ورسنل نہیں ہوتا۔۔۔ بتاؤ مجھے؟" افق کے صاف جواب پر بھی وہ پھسکڑا مار کے سامنے بیٹھ گیا۔

"تم جانتے تو ہو۔۔۔ اینڈ بی سیریس (سنجیدہ ہو جاؤ) ۔" افق زکوان بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا جس پر وہ بھی متفکر ہوا۔

"کوئی حل نہیں نکلا۔"

"جب نکلے گا' تمہیں ضرور بتائیں گے۔۔۔ اینڈ پلیز یو گو ناؤ (اور اب تم چلے جاؤ)۔۔۔" اس نے اتنا چڑ کر کہا ۔۔۔ اتنی بے قدری' نو لفٹ' وہ ناک بھنوں میں بلکہ پورا منہ چڑھاتا "ہونہہ" کہہ کر چلا گیا تھا۔

"آنٹی کو تم تسلی دو' سب ٹھیک ہو جائے گا یار۔" وہ پھر سے اسے سمجھانے لگا۔

"پتا نہیں کب' کیسے ٹھیک ہو گا۔ تایا روزانہ پریشرائز کرنے آ جاتے ہیں۔ دھمکاتے ہیں' تائی امی کی زبان تو تم سن چکے ہو۔۔۔ امی جائیں تو کہاں جائیں' کچھ سمجھ نہیں آتی' اس گھر اور مارکیٹ کے علاوہ ہمارا کوئی ٹھکانا ذریعہ آمدن بھی نہیں ہے۔"

"ہوں۔۔۔" حل کی تلاش میں افق زکوان کی چہرے پر سوچوں کا جال بچھ گیا تھا۔

"میں جاب تلاش کر رہی ہوں' بس یہ چند ماہ رہ گئے سمسٹر کے پھر۔۔۔"

"ہو جائے گی جاب بھی۔۔۔" اس نے یک لخت ڈپٹا اور یقیناً "اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

"تم اب بھی سمجھتے ہو' یہ سب ممکن ہو گا۔"

"ہاں۔۔۔ اس میں حرج کیا ہے۔" وہ لمحہ بھر ہی اس سے نظر ملا پائی۔

"یار ربابا مان جائیں گے' میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں' میری خوشی کی خاطر مان جائیں گے۔۔۔ میں کوشش کر رہا ہوں۔"

"تم کوشش مت کرو' تمہارا اور میرا کوئی میچ نہیں۔"

"جسٹ شٹ اپ' یار۔۔۔"

"میں صحیح کہہ رہی ہوں۔" پھر وہ رک رک کر سمجھانے لگی۔

"تم سمجھنے کی کوشش کرو' تم انکل کی واحد اولاد ہو' اکیلا رشتہ۔۔۔ اور اگر اکیلے نہ بھی ہوتے تب بھی اولاد دنیا کی سب سے پیاری چیز ہوتی ہے افق۔۔۔ کوئی بھی باپ اس کی خوشی' ضد' لاکھ منتوں کے باوجود اسے آگ کھیلنے کے لیے نہیں دے سکتا۔"

"تم آگ نہیں ہو۔" اس نے گھورا۔

"لیکن میرے اردگرد تو لپٹی ہے۔" وہ اپنی ہتھیلیاں دیکھ رہی تھی۔

"بے وقوف ہو تم۔۔۔ یار میری ایجوکیشن کب کام

آئے گی' ایڈووکیٹ نیاز بیگ تمہارا کیس لڑیں گے' میری ڈسکشن چل رہی ہے ان سے۔۔۔"
"پلیز۔۔" وہ منمنائی۔
"اینڈ یو پلیز۔۔۔" اس نے جواباً کہا "اور یاد رکھنا تم کوئی آگ نہیں ہو' متاع ہو اور میں اس متاع کا تمام عمر انتظار کر سکتا ہوں۔۔۔ سمجھیں۔" وہ کہہ کر رکا نہیں تھا اور رک بھی کیسے سکتا تھا اسے سر توڑ کوشش کرنا تھی ان کا کیس جیتنے کی بھی اور اپنے والد کو منانے کی بھی۔ زکوان ملک کوئی سخت گیر باپ نہیں تھا۔ ان کی چاہتوں' آرزوؤں کا واحد وہی ستارہ تھا۔ اپنی رفیق حیات کی حادثاتی وفات کے بعد جس قدر وہ ٹوٹے تھے وہی جانتے تھے۔ زندگی سے سارے رنگ' خوشبوئیں' تراوٹ' تازگی سب منوں مٹی تلے دب گیا۔ ٹوٹ کے پارہ پارہ تو ساتھ ہو جاتے اگر ننھا افق سوتے میں اٹھ کر اپنے معصوم ہونٹوں سے ان کے پاؤں نہ چومتا۔ ایک دن انہوں نے اسے خوب بھینچ کر اپنا تمام درد' تمام کرب آنسوؤں کی صورت ننھی پشت پر بہا دیا۔ اور بس پھر پکے دوست بن گئے۔ انہیں یہ جاننے میں ہرگز دقت نہیں لگتا تھا کہ افق کیا سوچتا ہے' کیا چاہتا ہے اور یہ بھی کہ آج کل وہ کن شوخ مست ہواؤں میں اڑ رہا ہے۔
"خیریت ہے؟ آج کل کسی نئی پرواز پر ہی نکلے رہتے ہو۔" رومانوی سی وسلنگ کرتے سٹنگ روم میں داخل ہوتے افق زکوان کو دیکھ کر انہوں نے استفسار کیا تھا۔
"یہ عمر ہی ایسی ہے' مائی ڈیئر بابا جانی۔۔۔!" وہ ان کے قریب ہی گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھا۔
"یہ عمر ایسی نہیں ہے' مائی ڈیئر سن۔۔۔ جب اس عمر کا ادراک ہو جائے تب ایسا ہوتا ہے۔۔۔"
"اچھا۔۔۔! وہ فوراً" اچھل پڑا۔
"جی۔" انہوں نے لمبا سا جی کہا۔ "یہ عمر زکوان ملک پر بھی آئی تھی۔۔۔ اب سیدھی طرح بتاؤ گے یا پھر فورس جاسوسی پر لگانی پڑے گی۔۔۔"
"افق زکوان نے کبھی کچھ زکوان ملک سے نہیں چھپایا۔" پھر کچھ دیر انہیں دیکھتے ہوئے لفظ جمع کرتا رہا اور پھر سب بتا دیا اک مہربان دوست سمجھ کر۔
"اوہ۔۔۔!" لہجے میں حظ اٹھاتے ان کے ہونٹ لمبی سی اوہ میں سکڑے۔
"تو یہ بات ہے۔"
"جی!"
"کیا کرتے ہیں اس کے فادر؟"
"وہ جہاں ہوتے ہیں وہاں سوائے آرام کے کچھ نہیں کر سکتے۔" اس کا مزاح انہوں نے خوب انجوائے کیا۔
"کہیں وہاں ہی تو نہیں جہاں آج کل تمہاری والدہ کا بسیرا ہے۔"
"جی۔۔۔ جی بالکل۔۔۔"
"چلو پھر اللہ نے ملائی جوڑی' اک۔۔۔ ہاہاہا۔" دونوں نے اک دوجے کے لیے خوب جاندار قہقہہ لگایا تھا کہ گھر کی صفائی کرتی آیا نے رک کر پل بھر انہیں دیکھا پھر خود بھی ہنس کر کچن کی جانب چل دی۔
"یار مدر تو ہے نا اس کی؟" وہ ہنسی کے دوران کھانستے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ "کہاں رہتی ہیں؟ کب ملوا رہے ہو؟" ان کے بیک وقت تین سوالوں پر وہ اثبات میں سر ہلاتا مسکرایا تھا۔
"بالکل ہیں' جب آپ کہیں گے ملوا دوں گا۔۔۔ مگر۔۔۔"
"مگر کیا۔۔۔" اب وہ سنجیدہ تھے۔
"مگر وہ فنانشلی ہماری طرح اسٹرونگ نہیں ہیں' کہیں یہ نہ ہو انہیں دیکھ کر آپ کا خاندانی وقار جاگ جائے۔" وہ خدشے بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا' جس پر وہ مزید ہنسے اور ڈش اٹھا کر دونوں کے درمیان صوفے پر رکھ لی۔
"بالکل جاگ جاتا مائی ڈیئر! اگر زکوان ملک کے مقابل افق زکوان ملک کا دل آکر نہ ٹھہرتا۔" ان کے مان بھرے فخریہ لہجے پر اک سکون تھا جو اس کی نس نس میں سما تا گیا تھا۔ "چلو پھر۔۔۔ جلدی بندوبست کروان سے ملاقات کا۔" انہوں نے تحکم بھرے انداز میں کہا۔

خوشی اور مسرت تو بہت چھوٹا لفظ بن کر رہ گیا تھا اس کے محسوسات کے آگے اور وہ پرکیف کیوں نہ ہوتا۔ اس کی زندگی میں خواہشوں آدرشوں کا موسم اس کی آرزو سے پہلے آن ٹھہرتا تھا۔ اسے خبر نہ تھی امنگ تمنا کی تڑپ کیا ہوتی ہے اور وہ کیوں پتا کرتا یہ سب اور شاید اسے کبھی پتا بھی نہ چلتا۔ اگر وہ اس روز بابا کو لے کر اچانک ادھر نہ جاتا۔ حالانکہ نخبہ نے ابھی اسے آنے سے منع کیا تھا۔

"افق تم جانتے تو ہو' آج کل گھر میں خاصی ڈسٹربنس ہے کچھ عرصہ ٹھہر جاؤ۔"

"اوہ یار... چھوٹی چھوٹی باتوں کو اتنی اہمیت مت دیا کرو' دس از پارٹ آف لائف (یہ زندگی کا حصہ ہیں)... اور ہم کون سا ابھی بارات لا رہے ہیں... بس ایسے ہی' **جسٹ ملاقات...**" اسے خود کوئی مسئلہ نہیں تھا بس امی کی فکر تھی۔ اس نے باتوں باتوں میں ان سے تذکرہ کیا تھا۔ کتنی دیر تو وہ خاموشی سے سنتی رہیں پھر آہستگی سے کہنے لگیں۔

"دیکھو نخبہ بچے' یہ جو طبقاتی فرق ہوتا ہے نا' شروع شروع میں بہت چھوٹا دکھائی دیتا ہے لیکن ہر گزرتا پل اسے اتنا طویل بنا دیتا ہے نا کہ کاٹتے عمر بیت جاتی ہے... تم اچھی طرح سوچ لو۔" اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی شمائل بول اٹھی۔

"امی' ایک بار مل لیتے ہیں... ہر انسان تھوڑی ایک سوچ رکھتا ہے اور ویسے بھی اپنے طبقے کے لوگ تو دیکھ رکھے ہیں' ان کی ناک کون سا کم ہے... ہو سکتا ہے ہماری نخبہ کی قسمت بہت اچھی ہو...." شمائل کے لفظوں سے امی کے چہرے پر سوچوں' خدشوں کا خوب جال پھیلا دیکھ کر نخبہ نے تسلی دی۔

"ایک بار مل لیں' پھر بھلے انکار کر دینا' مجھے آپ کی رضا عزیز ہے...." انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

"اللہ تیرے نصیب اچھے کرے... اگر تم سمجھتی ہو کہ ہمیں ملنا چاہیے تو کسی روز بلوا لو...." انہوں نے لمبی سانس بھری۔ "اچھا ہے تمہارے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں' تمہارے باپ کی روح کو بھی سکون ملے' اور میری فکریں کم ہوں۔ ورنہ تمہارے تایا...."

"امی آپ پریشان مت ہوا کریں۔"

دونوں بیٹیاں تسلی دیتی لپٹ گئیں "جب تک اللہ انسان کا کچھ نہ بگاڑنا چاہے تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا امی۔"

☆ ☆ ☆

امی کو بلانے پر اعتراض نہ تھا اور ہوتا بھی کیوں' کون سا رشتوں کی لائن لگی تھی۔ ہاں البتہ تایا نامی پھندا ہر وقت ان کے سامنے لٹکا رہتا۔ جو کام جتنی جلدی ہو' ہو جائے۔ اس نے افق زکوان کو کسی بھی دن آنے کی دعوت دی تھی البتہ باور کروایا تھا آنے سے پہلے بتا ضرور دے۔ سرپرائز افق زکوان کی سرشت میں شامل تھا۔ ہاں اس نے آنے سے پہلے ایک معمول کی طرح کال ضرور کی تھی اور باتوں باتوں میں اندازہ لگا لیا کہ آج وہ لوگ گھر پر ہی ہیں۔ اگر اس کی چھٹی حس ذرا سا بھی چونکا دیتی کہ آنے والے لمحے اس کی زندگی پر کیسے اثر انداز ہو سکتے ہیں تو وہ تمام عمر کسی کو بھی سرپرائز نہ دیتا۔ اور کم از کم اس دن بابا کو ہمراہ نہ لاتا۔

☆ ☆ ☆

سفید چم چماتی ایم بی ڈبلیو پرانی طرز پر بنے لکڑی کے دروازے کے سامنے رکی۔ جانے قسمت مہربان تھی یا انتقام لے رہی تھی۔ دستک دینے پر دروازہ کھلتا چلا گیا۔ زکوان ملک کو یوں بلا اجازت کسی کے گھر داخل ہونا خاصا آکورڈ لگا مگر افق کہنے لگا۔

"آجائیں بابا جانی... اپنا ہی گھر ہے۔" وہ بھاری قدموں سے دہلیز عبور کرتے صحن تک آگئے۔ بھاری ڈیل ڈول کی عورت نفرت بھرے لہجے میں اونچا اونچا بولتی کمرے سے باہر آ رہی تھی۔ اس کے ماتھے کی شکنوں' چہرے کی رنگت سے اندازہ ہوتا تھا وہ بہت غصے میں ہے۔ ان پر نظر پڑتے ہی ٹھٹکی۔

"اِس... کون ہو تم...." پھر خود ہی ہتک آمیز نگاہوں سے پیچھے کی جانب دیکھا۔ تینوں ماں بیٹیوں کی اڑی رنگت' ہونق زدہ چہرے' خاص کر نخبہ تو ایسی تھی

جیسے کاٹو تو لہو نہیں۔ وہ قطعاً" نہیں سوچ سکتی تھی۔ افق زکوان اپنے والد کے ہمراہ یوں اچانک آجائے گا۔ آ بھی جاتا خیر تھی مگر تائی کے سامنے اور تائی کو موقع چاہیے تھا سو مل گیا۔

"واہ نعیمہ واہ۔" وہ تحقیر آمیز لہجہ بنائے حقارت سے بولیں۔ "شادی شدہ بچوں والے بوڑھے جیٹھ پر ڈورے ڈال کر سکون نہیں ملا' جو یوں غیر مردوں کو بھی پھانسنا شروع کردیا' کوئی حد ہے تمہاری ہوس کی 'غلیظ عورت۔۔۔" اس کی نشتر زنی زکوان ملک کے چہرے کا تناؤ بڑھا گئی۔

"دیکھنے میں تو تم خاصے شریف لگتے ہو۔" وہ اب ان دونوں کی طرف رخ کیے پھنکاری "مگر تم جیسے شریف گرتے ہمیشہ گند پر ہی ہیں۔"

"پلیز تائی جان۔۔۔ جائیں آپ یہاں سے۔" نخبہ نے بمشکل جملہ ادا کیا تھا۔

"سچ سن کر بڑی آگ لگی تمہارے۔۔۔ ماں تو تھی سو تھی' بیٹیوں کو بھی اپنے رستے لگالیا۔۔۔ بہت چالاک ہو تم نعیمہ۔۔۔" وہ ہاتھ نچانچا کر کہتی گردن مار چلی گئی۔

"کیا ہے یہ سب 'افق۔۔۔" انہوں نے دانت جما کر لفظ چباتے ہوئے کہا تھا۔ وہ شرمندہ سا شرمندہ تھا کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے۔ مگر وہ سختی سے کہہ رہے تھے۔

"چلو یہاں سے۔۔۔"

"لیکن بابا۔۔۔"

"میں کہہ رہا ہوں 'ابھی اور اسی وقت چلو۔" وہ کہتے ساتھ مڑے تھے۔ یک لخت اس سے کوئی بھی فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ وہ کن پٹی سہلاتا تیزی سے ان کے پیچھے 'انہیں روکنے کے لیے لپکا تھا۔ مگر وہ گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ نخبہ کے قدم اس کی جانب اٹھے تھے۔ وہ انہیں روکنے کی ایک کوشش ضرور کرتی 'مگر نعیمہ دھڑام سے بے ہوش نہ ہو جاتیں۔

اس نے اپنے والد کو نخبہ کے بارے میں سب کچھ بتایا تھا سوائے تایا اور اس کے بیٹوں کی لالچی فطرت کے۔ اہم نخبہ تھی وہ سب اس کے نزدیک اہم نہیں تھے' جوان کا ذکر کرتا اور ویسے بھی لالچی اور موقع پرست تایا کا حوالہ دے کر نخبہ کی فیملی کو اپنے والد کے سامنے ہلکا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس کے والد کے انتقال کو بمشکل چار سال ہوئے تھے۔ شروع سے ہی تایا کی سوچ تھی کہ بھائی کا وارث (بیٹا) تو ہے نہیں سو چار دکانوں پر مشتمل چھوٹی سی مارکیٹ اور گھر انہیں ہی ملے گا۔ شمائل کی شادی بہت کم عمری میں ہو گئی تھی۔ بھائی کے انتقال کے بعد انہوں نے سوچا نخبہ کو اپنے کسی بیٹے سے بیاہ دیں بلا چوں و چرا ہر چیز مل جائے گی۔ مگر نخبہ اپنا بی ایس کمپلیٹ کرنا چاہتی تھی 'ادھر بیٹوں نے بھی انکار کر دیا۔ بے شک انہیں جائیداد چاہیے تھی مگر اپنی شادی شدہ زندگی داؤ پر کیوں لگائیں۔ ڈرا دھمکا کر کسی اور رستے بھی سب مل سکتا ہے۔ نعیمہ بھی کسی صورت شادی شدہ کو اپنی بچی دینے پر راضی نہ تھیں۔ پھر جانے تایا کے دماغ میں کیا خبط سمایا۔ پہلے پہل معاشرتی اونچ نیچ اور تنہا عورتوں کے مسائل بتا بتا کر نعیمہ کو شادی کی آفر کی 'پھر محبت کا جھانسا دینا شروع کر دیا۔

"جوان بیٹیوں اور داماد کے ہوتے ہوئے وہ جیٹھ سے شادی کر لیں۔۔۔ غضب خدا کا۔" انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ پھر تایا نے ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ عجیب و غریب حرکتیں کرتے 'ماں بیٹیاں سہم جاتیں۔ تائی کو پتا چلا تو نعیمہ کی جان کو آگئیں۔ ایسے غلیظ الزام لگائے کہ خاندان میں کسی سے نظر نہ ملتی تھی۔ مدد کیا ملتی؟ یہ تمام قصہ افق زکوان سے ڈھکا چھپا نہیں تھا' مگر اس کے والد کو جو بکی محسوس ہوئی وہ برداشت سے باہر تھی۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر سب بابا کو بتایا تھا کہ یقیناً" بابا کا دل پسیج جائے گا وہ خاصے خدا ترس بندے تھے۔

"آر یو گون میڈ انی؟" (کیا تم پاگل ہو گئے ہو انی؟) وہ غصے سی بولے "تم اس کلچر کی فیملی میں۔۔۔ "اوہ مائی گارڈ۔"

"بابا ہمیں فیملی سے کیا لینا دینا۔"

"لیکن مجھے ہے۔" ان کا لہجہ سختی لیے دو ٹوک تھا۔

"غریب ہے یتیم ہے یہ کوئی ایشو نہیں تھا میرے نزدیک مگر مگر بیٹا ہمیں اپنی سوسائٹی میں موو کرنا ہے' وہ عورت' اس کی باڈی لینگویج' اس کی سوچ دیکھی تھی تم نے... یقیناً" تایا بھی ویسے ہی ہوں گے۔ اور جانے کتنے ویسے ہی رشتے دار ہوں گے۔ کب' کہاں کہاں ہمیں ذلیل کردیں۔"

"بابا پلیز..." وہ منمنایا۔

"یہ ٹاپک میرے نزدیک کلوز ہوچکا ہے' سمجھے... وہ چند منٹ بعد پھر بولے "ویسے بھی میں چند روز میں شاہ زین کی بیٹی سے تمہاری انگیجمنٹ کررہا ہوں۔" ان کی اطلاع پر اس کی آنکھیں پھٹیں رہ گئیں۔

"آپ ایسا ہرگز کچھ نہیں کریں گے۔" ورنہ وہ انگیجمنٹ تو رہے گی مگر... آپ کا افق زکوان نہیں۔"

"بکواس بند کرواپنی... اینڈ گو..." وہ اس کی منہ زور محبت پر الجھ کر رہ گئے۔ ان کا خیال تھا یہ وقتی ردعمل ہے۔ چند دن بعد وہ اسے سمجھالیں گے۔ وہ ان کی فرماں بردار اولاد ہے' دوست سمجھتا ہے اور پھر خود سے زیادہ انہیں چاہتا ہے۔ سمجھ ہی جانا چاہیے۔

☼ ☼ ☼

ارحم اور نخبہ انوائر مینٹل سائنسز میں بی ایس کر رہے تھے۔ ارحم کا مکمل ہوگیا تھا نخبہ اس سے ایک سمسٹر جونیئر تھی۔ ارمان اکاؤنٹنگ میں ایم بی اے اور شائزہ' ربیحہ بائیو ٹیکنالوجی کے لاسٹ سمسٹر میں تھیں۔ ایک اڑتی سی خبر تھی۔ ارمان نے ربیحہ کے لیے پرپوزل بھیجا تھا۔ مگر اس کے پیرنٹس نے انکار کردیا۔ وجہ خاص نہ تھی۔ سب دوستوں کو بہت قلق ٹھہرا۔ ایک میٹنگ بھی رکھی گئی۔ کسی طرح اس کے پیرنٹس کو راضی کیا جائے۔ مشورے کے لیے بطور خاص ایڈووکیٹ افق زکوان بھی حاضر ہوا تھا۔ سب دوستوں کے ہزاروں مشورے روتی ربیحہ نے یہ کہہ کر رد کر دیے۔

"رہنے دو' کوئی فائدہ نہیں۔"

"کیوں؟" سب یک لخت چیخے۔

"اب ارمان میرے لیے اتنا بھی خاص نہیں۔" اس نے لحہ بھر رک کر ٹشو سے ناک پونچھا' کہ اس کی خاطر' سب دوستوں کو اپنے پیرنٹس سے پٹتا دیکھوں'۔

"او' ہیلو..." سب کی حیرانگی کو خاطر میں لائے بنا ارمان نے جوابی کاروائی کی۔

"میں بھی کوئی تمہارے عشق میں مرا نہیں جارہا... ہونہہ' وہ تو دوستی کے ناطے احسان کررہا تھا' ورنہ تم جیسی بات بات پر آنکھیں پھاڑتی' ناک سے "آں" کرتی گائے بھینس سے کون شادی کرے۔"

"کیا بکواس کی تم نے..." ربیحہ آستین چڑھا میدان میں اتری۔

"وہی جو تم نے سنی..." دس دن سے دونوں نے رو رو کے سارے گروپ کا جینا محال کررکھا تھا اور اب گرگٹ کی طرح رنگ بدلے لڑتے ہوئے کہیں سے بھی اعلا تعلیم یافتہ نہیں لگ رہے تھے اور باقی سب کے لیے یہ منظر انگشت بدنداں تھا۔

"اوہ رہنے دو۔" اس نے پھر جوابی حملہ کیا۔

"تم سے لاکھ درجے اچھا ہے میرا کزن' جس کا پرپوزل ایکسپٹ ہوچکا ہے..."

"تو محترمہ کان تم بھی صاف کروا رکھو' میرے ابا کے دوست کی بھانجی بھی بہت خوب صورت' اسمارٹ ہے۔"

"ہونہہ...!" اس نے گردن ماری۔

"آخ..." ربیحہ نے ناک چڑھایا۔

اور پھر یونہی ہوا وہ کزن کو پیاری ہوگئی اور ارمان ابا کے دوست کی بھانجی کے سر کا تاج بن گیا۔ ارحم اور شائزہ دور پار کے کزن تھے۔ فیملی میں آنا جانا بھی تھا۔ ارمان' ربیحہ کا منظر دیکھ کر اک دوجے سے اسی دن ایفا کر بیٹھے۔

"ہم ان دونوں کی طرح جھوٹا بھرم نہیں رکھیں گے' اگر دوستوں کی مدد درکار ہوئی تو ہاتھ پیر جوڑ کرلیں گے۔" ہاتھ پیر جوڑنے کی نوبت نہ آئی۔ بہت خیر و خوبی

سے رشتہ طے پا گیا۔ جل گروپ کا سب سے چلبلا رامیس یونی کی ہر دوسری لڑکی سے مر جانے کی حد تک عشق لڑاتا پھرتا تھا۔ کئی کے ہاتھوں درگت بنی 'کئی کو اس کی بے وفائی پر نیر بہاتے دیکھا گیا۔ مگر اس خبیث کی منگنی بچپن سے تایا زاد سے طے تھی اور چند ماہ بعد شادی 'سچی محبتوں کے خزانے اسی کے لیے سنبھال رکھے تھے۔

٭ ٭ ٭

زکوان ملک آج کل بہت الجھے ہوئے رہتے۔ جب سے معلوم ہوا تھا افق زکوان ان کے دوست نیاز بیگ کے ساتھ مل کر وہ کیس تیار کر رہا ہے۔ بڑھتی فکر نے نیندیں تب اڑا دیں جب ایک روز بھاری بھر کم لمبا چوڑا مرد یک لخت ان کے آفس آدھمکا۔

"کون ہو.... کیوں آئے ہو؟" وہ درشتی سے بولے تھے۔

"میں جو بھی ہوں 'مگر آپ کا خیر خواہ ہوں' آپ کا اکلوتا بیٹا افق زکوان ' اسے کہیں ہمارے گھر کے معاملات سے ذرا دور رہے ' وہ میری بھتیجیاں اور بیوہ بھابھی ہے۔ میں ان کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہوں....!"

"اوہ 'شٹ اپ! تمہاری ہمت کیسے ہوئی 'میرے بیٹے کا نام لینے کی.... وہ پوری آنکھیں کھولے چلائے تھے۔

"ہونہہ 'چلاؤ مت صاحب جی.... پھر نہ کہنا کہ...."

"دفع ہوتے ہو یا پیون کو بلاؤں...."

"ذرا آرام سے...." وہ بہت سرور میں بولا "وہ جو انہیں کورٹ کچہری کے رستے دکھا رہا ہے نا' اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔" انہوں نے بیل دے کر پیون کو بلا لیا تھا' مگر وہ ڈھیٹ بنا اپنی بات پوری کر کے گیا۔ "اپنے لفظوں میں سمجھا لیں اسے بہتر ہے ورنہ...."

"دیکھ کیا رہے ہو۔ باہر پھینکوا سے۔"

اب کے انہوں نے پیون کو ڈانٹا تھا۔ وہ اس کے سامنے جتنے غصیلے لگ رہے تھے بعد میں اتنے ہی بے چین ہو گئے۔ یوں اتنے بڑے مل آنر کے آفس میں زبردستی گھس کر دھمکانا معمولی بات نہیں تھی۔ ان کے دل میں آیا فوراً" پولیس کو کال کریں۔ وہ چاہتے تو اسے تاحیات جیل کی سلاخوں میں سڑنے کے لیے چھوڑ دیتے۔ مگر وہ جس کلاس کا تاثر دے رہا تھا ایسے لوگوں کی اپنی تو کوئی عزت ہوتی نہیں 'ہوس کی پٹی میں جان تک کی پروا نہیں کرتے لیکن انہیں اپنی عزت اور افق کی جان بے حد عزیز تھی۔ اگر ردعمل میں وہ جاہل اجڈ شخص کسی اور کے ذریعے افق کو کچھ....

"او.... نو...." وہ اس سے آگے سوچنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ اس دن گھر آکر انہوں نے افق کی خوب کلاس لی تھی۔

"بابا آپ اتنا ہائپر کیوں ہو رہے ہیں 'پلیز سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"میں جتنا سمجھ سکتا تھا' برداشت کر سکتا تھا' کر لیا.... افق اب تم اس فیملی کے رستے سے ہٹ جاؤ.... اوکے۔"

"یہ ممکن نہیں ہے بابا۔" اس کے دو ٹوک جواب پر وہ زہر خند لہجے میں بولے۔

"تو پھر میں تمہیں خود اپنے ہاتھوں سے ختم کر دوں گا سمجھے.... اور اب دفعان ہو جاؤ۔ یہاں سے۔" غصے سے دھاڑتے ہوئے ان کا بی پی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔ پھر کتنے ہی دن خاموشی کی ندی میں آن ٹھہرے۔

٭ ٭ ٭

وہ بڑی اسمارٹ 'ویل مینرڈ' ویل ڈریس لڑکی تھی۔ پہلا تاثر اس میں خود اعتمادی کا جھلکتا تھا۔ جب باس اس کا تعارف کروا رہے تھے۔ اس کے گلابی ہونٹوں پر ویلکم کرتی مسکراہٹ تھی۔ وہ اسی آفس میں بطور آڈیٹر کام کر رہا تھا اور وہ بھی اسی ڈپارٹمنٹ میں آنے لگی تھی۔ تھوڑا سا ہی گائیڈ کرنے سے وہ سب سمجھ گئی تھی۔ ایک ہی آفس میں روزانہ کام کرتے صرف چند دنوں میں ان میں بے تکلفی ہو گئی تھی۔ پھر یہ بے تکلفی گھر میں ڈسکس ہونے لگی۔

"اس کی تعریف کے اتنے پل باندھتے ہو' لے آؤ کسی دن گھر ملوانے۔"

"ہاں' ہاں لے آؤں گا آپی۔"

وہ یک لخت گھوما "ایکچوئلی آپی' وہ یہاں اپنے چاچو کے پاس تفریحاً" آئی تھی' پھر شوقیہ آفس آنے لگی اور اب اتنا دل لگ گیا ہے شاید ہی اکیلے جائے۔"

"ہاں' ہاں..." وہ مسکرائی تھی۔ "تمہیں رخصت کروا کے ساتھ لے جائے گی۔"

"ہائے...!" وہ سر کے نیچے انگلیاں پھنسائے آڑھا ترچھا اس کے قریب ہی نیم دراز ہو گیا۔

"کتنا مزا ہے یار' لڑکے کی رخصتی میں۔" اس کی آنکھوں کی شرارت اور لہجے کی مستی میں یک لخت رامیس نگاہوں میں گھوم گیا۔

"شرم تو نہیں آتی یہ سوچتے بھی...."

"اس میں شرم کی کیا بات' آخر کسی نے تو رخصت ہونا ہی ہوتا ہے..." وہ کروٹ بدل اس کے گھٹنے کے بالکل قریب ہو گیا تھا۔

"ویسے بھی ڈیئر آپی اس محترمہ کا گھر پاکستان میں ہے' اسے تو وہاں جانا ہی ہے' اور اگر ہم بھی چلیں ادھر ہی' ہانیہ کی شادی کے بعد مما تنہا فیل کرتی ہوں گی' بابا بھی بیمار رہنے لگے ہیں' ان کی اداسی دور ہو جائے گی' میں وہاں جاب ڈھونڈ لوں گا.... کیسا؟"

ابھی وہ اس لڑکی سے ملی نہیں کبھی دیکھا نہیں اور یہ کیسے پلاننگ بنا رہا ہے۔

"اسٹوپڈ! تم نے اتنا آگے تک سوچ رکھا ہے۔"

"جی بالکل.... بلکہ اس کے آگے کا پلان بھی ہے۔" وہ ہنسیں گی۔ اس کے چہرے پر ذو معنی پھیلتی "کھی کھی" پر وہ آنکھیں سکیڑے اسے تکتی رہی۔ وہ جب جب اس کا ذکر کرتا تھا اس کے چہرے پر رونق آجاتی تھی۔

✡ ✡ ✡

شمائل شادی کے بعد اپنی امی کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ ہارون کی جاب سکھر میں تھی ساس' سسر تھے نہیں جیٹھ' نندیں شادی شدہ' ہارون کی جاب ایسی تھی کہ اگر فیملی ساتھ لے جاتا تو بچت کچھ نہ ہوتی۔ اس لیے شمائل کو شروع سے نعیمہ نے ساتھ رکھا ہوا تھا اور حارب اسی لیے خالہ سے بہت اٹیچ تھا اور جب دو سال بعد ہانیہ ہوئی تو مکمل ہی اس کی ذمہ داری بن گیا۔ وہ یونی سے آتی تو وہ اس کے پیچھے پیچھے سائے کی طرح لپکتا۔ وہ تقریباً" چودہ سال کا تھا جب وہ این جی او کی آفر پر دبئی آگئی۔ وہ پاکستان سے پہلے ہی بھاگ جانا چاہتی تھی بلکہ اس دنیا سے دور چلی جانا چاہتی تھی ایسے میں دبئی میں جاب آفر ہفت اقلیم کی طرح لگی۔ شمائل نے اسے بہت روکا' حارب کا حوالہ دیا مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔

"آپی اسے آپ میرے ساتھ بھیج دیں...." یہ ممکن نہیں تھا اور وہ دبئی آگئی۔ مگر حارب بہت ڈسٹرب ہوا تھا۔ حالانکہ وہ روزانہ اس سے اسکائپ پر بات کرتی' اس کا روٹین ورک غور سے سنتی' مگر وہ پھر بھی الجھا رہتا۔ اس کی سالانہ چھٹیوں میں وہ اسے اپنے پاس بلا لیتی۔ پھر سی اے کرنے کے بعد اس نے جاب کے لیے یو اے ای میں اپلائی کیا اور مستقل اس کے پاس آ گیا۔ وہ صرف ہانیہ کی شادی پر چند روز کے لیے پاکستان گئی تھی۔ این جی او کا کام پھیلتی سوشل مصروفیات میں جانے اس کا اپنا آپ کہاں گم ہو گیا تھا۔ اسے یاد ہی نہ تھا پاکستان میں کب' کہاں کیا رہ گیا تھا۔ یاد تھی تو اک ذلت' اک رسوائی جو ذرا سی جلد بازی سے اپنوں نے ہی مانگ میں بھر دی تھی۔

✡ ✡ ✡

رات کے چھا جانے کا وقت تھا اس نے گلاس ونڈو کا گلاس سرکایا' خنکی کی تیز لہر اس کے چہرے سے لپٹنے آئی تھی۔ وہ کتنی دیر کھڑا صاف آسمان تکتا رہا۔ جگ مگ کرتے تارے آج سے پہلے کبھی اتنے اداس نہیں لگے تھے۔ جتنے اب دکھائی دے رہے تھے۔ اس کے اندر شورش تھی' التجائیں تھیں' فریاد' منتیں تھیں کسی طرح بابا مان جائیں' جان جائیں میں اس کے بغیر

نہیں رہ سکتا۔ بہت سے ترتیب و بے ترتیب جملوں نے اس کا خون اتنا گرم کر دیا کہ باہر کی سرد ہوا کا احساس مٹ گیا تھا۔ اسے اپنے عقبی جانب قدموں کی چاپ سنائی دی، خفیف سی گردن موڑ کر دیکھا بابا اس کی جانب بڑھتے قریب آن کھڑے ہوئے۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" بہت دن بعد وہ مخاطب ہوئے تھے۔

"کچھ بھی نہیں..." وہ شیشے سے ٹیک ہٹا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"ناراض ہو...؟"

"نہیں..." اس کے یک لفظی انکار پر پھیکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر ٹھہر گئی۔

"میں جانتا ہوں، میرا بیٹا مجھ سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔" وہ اس کے کندھے کے پیچھے ہاتھ رکھے۔ اسے کاؤچ تک لائے اور اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ کچھ دیر اسے دیکھتے رہے جیسے کوئی کتاب، کوئی قصہ، کہانی سنانے کے لیے پہلا ورق ڈھونڈ رہے ہوں۔

"افق..."

"جی..."

"یار جس وقت تمہاری ماں نے ساتھ چھوڑا تم بمشکل دو برس کے تھے۔" پہلا ورق ملتے ہی وہ اب ٹھہر ٹھہر کر نرم لہجے میں سنانے لگے۔ "بہت چھوٹے، بھولے، معصوم سے، اور میں بھی اتنا بڑا نہیں تھا۔ صرف ستائیس برس کا تھا۔" اس نے ایک دزدیدہ نگاہ اٹھائی پھر جھکا لی۔

"میرے ہم عمر اس وقت کنوارے بھی تھے اور کچھ کی شادی ہو رہی تھی، اگر میں چاہتا، اس وقت دوسری شادی کر لیتا، آسانی سے رد کر دینے والی پرسنلٹی نہیں تھی میری، بلکہ بہت اچھی خوب صورت پڑھی لکھی لڑکیوں کے پرپوزلز بھی تھے اور مجھے اس وقت ایک عورت کے سہارے کی ضرورت بھی تھی لیکن..." رک کر انہوں نے لمبی سرد آہ بھری اور پھر کہنے لگے "لیکن تمہارے ساتھ زیادتی ہو جاتی، ہو سکتا ہے میں تمہارے ساتھ انصاف نہ کر پاتا، بیوی، دوسرے بچوں میں توجہ بٹ جاتی، میں یہ تمہیں اس لیے نہیں بتا رہا کہ میں نے کوئی قرض، کوئی احسان کیا تم پر، بلکہ اس لیے بتا رہا ہوں کہ مجبور تھا اپنی پدرانہ شفقت کے ہاتھوں... آہ! اپنے احساسات، جذبات، جواں بیوی کا غم سب کچھ پس پشت ڈال دیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، صرف تم ہو، صرف تم..." وہ کہتے کہتے پھر اک بار رکے اور اس کے جھکے سر کو بغور دیکھتے رہے۔

"میری جان! اب جب تم جوان ہو گئے ہو تو کیسے تمہیں خطرے میں ڈال دوں، میں نے تمہیں کبھی ٹھوکر لگنے نہیں دی۔ اب غنڈوں کے ہاتھ..."

"لیکن بابا..." اس نے کچھ کہنا چاہا، مگر انہوں نے اشارے سے روک دیا۔

"ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی، دیکھو افق، اس کے تایا بہت خطرناک قسم کے بندے لگے مجھے۔"

"لیکن بابا اس سب میں نخبہ کا کیا قصور؟"

"میں جانتا ہوں اس میں اس بچی کا کوئی قصور نہیں ہے، اس کی والدہ اور بہن دیکھنے میں اچھی خاصی شریف معلوم ہو رہی تھیں، مگر میری جان ہم اس کے تایا جیسی کمینی شخصیت کو نہیں جھٹلا سکتے، بیٹا ایسا نہیں ہے کہ میں اس شخص سے ڈر گیا ہوں، میرے ایک اشارے پر پولیس اسے اٹھا لے جائے گی مگر افق، ایسے لوگ کھر دماغ ہوتے ہیں، چند روپوں کی خاطر عزت، جان کی پروا نہیں کرتے، اگر خدانخواستہ انتقام میں اس نے کبھی تمہیں کوئی نقصان... نہیں۔" وہ کہتے ہوئے بھی گھبرا گئے۔ "یار دیکھو یہ عزت، دولت، نام تمہارے بغیر بے معنی ہے میرے لیے۔"

"اور اس کے بغیر میری زندگی بے معنی ہے، بابا۔" اس کی آواز اور چہرے پر پھیلتا کرب ان کے لیے بڑا دردناک تھا۔ انہوں نے ہونٹ دانتوں تلے بھینچ لیا۔

"دیکھو بیٹا، بالفرض اس کی والدہ اپنی پرائی انہیں ہی سونپ دیں اور میں تمہاری شادی نخبہ سے کروا دوں، اس طرح تو وہ شخص اور شیر ہو جائے گا کہ ہم ڈر گئے ہیں، یار ہماری کمزوری اس کے ہاتھ آ جائے گی، جانے کب، کہاں، کس کس طرح بلیک میل

کرے' ایسے لوگوں کی لالچ کی کوئی حد نہیں ہوتی بیٹا۔"

"بابا میں اسے بہت چاہتا ہوں آئی لو ہر۔" اس کی بے قراری پر ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔ بہت دیر اسے متاسفانہ تکتے رہے تھے۔

"جانتا ہوں۔۔۔" انہوں نے پھر گہری سانس لی۔

"اچھا چلو ایک ڈیل کر لیتے ہیں۔۔۔" ان کے کہتے ہی وہ یک لخت بولا۔

"مجھے سب منظور ہے۔"

"پہلے سن تو لو۔۔۔"

"جی۔۔۔"

"تم کچھ عرصہ کے لیے اس منظر سے نکل جاؤ۔" اس نے تحیر سے بھنویں اچکائیں "میں سمجھا نہیں۔"

"بیٹا تم یہ تاثر دو' تمہیں اس سارے کیس اور نخبہ سے کوئی سروکار نہیں' وہ خود اپنے طریقے سے سارے مسئلے کو حل کریں۔"

"اس سے کیا ہوگا۔۔۔" اس نے استفسار کیا۔

"بہت کچھ ہوگا۔۔۔!"

"بابا۔۔۔ انکل نیاز پہلے ہی سیریس نہیں ہیں' اگر میں بھی نکل گیا' تو ان کا کیس اور کمزور ہو جائے گا۔" جب زکوان ملک کو پتا چلا کہ یہ کیس نیاز بیگ کے ذریعے دائر ہو رہا ہے تو سب سے پہلے وہ اسی سے ملے تھے اور ساری بات اسے سمجھانے کے بعد کہا تھا۔

"یار کسی طرح اس کیس کو اتنا کمزور کر دو کہ وہ ماں بیٹیاں ہار جائیں' یا پھر افق کو اس معاملے سے دور کرو۔۔۔ یار میں بہت پریشان ہوں۔"

"تم فکر مت کرو' زکوان۔۔۔ میں دلچسپی ہی نہیں لوں گا۔"

حالانکہ یہ ایک سمپل سا کیس تھا۔ مرحوم کی وراثت کا مخصوص حصہ اس کے بھائی کا نکال کر باقی بیوہ اور بچیوں میں تقسیم ہو جاتا۔ قانون و شریعت یہی کہتی ہے۔ مگر تایا خود اکلوتا بھائی ہونے کے بنا پر تمام جائداد ہتھیانا چاہتا تھا۔ بلکہ اگر خوب صورت بیوہ بھی مل جائے' تو کیا کہنے۔ اب ایسے ہوس کے پجاری نے کہاں کہاں تنگ نہیں کرنا تھا۔ نیاز بیگ کو کہنا ان کی مجبوری بن گیا۔ اور جب کیس دائر ہوا تاریخ مل گئی تو نیاز بیگ کی عدم دلچسپی افق زکوان کو کھلنے لگی۔ ابھی خود لڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اسی لیے آج موقع ملتے ہی انکل کا شکوہ کر دیا۔ جس پر وہ بہت اطمینان سے بولے۔

"نیاز یہ کیس نہیں لڑے گا۔"

"کیوں؟" وہ چونکا۔

"بیٹا! میں ایک بہت خود غرض' کمزور باپ ہوں' رسک نہیں لے سکتا۔ دیکھو' اس کے تایا کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ نیاز کے پیچھے تم ہو' اس کی بھاری فیس' ان کے شک کو یقین میں بدلے گی' میری نیاز سے بات ہوئی ہے' وہ کوئی اور اچھا وکیل کر دے گا۔۔۔ پلیز اپنے بوڑھے باپ پر رحم کرو اور یہ مسئلہ انہیں خود حل کرنے دو۔۔۔ اور تم اتنا عرصہ شاہ زین کے پاس جرمنی چلے جاؤ' ویسے بھی اسے لیگل ایڈوائزر کی ضرورت ہے' اس کے ساتھ کام کرو' سال ڈیڑھ میں یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ جب میں سمجھوں گا کہ یہ مسئلہ اپنی تمام تر بقایا جات کے ساتھ ختم ہو گیا ہے' تو بلیو می یار۔۔۔ میں خود تمہاری شادی نخبہ سے کر دوں گا' اور تم بے فکر رہو۔۔۔ میں خاموشی سے ان کی ہر طرح سے مدد کروں گا' بلکہ اچھا ہے وہ کیس ہار جائیں۔"

"جی۔۔۔" وہ حیران تھا۔

"ہاں۔۔۔ میں خاموشی سے انہیں کہیں اور سیٹل کر دوں گا' صرف تمہاری خاطر۔۔۔ بولو ڈن۔"

"لیکن اگر یہ سب کچھ ابھی کر لیں' میرا مطلب ہے' وہ اپنی پراپرٹی سے دستبردار ہو جائیں' تو آپ ان کی۔۔۔"

"پورے گدھے ہو تم' انہوں نے فوراً" اس کی بات کاٹی۔ "وہ لالچی شخص ہمارے گھر کے باہر دربار لگا لے گا' اس کی خواہشات' بلیک میلنگ بڑھتی جائے گی' دیکھو بیٹا کچھ کام خاموشی اور اپنے وقت پر ہی اچھے لگتے ہیں۔"

"اوکے 'باباجان۔" اس کے فرماں برداری دکھانے پر وہ التجائیہ انداز میں کہنے لگے تھے۔

"پھر پرامیس... ان کے گھر نہیں جاؤ گے 'جب تک میں نہ کہوں... خدا کے لیے بیٹا وہاں دخل اندازی مت کرو۔ ٹھیک ہے۔" وہ مرے دل سے اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔

"اس سے فون پر بھلے ڈسکس کرلو... اور ہاں اگلے ہفتے جرمنی کی تیاری کرو۔" وہ پیار بھری دھپ لگا کر جانے لگے تھے کہ اس نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

"اچھا وہ رامیس کی مدر کو کیا ایکسکیوز دی آپ نے۔"

"یار بتا دیا تھا کہ آفیشل ڈنر ہے... تم چلے جانا' ولیمے پر دیکھوں گا 'کیا کرنا ہے... اور اب پلیز سو جاؤ... مجھے بھی کئی دن سے نیند نہیں آئی۔" وہ کہہ کر چلے گئے تھے۔

کتنے دنوں بعد اک پرسکون نیند اس کی آنکھوں میں اتری تھی۔

☆ ☆ ☆

انہیں اتنی بے قراری و بے چینی سے لان میں ٹہلتے ریمل نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اسے یہاں آئے کئی ماہ ہو چکے تھے۔ یہاں آکر پہلے اس نے خوب شاپنگ اور سیریں کیں پھر ان کے ساتھ آفس جانے لگی۔ آفس کا ماحول خاصا اٹریکٹو 'ڈیسنٹ سا تھا۔ بالکل چاچو کی فطرت کے مطابق۔ اس کی بھی دلچسپی بڑھنے لگی۔ پھر بہت سی توجہ حارب نے بھی کھینچ لی۔ اب وہ زیادہ اس کی وجہ سے آفس آنے لگی تھی۔ حارب کے ساتھ دوران گفتگو اور اس کی غیر موجودگی میں بھی اس کا تذکرہ کرتے وقت اس کے چہرے پر چھائی سرشاری' اس سے چھپ نہ سکی اور دبے لفظوں میں پوچھنے پر ریمل کا حد درجہ صاف گو اقرار اسے حیران ہی کر گیا۔

"جی چاچو 'مجھے وہ پسند ہے۔"

"بیٹا ابھی آپ چھوٹی ہو' ان چکروں میں کہاں پڑ گئیں۔"

"تو کیا چاچو میں ساری زندگی چھوٹی ہی رہوں گی..." سنتے ہی ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"بس وہ اچھا ہے' ڈیسنٹ' اٹریکٹو' کم گو... کریکٹر وائز بھی ویل... میں ڈیڈی سے بات کرلوں گی۔" انہیں حیران در حیران دیکھ کر وہ کچھ سنبھلی۔

"ابھی کون سا آج ہی کچھ ہو رہا ہے... اگر وہ بھی ایگری ہو تو؟"

ارے واہ کیا پلانڈ محبت ہے' بالکل اپنے چاچے پر گئی ہے' وہ دل میں سوچتے رہ گئے اور جب اسی اعتماد سے اپنے ڈیڈی سے بات کی تو انہیں کوئی اعتراض نہ تھا۔ بلکہ انہوں نے حارب کی خالہ سے ملنے اور چھان بین کرنے کا کام ان کے ذمہ لگایا تھا اور حارب کی خالہ سے مل کر تو اس کے اپنے دل کی دنیا تہہ و بالا ہو گئی تھی۔ جو تلاش برسوں سے تھی وہ یوں اچانک عیاں ہو جائے گی' یہ تو سوچ بھی نہ تھی اور کتنی خوب صورت بنفشی رنگ بکھرتی' چہار سو مسحور کن فضا لیے تھی وہ شام' جب وہ حارب کے ساتھ اس کے گھر آرہی تھی۔ کتنی بار انی میڈ سے کھانے کی تیاری اور لوازمات کا پوچھ چکے تھے اور نگاہ بار بار گیٹ پر جاتی۔ آخر اٹھ کر لان میں نکل آئے۔ جب گھڑیال کی سوئی چھ سے اوپر سرکنے لگی تو ہارن پر وہ تیزی سے باہر کی جانب لپکے تھے۔ نگاہ گیٹ پر اٹھی تو پلٹنا ہی بھول گئی تھی۔ اسکن کاٹن کی گھٹنوں تک آتی قمیص جس کے دامن اور آستینوں پر سبز پھولوں کی بیل بنی تھی' سبز چوڑی پاجامہ' سبز اسکن امتزاج کا پھیلا دوپٹا' پشت پر کھلے بال' انتہائی ہلکی لپ اسٹک البتہ آنکھوں میں گہرا کاجل' کولہ پوری چپل' نفیس سا پرس تھامے ہر سو فسوں پھیلاتی وہ گاڑی سے نکلی۔ اس کی سانسیں پھول چکی تھیں کہ اندر جا رہی تھیں یا باہر نکل رہی تھیں۔ وہ دس سال پہلے کی طرح اس کے حواسوں پر چھانے لگی تھی۔ اردگرد کی ہر چیز فضا میں تحلیل سی ہونے لگی صرف وہ دونوں زمیں پر بچے ہوں۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی جیسے پانی پر چلتے اس کے قریب آرہی ہو۔ اور اس کا دل جیسے دھڑکن بھول رہا تھا۔ پل پل ختم

ہوتا فاصلہ ہر چیز کو دھندلانے لگا۔ اس دھند میں برسوں کی دھول تھی۔ اس کے نازک ہونٹوں پر ٹھہری زخمی مسکان نے اسے جبڑے جمانے' نمی روکنے پر مجبور کردیا تھا۔

✡ ✡ ✡

رامیس کی شادی کا غلغلہ تھا۔ وہ زکوان ملک کے سسرالی رشتہ داروں میں سے تھا۔ اسی لیے افق زکوان ہر معاملے میں پیش پیش رہا۔ رامیس کی بھتیجی ریمی نے کل سے کوئی پچاس کالز کی تھیں۔ افق زکوان اس کے لاڈ بھی تو ایسے اٹھاتا تھا جیسے سگا چچا ہو اور وہ چھوٹی سی بارہ سالہ لڑکی اور اس کی خواہشات الامان۔

"چاچو۔۔۔" اس نے رات میں کوئی تیسری بار یاد کروایا تھا۔ "پھولوں کی ساری ڈیکوریشن میری مرضی سے ہوگی' آپ ساتھ دینے صبح سے آجائیے گا۔"

"نیلی فراک کے ہم رنگ گجرے کہاں سے ملیں گے۔۔۔ آپ لادینا' چاچو ڈھول پر ہم دونوں مل کر پھول لپٹیں گے' پلیز جلدی آنا' اور دو پھولوں والی چھڑیاں بھی بنائیں گے' پلیز جلدی آنا۔۔۔"

صبح سے بھی وہ جلدی جلدی الاپتی رہی مگر اسے شام کے پانچ بج گئے تھے تیار ہوتے ہوئے۔ اس کے موبائل کی ٹون بجنے لگی تو رک کے نہ دے۔ وہ بالوں میں تولیہ رگڑتا واش روم سے نکلا فون اٹھایا۔ رامیس کی کال تھی۔ افق کے "ہیلو" کہنے سے پہلے ہی وہ دھاڑا۔

"کب مروگے۔۔۔؟"

"کیوں ولیمہ پر میرے قلوں کے چنے کھلانے ہیں۔"

"بکواس نہیں کر' ٹائم دیکھا ہے۔۔۔؟"

"کہاں یار' تمہارا ہاتھا اور رواج باہر کیوں۔۔۔؟"

"بی سیریس۔۔۔" آج اسے زچ کرنے کا دن تھا۔

"تو ہوا ہے کبھی۔۔۔"

"ہاں آج ہوں نا اور وہ ریمی میرا دماغ چاٹ گئی تمہارا پوچھ پوچھ کر' حد ہوتی ہے یار' کیسے دوست ہو تم'

ایک بھی نہیں پہنچا اور وہ ارحم اور شائزہ ایک نمبر کے کمینے نکلے میری شادی پر اپنا ہنی مون پلان کرلیا۔۔۔ ارمان کو بیوی نہیں چھوڑتی' ربیحہ کو سسرال' اور وہ تمہاری نخبہ۔۔۔" اس نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے نخبہ کا نام خاص کر چبا کر لیا۔ "سدا کی ڈرپوک۔۔۔ اور تم' کمینے تو تو کنوارہ بھی ہے اور رشتہ دار بھی' پھر کیوں نہیں پہنچا ابھی تک۔" وہ ایک سانس لڑ رہا تھا۔ "دو گھنٹے کے اندر اندر ان سب کمینوں کو گھیر کر نہ لایا' تو یاد رکھ میں سہرا نہیں باندھوں گا۔۔۔" اس کے سانس لینے کے وقفے میں اس نے اونچا قہقہہ لگایا تھا۔

"بیٹا سہرا تو' تو ہمارے منع کرنے کے باوجود بھی باندھے گا' رسی' ڈوری' دھاگا کچھ بھی نہ ملا تو پکڑ کر بیٹھ جائے گا' اپنے رخ سخن کو چھپانے کے لیے۔۔۔ ورنہ تو' دنیا کا پہلا اور آخری دولہا ہوگا جس کے گلے میں نوٹوں' پھولوں کے بجائے جوتوں کے ہار ہوں گے وہ بھی۔۔۔ لیڈیز' نکوں' ہیل والے۔۔۔" آخر نخبہ کو ڈرپوک کہا تھا' بدلہ تو لینا ہی تھا۔ اس کے چھت پھاڑ قہقہے پر وہ کلس ہی تو گیا۔

"بک مت' میں نے کسی کو لفٹ نہیں کروائی' وہ تو خود ہی مرتی ہیں لڑکیاں مجھ پر۔۔۔"

"بالکل' بالکل' تبھی مرنے' مارنے کے لیے شہلا' نیلم شازل' گڈی رانی تیرا پتا پوچھ رہی ہیں۔۔۔ ہاہاہا۔"

"تو اب بس کرے گا یا نہیں۔۔۔ بتا کب تک آرہا ہے۔" رامیس اسے موضوع پر لایا۔

"تیری طرف آنے کی تیاری کررہا تھا۔" اب افق بھی سنبھل گیا تھا۔ "بس گھنٹے تک آجاتا ہوں۔"

"مر پھر' جلدی آ۔۔۔" کمرے میں مدھر موسیقی کے ساتھ گنگناتے وہ تیار ہو رہا تھا۔ اچانک نخبہ کا خیال آتے ہی اس کا نمبر ملایا اور اس کا پروگرام پوچھا تھا۔

"نہیں افق! میں نہیں آسکتی' دیر ہو جائے گی۔ واپسی پر۔۔۔"

"یار میں ڈراپ کردوں گا تمہیں۔۔۔" ڈراپ کی آفر کرتے ہی اسے بابا سے کیا پرامس یاد آیا تھا۔ مگر یہ سوچ کر جھٹک دیا۔ بابا نے اس کے گھر ملنے جانے سے

منع کیا تھا کہ تایا کو شک نہ ہو اور اب تو صرف ڈراپ کروں گا۔ فرینڈ ہے وہ میری۔ اتنا تو حق ہے اور ویسے بھی بابا نے ہی کہا تھا فون پر ڈسکس کرلو۔ فون پر کرنے سے بہتر ہے' فنکشن پر مناسب جگہ دیکھ کر بات کرلی جائے۔ وہ اسی لیے اسے راضی کر رہا تھا۔ کچھ پس و پیش کے بعد وہ نیم راضی ہو گئی۔

"اچھا بات سنو۔۔۔" فون بند ہونے سے پہلے افق زکوان نے لجاجت سے کہا تھا "وہ۔۔۔ وہ ساڑھی پہن لینا پلیز۔۔۔!"

"ساڑھی۔۔۔؟" نخبہ کا پچھلا برتھ ڈے اس نے بالکل اچانک یونی میں سلیبریٹ کر کے اسے حیران کر دیا اور پھر سب سے چوری چھپے ایک خوب صورت ریپنگ میں لپٹا تحفہ اسے تھمایا تھا۔ ڈبے کی نوعیت سے سوٹ لگتا تھا۔ پہلے اس نے لینے سے انکار کیا مگر افق۔۔۔ زکوان کے بے حد اصرار پر رکھ لیا اور جب کھول کر دیکھا تو بہت خوب صورت نفیس نگوں کے کام کی ریڈ ساڑھی تھی۔ ساڑھی تو بلا شبہ خوب صورت تھی مگر مسئلہ گھر لے جانے کا تھا کہ امی کو کیا بتائے گی کامدار ریڈ ساڑھی؟ آخر ربیحہ کا نام لیا کہ اس کی بہن کویت سے لائی تھی اس نے اسے گفٹ کر دی۔ امی نے کہا تھا۔ اس طرح کے تحائف دوستوں سے نہیں لیتے اور پھر لے کر پیٹی میں رکھ دی۔ امی سے چوری کتنی بار پیٹی کھول کر اسے خود پر لگا کر دیکھا مگر پہنی کبھی نہیں تھی۔ کنواری لڑکیوں کا ساڑھی پہننا ماؤں کو کہاں پسند ہوتا ہے اور پھر اتنی بھاری اور اجنبیوں کے فنکشن میں ہرگز اجازت نہ ملتی۔ ویسے بھی آکورڈ لگتا (بھونڈا پن) اس نے صاف انکار کر دیا۔

"اوہو۔۔۔ یار' فنکشنز پر لڑکیاں اسی قسم کے ڈریسز پہنتی ہیں۔"

"لیکن میں سب لڑکیوں جیسی نہیں ہوں۔"

"ہاں تمہارے تو سینگ لگے ہیں نا۔۔۔" اس کے حد درجہ چڑے انداز کو اس نے لمبا سا "ہاں" کہہ کر محظوظ کیا تھا۔

"ہونہہ۔۔۔" اس نے کوفت سے سر جھٹکا۔

"اچھا اب آؤ گی بھی یا۔۔۔ بلکہ آنٹی سے میری بات کرواؤ' میں اپنی ذمہ داری میں تمہیں پک ڈراپ کرلوں گا۔"

"تم فون بند کرو' امی سے میں بات بھی کرلوں گی اور آ بھی جاؤں گی' لیکن تھوڑے ٹائم کے لیے۔۔۔"

"او کے ڈیئر!" اس کا گمبھیر تشکر آمیز لہجہ کانوں میں رس گھول گیا۔

امی نے خاصی دیر سوچا۔ حالانکہ سب فرینڈز سے متعارف تھیں' پھر بھی' جلدی آجانا' کسی سے زیادہ فرینک مت ہونا' اگر افق کے ساتھ آؤ گی تو رامیس کی بھابھی یا بہن سے کہنا وہ ساتھ آئیں۔"

"کمال کرتی ہیں آپ۔" وہ استہزائیہ ہنسی "امی ان کے گھر کا فنکشن ہے وہ کیسے آسکتی ہیں۔ ویسے بھی ان کی فیملی ہماری طرح نہیں ہے' ہر کسی کے لیے پریشان ہو۔"

"تو پھر مت جاؤ۔۔۔"

"پلیز امی۔۔۔" بہت مشکل سے اسے ایک ڈیڑھ گھنٹے کی اجازت ملی تھی۔ تیاری کے وقت بھی وہ مسلسل گھورتی رہیں۔

سرخ و سفید شفون کی ٹیل فراک جس کے گھیر پر ہم رنگ موتیوں سے کام تھا۔ سرخ سینڈل' نازک جیولری سرخ لپ اسٹک لگانے لگی تو امی نے منع کر دیا۔

"اتنی تیز لگانے کی کیا ضرورت ہے۔" مسکارے پر گھورا' باڈی اسپرے پر باقاعدہ ڈپٹا "لڑکیاں ایسی خوشبوئیں نہیں لگاتیں۔"

"اچھا سوری' اب تو لگالی' آئندہ احتیاط کروں گی۔"

اس نے سارے بال سمیٹ کر دائیں کندھے پر ڈالے۔ وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی اور امی اس کے حسن سے شاکی تھیں کہیں نظر نہ لگ جائے۔ یک لخت بیرونی دروازہ بہت زور سے دھڑ دھڑایا تھا۔

"کون آگیا؟" نعیمہ پاؤں میں چپل اڑستے خود کلامی کرتے باہر نکلیں۔

✡ ✡ ✡

اس کا سحر انگیز مردانہ وجود آج ہمیشہ سے زیادہ پرکشش لگ رہا تھا۔ تمام تر رونق کے باوجود یک لخت اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا۔ وہ اس کا بے حد بے قراری سے منتظر تھا۔ اس کا لیٹ ہونا اس کے غصے کو ہوا دینے لگا۔ اس نے خود کہا تھا کہ وہ آٹھ بجے تک آجائے گی' بے شک فنکشن بہت دیر سے شروع ہونا تھا مگر وہ جلدی آکر نو' دس بجے تک چلی جائے گی' صرف اس کے اصرار پر شمولیت کر رہی ہے۔ وہ سات بجے سے اسے کال کر رہا تھا یہ پوچھنے کے لیے کتنی دیر تک آئے گی میں خود لینے آجاتا ہوں' مگر وہ اٹینڈ کرے تب نا۔ گھڑی کی سوئیاں نو کو چھونے لگیں۔ اسے تشویش تھی' نہ جانے آبھی رہی ہے یا نہیں' کم از کم فون تو اٹھائے۔ وہ یک لخت جانے کے لیے اٹھا تھا۔ اس کے تیزی سے گیٹ کی جانب بڑھتے قدموں پر ارحم نے پکارا۔

"ہمیں بلا کر' خود کہاں جا رہے ہو....؟"

"نخبہ کو لینے۔"

"یار چھوڑو اسے رات کا فنکشن ہے' وہ نہیں آئے گی....."

"میں لاؤں گا....." اس کا لہجہ استحقاق بھرا تھا۔

وہ اپنی گاڑی اڑاتا لے گیا۔ لکڑی کے پرانے دروازے پر لگا تالا اس کی تشویش بڑھا گیا تھا۔ وہ خواہ مخواہ بند دروازے پر ڈور بیل دیتا رہا۔ دروازہ بجاتے اسے اپنا آپ خبطی سا لگا۔ اس کا نمبر ڈائل کرنے کے ساتھ ساتھ متلاشی نگاہیں ادھر ادھر دوڑائیں۔ ایک موٹر سائیکل گھر کے قریب آکر رکی۔ جوان موٹر سائیکل سوار کے پیچھے اچھی خاصی عمر اور بھاری جسامت کا مرد بھی اترا تھا۔ وہ دونوں ناگواریت سے اسے دیکھ رہے تھے۔ افق زکوان نے انہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ ان کی الجھی نگاہوں کا مطلب نہ جان سکا۔

"کون ہو تم....؟" بھاری جسامت والے کی آواز بھی خاصی بھاری تھی۔

"جی وہ..... یہ گھر والے کہاں ہیں' کیا آپ کو معلوم ہے؟" سوال کے جواب میں الگ سوال پر وہ مزید غصیلی تیوریاں چڑھائے دیکھنے لگا۔

"یہ جاننے کے لیے ہی آئے ہیں۔" اب کے جوان اکڑ کر بولا تھا۔ "تم بتاؤ' تمہیں کیا کام ہے' کون ہو تم؟"

"وہ ایکچوئلی۔" کچھ کہنے سے پہلے پاکٹ میں اس کا سیل فون تھرکنے لگا اس نے "ایکسکیوز می" کرتے فون نکالا' نخبہ کی کال تھی۔ اس نے برق رفتاری سے فون کان کو لگایا تھا۔

"کہاں ہو تم لوگ..... یار میں اتنی دیر سے یہاں کھڑا ہوں..... ہاں تمہارے گیٹ پر..... واٹ! ایبٹ آباد' کس کے' کیوں؟" بولتے ہوئے اسے اپنی آواز کی تیزی کا اندازہ ہوا اس نے مڑکر فاصلے پر کھڑے دونوں افراد کو دیکھا وہ دونوں اب بائیک پر بیٹھ کر واپس جا رہے تھے۔

"یہ کون تھے؟" اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے لحہ بھر سوچا تھا۔ پھر ذہن جھٹک دیا۔ اسے نخبہ کی تشویش تھی۔ وہ خاصی گھبرائی ہوئی تھی۔ بات بھی صحیح سے نہیں کی۔ شاید راستے میں تھی۔ لائن میں خاصا شور تھا۔ استفسار پر ٹالتی رہی۔ وہ اتنی دور سے اس کی پریشانی کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ گاڑی مین روڈ تک لاتے ہوئے وہ ایک فیصلہ کر چکا تھا۔

سردیوں کی یخ بستہ رات' کٹھن پہاڑی رستہ' سڑک پر اب بھی خاصا رش تھا۔ ونڈ اسکرین پر بار بار گرتی دھند اور صاف کرتے وائپرز' اوپر سے ایک یلو کیب کی بار بار اوور ٹیکنگ اسے کوفت میں مبتلا کرنے لگی۔ افق زکوان نے اپنی گاڑی سائڈ پر کی اور اسے گزرنے کا سگنل دیا۔ وہ کچھ آگے جا کر پیٹرول پمپ پر رک گئی تھی۔ افق اپنی گاڑی زن سے اڑا لے گیا۔ راستے میں ارحم' رامیس کی کئی کالز آئیں۔ وہ پہلے استفسار پر پھر گالیوں پر اتر آئے وہ اسے خوب لتاڑ رہے تھے۔ مگر اس نے "صبح بتادوں گا" کہہ کر سیل پاور آف کر دیا۔ وہ جب ایبٹ آباد پہنچا بارہ بج رہے تھے۔ دل میں کئی بار آیا کہ نخبہ کو بتائے کہ وہ اس سے ابھی ملنا چاہتا ہے' وہ اس کے لیے فکر مند ہے' آخر وہ یوں

اچانک کیوں آگئیں، سب خیریت تو ہے، کہاں ہے؟ گھر کا ایڈریس پوچھے۔ پھر ٹائم کی نوعیت دیکھ کر بمشکل خود کو باور کروایا۔ یوں اس وقت کسی اجنبی کے گھر جانا کہیں نخبہ کے لیے مسئلہ نہ بن جائے۔ جانے وہ کن لوگوں کے گھر ہے۔ اس نے بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ قریب ہی ایک ریسٹ ہاؤس تھا وہ وہاں چلا گیا کہ علی الصبح اس سے بات کرے گا۔

☆ ☆ ☆

نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ کمرے کی بالکونی میں آکھڑا ہو گیا۔ پر فضا خنکی میں رچا تاریکی میں ڈوبا ایبٹ آباد اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ اتنے گھر ہیں اس شہر میں، جانے وہ کس گھر میں ہو گی؟ اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے سوچا تھا۔ بابا کی طرف سے بے فکری تھی انہیں معلوم تھا کہ آج رات وہ رامیس کی طرف رکے گا۔ مگر اسے اندر کہیں شرمندگی کا احساس ضرور تھا۔ وہ بابا کو بنا بتائے پہلی بار شہر سے باہر گیا تھا۔ کس کے لیے؟ کس کی خاطر؟ اسے اس نے نہیں بلایا تھا، پھر کیوں؟ وہ کیوں اس کے لیے ہر چیز سے خاص ہوتی جا رہی تھی۔

اس کی سوچوں کا ارتکاز موبائل کی ٹیکسٹ ٹون پر ٹوٹا۔

"سوری! میں تمہارے بلانے پر نہیں آسکی، رامیس سے ایکسکیوز کر لینا، مجبوری تھی....."

"کیسی مجبوری؟" اس نے ٹائپ کیا۔

"بتا دوں گی.... شادی سے فارغ ہو کر، اگر رابطہ کر سکو.... تو؟" اس کے ادھورے سوال پر وہ مسکرایا۔

"رابطہ کر سکو؟ ڈیئر میں آچکا ہوں، ایبٹ آباد، تم سے ملنے۔"

"واٹ! کہاں ہو تم اس وقت....." وہ خاصی حیران ہوئی۔

"ریسٹ ہاؤس جھل کھڈ میں....."

"جھل کھڈ....." اس نے دوہرایا۔

کتنا عجیب سا نام ہے نا جھل کھڈ۔ ہندکو میں جھل، جھیل، گرتے پانی کو کہتے ہیں اور کھڈ گڑھے کو۔ اس ریسٹ ہاؤس کے شمالی جانب ایک بڑی سی جھیل ہے ٹھنڈے میٹھے پانی کی شاید اسی لیے آنر نے ہوٹل کا نام یہی رکھ لیا اس نے اس ریسٹ ہاؤس کو کبھی دیکھا نہیں تھا مگر ذکر سنا تھا۔ وہ یہاں کہیں قریب ہی تھا۔ وہ "اوکے" ٹائپ کر کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ شمائل کی نند کا بیٹا شافع اپنے اردگرد گرم کمبل لپیٹے برآمدے میں بیٹھا پڑھ رہا تھا خاصا پڑھا کو بچہ تھا، میڈیکل میں جانے کا تمنائی۔ وہ اس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ اس کی پڑھائی کے متعلق ایک دو بات کرنے کے بعد، ریسٹ ہاؤس جھل کھڈ کا پوچھا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ وہ سبز آنکھیں سکیڑے بتا رہا تھا۔

"یہ سڑک پار کر کے چوراہا ہے، اس کے بائیں جانب ڈھلوانی پہاڑ پر..... پر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں....؟"

"مجھے جانا ہے..... ابھی لے چلو گے....." وہ اتنی بہادر تو کبھی نہیں تھی، جیسے دو ٹوک کہہ رہی تھی۔ حالات بہادر بنا دیتے ہیں شاید وہ بہادر بننا چاہ رہی تھی۔ شافع نے اپنے والد کا موبائل جو الارم کی وجہ سے اس کے قریب رکھا تھا، اس میں وقت دیکھا پھر ایک نظر صحن میں چھائی تاریکی اور رات کی خنکی کو بڑھاتی حشرات کی آوازوں پر غور کیا۔ اسے آپی نخبہ یکدم خبطی لگی۔

"اس وقت؟" وہ حیران تھا۔

"ہاں پلیز! مجھے وہاں کسی سے ملنا ہے، پلیز صرف تھوڑی دیر کے لیے....." وہ سوچ رہا تھا۔ ابھی ان سب کو آئے کچھ گھنٹے ہوئے ہیں، اور وہ کہیں جانے کا کہہ رہی ہیں۔

"مگر آپی! ابھی سب لوگ سو رہے ہیں....."

"ہاں تو ہم لوگ صبح بتا دیں گے، میں خود بتا دوں گی.... پلیز۔" وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد موبائل اٹھا جیب میں، باپ کے کمرے میں جھانکا وہ بے خبر سو رہا تھا۔ اگر وہ انہیں اٹھا کر بتاتا تو آدھے گھنٹے تک تو انہوں نے کھانسنا تھا۔ وہ دمہ کے مریض تھے۔ شافع چادر کی بکل

مار آ کھڑا ہوا' وہ کمرے میں ہینڈ بیگ لینے گئی۔ امی یہاں تو آ کر بہت روئی تھیں۔ دوا دے کر بمشکل سلایا تھا۔ آپی' حارب' ہانیہ کو لحاف میں دبکا کر خود بھی سو گئیں۔ آپی کی نند قریب ہی گہری نیند میں تھی۔ اب ایسے میں کسی کو کیا جگائے۔ اس نے اپنا بیگ اور موبائل اٹھایا شال اچھی طرح لپیٹی نکل آئی۔

صنوبر' چیڑ کے درختوں کو چیر کر گزرتی سنسناتی ہوا خنکی بڑھا رہی تھی۔ ہلکی ہلکی سفید برف گرنے سے سڑک بالکل سنسان اور ویران تھی۔ ڈھلوان اترتے ہی جیسے شہر جگمگا اٹھا تھا۔ جھل کھڈ سے پھوٹتی روشنیوں اور فواروں کے بیچ پانی کا شور' رستہ واضح ہو گیا۔ وہ تیز تیز چلنے لگی۔ وہ اس وقت کبھی بغیر بتائے تو کیا بتا کر بھی نہیں نکلی تھی۔ دھڑکتے دل سے لرزتے مگر تیز قدم اٹھانے لگی۔ وہ ناآشنا تھی کہ آج جلد بازی میں زندگی کی سب سے بڑی حماقت کرنے جا رہی ہے۔ بے شک جلد باز حماقتیں شیطان کا بڑا ہتھیار ہیں۔ وہ انہی سے انسان کا ناقابل تلافی نقصان کرتا ہے اور وہ آج اس ہتھیار سے لیس تھی۔ خمار آلود ریسپشنسٹ سے اس نے افق زکوان کا روم نمبر پوچھا تھا۔ اس نے پیشہ ورانہ انداز میں کئی سوال کیے۔

"کون ہو' کیوں ملنا ہے۔ اس وقت' ہم ایسے کسی کا روم نمبر نہیں بتا سکتے۔"

"تو پھر آپ ان سے پرمیشن لے لیں' سر میرا نام نخبہ ہے۔" وہ شخص بہت مرتبہ اس کا روم فون نمبر ڈائل کرتا رہا۔ مگر نو آنسرنگ۔ غالباً" وہ تو بالکونی میں کھڑا تھا۔ اور سوچوں میں اتنا محو تھا کہ لینڈ لائن کی ٹون نہ سن سکا۔

"وہ ریسیو نہیں کر رہے۔"

"اچھا۔" اس نے ہونٹ چبایا۔ "ایسا ہے سر' آپ ساتھ چلیں' دروازہ ناک کر لیں گے' پلیز مجھے بہت ضروری کام ہے ان سے۔"

اس کی رونی صورت پر اسے ترس آگیا پھر ویٹر کو ہانک لگا کر اس کے ہمراہ کیا تھا۔ عین اسی وقت شافع کا موبائل بج اٹھا۔

"اچھا' تم فون سن لو' میں بس پندرہ بیس منٹ تک آئی۔" وہ پاکٹ سے سیل نکالتے شافع کو جاتے جاتے کہہ گئی تھی۔ دروازہ تیسری ناک پر کھل گیا تھا۔ حیرت سے افق زکوان کے چہرے پر حیرت در آئی۔

"تم... اس وقت...!" پھر اس کے چہرے پر پھیلی سراسیمگی کو دیکھ کر رستے سے ہٹا۔ "اچھا ٹھیک ہے... " ویٹر کو جانے کا اشارہ کیا تھا۔

"تم پاگل ہو' اس وقت نہیں آنا چاہیے تھا۔" ویٹر کے جاتے ہی وہ برس پڑا۔

"جانتی ہوں' مگر مجھے بہت ضروری بات کرنا تھی..."

"تو کیا صبح نہیں ہونا تھی' اتنی تاریکی میں' یوں اکیلی... اسٹوپڈ' اگر کچھ ہو جاتا..." وہ غصے کے عالم میں اسے گھور رہا تھا "اتنی ہی ایمرجنسی تھی تو مجھے کہا ہوتا' میں آجاتا... بے وقوف..."

"افوہ' اکیلی نہیں آئی' ایک لڑکا ہے میرے ساتھ۔" اس کی وضاحت پر وہ مزید بھڑک گیا۔

"ہاں بڑا کمال کیا ہے اسے ساتھ لا کر... آگے تو جیسے کوہ پیمائی ہی کرتی رہی ہو نا..." اسے نخبہ سے اس قدر حماقت کی توقع نہیں تھی اور نہ ہی نخبہ کو اس سے خفگی کی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں لبالب پانی سے بھر گئیں۔

"او یار پلیز..." اور یہی افق کی کمزوری تھی۔ وہ قدرے آگے بڑھا اس کے شانے تھامے' وہ یخ ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ اس نے اسے پکڑ کر آتش دان کے قریب بیٹھایا۔

"ریلیکس... اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے..." کوئی ایک مسئلہ ہوتا تو وہ کہہ پاتی۔ اس کی زندگی میں مسائل کے انبار تھے۔ جب وہ رامیس کی مہندی کے لیے نکل رہی تھی اچانک تایا آگئے۔ اور حسب معمول دھمکانا شروع کر دیا۔

"اگر پرسوں پیشی پر تم لوگوں میں سے کوئی بھی گیا تو میں بھول جاؤں گا تم میرے مرحوم بھائی کی بیوہ ہو..." پھر اچانک ان کی نظر بیٹ ہاتھ میں پکڑے گھر میں

داخل ہوتے حارب پر گئی تو اس کا بازو اپنی طرف کھینچا۔

"بلکہ نہیں، جس جائیداد کو تم بچانا چاہ رہی ہو نعیمہ' وہ اس کو ڈھونڈنے میں خرچ ہو جائے گی۔" امی کے قدموں تلے زمین نکل گئی۔

"چھوڑو اسے ....." ان کے آگے بڑھنے پر انہوں نے دھکیلتے ہوئے حارب کو چھوڑا' چودہ سالہ حارب لڑکھڑا کر رکا۔

"اسے خالی خولی دھمکی مت سمجھنا' ورنہ تم بہت پچھتاؤ گی۔" وہ انگارے برساتے جا چکے تھے۔

شمائل دونوں بچوں کو ساتھ لپٹائے چیخنے لگی۔ نخبہ شور سن کر باہر آئی تھی۔ امی اور آپی کو پانی پلایا۔

"ہارون کو فون کرو۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" شمائل کے بار بار کہنے پر اس نے بہنوئی کا نمبر ملایا تھا۔ وہ سکھر کے ڈاک خانے میں کلرک کی پوسٹ پر تھے۔

اس نے تمام حالات سے انہیں آگاہ کیا تھا۔ وہ تسلیاں دیتے رہے۔ بلکہ ایک دو دن تک چھٹی لے کر آنے اور تایا سے خود بات کرنے کا کہا تھا۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد ان کی دوبارہ کال آگئی۔ شاید وہ پریشان ہو گئے تھے کہیں تایا غصے اور جلد بازی میں بچوں کو کچھ نقصان نہ پہنچا دیں اسی لیے کہہ رہے تھے۔

"بہتر ہو گا کہ تم لوگ کچھ دن کے لیے بچوں کو لے کر ادھر ادھر ہو جاؤ... بلکہ آج ہی۔"

"لیکن کہاں جائیں..... بھائی۔" نخبہ گھبرا گئی تھی۔

انہوں نے اپنی بہن جو ایبٹ آباد میں رہتی تھی وہاں جانے کا مشورہ دیا تھا۔ بے شک شمائل کی شادی خاندان میں ہوئی تھی اور اس کی نند کے سسرال میں تایا کا بھی آنا جانا تھا۔ لیکن وقتی طور پر سامنے سے ہٹ جانا بہتر تھا پھر رشتہ داروں کا لحاظ بھی شاید کریں۔ نعیمہ کے دل کو یہ بات اتنی لگی کہ انہوں نے وقت نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تک نخبہ نے لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا۔ بس جلدی جلدی انتہائی ضروری اشیاء اٹھائیں اور نکل پڑے۔ البتہ نخبہ نے گھر کے کاغذات یہ سوچ کر رکھ لیے تھے کہ حارب ان کی زندگی میں آنے والا پہلا لڑکا تھا۔ وہ اس کی خاطر پراپرٹی تو کیا جان دے سکتی تھی۔ وہ یہ کاغذات تایا کے منہ پر مارے گی اور کبھی ان کے منہ پر تھوکے گی بھی نہیں۔ وہ جاب کر کے امی اور اپنا بوجھ اٹھا سکتی ہے۔ ہارون بھائی اپنی فیملی کو سنبھالیں۔

وہ دھیرے' دھیرے سب افق زکوان کو بتا رہی تھی۔ آنسو تواتر چھلکنے سے اس کی آواز بیٹھ گئی تھی۔

"پلیز یار! رونا تو بند کرو۔" اس کے آنسو اسے تکلیف دے رہے تھے "اور ویسے بھی نخبہ یہ تو بہت عقل مندانہ فیصلہ ہے' جس سے زندگی اور عزت کو خطرہ ہو' اس سے خاموش کنارہ کشی بہتر ہے... اور ہارون بھائی کو اللہ پاک بہتر حالات دے دیں گے' ویسے بھی کوئی شخص کسی سے کچھ نہیں چھین سکتا' جب تک اللہ نہ چاہے۔" اس نے تائیدی سر ہلاتے ہوئے اپنے بیگ سے گھر کے کاغذ نکالے اور اسے تھماتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ کاغذات تم کسی طرح وکیل کے ذریعے تایا تک پہنچا دو' میں نہیں چاہتی کہ مزید دیر ہونے پر کوئی ایسا نقصان ہو جائے کہ عمر بھر رونا پڑے۔"

"کم آن یار' پلیز! میں ہوں نا' تمہارے ساتھ۔" اس نے اس کے آنسو اپنی پوروں سے صاف کیے اور اس کے نازک مگر یخ ٹھنڈے ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں تھام کر حوصلہ دیتے ہوئے دبائے تھے۔

"ویسے....." اس نے بھنویں اچکاتے ہوئے لہجہ اور موضوع بدلا۔

"تم پہ ریڈ کلر بہت سوٹ کرتا ہے" اس نگاہ اس کی فراک کے گھیر پر تھی۔ "لیکن ایسی روتی بسورتی صورت کچھ جچ نہیں رہی۔" یک دم بدلے موضوع پر نخبہ نے اسے شاکی نگاہ سے گھورا تو وہ قہقہہ لگانے لگا۔

"اچھا بابا..... گھورو تو نہیں' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کرنے لگا۔ "اٹھو' میں تمہیں گھر تک چھوڑ آ....." اس کا جملہ ادھورہ رہ گیا۔ بہت سا شور مچتے ہی دروازہ

جھٹکے سے کھلا تھا۔ ان کے چہروں پر خوف' بے یقینی' ہونقی۔ آٹھری یہاں چوری' ڈاکا' قتل کچھ ہو جائے پولیس کبھی وقت پر نہیں پہنچتی مگر بے بنیاد الزامات یا رشوت لے کر بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی حاضر ہو گئی۔ بلکہ مرچ مسالا کے لیے پریس رپورٹر ساتھ تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ سب بکتے جھکتے ان کی جانب بڑھے کوئی لفظ' کوئی جملہ اس کے منہ میں بن نہ پایا۔ دماغ ان کے گندے الزامات پر سن ہو رہا تھا۔ لیڈیز پولیس نخبہ کی جانب بڑھی تھی۔

"چھوڑو مجھے ہم نے کچھ نہیں کیا..."

"چھوڑ دو اسے... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ اپنے بازو چھڑاتا پولیس پر جھپٹا "چھوڑ دو اسے پلیز..."

لیکن وہ زیادہ تھے اور کھینچتے ریسپشن تک لے آئے۔ افق زکوان نے کیمرہ مین کے کیمرے پر کئی بار ہاتھ مارا۔ وہ چاہ رہا تھا کسی طرح نخبہ کی تصویر نہ بنے۔ اس کی عزت اسے اپنی زندگی سے پیاری تھی۔ وہ انہیں چلا چلا کر منع کرتا رہا۔ مگر انہوں نے گھٹیا سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ کاؤنٹر پر کھڑے بھاری بھر کم شخص کو دیکھ کر اسے یاد آیا یہ تو وہی بائیک والا شخص تھا۔ فوراً" اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجی۔ وہ انتہائی اشتعال انگیزی میں اس پر جھپٹا۔ جیسے زہریلی نگاہوں سے اسے کھا جائے گا۔

"کیا کوئی سگا تایا اتنا کم ظرف بھی ہو سکتا ہے' گھٹیا' ذلیل... آخر..." اور پھر اس نے نخبہ کو تنفر سے کہتے سنا تھا۔

"یہ سب آپ نے بتایا..." وہ دھاڑتی جا رہی تھی "اگر میرے مرحوم باپ کا کفن میلا ہو گا' تو پگڑی آپ کی بھی اچھلے گی' تایا جان۔

تایا جان آپ یہ بھول گئے ہیں کہ میں آپ کے خاندان کی عزت ہوں۔" وہ پولیس گاڑی میں سوار ہوتی چلاتی گئی تھی۔

شافع' ہک دک دیکھ رہا تھا پھر تیزی سے گھر کی سمت بھاگا کسی کو بتانے۔

☆ ☆ ☆

علی الصبح کے تین بج رہے تھے۔ تھانے دار انہیں سامنے بٹھائے شکی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا ایک کے بعد ایک فضول سوال افق زکوان کے تن بدن میں آگ لگا رہا تھا۔ پہلے وہ غصے میں تردید کرتا رہا پھر کچھ سنبھل کر تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"دیکھیں سر' آپ کو کوئی شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"اچھا...!"

اس نے حظ اٹھایا۔ "خوب صورت ملبوسات میں اٹین شین ہو کر' سرخی پاؤڈر' خوشبوئیں' رات کے ایک بجے' ہوٹل کا کمرہ... جوان لڑکا لڑکی... کیا مطلب ہے اس سب کا' بے وقوف سمجھتے ہو مجھے۔"

"سر! ایسا کچھ نہیں ہے' جو آپ سمجھ رہے ہیں' یہ سب اتفاقیہ ہوا ہے' پلیز آپ اسے۔" اس نے نخبہ کی طرف اشارہ کیا "اسے تو جانے دیں' یہ خاتون ہے' پلیز' اس کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں۔"

"اچھا' تو اسے یہ سب کرنے سے پہلے نہیں پتا تھا کہ یہ خاتون ہے' ہونہہ' بڑی نیک پروین آئی۔" افق زکوان کو یک لخت غصہ آگیا۔

"بلا ثبوت کوئی حق نہیں پہنچتا الزام لگانے کا' سمجھے آپ! اور پلیز مجھے ایک کال کرنے دیں' ورنہ یہ آپ کے کیریئر کے لیے بہت نقصان دہ ہو گا..."

"دھمکی دیتے ہو..." آفیسر اور زور سے چلایا تھا۔

نخبہ صرف سر پکڑے آنسو بہا رہی تھی۔ وہ اتنی بہادر تو کبھی نہیں تھی۔ یوں رات میں آنے کا حوصلہ جانے کہاں سے آگیا تھا۔ اور گھر والے' وہ کیا یقین کر لیں گے' اس کی ماں' بہن' شافع... شاید کوئی بھی نہ کرے۔ یہ کیا ہو گیا اس سے... غالباً" تایا نے جیسے ہی افق زکوان کے منہ سے ایبٹ آباد کا نام سنا تو فوراً" شمائل کی نند کا خیال آیا تھا۔ انہوں نے یلو کیب کروائی

تھی۔ ایبٹ آباد کی مین روڈ پر افق زکوان کی گاڑی بھی دکھائی دی تو تعاقب کرنے لگے تھے۔ شہر پہنچ کر گاڑی تو آگے پیچھے ہو گئی تھی۔ مگر انہوں نے ویسے ہی معلوماتی طور پر شمائل کی نندوئی کو فون کیا تھا۔ موبائل شافع کے پاس تھا۔ انہوں نے چالاکی سے نعیمہ کی خیریت پوچھی شافع ان کے آپس کے جھگڑے سے لاعلم تھا۔ اس نے کہا۔

"آنٹی تو گھر پر ہیں۔ میرے ساتھ تو نخبہ آپی ہیں۔"

"کہاں... کہاں ہو تم لوگ۔" دوسری طرف سے آواز آئی تھی۔

"یہاں بھل کھڈ' وہ کسی سے ملنے آئی ہیں۔" بس اتنا پتا چلنا تھا۔ ان کے تخریبی ذہن نے فوراً" سمجھ لیا اور شیطانی کردار پھر ایلان ترتیب بھی دے لیا۔ سوائے آنسو اور پچھتاوے کے نخبہ کے پاس کچھ نہیں بچا تھا۔ اسے صبح کی روشنی سے خوف آرہا تھا۔ جانے کہاں کہاں' کتنی بدنامی جائے گی' صرف اک حماقت' اک بلا سوچے سمجھے فیصلے کی سزا... آہ بہت منت سماجت سے افق زکوان کو اس نے فون کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس نے پہلے نیاز انکل کو فون ملایا۔ وہ قانونی پیچیدگیاں زیادہ جانتے ہیں مگر وقت ایسا تھا اکثر لوگ موبائل سائلنٹ پر کیے سو رہے ہوتے ہیں۔ بیل جاتی رہی۔ شاید وہ بھی سو رہے تھے۔ دنیا کا ہر شخص سائلنٹ موبائل کیے سو سکتا ہے مگر زکوان ملک نہیں۔ وہ بھی تب جب ان کا افق گھر سے باہر ہو۔ وہ موبائل اپنے بالکل قریب رکھے لیٹے تھے۔ وہ قطعا" انہیں تکلیف نہ دیتا۔ انہیں کسی کے سامنے رسوا ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مگر مجبوری ایسی تھی۔ اگر نخبہ یہاں تھانے میں نہ ہوتی تو وہ یقیناً" صبح کا انتظار کرتا۔ مگر نخبہ کو وہ جلد از جلد گھر پہنچانا چاہتا تھا اسی لیے بابا کا نمبر ڈائل کیا۔ فون دوسری بیل پر ریسیو ہو گیا تھا اور ایبٹ آباد تھانے کا نام سنتے ہی ان کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"یا اللہ خیر' یہ رامیس کی مہندی سے وہاں کیسے پہنچ گیا۔" انہوں نے ڈرائیور کو بلایا اور گاڑی اڑاتے وہاں پہنچ گئے۔ ہر ہر پل ان کے لبوں پر ایک دعا تھی۔

"یا اللہ میرے بیٹے کو اپنی امان میں رکھنا' کوئی ایکسیڈنٹ نہ کر دیا ہو اس نے..." جب وہاں اسے نخبہ کے ہمراہ پیش کیا تو دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے ان کا افق' ان کا مان' یقین' بھروسا' اعتماد' پارہ پارہ کر سکتا ہے۔ ان کا شدت سے جی چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائیں اور تھانیدار نے تو تا چشمی کی انتہا کر دی۔

"ملک صاحب! بچے نے بتایا ہی نہیں کہ یہ آپ کا بیٹا ہے ورنہ ہم..."

"ٹھیک ہے۔" انہوں نے اسے مزید صفائی سے روکا۔

"آپ لے جائیں انہیں مگر..." وہ لمحہ بھر کے لیے رکا۔ "یہ اچھی عادت نہیں ہے' جوان لڑکیوں کو ہوٹل میں بلانا..." زکوان ملک کے لیے یہ جملہ نہایت تضحیک آمیز تھا۔ وہ جانے کتنی ہمت جمع کر کے گاڑی تک آئے تھے۔ وہ ان کے برابر اور نخبہ پیچھے بیٹھ گئی۔

"بابا ایکچوئلی..." اس نے کچھ کہنا چاہا مگر انہوں نے اشارے سے منع کر دیا۔ ان کے چہرے پر خستگی اور رویے میں درشتی افق اس رویے کا کب عادی تھا۔ پھر سے منمنایا۔

"بابا جان! ایسا کچھ نہیں ہے' دراصل..."

"میں نے کہا خاموش رہو' مجھے کچھ نہیں پوچھنا۔"

ان کی دھاڑ پر وہ حیران تھا اور نخبہ اندر تک کانپ گئی۔

"بابا آپ مجھے جانتے ہیں' پلیز میری بات تو..."

"افق تم یہ چاہتے ہو کہ میرا سانس بند ہو جائے' یا میں گاڑی کھائی میں گرا دوں۔" ان کے دو ٹوک رویے پر اس نے ہارے ہوئے شخص کی طرح زور سے اپنا سر سیٹ بیک پر مارا تھا۔ نخبہ کو اس کے بتائے پتے پر ڈراپ کر کے گاڑی آگے بڑھ گئی... افق کی گاڑی ڈرائیور واپس لایا تھا... اس کے پاس کسی کو یقین دلانے' اپنی صفائی میں کہنے کو ایک لفظ بھی نہ بچا تھا۔ سب کی نگاہوں میں اسے اپنا وجود حقیر لگ رہا تھا۔ کتنی

خوف ناک تھیں اس صبح کی کرنیں جنھوں نے ہر طرف چنگاریاں سلگادیں۔ اخبار کے کالے حروف نے اس کے وجود کو کالا کردیا۔ جب علی الصبح وہ واپس آئی تو سب صحن میں سر پکڑے بیٹھے تھے۔ شمائل کے ننددوئی پر شدید گھبراہٹ تھی۔ جانے کیا معاملہ ہے ان ماں بیٹیوں کا، صبح ہو تو تھانے جائیں۔ کسی سے پوچھیں ضمانت کا بندوبست ہو۔ مگر جیسے ہی وہ لڑکھڑاتی ہوئی داخل ہوئی سب اس کی جانب بھاگے اور وہ دہلیز میں ہی چکرا گئی۔ سنبھلنے پر وہ پتھر کی بن گئی تھی۔ سب کی شاکی نگاہوں نے اس کا وجود منجمند کردیا اور ناشتے سے پہلے اخبار نے آکر اس کی رہی سہی ہستی خاکستر کردی۔

"نامور صنعت کار زکوان ملک کے بیٹے ایڈووکیٹ افق زکوان اپنی کلاس فیلو نخبہ حسن کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں ہوٹل سے گرفتار۔" تفصیل اس سے زیادہ شرمناک تھی۔

جانے ایسی کتنی خبریں جھوٹی سچی دلیلوں کے ساتھ روز اخبار کا پیٹ بھرتی ہیں۔ حقیقت سے کسے سروکار مگر نعیمہ میں اس خبر کو سہنے کی سکت نہیں تھی۔ حرکت قلب بند ہونے تک وہ بار بار کہتی رہیں۔

"میری نخبہ ایسی نہیں، یہ جھوٹ ہے.... کچھ اور معاملہ ہوگا۔" ہارون چھٹی لے کر وہاں پہنچ چکا تھا' اسے اور شمائل کو نخبہ پر شدید غصہ تھا۔

"کچھ بھی تھا' آخر بتا بتائے' رات کے وقت کیوں نکلی' سو رہے تھے مر تو نہیں گئے تھے۔ کسی سے مشورہ کرتی تو شاید یوں نہ ہوتا' میری نند کے سامنے بھی ذلیل کردیا۔" کہنے پوچھنے کے لیے دونوں کے پاس بہت کچھ تھا مگر اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ کچھ بھی برداشت کرپاتی۔ گم صم نیم مردہ۔ نعیمہ کی تدفین کے بعد وہ نخبہ سے پوچھنے ہی لگے تھے۔

"کیا ہوا تھا' کیوں اچانک گئیں۔" ان کے مزید کچھ کہنے سے پہلے وہ لڑکھڑاتی ہوئی کھڑی ہوئی اور کانپتی آواز میں بولی۔

"میں اپنی یا افق زکوان کی پاکیزگی میں کچھ نہیں کہوں گی بھائی.... بس بھانجے کی محبت' اور اس کی زندگی کے خدشے میں دن رات کا فرق سمجھ ہی نہ سکی.... اپنی حماقت سے اُسے بھی ذلیل کروادیا۔"

ہارون نے ہونٹ بھینچتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کچھ دیر بعد کہا تھا۔

"میرے بیٹے کی خاطر تم نے بدنامی کا طوق کیوں پہن لیا' کیا تایا کی کمینی فطرت بھول گئی تھیں۔"

٭ ٭ ٭

زکوان ملک کی بے حد کوششوں کے باوجود بھی جانے کیسے ان کے کاروباری مخالفین نے پریس میں خبر نکلوا دی تھی۔ ان کے لیے اس سے تکلیف دہ کوئی بات نہیں تھی کہ برسوں کی بنائی عزت پل بھر میں ٹھوکروں پر آگئی اور جوان 'اعتبار' بیٹے کی فرماں برداری کا تھا وہ کاغذی کشتی ثابت ہوا۔ ان کے لینڈ لائن اور سیل پر ہزاروں مس کالز تھیں۔ مگر انہیں چپ لگ گئی۔ گھر میں موت کا سا سناٹا تھا۔

تقریباً پانچ چھ دن بعد وہ اچانک اس کی پشت پر کھڑے کوئی کاغذ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"یہ تمہارا ٹکٹ اور جرمنی کا ویزا ہے۔"

"بابا...." وہ برق رفتاری سے مڑا مگر وہ انگشت سے تنبیہہ کرتے۔

"یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔" پھر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ ان پانچ دنوں میں اس نے کتنی بار کوشش کی انہیں حقیقت بتانے کی مگر وہ سنیں تب نا۔

وہ ہارے قدم اٹھاتا فلائٹ کے لیے نکل رہا تھا۔

اچانک زکوان نے ٹوٹی سی سرگوشی کی۔

"ا.... فق...." وہ بجلی کی تیزی میں پلٹا۔ انہوں نے دونوں بازو کھولے اور لپٹا لیا۔

"میری جان.... میری نگاہ میں تم آج بھی پارس ہو' میں جانتا ہوں یہ پلانڈ تہمت ہے مگر.... مگر تم نے میرا پرامس توڑ کر مجھے توڑ دیا' میرا مان توڑ دیا افق...."

"سوری بابا.... جانے کیسے یہ سب ہوا' ہم کسی غلط ارادے...."

"جانتا ہوں۔" اس کی ندامت بھری آواز پر وہ پہلے بول پڑے اور رامیس نے کندھے پر تھپکی دے کر اسے الگ کیا تھا۔ ارحم، ارمان، رامیس تینوں خبر پڑھتے ہی اس کے پاس آئے تھے۔ اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"یار اگر کوئی انتہائی کرپٹ ویڈیو بھی لا کر چلا دے، تب بھی ہم دوست یقین کر ہی نہیں سکتے کہ تم دونوں کسی غلط ارادے سے گئے تھے، بعض اوقات جو ہمیں نظر آ رہا ہوتا ہے وہ درحقیقت ہوتا نہیں، کیا ہم تمہیں اور نخبہ کو جانتے نہیں۔" وہ تینوں نخبہ کی طرف بھی گئے تھے۔ مگر وہاں تالا تھا۔ سیل فون بند۔

وہ پھر کبھی راولپنڈی واپس نہیں آئی تھی۔ دونوں بہنوں نے اس جائداد پر تھوکنا بھی گوارہ نہیں کیا جس کی وجہ سے ان کی عزت رگید دی گئی تھی اور ماں منوں مٹی میں چلی گئی تھی۔ ہارون ایک بار وہاں آئے اور گھر کا ضروری سامان سمیٹ سکھر لے گئے۔ بمشکل ہی سہی مگر کرائے کے چھوٹے سے گھر کا بندوبست کر لیا تھا۔ شمائل کی نند آئے دن لوگوں کو صفائیاں پیش کرنے سے تنگ آتی تھی۔ کرائے کا گھر تھا وہ چھوڑ کسی اور علاقے میں لے لیا۔

☆ ☆ ☆

ذرا سی جلد بازی ناقابل معافی گناہ بن گئی تھی۔ اپنی نظروں میں گر کر جینا وہ بھی بنا جرم کے نخبہ کو تنہائی پسند بنا گیا۔ کچھ عرصے بعد وہ گھر سے نکلی۔ ہانیہ کے اسکول میں جاب شروع کی پھر جلد ہی چھوڑ کر این جی او جوائن کر لی۔ سیلری پیکیج بھی اچھا تھا اور سہولیات بھی تھیں۔ خاموش پگڈنڈی پر زندگی رینگنے لگی تھی۔ البتہ افق زکوان نامی پھانس دل کے ہر پور میں پیوست تھی۔

جرمنی جانے سے پہلے وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اپنی حماقتوں پر، جلد بازی پر دل بھر کر رونا چاہتا تھا اس نے بار بار اس کا نمبر ملایا۔ مگر آف غالباً" اس کا موبائل پکڑ دھکڑ کے دوران ہوٹل میں کہیں گر گیا تھا۔ اس نے دوبارہ اس نمبر کی سیم نہیں نکلوائی بلکہ نمبر بند کروا دیا تھا۔ افق زکوان نے تینوں دوستوں کو بھی اسے ڈھونڈنے کی مہم پر لگایا تھا۔ شائزہ، زیبحہ سے بھی اس کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کہاں ہے وہ سب اپنی ناقص معلومات پر حیران تھے۔

حد ہوگئی چار سال اکٹھے پڑھا۔ بہت اچھی دوستی رہی مگر سوائے ایک دوسرے کے گھر کے ایڈریس اور ذاتی کانٹیکٹ کے کسی کی فیملی کا نہیں پتا تھا۔ افق زکوان نے رامیس کو ایبٹ آباد کا ایڈریس سمجھایا تھا۔ وہ وہاں بھی گیا مگر نئے کرائے داروں نے صاف کہہ دیا۔

"بھئی ہمیں نہیں معلوم وہ کہاں گئے، ان کی لڑکی نے حرکت ہی ایسی کی تھی منہ چھپاتے پھر رہے ہوں گے۔" وہ سر پکڑ کر رہ گیا۔ اور یہ رائے افق کو بالکل نہیں بتائی مبادا وہ طیش میں آ جائے۔

وہ جرمنی سے تقریباً" سال بعد آیا تھا۔ اس نے پھر سے اسے تلاش کیا۔ مگر وہ تو کہیں روپوش ہوگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

این جی او کی دبئی برانچ سے اسے آفر آئی تھی۔ شمائل اور ہارون کے منع کرنے کے باوجود وہ نہ مانی وہ یہاں سے چلی جانا چاہتی تھی۔ کبھی نہ آنے کے لیے اور وہ چلی ہی گئی۔۔۔ بظاہر وہ سب کو نارمل لگتی تھی۔ مگر اندر کہیں شرمساری کی دلدل تھی۔ جس میں وہ اترتی جا رہی تھی۔

"پتا نہیں میری ماں، میری بات کا یقین کر بھی پائی تھی یا نہیں، بہن بہنوئی سمجھ سکے تھے یا ان میں معاف کرنے کا ظرف بہت ہے اور۔۔۔ اور وہ، میں کیسے افق زکوان کا سامنا کر سکتی ہوں۔ صرف میری بے وقوفی، جذباتی پن، جلد بازی نے اسے سب کے سامنے، خاص کر اس کے بابا کے سامنے رسوا کر دیا، کتنے تنفر، کتنی حقارت سے انہوں نے افق کو ڈپٹا تھا، بات تک نہیں سن رہے تھے، ان کے بے لوث رشتے میں صرف میری وجہ سے دراڑ آئی، حالانکہ وہ بے قصور تھا، اسے تو اعتراض ہوا تھا اس کے یوں رات میں آنے پر۔۔۔

ہائے کاش! کاش وقت پلٹ سکتا۔"

وقت کبھی نہیں پلٹتا بلکہ سبک رفتاری سے بہت آگے بڑھ گیا۔ دس سال بیت گئے۔ حارب کو سی اے کمپلیٹ ہوتے ہی شارجہ 'شہزادوں کی سرزمین پر جاب آفر ہوئی۔

"آئی کے قریب... ارے واہ..." مانوں اس کی چاندی ہو گئی۔ ایک سال میں ہی اس نے کمپنی میں اپنا نمایاں نام بنالیا تھا۔

"افق زکوان تقریباً" چار سال اپنے چچا شاہ زین کے ساتھ کام کرتا رہا۔ پھر زکوان ملک نے اپنا بزنس شارجہ میں شفٹ کر لیا اور ان کا شہزادہ ان کے پاس آگیا۔ لیکن جب بھی اس کی بے کلی' بے چینی بڑھتی تو وہ ایک دو ماہ کے لیے پاکستان چلا جاتا۔ شاید کہیں اس کا سراغ مل جائے۔ اب وہ پہلے والا جذباتی' سرپرائز فیصلے کرنے والا افق زکوان نہیں رہا تھا۔ بہت سنجیدہ' بہت سوبر' باوقار سا ہو گیا تھا۔ اس کی متوازی چال' اور بڑی بڑی بھوری آنکھوں میں اک حزن' اک ملال سا ٹھہر گیا تھا۔ اور اس کا حد درجہ سنجیدہ رویہ زکوان ملک کو کچوکے لگاتا رہتا تھا۔ وہ کئی بار اسے شادی کا کہہ چکے تھے مگر وہ جواباً پھیکا سا مسکراتا۔

"کرلوں گا' بابا جان۔"

"دیکھو بیٹا' ڈھونڈا انہیں جاتا ہے' جو گم ہو جائیں یا راستہ بھٹک جائیں' مگر جو جان کر راستے سے ہٹ جائیں یا چھپ جائیں انہیں ہم چاہتے ہوئے بھی نہیں ڈھونڈ سکتے اور وہ... وہ چھپ گئی ہے بیٹا۔"

انہوں نے سرد آہ بھری۔

"بدنامی بھی تو کم نہیں ہوئی اور لڑکیوں کو اپنی عزت زندگی سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔" وہ گم صم کارپٹ کھوجتے آہستگی سے کہہ رہا تھا۔

"غلطی میری تھی بابا۔"

"نہیں... غلطی اس کی بھی برابر تھی' پھر کچھ سوچ کر بیسیوں بار کا کہا جملہ بولا۔

"میری بات مانو' شادی کر لو' مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے تمہیں ایسے دیکھ کر یقیناً" اس نے بھی شادی کرلی ہو گی۔"

"ہونہہ۔" اس نے خفیف سا سر جھٹکا "امپاسبل' جو مجھ سے چھپ رہی ہے' وہ خود سے بھی چھپ گئی ہو گی۔" انہوں نے رامیس کے ذریعے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ مگر بے سود' بے فائدہ۔ اس نے کئی بار کہا۔

"حد ہوتی ہے یار' دس سات بیت گئے اس واقعے کو' سب بھول گئے ہیں' تم بھی بھول جاؤ' گھر بساؤ اپنا۔"

"تم کیا سمجھتے ہو رامیس یہ اتنا آسان ہے' یا میں شادی اس لیے نہیں کر رہا کہ صرف اسی سے کرنا چاہتا ہوں' نہیں یہ میرے اندر کا گلٹ ہے' جو مجھے سکون لینے نہیں دیتا' میں اس کی دل سے عزت کرتا ہوں' بے حد چاہتا ہوں اسے' مگر میرے ہی جلد فیصلے نے اس کی زندگی تباہ کر دی... وہ عورت ہے' کیسے سروائیو کیا ہو گا' ایک بار' صرف ایک بار' ملنا چاہتا ہوں اس سے' دیکھنا چاہتا ہوں..."

"اور اگر وہ کبھی نہ ملی تو کیا کبھی شادی نہیں کرو گے؛ تم اکلوتی اولاد ہو' انکل کی' ان کی خوشی کا کوئی احساس نہیں تمہیں۔" رامس کہہ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر آنکھیں موندے بیٹھا رہا پھر بہت آہستگی سے کہنے لگا۔

"بہت دکھ دیتا ہوں نا' بابا کو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ میں نخبہ کو بھول جاؤں' وہ کبھی یاد نہ آئے لیکن کیا کروں' وہ دل سے محو ہوتی ہی نہیں' میری دعا قبول نہیں ہوتی یار۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے اور کچھ بھی نہیں..."

رامیس کے شدید غصے پر وہ تاسف سے اٹھا' جانے ہی لگا تھا کہ رمل آگئی۔ ان دنوں وہ بی ایس کر کے فارغ تھی۔ باتوں ہی باتوں میں جھٹ سے پروگرام ترتیب دے لیا۔

"چاچو میں نے بھی شارجہ دیکھنا ہے" وہ وزٹ ویزے پر آئی تھی پھر معیاد بڑھوالی۔ وہ حارب سے اتنی امپریس ہوئی کہ افق زکوان کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔

"ارے کیوں مجھے اپنے باپ' چاچے سے جوتے

پڑواؤگی لڑکی۔"

"آپ بے فکر رہیں، ویسے بھی ڈیڈی آج کل میرا رشتہ ہی ڈھونڈ رہے ہیں، آپ کے تو نمبر بن جائیں گے۔" اور اس نئے بننے والے رشتے کے سلسلے میں ہی وہ پھر سے ملے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ آج بھی اسے دیکھ کر پہلا سا دم بخود تھا۔ خدا جانے یہ خواب ہے یا حقیقت فیصلہ نہ ہو رہا تھا۔ رہمل کے ٹہوکے سے وہ جیسے نیند سے جاگا تھا۔ پھولوں کا بوکے جو سارا دن ان دونوں نے گارڈن سے [illegible] چن کر خود ترتیب دیا تھا۔ رہمل نے انہیں پکڑایا۔

"چاچو... یہ دیں ناں انہیں..."

"ہوں... ہاں۔" اس نے چشمہ اتار کر انگشت اور انگوٹھے سے آنکھوں کے کونے صاف کیے اور بوکے حارب کی طرف بڑھایا۔

"ویلکم!"

"تھینک یو۔" حارب نے پھول پکڑے اور اپنا لایا بوکے رہمل کو پکڑایا تھا۔ رسمی گفتگو کے بعد وہ سٹنگ روم میں بھی بہت چپ، بہت خاموش بیٹھے رہے۔ ایک آدھ بھٹکی نگاہ سے ایک دوسرے کو دیکھ لیتے۔ جملہ بننے کے لیے کوئی حرف پہلا قطرہ نہ بنتا تھا۔ زکوان ملک چند دن پہلے کاروباری کام سے جرمنی گئے تھے۔ آج کل میں آنے والے تھے۔ اس نے انہیں نخبہ کے متعلق ابھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ رہمل حارب کو گھر دکھاتی رہی۔ گھر کی آرائش میں باپ بیٹے کے ذوق سراہتے ہوئے ان دونوں کا پلان شارجہ کے مشہور ساحل "کلبہ" Kalbba جانے کا بن گیا۔ وہ دونوں آ کر انہیں بھی چلنے کا کہہ رہے تھے۔ افق زکوان دزدیدہ نگاہ سے اسے کہتے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں حارب، پھر کبھی سہی... آج میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" آواز اور چہرے پر بے زاریت چھائی تھی۔

"کیا ہے آنی؟ وہاں جا کر آپ اچھا فیل کریں گی، بہت اچھی فضا ہے وہاں۔"

"پلیز... میری خاطر آنی... پلیز۔" رہمل اس کا ہاتھ پکڑے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ان دونوں کے ذرا آگے بڑھتے ہی وہ عقب سے قدرے آگے آ کھڑا ہوا۔

"اگر میری وجہ سے گریز کر رہی ہو تو میں بچوں سے ایکسکیوز کر لیتا ہوں۔"

"تمہاری وجہ سے!" اس کی بھاری پلکیں لرزتے ہوئے اٹھیں۔ شیشہ سی آنکھیں پانی سے لبالب بھر گئی تھیں اور وہ لمبی سی "آہ" بھرتا بمشکل خود کو کنٹرول کیے تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس کے آنسو آج بھی اسے [illegible] گئے تھے، وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ حارب اور وہ دونوں پیچھے بیٹھ گئیں۔ ویو مرر سے ایک دوبار اس نے نخبہ کو آنکھیں صاف کرتے دیکھا۔ اس کے بدن میں بے قراری بھر گئی۔ رہمل اور حارب فشنگ کرتے ہوئے بہت شوخ ہو رہے تھے۔ ڈنر کے بعد وہ دونوں واک پر نکل گئے اور وہ سمندر کنارے رکھی کرسیوں پر براجمان تھے۔ چاند مکمل جوبن پر تھا اور چاندنی کی کشش نمکین پانی کو کھینچ رہی تھی۔ مدوجزر سے لہریں اٹھتیں، چھلکتے ہوئے ان کی کرسیوں سے ٹکرا جاتیں۔ آسمان پر بکھری کہکشاں، جھلمل کرتا پانی فضا میں رچی خوشبو اور خنکی۔

شاید یونی میں مشاعرہ تھا۔ اسے بہت مشکل سے اجازت ملی تھی بلکہ ربیحہ اور شائزہ نے امی کو راضی کیا تھا۔ گراؤنڈ میں لگی لائٹس، مدھم خنک ہوا سے سرسراتی گھری گھاس، خوشبوئیں، رنگوں اور اسٹوڈنٹس کے قہقہوں کا سیلاب، ان سب میں زندگی تھی اور جل گروپ کی شوخیاں پورے عروج پر۔ اچانک ربیحہ کہنے لگی۔

"یار ڈھیر پانی، روشنی، خوشبو ہوا اور ہم سب اکٹھے ہوں، واہ مزا آجائے۔"

"گدھی... اکٹھے کیوں، صرف ایک۔" ارحم نے اسے ٹوکتے ہوئے شائزہ کو کن انکھیوں سے دیکھا تھا۔

"ایک نہیں جناب' ہر ایک کے ساتھ ایک..."
رامیس کی تصیح پر سب نے جاندار قہقہہ لگایا تھا۔
اور افق زکوان مسلسل اس پر نگاہیں گاڑھے بیٹھا تھا۔
جیسے کہہ رہا ہو "میرے ساتھ تم' صرف تم۔"
اور آج اس کے ساتھ صرف وہی تھی مگر فرق اتنا تھا اس دن اس کی نگاہ کی جرات سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا مگر آج تاسف سے پھیکا سا۔ دونوں کو وہ دن شدت سے یاد آیا تھا۔
"کتنی اچھی تھی وہ زندگی۔" افق زکوان کی آواز بالکل ٹھہرے پانی جیسی تھی۔
"ہاں! اگر اسے میں اجھار نے دیتی۔" اس کی مدھم سرگوشی پر وہ سٹپٹایا۔
"غلطی تو میری تھی' اگر اس دن میرے منہ سے یکبارگی ایبٹ آباد کا نام نہ نکلتا' یا پھر اسی وقت وہاں آنے کی حماقت نہ کرتا تو شاید کبھی بھی غلط نہ ہوتا۔"
کرسی کی پشت پر سر ٹکائے وہ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہا تھا۔
"دکھ تو اسی چیز کا ہے' جس شخص کو نخبہ حسن کی عزت اپنی جان سے بھی پیاری تھی'... اسی کی حماقت نے نخبہ کو دنیا میں بدنام کر دیا۔"
"اور یہ کتنی عجیب بات ہے۔" وہ آنسوؤں کا گولہ گلے میں اندلتے ہوئے کہنے لگی۔ "جس شخص کا مان بھرا وجود' نخبہ حسن کی حماقت سے اس کے باپ کے سامنے پارہ پارہ ہو گیا' آج بھی وہ شخص صرف محبت میں سارا الزام اپنے سر لے رہا ہے۔"
"ہاں' کیونکہ غلطی اسی کی تھی۔" افق کے جھوٹے اعتراف پر نخبہ کے رکے آنسو تواتر گرنے لگے۔ وہ رندھی آواز میں کہنے لگی۔
"محبت اور فکر میں تم سے سرزد ہوئی معمولی غلطی کو میں نے اپنی حماقت سے مزید غلط کیا تھا۔"
"نخبہ پلیز مت رو' مجھے بہت تکلیف پہنچتی ہے' تمہارے آنسوؤں سے..." اس نے اس کے نرم و گداز دونوں ہاتھ آج پھر اپنی مٹھیوں میں تھام لیے۔ اس کی آنکھوں میں آج پھر محبت حدت سے چمک رہی تھی۔ مان ہی مان' تحفظ ہی تحفظ تھا اس کی مضبوط

گرفت کے لمس میں "میں نے تمہیں بہت تلاش ' ہر جگہ ' ہر علاقے ' ہر شہر کیوں چھپ گئی تھیں۔"

"جانتی تھی کہ تم ضرور ڈھونڈو گے۔ مگر۔" اس نے سوں سے ناک کی ریزیش کھینچی۔ "مگر ' مجھ میں انکل اور تمہیں فیس کرنے کی ہمت نہیں تھی ' ان کی برسوں کی بنائی عزت ' وقار صرف میری جلد بازی سے چوراہوں پر لٹک گیا۔"

"ایسا نہیں ہے نخبہ" وہ قدرے آگے ہوا ' اور اس کے آنسو پونچھے۔ "وہ ان کا فطری ردعمل تھا۔ مگر یقین کرو ' انہیں تمہارے کردار پر بھروسا تھا ' بھروسا ہے ' انہیں معلوم ہے یہ سب تمہارے تایا۔۔۔" تایا کا ذکر آتے ہی دونوں اندر تک کڑواہٹ سے بھر گئے۔ وہ تایا جنہوں نے چند سکوں کے لیے انہیں بدنام کر دیا۔ وہ چند دن ہی اس جائداد پر عیش کر سکے۔ پھر اچانک فالج ہوا اور چارپائی کو لگ گئے۔ وہ بیٹے جن کے لیے یتیم بھتیجی پر تہمت لگائی ' مال ہڑپ کیا۔ وہ چند ماہ میں ہی بیمار باپ سے عاجز آ گئے۔ ایک نوکری کے بہانے شہر چھوڑ گیا اور دوسرے نے نئی طرز کا الگ پورشن بنا لیا تھا۔ تایا کے گڑگڑانے پر تائی نے بہت مشکل سے شمائل کے ذریعے نخبہ سے ٹیلی فون پر معافی مانگی تھی۔

"تائی جان! وہ دانت جما کر بولی۔ "تایا کے رو کر معافی مانگنے سے میرا چہرہ دھل نہیں جائے گا ' نہ میری ماں مٹی سے نکل آئے گی اور نہ وہ پچھ پلٹے گا جو میرا برباد ہو گیا ' ہاں اگر میری ساری زندگی میں بے سکونی بھر کے ' میرے چند الفاظ سے انہیں سکون ملتا ہے تو۔۔۔ میں نے اللہ کے نام پر انہیں معاف کر دیا۔۔۔" پھر وہ فون پٹخ کر بہت روئی تھی۔ "کسی کی پوری زندگی ' خوشیاں برباد کر کے ' کس منہ سے کتنی آسانی سے معافی کے طلب گار بن جاتے ہیں ' کیا ایسی زبردستی بھیک ملی معافی سے اللہ بھی معاف کر دیتا ہو گا۔" وہ سسکیوں میں خود کلامی کرتی رہی تھی۔ اللہ کے ہاں معافی کا معیار بہت بلند ہے جو انسانی عقل نہیں سمجھ سکتی یا شاید سمجھ آ جاتی ہے کچھ وقت گزار کر۔ نخبہ حسن کو بھی سمجھ آ گئی جب پورے چاند ' چاندنی اور سمندر کو گواہ بنا کر افق زکوان نے اس کے ہاتھ تھامے اور کہا تھا۔

"افق زکوان ملک کی پور پور آج بھی نخبہ حسن کی منتظر ہے۔۔۔ ریئلی۔" اس کی تحیر آمیز آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مزید کہا تھا۔

"آئی جسٹ وانٹ یو ' ڈیٹس آل ' آل یور فلاز ' مسٹیکس ' اسمائلز ' گگلز ' جوکس ' سارکیزم۔۔۔ ایوری تھنگ ' آئی جسٹ وانٹ نخبہ حسن۔"

(میں صرف تمہیں چاہتا ہوں ' یہی سب کچھ ہے سارے تمہارے عیب ' غلطیاں ' مسکراہٹیں ' قہقہے ' مذاق اور طعنے ہر چیز میں صرف نخبہ حسن کو چاہتا ہوں۔)

☆ ☆ ☆

زکوان ملک کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ انہوں نے بڑے پیمانے پر لوگوں کو انوائٹ کیا تھا۔ رمل اور حارب کی منگنی بھی ان کے نکاح کی تقریب پر رکھی گئی تھی۔ زکوان ملک نخبہ کے لیے انتہائی قیمتی عروسی لباس خرید لائے تھے مگر ' اس نے بہت محبت سے معذرت کی تھی۔

"انکل جی! میں یہ ضرور پہنوں گی ' مگر پلیز آج نہیں ' آج کسی اور کا گفٹ اس پر اہمیت رکھتا ہے۔" وہ سن کر کچھ حیران ہوئے تھے۔ مگر جب پیور ریڈ شیفون کی ساڑھی جس کے بارڈر اور پلو پر سلور زرتار سے جھانکتے نگوں کو کام تھا۔ ہاں البتہ سرخ و سبز بھاری کامدار دوپٹا انہی کی لائے لباس کا اوڑھے۔ عروسی میک اپ اور نازک جیولری میں دلہن بنی نخبہ افق کو دیکھا اور پھر ترچھی نگاہ شہزادوں سا روپ لیے افق زکوان کی آنکھوں میں ابھرتی حیرت اور ہونٹوں پر پھیلتی دلفریب مسکان پر گئی تو وہ دل سے مسکرائے اور دونوں کی پیشانی چومتے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"میری جان ' سدا شاد آباد رہو۔"

☆ ☆

سالگرہ نمبر

ناولٹ

منشا محسن علی

سیلاب

"اے شہر بھکر میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی میں یہاں آتے ہوئے بھی روتی ہوئی آئی تھی اور آج جاتے ہوئے بھی روتی ہوئی جارہی ہوں۔۔۔ تم نے بیلا فاروق کو خساروں کے سوا کچھ نہیں دیا۔ میں کبھی تمہیں معاف نہیں کروں گی' کبھی نہیں۔"

وہ سنگی بینچ پر بیٹھی بے تحاشا روتی ہوئی کہہ رہی تھی یونیورسٹی کے پھاٹک سے گزرتے ہوئے وہ بلاوجہ چار بار ٹھوکر کھا چکی تھی۔۔۔ ہربار' ہر ٹھوکر پر اس نے ایک بازگشت سنی تھی جو یونیورسٹی کے طویل کاریڈور' برآمدوں میں سے گزرتے ہوئے جیسے سارے عالم پر چھا چکی تھی۔۔۔ اسے خوف آیا تھا بے تحاشا خوف۔۔۔

"بیلا فاروق جو ہر میدان میں فتح کے جھنڈے گاڑتی ہے۔۔۔ جیت جس کی شیدائی ہے اور ہار جس سے کوسوں دور بھاگتی ہے۔۔۔ وہ لڑکی محبت کی بازی ہار بیٹھی ہے۔"

وہ ٹکٹکی باندھے آتے جاتے اسٹوڈنٹس کو دیکھ رہی تھی۔۔۔ پچھلے ایک گھنٹے اور سینتیس منٹ سے وہ اس بینچ پر بیٹھی تھی۔۔۔ اس وقت سہ پہر کے چار بج رہے تھے مگر آسمان کے سراپے پر نمودار ہونے والے بادلوں نے روشنی نگل لی تھی اب ہلکا ہلکا اندھیرا چھا چکا تھا۔

آج ہی تو یونیورسٹی میں ایم۔ اے اردو والوں کو الوداعی ڈنر دیا جا رہا تھا۔ یونیورسٹی گیٹ سے لے کر گیلری کے آخری کونے کے سامنے بنے "جناح حال" تک ریڈ کارپٹ بچھا ہوا تھا۔۔۔ رنگ برنگی روشنیاں جل بجھ رہی تھیں اسٹوڈنٹس گروپ کی شکل میں اندر آجا رہے تھے۔۔۔ بے فکری۔۔۔ سکون۔۔۔ قہقہے۔

بیلا کا دل چاہا وہ بھی ایک کھل کھلی ہنسی زور زور سے ہنس دے۔ مگر وہ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکی تھی۔

جن کی زندگی سے محبت نامی جذبہ پرواز کر جائے پھر انہیں ہنسنے میں زمانے لگا کرتے ہیں۔ اور بیلا جانتی تھی۔۔۔ اب زندگی میں آرام' خواہش' سکون سب ہوگا۔۔۔ ہاں سب۔۔۔ مگر زندگی کی ڈائری کا پہلا ورق کچھ جگمگاتے الفاظ اس کے سامنے کردے گا۔

جلتے بجھتے الفاظ۔۔۔ قہقہے لگاتے الفاظ اور وہ الفاظ آدھی راتوں کو اس کا تعاقب کریں گے۔

"بیلا فاروق تمہیں یہ معاشرہ محبت کا حق نہیں دیتا۔۔۔ محبت سے دستبرداری مبارک ہو۔" وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔۔۔ روشنیوں کے دائرے گول گول گھوم رہے تھے فائن آرٹس والی لڑکیوں کا گروپ سامنے سے گزر رہا تھا انہوں نے ایک ہی وضع کے لباس زیب تن کر رکھے تھے' جینز کے اوپر ڈیپ کلر کی ریڈ لانگ شرٹس' گلے میں دوپٹے ڈالے وہ سیٹیاں بجاتی سامنے سے گزر رہی تھیں۔۔۔ بیلا کی اچٹتی سی نظران کی بھدی سلور ہیلز پر پڑی تھی۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے مگر مچھ کی دم ہو۔۔۔ یہ کم از کم ایسی بات ضرور تھی جس پر وہ قہقہہ لگا سکتی تھی۔۔۔ لگانا چاہتی تھی مگر؟

قہقہے وجود کے گنبد میں مقید ہو گئے تھے۔۔۔ اندر شور ہی شور اور باہر خالی پن۔ وہ شال درست کرتی ہوئی سامنے روش پر خراماں خراماں چلنے لگی تھی۔

ننھی ننھی بتیوں کی روشنی اسپرگس کے گملوں پر پڑ رہی تھی۔۔۔ وہ چند سیکنڈ رک کر دیکھتی رہی یہاں تک کہ آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ٹشو سے آنکھوں کا پانی نزاکت سے صاف کیا تھا۔۔۔ روشنیوں کے جھرمٹ میں وہ کسی الف لیلی کی داستان کا کردار لگ رہی تھی۔

وہ چند قدم آگے بڑھی ہی تھی کہ اسے عابدہ چشما ٹوٹی ہوئی ہیل تھامے نظر آئی تھی آج اس نے آنکھوں میں لینز لگائے ہوئے تھے اور بالوں کو براؤن ڈائی کیا ہوا تھا۔ بیلا تھوڑا سا آگے ہوئی تھی۔

"واٹ ہیپنڈ؟" (کیا ہوا)۔

عابدہ نے خجالت سے اپنا سر جھکا لیا تھا۔۔۔ روشنیاں' قہقہے' شوخیاں اب بھی جاری تھے۔

"میری ہیل ٹوٹ گئی ہے۔" عابدہ نے کہا تھا۔

"تم میرے جوتے پہن لو۔" بیلا نے آفر کی تھی عابدہ نے ہچکچا کر اسے دیکھا تھا۔ ساری فضا بو جھل خوشبوؤں سے بھری پڑی تھی۔

"مگر تم کیا کرو گی۔۔۔؟" اس نے سوال کیا تھا۔

"میں تمہاری ہیل سے گزارہ کرلوں گی۔" بیلا نے مسکرا کر کہا تھا۔

عابدہ کا چہرہ روشن ہوا تھا مگر اگلے ہی لمحے لگا چہرے کی موم بجھ گئی تھی۔

"تو تم ڈنر میں نہیں آؤ گی؟" عابدہ کے سوال پر چند ثانیے وہ سوچتی رہی... پھر بولی تھی۔

"نہیں میری طبیعت بہتر نہیں ہے۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے جوتے پاؤں سے اتار کر آگے کر دیے تھے۔ عابدہ نے جوتے پہن کر ادھر ادھر گھوم کر جیسے ریہرسل کی تھی۔ اب سب ٹھیک تھا۔ اس نے اپنا گال بیلا کے گال سے مس کیا اور مسکرائی تھی۔

"تم بہت اچھی ہو بیلا... ریئلی۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ جبکہ بیلا ٹوٹی ہیل پہنے روش پر چلتی اسپرگس کے گملوں پر ست رنگی روشنیوں کا انعکاس دیکھتی رہی... روشنیاں جیسے زیر لب مسکرائی تھیں۔

دھیرے سے... وہ چپ چاپ وجود کے گرد ہاتھ باندھے چلتی رہی... ارد گرد سے بے نیاز... چنبیلی کے پھولوں سے بھری نخریلی ہوا چلی تھی... سارے میں مہک امڈ پڑی...

بیلا نے سامنے دیکھا وہ ریہرسل روم کی عقبی کھڑکی کے پاس کھڑی تھی... یہاں قدرے اندھیرا تھا... کھلی کھڑکی سے ہوا کے رتھ پر آوازیں سفر کر رہی تھیں... جامد لمحوں کی چاپ پر صداؤں نے شور ڈالا تھا...

نغمانہ یوسف کی آواز کھلی کھڑکی سے باہر گری اور جیسے بیلا کی سماعتوں پر آن ٹھہری تھی... نغمانہ یونیورسٹی کی ٹاپ پر کھڑی پاپ سنگر تھی... جو آنکھوں کو مسکارے کے گہرے کوٹ سے بوجھل اور خواب ناک بنائے رکھتی تھی... میکسیکن طرز کے لباس پہنتی تھی... آج وہ اس الوداعی ڈنر پر اسپیشل پرفارمنس دینے والی تھی... سحر انگیز آواز چاروں قطبین میں گھوم رہی تھی... وہ مائیک پکڑے گنگنا رہی تھی۔

نی میں رانجھن نوں ڈھونڈن چلی آں...
تے میں نوں رانجھن ملیا ناہیں...
رب ملیا میں نوں ہر تھاں لوکو...
تے رب رانجھن جیہا ناہیں...

بیلا نے بمشکل خود کو گرنے سے بچایا تھا... روش کے داہنی طرف لگے سفیدے سے اس نے ٹیک لگا لی تھی...

"بیلا فاروق... تمہیں ہر آواز میں میری محبت صدائیں دیتی نظر آئیں گی... تم ہر چہرے میں مجھے ڈھونڈو گی... مگر تمہیں ناکامی ہوگی... تمہیں دنیا کا ہر گوشہ میرے وجود سے خالی نظر آئے گا۔ تب تم کیا کرو گی...؟" اڑتالیس گھنٹے اور بچیس منٹ پہلے پوچھا جانے والا سوال اسے اب یاد آ رہا تھا...

ہاں... تو وہ اسے ڈھونڈ رہی تھی... کھوج رہی تھی... مگر وہ اسے کبھی یہ بات نہیں بتائے گی کبھی نہیں... اس نے اپنی آنکھوں کو بے تحاشا رگڑ دیا تھا آنسو بھل بھل بہنے لگے تھے۔

سویٹ پی کی بیلوں پر ٹمٹماتے ہوئے جگنوؤں کی روشنی سے بیلا فاروق کو خوف آیا تھا۔ وہ اب سفیدے کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی... گنجی کھدری گھاس میں سرسراتے کسی زہریلے کیڑے نے پیر پر ڈنک مارا تھا۔ اس کے منہ سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی تھی... جلن بڑھتی جا رہی تھی۔ سویٹ پی کی بیلوں پر قطار در قطار لگے ہوئے جگنوؤں نے جیسے مہذب قسم کی سرگوشیاں کی تھیں۔

"بیلا فاروق کے وجود کے گرد حد باندھ دی گئی ہے... وہ اب عہد نبھانے والی ہے... اور اس کے پاس دو چوائسز تھیں... عہد نبھاتی یا پھر محبت کا بھالا وجود سے گزار لیتی۔"

تو سوال ہوا... "بیلا فاروق نے پھر کیا کیا...؟"

جواب ملا "اس نے محبت کے راستے کو چھوڑ کر عہد نبھانے کا فیصلہ کیا۔" بیلا نے سر اٹھایا تھا... اسے لگا ہر چیز اس پر انگلی اٹھا رہی ہو... اور کہہ رہی ہو...

"یہ ہی تو وہ لڑکی ہے جو...؟"

نامکمل جملے روح پر چابک کی طرح لگتے ہیں اسے بھی لگ رہے تھے وہ بھی اذیت میں تھی، وہ ٹوٹی ہیل

کے ساتھ اب مشکل سے چل رہی تھی۔

اچانک وہ دھم سے گری تھی۔۔۔ ٹوٹی ہوئی ہیل کے ساتھ چلنا مشکل تھا۔۔۔ اس کے منہ میں خاک بھر گئی تھی۔

جب خاک سے بنے وجود خاک پر گرتے ہیں تو تکلیف ہوتی ہے۔۔۔ کرب رگ رگ میں پھیل جاتا ہے۔۔۔ وہ بھی تکلیف میں تھی۔۔۔ اس نے منہ پونچھنا چاہا مگر جانے ٹشو پیپر کہاں گر گیا تھا۔ اس نے شال کے پلو سے منہ صاف کر لیا۔۔۔ جوتے اتار کر وہیں رکھ دیے اور ننگے پاؤں آگے بڑھنے لگی تھی۔۔۔ تبھی اس کی نظر سامنے دیوار پر پڑی تھی۔۔۔ میموری وال۔۔۔ میموری وال کے اوپر ہولڈر میں لگا بلب زرد روشنی بکھیر رہا تھا۔

"ان گنت پتنگوں کے لاشے پڑے تھے۔۔۔ اسپرے پینٹ سے لکھے وہ جملے واضح تھے۔۔۔

ڈیئر دل بی آ ٹائم وین یو ول مس می۔ (وہ وقت بھی آئے گا جب تم مجھے یاد کرو گی۔۔۔) بیلا فاروق کو اس جلتے بجھتے بلب کی زرد روشنی میں نظر آتے جملوں سے خوف آیا تھا۔ وہ ننگے پاؤں پیچھے کی طرف بھاگنے لگی تھی۔۔۔ حواس مختل۔۔۔ اسے رونا آ رہا تھا۔۔۔ وہ بے تحاشا اور پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتی تھی مگر اسے یاد آیا وہ تو ایک "بہادر لڑکی" تھی۔

اس نے آنسو پونچھ ڈالے اور مسکرانے کی کوشش کی ایک بار' دو بار' تین بار۔۔۔ اور یہ کوشش چوتھی بار رنگ لے آئی تھی۔۔۔ وہ اب مسکرا رہی تھی۔

"تم جب ہنستی ہو نا۔۔۔ تو یوں لگتا ہے تمہاری آنکھوں میں جگنوؤں کے جھرمٹ ٹمٹما رہے ہیں۔"

اور بیلا فاروق' منعم علی کی اس بات پر بے تحاشا ہنسی تھی۔

"تم ایک اچھے دشمن نہیں ہو۔۔۔" اور وہ بیلا کی اس بات پر ساکت ہوا تھا۔۔۔ منظر برف بن گئے تھے۔۔۔ ٹھنڈی یخ سخت برف۔۔۔

"تم اچھی دشمن ہو۔۔۔؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ بیلا نے منعم علی کو دیکھا تھا۔

"ہاں۔۔۔ کیونکہ میں دشمنوں سے محبتوں کے اظہار میں پہل نہیں کرتی۔" اور پھر یوں لگا تھا جیسے اسٹیچو کا پلے پھر سے شروع ہو رہا ہو۔۔۔ بیلا فاروق انگلی اٹھا کر منعم علی کو اشارہ کرتی ہے۔۔۔ "اسٹیچو۔" اور وہ تھم جاتا ہے۔۔۔ رک جاتا ہے۔ وقت کے جامد لمحوں میں احترام محبوب کا حکم ہوا ہے۔

بیلا نے سیڑھیوں کی گرل سے ٹیک لگا کر دوبارہ اشارہ کیا تھا۔ "موو۔" اور وہ حرکت کرنے لگا۔۔۔ سانس لینے لگا۔ وہ اس کے قریب آیا تھا۔

"مجھے بھلانا بہت مشکل ہے بیلا فاروق۔۔۔" اور وہ اس بات پر کتنی ہنسی تھی۔۔۔ قل قل کرتی ہنسی۔۔۔ اور آج۔۔۔ ہاں آج وہ ہنسی اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی ہے۔۔۔ بیلا جانتی تھی کہ وہ سچ کہہ رہا تھا۔۔۔ واقعی اسے بھولنا مشکل تھا۔ مگر بیلا نے سوچ لیا تھا وہ اسے بھول جائے گی۔۔۔ اور جو عہد نبھانے والے ہوتے ہیں وہ بہت بہادر ہوتے ہیں۔۔۔ وہ بھی بہادر تھی۔

تبھی تو اس نے اپنے باپ فاروق احمد کا عہد نبھانے کی ٹھانی تھی۔ اور شہر دل کے دروازوں پر دستکیں پڑتی رہیں مگر وہ بے نیاز بیٹھی رہی۔

بیلا نے ہوسٹل کی طرف جاتے ہوئے یونیورسٹی کو مڑ کر دیکھا تھا۔۔۔ اور پھر ہوسٹل کے کمرے میں چلی آئی تھی۔۔۔ ڈنر شروع ہونے میں تین گھنٹے باقی تھے۔۔۔ ایک سوا سی منٹ۔

انگلش ڈیپارٹمنٹ کی فیصلہ اپنے انتہائی لمبے بالوں میں کھونگھر ڈال رہی تھی۔ اور بیلا فاروق کھڑکی میں کھڑی یونیورسٹی کی جلتی بجھتی روشنیوں پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔

"دیکھ لیں ابا۔۔۔ میں کتنی اچھی عہد نبھانے والی ہوں۔۔۔ میں نے بہت سی آنکھوں کے خواب بچانے کے لیے اپنی محبت پر فاتحہ پڑھ لی ہے۔۔۔ دو سال پہلے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جو وعدہ میں آپ سے کر رہی ہوں وہ مستقبل میں میری محبت کی مرگ کا سبب بنے گا۔۔۔ آج میں قہقہے لگا کر سب کو بتانا چاہتی ہوں میں بہت بہادر ہوں۔۔۔ محبت پر فاتحہ پڑھنے والے بہادر ہی تو ہوتے ہیں۔۔۔" اور وہ جو کھڑکی میں کھڑی لڑکی خود کو

بہادر کہہ رہی ہے وہ نہیں جانتی... بہادر لوگ محبتوں میں خسارے کے بعد اپنے آپ کو تسلیاں' دلاسے نہیں دیتے پھرتے...

داستان محبت کی داستان جاری ہے اور شہر محبت کے دربار میں بیٹھے سامع مسحور ہوئے جاتے ہیں۔ کیا محبت کی مقدس "میم" کا سفر ابن آدم کو جب خسارہ دیتا ہے تو محبت ختم ہو جاتی ہے کبھی نہیں...

☆ ☆ ☆

دوپہر کا گہرا سنہری پن بستی کھوکھر کے اوپر چھایا ہوا تھا... نارنجی گولے کی سحر طاری کرتی تیز چمک دار روشنی گندم کے کھیتوں پر پڑتی تھی تو یوں گمان ہوتا تھا جیسے گندم کے خوشوں میں سونا پگھل رہا ہو... پگھلتا جا رہا ہو... دور دور تک پھیلے کھیت جیسے سنہری سلطنت کی مانند دکھائی دیتے تھے۔

"آم کے بور کو اپنی چونچ سے گرانے کا مشغلہ خاکستری چڑیاں جیسے صدیوں سے سرانجام دے رہی تھیں... آنگن میں لگے جامن کے پیڑ کی گھنی چھاؤں تلے بیٹھا جیدی اردگرد سے قطعاً" بے نیاز نظر آتا تھا۔ وہ شدومد سے پہاڑے رٹ رہا تھا... فضا میں اس کی آواز کے علاوہ دوسری آواز اماں کی تھی جو تندور پر روٹی لگا رہی تھیں۔ وہ بھی جیسے زمانے بھر سے خفا نظر آتی تھیں... بیلا ان کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی... پرات سے ابھی آٹے کا پیڑا اٹھایا ہی تھا کہ انہوں نے اسے پیچھے ہٹا دیا۔

"پرائی ہٹ... مجھے نہیں ضرورت تیرے جیسی نافرمان اولاد کی جو ماں کی رضا میں راضی نہ ہووے..."

وہ شاک کے عالم میں کھڑی تھی... اماں نے پانی کا چھینٹا تندور میں دیا اور ایک روٹی کا پیڑا اٹھا لیا تھا... تھپ' تھپ کی آواز پیدا ہونے لگی تھی۔ اماں پسینے میں نہائی کھڑی تھیں... وہ بھی چپ چاپ ان کے پاس کھڑی رہی... ایک منٹ... دو' تین کچھ دیر بعد وہ بھی پسینے میں نہائی کھڑی تھی۔

"جا جیدی کے ساتھ جامن تلے بیٹھ جا..." وہ بولی تھیں... ان کا دل اسے گرمی میں کھڑا دیکھ کر پگھل گیا...

"پہلی بار نافرمان کہا ہے آپ نے مجھے... کیا واقعی اماں میں نافرمان ہوں؟" وہ شدید صدمے کا شکار لگ رہی تھی... جلتی بلتی دھوپ میں کوے آنگن میں فرش پر دھوپ سینک رہے تھے۔

"جب اولاد ماں کی بات ہی نہ مانے وہ نافرمان ہی ہوئی۔" اماں کا نرالا فلسفہ تھا... وہ خفا تھیں بیلا سب سمجھتی تھی۔

"اماں... یہ میرا خواب ہے... میں کیسے اپنے خوابوں کا گلا گھونٹ دوں۔" وہ پھپھک کر رو رہی تھی۔

"تے فیر میرا گلا گھونٹ دے..." بیلا نے انہیں حیرت سے دیکھا تھا... وہ ایسی باتیں کبھی کبھی کر جاتی تھیں جو اسے تکلیف دیتی تھیں... وہ چنگیر میں روٹیاں ڈالے جیدی کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ وہ تندور پر گھڑا رکھنا بھی بھول گئی تھیں... بیلا نے گھڑا اٹھا کر تندور کے دہانے پر رکھا ہی تھا کہ اس کے منہ سے تیز چیخ نکلی تھی... انگارے پھرولنے والا ڈنڈا اس کے پاؤں پر پڑا تھا... وہ اذیت سے چیخ رہی تھی... جیدی کا پہاڑے رٹتا منہ اک پل کو بند ہوا تھا۔

دو ایک دو' دو' دو چار
دو تین چھے' دو چار آٹھ

اماں نے چنگیر چارپائی پر پھینکی تھی اور دوڑ کر اس کی طرف بھاگی تھیں' جو تندور کے قریب بیٹھی رو رہی تھی... بیلا نے دیکھا وہ ننگے پاؤں اس کی طرف دوڑی آئی تھیں... اولاد کی تکلیف ماں کو یونہی ننگے پیر چکر لگواتی ہے وہ اسے جامن کے سائے میں لے آئی تھیں اور اس کی تکلیف پر خود روتی ہوئی ٹوتھ پیسٹ لگا رہی تھیں۔

"بیلی... کیوں اتنا دل دکھاتی ہے میرا... پتا بھی ہے چھوٹی چھوٹی بات پر تیری ماں کا دل دہل جاتا ہے۔ کسی دن تیرے انہی کرتوتوں کی وجہ سے میرا دل کام کرنا چھوڑ جائے گا۔" وہ کتنی نڈھال اور بے بس لگ رہی

تھیں بیلا جانتی تھی۔۔۔ دور کہیں سے رہٹ بیل چلنے کی آواز فضا میں تیر رہی تھی۔ بیلا نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا" اللہ کے واسطے اتنی خوفناک باتیں تو منہ سے نہ نکالیں۔"

اماں اب روٹیوں پر مکھن لگا رہی تھیں۔۔۔ مکھن کی خوشبو سارے میں پھیل گئی تھی۔۔۔ بیلا کی نظریں جامن میں چھپی ہوئی چڑیا پر تھیں جو اپنے ننھے منے بچوں کو چوگا دے رہی تھی۔

اماں نے لسی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تھا" لے لسی پی لے۔۔۔" وہ چپ چاپ گلاس ان کے ہاتھ سے لے کر لسی پینے لگی تھی۔

دوپہر سہ پہر کے سانچے میں ڈھلی اور پھر شام دھرتی پر اتر آئی تھی۔۔۔ شام کی محفل میں ننھے منے جگنوؤں کی بارات اتر آئی تھی۔۔۔ کہیں کہیں جگنو ٹولوں کی صورت میں نظر آتے تھے اور کسی جگہ بچھڑی ہوئی پردیسی کونج کی مانند' ابا حقہ پی رہے تھے۔۔۔ حقے کی گڑگڑ کی آواز اور اماں کے برتنوں کی آواز دماغ پر ہتھوڑے کی مانند لگ رہی تھی وہ آہستہ سے اٹھی اور ابا کے پیروں میں آن بیٹھی تھی۔

برتنوں کی آواز اور حقے کی گڑگڑ ایک ساتھ رکی تھی۔۔۔ بیلا فاروق نے گم ہوتے الفاظ کو مشکل سے دور جانے سے روکا تھا۔

"ابا میں جانتی ہوں بچپن سے لے کر آج تک میری ہر خواہش پوری کی گئی ہے۔۔۔ چاہے آپ نے اور اماں نے کتنی ہی دقت اٹھائی مگر میری خواہش کو مقدم رکھا۔۔۔ آج ابا پھر سے مجھے آپ کی مدد چاہیے۔۔۔ بی۔اے پرائیویٹ کرنے کے بعد میں ایم۔اے ریگولر یونیورسٹی سے کرنا چاہتی ہوں۔۔۔ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا خواب ہے جسے میں نہیں چھوڑ سکتی۔۔۔ چاہ کر بھی نہیں۔"

فاروق احمد نے اپنی بیٹی کو روتے ہوئے دیکھا تھا۔۔۔ وہ یہ معمول پچھلے سات دنوں سے دہرا رہی تھی وہ پوزیشن ہولڈر تھی۔۔۔ ذہانت' فطانت میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔۔۔ وہ پہلی لڑکی تھی جس نے شہر جا کر یونیورسٹی میں پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا۔

جس نے بھی سنا اس نے انگلیاں دانتوں تلے داب لیں۔۔۔ پوری گاؤں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔۔۔ آج تک کسی لڑکی نے ایسی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔۔۔ اور پہل کرنے والی بیلا فاروق تھی' یہ بھی سچ تھا کہ وہ پہلی لڑکی تھی جس نے پرائیویٹ بی۔اے کر رکھا تھا۔۔۔ اور گاؤں کا بچہ بچہ اس بات سے واقف تھا کہ بیلا ایک ذہین لڑکی ہے۔۔۔ برادری کے لوگ فاروق احمد کے پاس آئے تھے۔

"ارے میاں۔۔۔ لڑکی ذات کو کیوں اتنا سر پر چڑھا رکھا ہے۔۔۔ آج تک گاؤں کی کسی بچی نے شہر جا کر پڑھنے کی بات نہیں کی۔"

فاروق احمد نے کہنے والے کو جواب دیا تھا" اور آج تک کوئی بیلا جیسی ذہین لڑکی بھی سامنے نہیں آئی۔۔۔ میں اپنی بچی کا خواب نہیں توڑنا چاہتا۔"

گنجے سر اور بڑھی ہوئی توند والے جمن چچا نے پیپل کی چھاؤں تلے جمع سب کو دیکھا اور زہر اگلا۔۔۔

"آج ایک چھوری باہر پڑھائی کی بات کرے ہے کل ساری لڑکیاں اٹھ کھڑی ہوں گی۔۔۔ اب کل کلاں کچھ ہو گیا تو؟"

بھیانک سوال پھن پھیلائے فضا میں گردش کرنے لگا تھا۔۔۔ گاؤں کی اکثریت اس بات کے خلاف تھی کہ لڑکیوں کو اتنی شہہ نہ دی جائے کہ وہ من مرضی کرتی پھریں۔ فاروق احمد نے چٹخارے لیتے تماش بینوں کو دیکھا تھا اور حتمی فیصلہ سنا دیا تھا۔

"اپنی بیٹی بیلا کا میں وارث ہوں۔۔۔ مجھے اپنی تربیت اور اپنی بیٹی پر پورا بھروسا ہے۔۔۔ ذہانت کے آگے بند باندھنے والے ابلیس کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔۔۔ اور مجھے امید ہے آگے بڑھ کر میری بیٹی میرا اور اپنے گاؤں کا نام روشن کرے گی۔"

اور گاؤں کی کچی گلیوں میں کھیلتی' کودتی وہ لڑکی کتنی ذہین' کتنی امین تھی یہ سب وقت بتانے والا تھا۔۔۔ بیلا فاروق کو اپنے باپ کی رضا پا کر جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی۔

اس نے جیدی کو صحن میں گھما ڈالا تھا.... خوشی اور مسکراہٹ جیسے اس کے وجود میں پارے کی مانند دوڑنے لگی تھی۔ اماں، بیلا کو شہر بھیجنے کے حق میں بالکل بھی نہیں تھیں.... اس کے جانے کے دن نزدیک آتے جا رہے تھے.... وہ انہیں منانے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

"اماں.... دیکھیں میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔ یوں نہ کریں، آگے پڑھنا میرا خواب ہے۔"

"دفع ہو.... اپنی پڑی ہے بس ماں کی کوئی فکر نہیں.... کوئی پروا نہیں...." اماں نے کہا تھا۔ اور پھر ابا نے بھی اماں سے بات کی تھی۔

"ارے بھلی لوک اگر وہ آگے پڑھنا چاہتی ہے تو اس میں برائی کیا ہے؟ یہ اس کا حق ہے کل کلاں دوسرے گھر جائے گی تو کون اس کے خواب پورے کرے گا.... بیٹیاں تو ماں باپ سے ہی فرمائش کرتی اچھی لگتی ہیں.... اور ہمیں اپنی بیٹی پر پورا بھروسا ہے وہ ایسا کوئی بھی قدم نہیں اٹھائے گی جو ذلت کا باعث ہو۔" اور اماں رو دی تھیں۔

"بیلی کے ابا میری دھی بڑی سادی ہے اور زمانہ شاطر مجھے زمانے سے بڑا ڈر لگتا ہے۔" اماں کے خوف بھی بے وجہ نہیں تھے زمانہ چل ہی ایسی ڈگر پر رہا تھا۔ ابا اماں کا خوف بھی سمجھتے تھے مگر وہ اپنی جان سے پیاری بیٹی کو دکھی بھی تو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اسی لیے وہ بھی دل پر پتھر رکھ کے راضی ہوئے تھے۔ اور انہوں نے اماں کو بھی ہر ممکن مطمئن کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

"یہ یاد رکھ کہ بیلا کی وجہ سے گاؤں کی دوسری لڑکیوں کو بھی اپنے خواب نہیں چھوڑنے پڑیں گے.... اور یہ بڑی فخر کی بات ہے کہ ہماری بیٹی شہر پڑھنے جا رہی ہے.... بس خوشی خوشی اس کی روانگی کی تیاریاں کر...." شاید اماں بھی سمجھ گئی تھیں۔

اور اب بیلا فاروق کو سمجھ آ رہا تھا اپنا گھر، گاؤں، گلیاں، رشتے چھوڑنا کہاں آسان ہوا کرتا ہے اور بیلا فاروق کی تو گاؤں کی ہر گلی، ہر راہ گزر، ہر راستے سے یادیں جڑی تھیں۔ جیدی بوکھلایا پھر رہا تھا۔

"مجھے سبق کون یاد کروائے گا....؟" وہ پوچھتا۔

"تم آنکھیں بند کر لینا.... میں خوابوں میں آ کر تمہیں یاد کروایا کروں گی۔" وہ کہتی وہ چڑ جاتا.... اور وہ ہنستی چلی جاتی تھی۔ اور اماں آنکھوں کی نمی جھٹکتی ہوئی اس کی ہنسی سلامت رہنے کی دعائیں کرتی تھیں.... جانے ماؤں کے دل اتنے بے چین اور بے سکون کیوں رہتے ہیں؟ اور بیلا فاروق خوش تھی.... خوابوں کی منزل قریب تھی۔

جانے سے ایک دن پہلے وہ جامن کے پیڑ پر بندھے جھولے پر بیٹھی وہ اپنی ڈائری میں لکھ رہی تھی.... پتوں میں چھپی خاکستری چڑیوں نے ایک دوسرے کو "دشش" کہہ کر چپ کروایا اور بیلا کی ڈائری پر لکھے لفظوں کی طرف نگاہ کی تھی۔ سیاہ روشنی جیسے اتر رہی تھی.... جو چمک دیتی ہے۔ آنکھیں خیرہ کرتی ہے۔

"ڈیئر ڈائری....

میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ انسان خوابوں کی تکمیل کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور آج یہ بات مجھے سچ لگ رہی ہے.... میرے لیے بہت مشکل تھا یہ سفر، مگر میں نے طے کر ہی لیا.... اب میری زندگی کا نیا دور شروع ہونے والا ہے.... میں بہت خوش ہوں.... شاید خوابوں کی اور بڑھتا ہر شخص یونہی مسرت محسوس کرتا ہوگا جیسی آج میں محسوس کر رہی ہوں۔

لیکن میں غم زدہ بھی ہوں.... اماں، ابا اور جیدی مجھے بہت یاد آئیں گے.... میرا گاؤں، سنہری گندم کے کھیت، اپنے گلاب کے رقبے، پیپل کا جھولا، کنویں کی محفل، اور شام کو جگنوؤں کی باراتیں، مجھے نہیں لگتا کہ میں یہ سب آسانی سے بھول پاؤں گی۔

مگر خیر مجھے واپس لوٹنا تو ہے ہی.... دو سال کا عرصہ کم تو نہیں ہوتا.... مگر پھر بھی.... ہاں پھر بھی خوابوں کو وقت تو دینا پڑتا ہے نا۔

اماں کہتی ہیں شہر کی چکا چوند بڑی خیرہ کرنے والی ہوتی ہے.... مگر شاید اماں ابھی اپنی بیلی کو اچھے سے نہیں جانتیں۔

اپنے خوابوں سے بھی زیادہ مجھے اپنی عزت ' اپنے ماں باپ کا وقار زیادہ عزیز ہے۔ مجھے پتا ہے گاؤں کی جانے کتنی ہی لڑکیاں اپنے خواب اپنی آنکھوں میں سجائے بیٹھی ہیں۔ میرا اٹھایا گیا یہ قدم ان کے خوابوں کی راہیں بھی ہموار کرنے میں مدد دے گا اور میں شہر والوں کا یہ خیال دور کر دوں گی کہ گاؤں والے پینڈو لوگ کچھ بھی نہیں کر سکتے ویسے ذاتی طور پر بھی مجھے یہ لفظ پینڈو کچھ زیادہ پسند نہیں۔

اچھا... ڈیئر ڈائری پھر ملاقات ہوگی اب مجھے روانگی کی تیاریاں بھی تو کرنی ہیں۔

والسلام

تمہاری بیلی نخریلی

اور بیلا نے یہ لکھ کر ڈائری بند کر دی تھی۔

باڑے سے مویشیوں کے ڈکرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا چلی تو سارے میں جیسے ٹھنڈک پھیل گئی تھی... اماں آنگن میں چھڑکاؤ کر رہی تھیں' صحن میں مرغی چوزوں کو پروں میں چھپائے ادھر ادھر بھاگی پھر رہی تھی۔ اماں نے بیلا کو دیکھا تھا... دل ایک دم جیسے موم ہوا تھا۔ انہوں نے چپکے سے دوپٹے سے آنکھوں میں آئے آنسو پونچھ لیے تھے۔

☼ ☼ ☼

روانگی کا وقت قریب آن پہنچا تھا ابا اکرم کو چوان کو لینے گئے ہوئے تھے فجر کا وقت تھا ہر طرف ملگجا سا اندھیرا پھیل رہا تھا... دور سے وقفے وقفے سے جھینگروں کی آوازیں سناٹے کو توڑ رہی تھیں۔ بیلا' اماں اور جیدی دروازے کے قریب کھڑے تھے... زمین پر دھاتی ٹرنک پڑا تھا... پرانے وقتوں کا تالا کنڈے میں جھول رہا تھا... اماں کی نصیحتیں اور جیدی کی ہدایتیں عروج پر تھیں۔

دور جگنو اڑتے پھر رہے تھے... اماں نے بیلا کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

''بیلی میری بات سن... میں نے سوجی کے لڈو' پسے ہوئے بادام ' پستے الگ الگ ڈبوں میں بند کر کے رکھ دیے ہیں... احتیاط سے روزانہ لیتی رہنا دماغ کو تراوٹ ملے گی۔'' اماں کم و بیش یہ بات کوئی گیارہویں بار دہرا رہی تھیں اور وہ بھی پلکیں جھپکتی سرہلا دیتی تھی۔

''ہاں... اماں احتیاط کروں گی آپ بس اپنا خیال رکھنا... اور جیدی تو بھی اماں' ابا کو تنگ نہ کرنا۔'' بیلا نے زور سے جیدی کو دھمو کا جڑا تھا جو اردگرد سے بے نیاز آسمان کی چادر پر ٹکے تاروں کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اور انگلیوں کی پوروں پر تارے گن رہا تھا۔

وہ ایسا ہی تاروں بھرے آسمان کا دیوانہ تھا... رات کے آخری پہر آنکھ کھلتی تو پتا چلتا جیدی صاحب کافی غور سے تاروں کے جھرمٹ سے ہم کلام ہیں۔

اور اماں اسے سرزنش کرتی تھیں ''بے ہدایتا... الٹے کام نہ کیا کر سارے چہرے پر تل پڑ جائیں گے۔''

جیدی حیران ہو کر اماں کو دیکھتا تھا ''تو پھر بیلی کو کیوں منع نہیں کرتی تھیں جب وہ بھی میری عمر جتنی ہوتی تھی تو تارے گنتی تھی۔'' اماں جیدی کی باتوں سے عاجز آجاتی تھیں اور باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیتی تھیں۔

''وڈا آیا... بس بہن بھائی دونوں سے باتاں کروالو... ہور تے نہ کوئی عقل تے نہ فکر...'' اور کہیں سے ریڈیو کی مدھر آواز ابھر رہی تھی... بیلا چونکی تھی۔

''انسان بھی نا جانے سوچوں میں کتنا سفر طے کر آتا ہے۔''

جیدی نے اماں کو دکھڑا سنایا تھا ''اماں... دیکھو نا بیلی نے کتنی زور سے چانٹا مارا ہے... جاتے جاتے بھی دشمن وار کر جاتے ہیں۔''

بیلا نے اس کا کان مروڑا تھا ''نا... بہن کو دشمن کہتے ہوئے ذرا لاج نہیں آئی تجھے...'' جاوید عرف جیدی بے ہدایت نے دانت نکالے تھے۔

''بیلی نخریلی... بیلی نخریلی۔'' پنجرے میں بیٹھا مٹھو جاگ چکا تھا اور راگ الاپے جا رہا تھا... بیلا کا ہاتھ دل پر جا پڑا تھا۔

''بیلا فاروق کیا کیا بھلانے کی کوشش کرو گی...؟''

اس نے ٹھنڈی آہ بھری تھی... جانے ابا کہاں رہ گئے

تھے۔۔۔ سفر لمبا تھا تبھی فجر کو روانگی تھی تاکہ سہ پہر تک پہنچ جائیں۔۔۔ اس نے جیدی کو مخاطب کیا تھا۔

"دیکھ میرے بھائی میرے مٹھو کا خیال رکھنا۔۔۔ اب یہ تیرے حوالے۔۔۔" مدبر بنا وہ اثبات میں سر ہلانے لگا تھا۔

وہ دونوں کھڑے کھڑے تھک سی گئی تھیں۔۔۔ اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چارپائی پر بٹھا دیا اور خود بھی ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔

اماں نے اس کے ہاتھ تھام لیے تھے۔ "بیلا۔۔۔ دو سال تو بڑا عرصہ ہووے ہے۔" وہ ماں تھیں۔۔۔ رنجیدہ تھیں۔۔۔ بیلا ان کی حالت سمجھ رہی تھی۔

"اماں فکر نہ کر دو سال چٹکی بجاتے گزر جائیں گے اور میں چھٹیوں میں بھی تو چکر لگاتی رہوں گی۔" بیلا فاروق کو تسلیاں، دلاسے دینے کا فن بڑی اچھی طرح آتا تھا۔۔۔ اب بھی وہ اماں کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

"میری دھی، میری اک گل یاد رکھنا۔۔۔ شہر دی دنیا بڑی ڈاھڈی تے فریبی ہوندی اے۔۔۔ بس اپنی پڑھائی اچ دھیان لگائے رکھنا۔۔۔ میں اور تیرے ابا تجھ پر اعتبار کر کے تجھے بھیج رہے ہیں ہماری لاج رکھنا۔۔۔ گاؤں والے تیرے جانے کے بعد تیرے نمانے پیو کو ہی گلاں کریں گے۔۔۔ وہ کس کس نوں وضاحتاں دے گا۔۔۔؟" اماں اس کے سامنے ہاتھ جوڑے روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔۔۔ اس کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔۔۔ اماں جانتی تھیں وہ ان کی بیٹی کتنی پکی اور سچی ہے۔ جدائی کا خیال دل پر آرے چلا رہا تھا مگر پھر بھی وہ مجبور تھیں۔

"اماں۔۔۔ میں آپ کی پریشانی اچھی طرح سمجھتی ہوں۔۔۔ آپ بالکل بھی فکر نہ کریں مجھے آپ کی عزت اور وقار سے بڑھ کر کچھ عزیز نہیں۔" اور وہ جانتی تھیں ان کی بیلا کبھی جھوٹ نہیں بولتی تھی۔ آنگن میں لگے خاص چنبیلی کے پودے پر پھول کھلے ہوئے تھے۔ بھینی بھینی خوشبو چار اطراف میں پھیل رہی تھی۔

تانگے کی ٹک ٹک کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔۔۔ ابا اکرم کوچوان کو لے کر پہنچنے ہی والے تھے۔ بیلا نے چپکے سے اپنے دوپٹے سے اماں کے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔

دور ریڈیو کا والیم بڑھا دیا گیا تھا۔۔۔ کوئی مجنوں فجر سے گیت سن رہا تھا۔ ہوا کے دوش پر پرسوز آواز کانوں میں رس گھول رہی تھی۔

"ایہہ پتر ہٹاں تے نئیں وکدے۔۔۔
جے لبھدی پھریں بازار کڑے۔۔۔"

وہ چپ چاپ کھڑی تھی۔۔۔ الگنی پر ٹنگے پنجرے میں بیٹھا مٹھو بیلا کو آوازیں دے رہا تھا۔

"بیلا سیانی۔۔۔ بیلا سیانی۔۔۔" بیلا نے جیسے اپنے آپ کو حیرت کے اعلا درجے پر کھڑا پایا۔

"کتنی عجیب بات ہے کہ یہ ننھا سا پرندہ بھی میری جدائی کو محسوس کر رہا ہے۔۔۔ شاید ان پرندوں پر بھی الہام ہوتے ہوں گے۔۔۔"

وہ جانتی تھی کہ وہ کتنی عجیب بات سوچ رہی تھی۔۔۔ مگر اب اس پر بھی غور کرنے کا کہاں وقت تھا۔۔۔ ابا دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے۔۔۔ بیلا کو وہ کافی تھکے تھکے سے لگ رہے تھے۔ وہ مٹھو کے پنجرے کو گول گھماتی آگے بڑھ آئی تھی۔

ابا اور جیدی نے ٹرنک تانگے پر رکھ دیا تھا۔۔۔ بیلا نے جیسے الوداعی نظر سارے گھر پر ڈالی تھی۔

"ہاں تو بیلا فاروق گھر چھوڑ کر جانا بھی کہاں آسان ہوا کرتا ہے۔" تقریباً" وہ پانچ منٹ جیدی کے گلے لگی روتی رہی تھی۔

وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا "بیلی تو نہ جا۔۔۔ رک جا بیلی۔۔۔"

بیلا روتی روتی ہنس دی تھی "جھلا۔۔۔ ابھی سے مجھے کمزور کر رہا ہے۔"

وہ اب اماں کی طرف مڑی تھی۔۔۔ مگر اماں پیچھے ہٹتی جا رہی تھیں۔ وہ جا کر کمرے میں بند ہو گئی تھیں۔۔۔ وہ کھڑکی بجاتی رہی مگر انہوں نے دروازہ نہ کھولا تھا۔۔۔ کہا بھی تو بس اتنا۔

"بیلا... وقت گزر رہا ہے چلی جا میری دھی... تجھے رخصت ہوتے دیکھنے کا حوصلہ مجھ میں نہیں..." وہ اندر کمرے میں دروازے سے ٹیک لگائے رو رہی تھیں... بیلا رکی رہی... مگر پھر کھڑکی کے قریب منہ کر کے بولی تھی "اللہ حافظ اماں..."

یہ کہہ کر وہ آنسو صاف کرتی دروازے سے باہر آ گئی تھی... ٹرنک اگلی نشست پر رکھا ہوا تھا جبکہ وہ اور ابا پچھلی طرف بیٹھے تھے... وہ جہاں تک نظر جاتی تھی دیکھتی رہی تھی۔ ملگجے اندھیرے میں جیدی ٹارچ تھامے اپنے ہاتھ ہلاتا ہوا نظر آ رہا تھا... تبھی اس کی نظر اٹھی تھی جیدی کے ساتھ اماں بھی کھڑی ہاتھ ہلا رہی تھیں... گرم آنسو ہاتھوں کی پشت پر گرے تھے۔

وہ جب تک نظر آتے رہے وہ ہاتھ ہلاتی رہی... منظر بھاگ رہے تھے اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

"ہاں... تو میں سب پیچھے چھوڑ آئی ہوں مگر یادیں تو ہمیشہ ساتھ سفر کرتی ہیں... یہ تو زندگی کی زاد راہ ہوتی ہیں۔"

سرکنڈوں میں سر چھپائے جھینگر چلا رہے تھے... وہ اپنی سوچوں میں مگن تھی۔ تانگے کے چلنے سے پگڈنڈی پر ہلکی ہلکی سی دھول اٹھ رہی تھی۔

"ایک انسان کے چلے جانے سے زندگی کہاں رکتی ہے؟ شاید میری غیر موجودگی بھی چند دن محسوس ہو گی پھر سب زندگی کی مصروفیات میں بھول بھال جائیں گے... مگر بیلا فاروق کیسے بھولے گی...؟ کچی گلیوں میں کھیلی جانے والی آنکھ مچولی، برساتوں میں کھیلا جانے والا بول میری مچھلی کتنا پانی... زہرہ اور کلثوم کے ساتھ کنویں کی منڈیروں پر کی گئی باتیں، شرارتیں، کیا آسان ہو گا یہ سب بھولنا...؟" بیلا نے جیسے اپنے آپ سے سوال کیا تھا... مگر سوال جیسے دوبارہ پلٹ آیا تھا۔ اس نے اندر کی خاموشی سے تنگ آ کر جھٹکے سے آنکھیں کھول دی تھیں۔

ہلکا ہلکا سا اجالا دھرتی پر قدم رکھ رہا تھا... گیا بھن بھینسوں کے ڈکرانے کی آوازیں دور دور تک گونج رہی تھیں... بیلا نے دوپٹے سے آنکھیں صاف کی تھیں... وہ رو رہی تھی۔ بیلا فاروق رو رہی تھی ابا کی سیانی بیلا... جیدی کی بیلا نخریلی۔ اور اماں... ہاں وہ تو اسے "جھلی" کہتی تھیں۔

"بیلا اداس ہے کیا؟" تانگے کی آواز کے ساتھ جیسے ابا کی بھی آواز ابھری تھی۔ وہ چونکی تھی۔

"ہاں... ابا یہ تو فطری بات ہے گھر، رشتے چھوڑنا آسان تو نہیں ہوتا نا چاہے دوری پانچ منٹ کی ہو، یا پھر دو سالوں کی..." اونچی نیچی جگہوں پر تانگا چلا جا رہا تھا بیلا کو لگا کمر ٹوٹ کر تختہ ہو رہی ہو۔

"ہاں... یہی تو زندگی ہے دیس، پردیس لگا رہتا ہے۔" بیلا کو ابا بڑے فلسفی سے لگے تھے... سورج طلوع ہو چکا تھا نرم گرم نارنجی دھوپ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی گندم کی فصل کی بالیاں ہوا سے جھول رہی تھی۔ بیلا نے دیکھا تھا ایک نالہ گزر رہا تھا جس پر christian Anderson کی کہانیوں جیسا چوبی پل بنا ہوا تھا۔

"ہاسٹل میں اور کتنی لڑکیاں ہوں گی تمہارے ساتھ...؟"

"ابا ایک کمرے میں چار لڑکیاں ہوتی ہیں... کمرے کشادہ اور ہوادار ہوتے ہیں۔"

"ہوں... چلو پھر ٹھیک ہے تو نے اپنی ہر چیز سنبھال کر رکھ لی تھی نا؟" وہ فکر مند ہوئے تھے۔

"جی ابا... ہر چیز یاد سے رکھ لی تھی۔"

اکرم کوچوان گھوڑے کو چابک دکھاتا بولا تھا "کیا باتیں چل رہی ہیں باپ بیٹی کے درمیان...؟" ابا ہنسے تھے۔

"کچھ نہیں اکرم بس اس سے پوچھ رہا تھا کچھ پیچھے تو نہیں چھوٹ گیا۔" بیلا نے جیسے ٹھنڈی آہ بھری اور ہلکے سے بڑبڑائی تھی۔

"سب کچھ تو پیچھے چھوٹ گیا ابا..."

سفر کرتے کرتے وقت گزرتا رہا... وہ چپ چاپ اردگرد مناظر پر نظریں دوڑاتی رہی... دوپہر سر پر آن کھڑی ہوئی تھی... گرمی کا زور بڑھ گیا تھا۔ جاندار جیسے

جل بھن رہے تھے لان کا سوٹ پہنے وہ جیسے پسینے میں نہائی ہوئی تھی۔۔۔ ابا بھی رومال سے بار بار پسینہ پونچھ رہے تھے وہ ایک پیار بھری نظر ان پر وقفے وقفے سے ڈالتی تھی۔

بیلا کو اکرم کوچوان پر حیرت تھی جو اسی مستقل مزاجی سے تانگا بھگائے چلا جا رہا تھا۔ ایک جگہ تانگا رکا گیا تھا ابا کسی دکان سے لیمن کی بوتلیں لے آئے تھے۔۔۔ بوتلیں بھی ٹھنڈی نہ ہونے کے برابر تھیں۔۔۔ بیلا نے وہ میٹھا شربت جیسے بہت مشکل سے حلق سے اتارا تھا۔۔۔ یوں لگتا تھا سینے میں بھی جلن ہونے لگی تھی۔۔۔ وہ بمشکل ضبط کا دامن تھامے بیٹھی رہی۔ دوپہر ٹھنڈی پڑی تو تب تک وہ شہر والی سڑک پر آ چکے تھے۔۔۔ ہموار تارکول کی سڑک پر دھکے تو نہیں لگ رہے تھے۔۔۔ اور اتنی گرمی بھی نہیں تھی۔

اکا دکا موٹریں گزر رہی تھیں۔۔۔ اکرم نے فاروق احمد کو مخاطب کیا تھا۔

"تو بڑا خوش قسمت ہے فاروق جو اتنی لائق فائق اولاد ملی ہے۔۔۔ تیرا نام تو روشن ہوگا۔۔۔ اور پنڈ کا بھی خوب ہوگا۔" ابا نے بیلا کو خود سے لپٹا لیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ اکرم نیک اور فرماں بردار اولاد ماں، پیو کے سینے کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔۔۔ مجھے بھی اپنی بیٹی پر فخر ہے۔"

بیلا سن کر مسکراتی رہی۔۔۔ اصل وقت تو اب شروع ہوا تھا بیلا فاروق کے لیے۔۔۔ وہ جیتنے آئی تھی۔۔۔ خواب پورے کرنے اور وقت گواہ تھا وہ ایسا کر سکتی تھی۔ اور وہ کرنے والی تھی۔

☼ ☼ ☼

منعم علی نے اپنے آپ کو دنیا کا بے بس ترین انسان پایا تھا۔۔۔ روڈ کے کنارے لگی روشنیاں جل رہی تھیں۔۔۔ وہ شکستہ قدموں سے چلا جا رہا تھا۔۔۔ اس کے پاؤں جیسے جلنے لگے تھے۔

وہ زوردار آواز کے ساتھ چلایا تھا "آئی ہیٹ یو بیلا فاروق۔" آواز جیسے بازگشت کی صورت اختیار کر گئی تھی۔۔۔ دور سے۔۔۔ بہت دور سے جیسے کوئی آواز آئی تھی۔

"تمہیں یہ زعم کیوں ہے کہ ہر goal (منزل مقصود) تم ہی حاصل کرو گے۔۔۔ ضروری نہیں جو تم شروع سے حاصل کرتے آ رہے ہو وہ اب بھی تمہیں مل جائے۔۔۔ میں تمہارا غرور توڑوں گی۔۔۔ تم اپنے سے آگے کسی کو بڑھتے دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔۔۔ ایسے لوگوں کو لوزر (ہارنے والا) کہتے ہیں۔ اینڈ یو آر اے لوزر۔۔۔"

وہ بیلا فاروق تھی اسے چیلنج کرنے والی۔۔۔ اسے ببانگ دہل للکارنے والی۔

وہ فاتح تھا مگر وہ اسے مفتوح بنانے آئی تھی۔۔۔ اور منعم علی نے کتنے بے ہودہ لہجے میں اپنے دوستوں سے کہا تھا۔ "وہ پینڈو لڑکی شاید اپنی جھونک میں مگن خود کو مس انٹیلی جینٹ ذہین اور ہوشیار سمجھتی ہے۔ مگر میں اسے غلط ثابت کر کے رہوں گا یہ سارے اٹینشن (توجہ) حاصل کرنے کے بہانے ہیں۔۔۔" اور یہ سچ تھا کہ لڑکیاں اس کی توجہ چاہتی تھیں۔۔۔ مگر یہ غلط تھا کہ وہ یعنی بیلا فاروق بھی ایسا چاہتی تھی وہ ساحر تھا۔۔۔ سحر پھونکتا تھا۔۔۔ بے بس کر دیتا تھا۔

وہ بھکر کے امیر کبیر انڈسٹریلسٹ کا اکلوتا بیٹا تھا۔۔۔ وہ برانڈڈ اشیاء پہنتا تھا سِلکی seili کی شرٹس، رولیکس Rolex کی گھڑیاں، بیز Bays کے شوز۔۔۔ وہ ایسا تھا کہ اس پر بار بار نظر ڈالنے کو جی چاہتا تھا۔

ڈریس کوٹ میں ملبوس، چہرے پر تفاخرانہ مسکراہٹ سجائے، جیل سے بال بنائے۔۔۔ وہ جہاں سے گزرتا تھا جانے کتنی ہی ان گنت نظریں اس کا پیچھا کرتی تھیں۔۔۔ اور اس بات کا اس کو احساس تھا اور بہت اچھی طرح تھا۔ وہ منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہونے والوں میں سے تھا۔ اور وہ کیا تھی۔۔۔

ایک عام کسان کی بیٹی، ایک گاؤں کی ذہین لڑکی۔۔۔ شکل و صورت بھی عام سی۔۔۔ ایک ایسی لڑکی جس پر دوسری نظر ڈالنے کو دل نہ کرے۔۔۔ یہ منعم علی کا خیال تھا اور یہ خیال غلط تھا۔

وہ بیلا فاروق تھی، بے شک معمولی صورت کی

حال لڑکی، مگر اس میں کچھ ایسا ضرور تھا جو دیکھنے والا اس پر دوسری نظر ڈالنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔
اس کی وجہ کیا تھی۔۔۔؟۔۔۔ بیلا فاروق کی تمکنت ۔۔۔ وقار۔۔۔ اس کی ذہانت سے چمکتی آنکھیں۔۔۔ وہ اعتماد کے ساتھ چلتی تھی۔۔۔ سر اٹھا کر۔۔۔ مقابل کو زیر کرنا اسے بھی آتا تھا۔ جیت اس کی شیدائی تھی۔ وہ دھیمی ہنسی ہنستی تھی اور منعم علی کا دل چاہتا اس پر بند باندھ دے۔۔۔ کیل گاڑ دے۔ وہ بول ہی نہ سکے۔
اور آج۔۔۔ دو سال بعد منعم علی کو بیلا فاروق سے محبت ہو گئی ہے۔
اسے اپنے دو سال پہلے کے الفاظ یاد آئے تھے "اگر مجھے دنیا میں کسی سے نفرت ہے تو تم سے ہے بیلا۔۔۔" اور وہ کتنا ہنسی تھی اس بات پر۔۔۔ ہلکی سی ہوا چلی تھی روڈ پر سفیدے کے پتے بکھرنے لگے تھے۔۔۔ بیلا فاروق کی ہنستی ہوئی آواز جیسے ماضی کے مقبروں میں سے گزر کر حال تک پہنچی تھی۔
"نفرتوں کے تعلق استوار کرنے والوں کو محبتوں کے وجود سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔"
"میں تم جیسی لڑکی پر تھوکتا ہوں۔" وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔
"کلیپنگ (تالیاں)۔۔۔ تمہاری تربیت بول رہی ہے۔۔۔ یونیورسٹی کے ٹاپر اسٹوڈنٹ کا اخلاقیات سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں۔"
وہ جاتے جاتے پلٹی تھی۔۔۔ "تمہیں ہرا کر مجھے بہت مزا آنے والا ہے۔" ایک مسکراہٹ اچھالتی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ اور اس دن منعم کو خبر ہوئی تھی بظاہر سیدھے نظر آنے والے لوگ سیدھے نہیں ہوتے۔۔۔ اور وہ نہیں جانتا تھا کہ بیلا فاروق تو الجھے ریشم کا نام تھا۔ ٹریفک کا شور بڑھ رہا تھا۔۔۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا رہا۔۔۔ تبھی اس کا موبائل بجا تھا ۔۔۔ اس نے موبائل سامنے کیا تھا۔
"حرا کالنگ۔۔۔" اس نے موبائل اٹھا کر دور پھینک دیا تھا۔ ہلکی سی دھپ کی آواز آئی تھی۔ اسے کچھ یاد آیا تھا۔

وہ بیلا فاروق کی آواز تھی۔۔۔ جو کسی بچھو کے ڈنگ کی مانند لگی تھی۔
"تم لڑکیوں کے جذبات سے کھیلتے ہو۔۔۔ محبت نام پر مہنگے تحائف بٹورتے ہو۔۔۔ تمہارے ٹھاٹ باٹ اسی وجہ سے تو ہیں۔۔۔ تم قابل نفرت ہو۔

"آئی ہیٹ یو"
وہ دو سال پہلے نہیں جانتا تھا کہ وقت محبت کی ڈائری کے پہلے کورے ورق پر بیلا فاروق کا نام لکھ دے گا۔۔۔ جسے وہ چاہ کر بھی نہیں مٹا پائے گا۔۔۔ کبھی نہیں اس نے یاد کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسے بیلا سے محبت کب ہوئی تھی۔
"اسٹیٹچو پلے۔" میں ایکٹ کرتے وقت یا پھر برستی بارش میں جب ان کی لڑائی ہوئی تھی اداسی وجود کے گرد گھیرے ڈال رہی تھی۔
ہاں۔۔۔ تو وہ آخری بار۔۔۔ ہاں آخری بار بیلا فاروق سے بات کرے گا۔ وہ اسے بتائے گا کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔
وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ بات اسے ساری زندگی حیرت زدہ رکھے گی کہ اسے بیلا فاروق سے کیسے محبت ہو گئی تھی۔ ایک عام سی لڑکی سے۔۔۔ جس میں کچھ خاص نہ تھا' اور وقت کی ہنسی میں ڈوبی سرگوشی ابھری تھی۔
"جن سے محبتوں کے رشتے استوار ہوتے ہیں۔۔۔ وہ خاص ہی تو ہوتے ہیں۔" وہ سیدھا چلتا جا رہا ہے۔ ہیرن ہوا سے سوکھے پتے اب بھی اڑ رہے ہیں۔

✡ ✡ ✡

وہ یونیورسٹی روڈ پر کھڑے تھے۔۔۔ سہ پہر سے ذرا پیچھے کا وقت تھا۔ اکرم کوچوان نے فٹ پاتھ سے ذرا پرے تانگا روک دیا تھا۔ ابا نے ٹرنک اٹھا رکھا تھا۔ شہر میں بھانت بھانت کی آوازیں کانوں میں پڑ رہی تھیں۔۔۔ موٹر کاریں۔۔۔ سی ڈی شاپس میں بجتا تیز میوزک۔۔۔ ہر طرف جیسے افراتفری کا عالم تھا۔

سامنے ہی یونیورسٹی کی عمارت شان سے ایستادہ تھی۔۔۔ U شیپ کی بلڈنگ دیہاتی دروازے کی تاروں کے پار سے واضح نظر آرہی تھی۔۔۔ سرخ و سفید کلر کی آمیزش سے آراستہ وہ دلکش عمارت تھی۔ پختہ روش کے دونوں اطراف میں گھنے چھتنار درختوں کی لمبی لمبی قطاریں تھیں مختلف غیر ملکی پھولوں کی بہتات تھی۔۔۔ بیلا فاروق نے سامنے کی طرف نظر اٹھائی تھی۔ یونیورسٹی کی باہر والی دیوار پر شاید کسی اسٹوڈنٹ نے اسپرے پینٹ سے لکھ رکھا تھا۔

"ویل کم ہینڈ ڈیر اسٹوڈنٹ"

بیلا مسکرائی تھی جیسے وہ سب اسی کے استقبال کے لیے لکھا گیا ہو۔۔۔ یونیورسٹی کے دائیں طرف ہی ہوسٹل تھا۔ ابا ٹرنک اٹھائے اسے ہوسٹل کی طرف لے آئے تھے۔ ابا کے کسی جاننے والے نے بیلا کا نام رجسٹر کروا دیا تھا۔ ہوسٹل کی حالت خستہ سی نظر آتی تھی زرد پینٹ جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ وہ جھجک رہی تھی پہلی بار کسی انجان جگہ غیر شناسا لوگوں کے ساتھ رہنا کہاں آسان تھا۔

ہر آتا جاتا آدمی انہیں رک کر دیکھتا۔۔۔ مسکراتا اور پھر آگے بڑھ جاتا۔۔۔ بیلا کو لگا جیسے ان کی آنکھیں کہہ رہی ہوں "گاؤں کے باسی۔۔۔ پینڈو۔"

ہوسٹل کی وارڈن کا نام عفت تھا۔۔۔ جو بھاری جسم و جاں کی مالک انتہائی سخت مزاج کی عورت تھی۔ بھدے نقوش، پھینی ناک اور کھچڑی بال وہ کسی ہارر فلم کی ڈائن کی مانند نظر آتی تھی۔ پہلی بار تو اسے دیکھ کر بیلا کو بھی جھرجھری سی آگئی تھی۔

ابا جب جانے لگے تو وہ بھی انہیں چھوڑنے ہاسٹل گیٹ کی طرف آگئی تھی۔ ابا نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے تھے۔

"دیکھ میری بیٹی۔۔۔ مجھے تجھ پر فخر ہے کہ تو یہاں تک پہنچی میں جانتا ہوں یہاں تک کا سفر بڑا کٹھن تھا مگر آگے کا سفر اس سے بھی دشوار ہوگا۔۔۔ یہ شہر ہے یہاں کے لوگ ہمارے لوگوں جیسے نہیں ہوتے یہاں ہر کوئی اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے۔۔۔ یہاں آزادی بہت ہے اور بے جا آزادی غلط راستوں پر ڈال دیتی ہے۔ تو میری بات سمجھ رہی ہے نا۔۔۔؟" انہوں نے پوچھا تھا۔ بیلا نے جھٹ سر ہلا دیا تھا انہوں نے ٹوٹی بات کا سلسلہ پھر سے جوڑا تھا۔

"میں تجھے پورے گاؤں کی مخالفت سہہ کر یہاں تک لایا ہوں۔ اب یہ تیرا فرض ہے کہ اپنے والدین اور اپنے گاؤں کی لاج رکھنا۔۔۔ مجھے اپنی بیٹی پر پورا بھروسا ہے مگر زمانہ بڑا خراب ہے۔۔۔ میں نے دل پر پتھر رکھ کر تجھے یہاں بھیجا ہے۔۔۔ میری عزت کا لحاظ رکھنا۔" وہ ہاتھ جوڑ رہے تھے۔۔۔ بیلا کو جیسے دھکا سا لگا تھا۔ اس نے ان کے ہاتھ تھامے اور چوم لیے تھے۔

"ابا۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ جانتے ہیں نا کہ آپ کی بیٹی خود مرجائے گی مگر آپ کی عزت کا وقار کبھی گھٹنے نہیں دے گی۔۔۔ میرا وعدہ ہے آپ سے آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔۔۔" ہوسٹل کے احاطے میں لگے بوڑھے نیم کے درخت کے پتے ہر جگہ بکھرے ہوئے تھے۔

ابا نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چوم لی تھی "اپنا خیال رکھنا۔۔۔ اور میری باتوں کو پلو سے باندھے رکھنا اب ہماری عزت تمہارے ہاتھوں میں ہے۔۔۔ تم گاؤں کی لڑکیوں کے لیے بارش کا پہلا قطرہ ہو اب آگے دریا تبھی بنے گا جب تم کامیاب لوٹو گی۔۔۔ تمہاری عمر کی جانے کتنی بچیاں اب تمہاری وجہ سے خواب آنکھوں میں سجائے بیٹھی ہیں۔۔۔ ان کے خواب مرنے نہ دینا۔" وہ کہتے رہے۔۔۔ اور وہ پلکیں جھپک جھپک سر ہلاتی رہی۔

"اچھا۔۔۔ چلتا ہوں۔۔۔ دل لگا کر پڑھنا۔"

وہ جانے والے تھے۔۔۔ وہ ان سے لپٹ گئی تھی۔۔۔ قریب سے گزرتی لڑکیوں کے لیے یہ منظر معمول کا حصہ تھا سو وہ نظر انداز کرتی آگے بڑھ گئی تھیں۔

وہ آنسو پونچھتی کہہ رہی تھی "ابا۔۔۔ اماں اور جیدی کو سلام کہنا۔" ابا نے سر ہلایا تھا "جب اپنا فون لے لینا تو ضرور فون پہ بات کرنا۔۔۔ تیری جھلی ماں تانگ (انتظار) میں ہوگی۔" وہ اسے گلے سے لگاتے پلٹ

گئے تھے۔ وہ پیچھے کھڑی انہیں دیکھتی رہی... دیکھتی رہی۔

وہ بمشکل خود پر قابو رکھے کھڑی تھی... ابا رومال سے اپنے آنسو صاف کرتے جا رہے تھے۔ انہوں نے جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا تھا وہ وہیں کھڑی ہاتھ ہلا رہی تھی۔ وہ بھی جواباً "الوداعی ہاتھ ہلاتے آگے بڑھ گئے تھے۔ ان کی چال شکستہ سی تھی۔ وہ اسے کسی ایسے انسان کی مانند لگے تھے جو اپنا قیمتی مال و متاع لٹا چکا ہو۔

جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو بیلا پلٹ آئی تھی۔

اور اس دن بیلا فاروق نے خود سے عہد کیا تھا۔

"میں اپنی وجہ سے آپ کو کبھی دکھ نہیں دوں گی ابا ... میں آپ کی اور اپنے گاؤں کی عزت پر حرف تک نہیں آنے دوں گی... اور میں اپنے گاؤں کی خواب زادیوں کے خوابوں کی امین ہوں... اور امین تو جان ہار دیتے ہیں مگر امانتوں میں خیانت نہیں ہونے دیتے۔"

اور بوڑھا نیم کا درخت ساکت کھڑا رہا... اور یہ طے تھا بیلا فاروق اچھی عہد نبھانے والی تھی۔ ہوسٹل کے احاطے میں مارننگ گلوری، اور ڈیلیا کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ لڑکیوں کی ٹولیاں ادھر ادھر مٹر گشت کر رہی تھیں۔

اونچے قد اور سوکھے پتے سے وجود والی لڑکی بیلا کے پاس سے فون کال سنتے ہوئے گزری تھی۔ اس کی آواز بیلا نے واضح سنی تھی۔

"میں تمہارا خون پی جاؤں گی خبیث انسان... تم نے مجھ سے فلرٹ کرنے کا سوچا بھی کیسے..." بیلا نے تصور کیا وہ لمبی لڑکی اس خبیث کا مزے لے لے کر خون پی رہی ہو... اور بیلا کو مسکرا کر دیکھ رہی ہو... یو کین جوائن می (تم بھی میرا ساتھ دے سکتی ہو) بیلا نے ایک جھرجھری سی لی تھی اور اندر کی طرف بھاگی تھی۔

سہ پہر نے دھرتی پر قدم رکھا تھا... اب جیسے گرمی کی شدت کم ہو چکی تھی... والز کی قلفیوں والے آوازیں لگاتے پھر رہے تھے۔ بھانت بھانت کی آوازیں۔

☆ ☆ ☆

وہ آنسو پونچھتی ہوسٹل کے اندر آئی تھی... عفت کاؤنٹر پر بیٹھی سونف ٹونگ رہی تھیں... سامنے پیالے میں سونف رکھے ہوئے تھے۔

"الوداع کہہ آئیں بابا کو... ؟" انہوں نے پوچھا تھا۔ بیلا سر جھکائے کھڑی تھی۔

"جی..." اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا تھا۔

یہ ہال کمرہ تھا جس کے ایک طرف الماری تھی جس کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے اور مختلف گرد آلود کتابیں بھری ہوئی تھیں، موٹی موٹی جلدوں والی کتابیں... انگریزی، فارسی، گھٹیا قسم کے رومانوی ناولوں کی بھی بہتات تھی... عفت نے جوڑے میں بندھے بالوں کو کھجایا تھا اور زوردار آواز کے ساتھ دھاڑی تھیں۔

"چنبیلی..." ساتھ والے کمرے سے جھاڑو اٹھائے مس چنبیلی برآمد ہوئی تھیں... ایک پل کو بیلا کو لگا تھا جیسے مصر کے میوزیم سے کوئی ممی نکل آئی ہو۔ الجھے ہوئے بال... پلکوں پر ڈھیر ساری گرد جمی ہوئی تھی۔

"یس... چنبیلی از ہیئر۔" بیلا کو اس کی انگلش سن کر تو مانو جھٹکا ہی لگا تھا۔ عفت نے ٹوٹی ہوئی نب والا پین کاؤنٹر سے اٹھا کر چنبیلی صاحبہ کا نشان لیا تھا... مگر چنبیلی خود کو جھکائی دے کر بچا گئی... عفت نے دانت پیسے تھے۔

"جا... اس مرن جوگی نوں کمرے تک چھوڑ آ..." بیلا نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا جو مزے سے اسے "مرن جوگی" کا خطاب دے کر کسی ناول میں گم ہو چکی تھیں... چنبیلی نے عفت کے سامنے جھاڑو پٹخا تھا... "روم نمبر؟"

عفت نے تیکھی نظروں سے دیکھا تھا عین ناول کے کلائمکس پر ٹوکنا ضروری تھا... "روم نمبر 07" یہ کہہ کر وہ دوبارہ ناول میں گم ہو چکی تھیں... سیلنگ فین بھی کوئی نور جہاں کے زمانے کا تھا۔ جو گھر... گھر کرتا کسی کوڑھ زدہ وجود کی طرح کانپ رہا تھا۔

بیلا کو لگا وہ ابھی اس پر آن گرے گا۔ سو وہ چنبیلی کے پیچھے بھاگی تھی' جو خراماں خراماں اس کا ٹرنک اٹھائے سیڑھیاں چڑھتی اوپری منزل کی طرف جارہی تھی۔

ایک دروازے کے اوپر لکھا نظر آرہا تھا دی گھوسٹ ویلی۔ (بھوتوں کی وادی) بیلا نے جھرجھری لی تھی صد شکر کہ وہ اس کا روم نہیں تھا۔ کاریڈور کے دونوں اطراف کمرے تھے... دیواریں پوسٹرز سے سجی ہوئی تھیں۔ عجیب وغریب تصویریں... بے ڈھنگے نقشے... بیلا کو کوفت سی ہوئی تھی۔ بیلا آگے چلتی چلتی چنبیلی سے ٹکرائی تھی۔ چنبیلی پوچھ رہی تھی۔

"کیا ہے اس ٹرنک میں ٹمیارن...؟"

"کپڑے اور کتابیں ہیں۔" بیلا نے دانت کچکچائے تھے۔

"ٹرنک دیکھ کر تو ہر کوئی مخول ہی کرے گا... بکسہ لے لیتیں تم۔" چنبیلی کا مشورہ حاضر تھا...

"آپ پہلے مل جاتیں تو آپ کے مشورے پر عمل کرلیتی۔" چنبیلی نے دانت نکالے تھے۔ بیلا نے جواباً" ہنسی سے مروت کا ثبوت پیش کیا تھا۔

"کیا میں اچھے مشورے دیتی ہوں؟" پوچھا گیا تھا۔

"جی ہاں... بہت اچھے۔" چنبیلی نے خوش ہو کر ساتھ چلتی بیلا کو دیکھا تھا۔

"وہ گنجی عفت جو کاؤنٹر پر بیٹھی سو سال پرانا ناول کوئی بیسویں مرتبہ پڑھ رہی تھی۔ وہ کہتی ہے چنبیلی تو فضول باتیں کرتی ہے... جلتی ہے مجھ سے۔"

شکایتوں کا پنڈورہ باکس کھل چکا تھا... بیلا کو جان عذاب میں گرفتار ہوتی نظر آئی تھی۔ آخر کار وہ ایک کمرے کے سامنے رکی چکی تھیں... کمرے کے اوپر لکڑی کی پھٹی لٹک رہی تھی "کمرہ نمبر07"

چنبیلی نے ٹرنک نیچے رکھا اور دروازہ دھڑدھڑایا... ایک منٹ... دو تین۔ دروازہ نہ کھلا... گرل کے پاس ہی جالے صاف کرنے والا ڈنڈا پڑا تھا... اس نے وہ اٹھا کر تین بار لکڑی کی مضبوط چادر سے بنے دروازے پر دے مارا تھا۔

بیلا کو لگا دروازہ ابھی ان پر آن گرے گا مگر شکر کہ ایسا کچھ بھی نہ ہوا تھا۔ چند ثانیے بعد دروازہ کھلا اور ایک بھیانک سی صورت برآمد ہوئی... چنبیلی ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔ "کس کی موت آئی ہے...؟"

وہ لڑکی جو بھی تھی اس نے چہرے پر ماسک لگا رکھا تھا... چاکلیٹ کلر کے ماسک نے سارے چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا مگر آنکھوں کے گڑھے نظر آرہے تھے ... بھنویں بھی ماسک کی زد میں آئی ہوئی تھیں۔

"یہ نئی روم میٹ آئی ہے تم لوگوں کی... عفی میڈم نے کہا ہے اس کا سامان تمہارے کمرے میں رکھوا دوں..." چنبیلی کو جب یقین ہوگیا کہ اس ڈراؤنی شکل کے پیچھے انسانی صورت ہی ہے تو اس نے قدرے اطمینان سے آنے کا مقصد بتایا تھا۔

ماسک زدہ چہرہ بیلا کو غور سے دیکھتا رہا... سر سے پاؤں تک... تنقیدی نظریں۔

لان کا سوٹ پہنے... آنکھوں میں گہرا کاجل لگائے ... بازوؤں میں ڈھیروں ڈھیر کانچ کی چوڑیاں پہنے گندمی سنہری رنگت والی وہ بیلا فاروق تھی... آنکھوں میں کوٹ کوٹ کر ذہانت بھری ہوئی تھی۔ کمرے سے آواز آئی تھی۔

"کون آیا ہے۔"

ماسک والی لڑکی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا... "مس پینڈو آئی ہیں..." تاریک سایہ بیلا کے چہرے پر لہرا گیا تھا۔

"ہاں تو بیلا فاروق یہاں تمہاری کوئی وقعت ہی نہیں۔" ادھ کھلا دروازہ جھٹکے سے کھلا تھا... ماسک والی کے علاوہ دو اور لڑکیاں باہر نکل آئی تھیں۔ ان دونوں لڑکیوں کا قد ایک سا تھا۔ مگر ایک دوسرے سے قدرے فربہ سی تھی۔

انہوں نے اسٹائلش سے کپڑے پہن رکھے تھے ... دونوں کے ہاتھ میں فل سائز کافی کے مگ تھے... جس سے وہ وقفے وقفے سے چسکیاں لے رہی تھیں وہ دونوں بھی اب بیلا کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ بیلا نے ہاتھ آگے بڑھا کر کہا "میں بیلا ہوں... لبنیٰ کھوکھر سے

آئی ہوں۔"

ان دونوں نے بیلا کے ہاتھ تھام کر گرمجوشی دکھائی تھی۔

ماسک والی لڑکی کے چہرے پر جیسے سلوٹ سی پڑی تھی "اِیں۔۔۔ بستی کھر کھ۔۔۔؟"

بیلا نے تصحیح کی تھی "جی نہیں۔۔۔ بستی کھو کھر۔۔۔"

کافی کے مگ تھامے دونوں لڑکیاں بیلا کا جائزہ لینے میں مشغول تھیں۔ آخر انہوں نے ایک طرف ہو کر اسے آنے کا راستہ دیا۔

چڑیا کے گھونسلے جیسے بالوں والی وہ لڑکی آنکھیں میچ کر مسکرائی تھی "ویل کم ہنیو" جواباً بیلا نے بھی مروت دکھائی اور ایک مسکراہٹ اس کی طرف اچھال دی۔

ماسک زدہ چہرے والی لڑکی نے بیلا کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

"آؤ۔۔۔ ڈیئر تم بھی اس عقوبت خانے کا حصہ بن جاؤ۔" یہ کہہ کر وہ باتھ روم ایریا کی طرف بڑھ گئی تھی ۔۔۔ بیلا نے حیرت کے ساتھ اس کے پاؤں کی طرف دیکھا تھا دونوں الگ الگ ڈیزائن کے جوتے تھے۔

تیکھے نقوش والی نے بیلا کی حیرت کو جیسے ایک طرف کر کے کہا تھا "میں ریحانہ ہوں۔۔۔" دوسری چڑیا کے گھونسلے والی نے کہا "میں صدف ہوں۔"

چنبیلی اس کا ٹرنک کمرے میں لے آئی تھی۔۔۔ اور بولی تھی "جو لیپا پوتے کیے ہوئی تھی وہ روشی تھی ایک نمبر کی فتنہ پرور اور فسادن ہے۔۔۔ آخر کیوں نہ ہو عفت کی رشتہ دار جو ہے۔۔۔"

بیلا نے سر ہلا دیا تھا اور کمرے پر نظر دوڑائی تھی۔۔۔ چھوٹے سائز کے چار پلنگ دائیں طرف کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔۔۔ ہر پلنگ کے پیچھے ایک کھڑکی تھی جو عقبی جانب کھلتی تھی۔۔۔ کھڑکیوں کے شیشے سرے سے غائب تھے اور شیشوں کی جگہ گتے لگے ہوئے تھے۔۔۔ دو دیوار گیر الماریاں دائیں طرف تھیں جبکہ ویسے ہی ڈیزائن کی دو بائیں طرف تھیں فرش پر میٹرس بچھا ہوا تھا۔۔۔ کونے میں چھوٹا سا گیس سلنڈر پڑا تھا۔۔۔ جبکہ کمرے کے وسط میں ایک اسٹڈی ٹیبل پڑی تھی جس کی تین ٹانگیں تھیں چوتھی غائب تھی۔

دیواروں پر مختلف قسم کے چارٹ 'پینٹنگز' خطاطی' کے نمونے نظر آرہے تھے۔ بیلا نے گہرا سانس لیا تھا کمرہ اتنا برا بھی نہیں تھا گزارا اچھے سے ہو سکتا تھا۔

ریحانہ نے ٹیبل سے رجسٹر اٹھایا اور اس پر لکھا "بیلا فاروق" یہ لکھ کر اس نے صدف کی طرف بڑھا دیا "لو۔۔۔ اسے پینٹ کر دو۔۔۔"

وہ اور چنبیلی یہ ساری کاروائی دیکھ رہی تھیں۔۔۔ چنبیلی کا چہرہ تاثرات سے خالی۔۔۔ بیلا کے چہرے پر حیرت تھی۔ صدف نے پلنگ کے نیچے سے تھیلا نما زنبیل نکالی اور اسے پلنگ پر الٹا دیا۔۔۔ رنگ برنگے برشز۔۔۔ واٹر کلرز۔۔۔ اس نے وہ صفحہ پینٹ کیا جس میں اسے تقریباً" دو منٹ کا عرصہ لگا تھا۔۔۔ مکمل کر کے اس نے ریحانہ کی طرف بڑھا دیا۔

"ریحانہ نے وہ آگے بڑھ کر چوتھے نمبر والی الماری پر چپکا دیا" یہ الماری تمہاری ہوئی۔۔۔"

تبھی دروازہ کھلا اور چہرہ تھپتھپاتی وہ گول چہرے والی لڑکی اندر آئی وہ چہرہ صاف کر آئی تھی۔۔۔ وہ روشی تھی ۔۔۔ اس کا چہرہ بھرا بھرا سا لگتا تھا اور یوں نظر آتا تھا جیسے گالوں والی جگہ پر کسی نے دو گولڈن سیب رکھ دیے ہوں۔۔۔ بیلا کو ہنسی تو بہت آئی مگر وہ چھپا گئی تھی۔ چنبیلی نے چار نمبر الماری میں اس کا ٹرنک رکھ دیا تھا۔

"اف۔۔۔ بہت بھاری تھا تمہارا ٹرنک۔۔۔ جانے کیا کیا بھر کر لائی ہو۔۔۔" بیلا جھینپ گئی تھی۔

"اچھا۔۔۔ اب چلتی ہوں ذرا دیر ہوئی تو میڈم کا پارہ ہائی ہو جاتا ہے۔" ابھی بات اس کے منہ میں ہی تھی جب نیچے سے دھاڑ کی آواز آئی تھی۔

"چنبیلی بیگم۔۔۔ آپ نیچے قدم رنجہ فرما رہی ہیں یا مجھے اوپر آنا پڑے گا۔" چنبیلی نے جلدی سے انگریزی میں جواب دیا تھا۔ آئی ایم کمنگ لیڈی۔

روشی آئینے میں چہرہ دیکھ رہی تھی۔۔۔ "شکر ہے پمپلز تو کچھ کم ہوئے۔۔۔"

ریحانہ نے سلنڈر آن کر کے کافی گرم کی اور فل سائز مگ بیلا کی طرف لے آئی۔ "یہ لو... فی الحال یہی میسر ہے۔"

"نہیں شکریہ آپ پئیں..." بیلا نے منع کرنا چاہا۔ واٹر کلرز زنبیل میں ڈالتی صدف مسکرائی تھی۔

"ڈیئر... لے لو آخر دو سال ہم نے ایک دوسرے کو برداشت کرنا ہے۔" اس کا خلوص دیکھ کر بیلا نے کافی کا مگ تھام لیا۔ اس نے جیسے ہی گھونٹ بھرا دن میں تارے نظر آ گئے... سخت کڑوی قسم کی کافی نے جیسے منہ کا ذائقہ خراب کر دیا تھا اسے ابکائی آنے لگی تھی مگر وہ خود پر جبر کیے گھونٹ گھونٹ پیتی رہی۔ بیلا نے بغور ان تینوں کو دیکھا تھا۔ وہ تینوں اچھی لڑکیاں تھیں شریفانہ طبیعت' دوستانہ مزاج یقیناً" ان کے ساتھ دو سال کا وقت آسانی سے گزر جائے گا۔

اس نے کافی کا کپ خالی کر کے قریب رکھ دیا تھا۔

صدف اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"چلو بیلا تمہاری الماری سیٹ کرتے ہیں۔" بیلا نے ٹرنک کھولا تھا... کپڑے جوتے تیل کنگھیاں پسے ہوئے باداموں کی شیشے والی بوتل... لڈوؤں کی برآمدگی نے بیلا کو خجل کیا تھا مگر وہ تینوں آرام سے ادھر ادھر کی باتیں کرتیں اس کا سامان سیٹ کرتی رہیں... بیلا کے پاس ہینگر تو تھے نہیں سو ان تینوں نے اپنے ہینگرز اس کے ساتھ شیئر کر لیے تھے۔ آخر کار آدھے گھنٹے بعد الماری سیٹ ہو گئی تھی۔

بیلا نے لڈوؤں والا ڈبا کھول کر ان کے سامنے بڑھایا تھا... دیسی گھی اور سوجی کی خوشبو سارے کمرے میں پھیل گئی تھی ان تینوں نے دو' دو لڈو اٹھائے تھے... بیلا نے ڈبا بند کر کے الماری میں رکھ دیا تھا۔

صدف نے سریلی چیخ ماری تھی "واؤ امیزنگ... کتنے مزے کے ہیں۔" وہ مزے سے کھا رہی تھیں۔

بیلا نے مسکرا کر انہیں دیکھا تھا روشی نے پوچھا تھا۔

"یہ کس نے بنائے ہیں...؟"

"میری اماں نے..."

"گڈ... کیا یہ تمہیں بھی بنانے آتے ہیں...؟" ریحانہ نے پوچھا تھا۔ بیلا نے سر اثبات میں ہلایا تھا صدف خوش ہو کر بولی تھی۔

"اس کا مطلب یہ تو ہم اپنے روم میں بھی چوری چوری بنا کر کھا سکتے ہیں۔" روشی قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔

ریحانہ حیران ہوئی تھی۔ روشی نے لڈو کا آخری پیس منہ میں ٹھونسا تھا۔

"تم شاید بھول رہی ہو ڈیئر کہ عفت میڈم کی سینس آف سمیل (سونگھنے کی حس) خطرناک حد تک تیز ہے۔ پچھلی بار بریانی والا واقعہ بھول گئی ہو کیا...؟" وہ اب بیلا کو بریانی والا واقعہ بتا رہی تھیں... نارنجی شام ہوسٹل پر اتر آئی تھی... کاریڈور میں بلب روشن ہو چکے تھے... روشنی ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میں اڈی اڈی جاواں ہوا دے نال..."

چنبیلی صاحبہ لچکتی مٹکتی گنگناتی ہوئی ہال میں بیٹھی طالبات کو ڈنر سرو کر رہی تھیں... فائن آرٹس کی علینہ نے چمچہ پلیٹ میں پٹخا تھا "اس پھپھوندی زیادہ بریانی سے اچھا ہے بندہ چپس بنا کر کھالے۔"

صدف نے اُسے ٹوکا تھا "پھپھوندی زیادہ نہیں پھپھوندی زدہ ہوتا ہے۔"

علینہ نے صدمے سے سر ہلایا تھا "جو بھی ہے... ذرا پتا کرو یہ کتنے دن کی باسی بریانی ہے۔" بیلا آرام سے کچھ بریانی پلیٹ میں نکالے آہستہ آہستہ کھا رہی تھی... واقعی ذائقہ کچھ عجیب سا تھا۔

روشی نے چنبیلی کو روکا تھا "یہ بریانی کب کی ہے...؟"

"پرسوں دوپہر کی ہے فریزر میں رکھوائی تھی عفت جی نے..." چنبیلی کا جواب سب کا دل دہلا گیا۔ علینہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"گرلز... آج سب فوڈ پوائزن کے لیے ریڈی رہو... میں تو چپس بنا کر کھانے جا رہی ہوں... یہ شاہی طعام میرا معدہ ہضم نہیں کر سکتا۔" بیلا نے بھی پلیٹ پرے کر دی۔ باقی لڑکیاں سلاد کے پتے ٹونگ رہی تھیں۔

یہ بڑا سا کمرہ تھا جسے ہال کا نام دیا گیا تھا... چار اطراف میں پردے لٹک رہے تھے... بڑی سی میز رکھی ہوئی تھی جس کے گرد لکڑی کی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں... ٹیبل پر دستر خوان بچھا دیا جاتا تھا... ہوسٹل میں لڑکیوں کی تعداد پچاس سے اوپر تھی۔

قدیم زمانے کے تین پنکھے چھت سے ٹنگے جھول رہے تھے... جن کی ہوا ناکافی تھی... اسی لیے تقریباً اکثر لڑکیوں کے ہاتھوں میں کاغذ کے بنے پنکھے تھے جو وہ ایک دوسرے کو جھل رہی تھیں۔ فضا میں حبس بڑھ گیا تھا... روشی نے بیلا کا ہاتھ پکڑا تھا۔

"آؤ... باہر لان میں چلتے ہیں چوکیدار سے اسنیکس منگوا کر کھالیں گے۔ آج فاقے سے مرنے کا میرا تو کوئی ارادہ نہیں۔" وہ دونوں باہر آگئی تھیں...

سویٹ پی کی بیلوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

لان میں لگے خوش رنگ پھول' مزاج پر خوشگوار اثر ڈال رہے تھے... نارنجی اور ہلکے قرمزی رنگ کی تتلیاں اڑ رہی تھیں۔

انگلش ڈپارٹمنٹ کی لڑکیاں خوش گپیوں میں مصروف تھیں... ان کے بلند قہقہے وقفے وقفے سے سنائی دیتے تھے۔

بیلا نے سوچا تھا "کتنی بے فکری اور کھلنڈرا پن ہے یہاں... کیا یہاں زندگی ہمیشہ یونہی رہتی ہے...؟" روشی اور بیلا پختہ روش پر ٹہل رہی تھیں... ارد گرد لگے قد آدم نیم کے درخت سر جھکائے کھڑے تھے روشی ہنسی تھی "دیکھنا ابھی ہمارا تعاقب کرتی ریحانہ اور صدف بھی یہیں چلی آئیں گی..." بیلا نے پوچھا تھا۔

"کیا روز ہوسٹل کا کھانا ایسا ہوتا ہے؟"

"نہیں تو... بس کبھی کبھی ہماری کک چھٹی پر ہوں تو یہ صورت حال ہو جاتی ہے۔" ابھی وہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ صدف اور ریحانہ بھاگی بھاگی ان کی طرف آئی تھیں۔

"کوئی شرم ہوتی ہے کوئی حیا ہوتی ہے مگر ہماری وارڈن میں یہ دونوں چیزیں غائب ہیں۔" یہ دہائی صدف نے دی تھی... ریحانہ کاغذ کا پنکھا اٹھائے جھل رہی تھی... پختہ روش کے دائیں جانب سنگی بینچ پر وہ بیٹھ گئی تھیں... لیمپ جل رہے تھے... مالی چاچا پودوں کو پانی سے نہلا رہے تھے... ہلکی ہلکی مہک پھیلی ہوئی تھی۔

چوکیدار کا بیٹا انہیں اسنیکس اور چپس پکڑا گیا تھا۔ "شکر ہے ہمارے پاس یہ چوائس بھی تھی..."

وہ چاروں کھانے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کیے جا رہی تھیں...

صدف نے ٹھنڈی آہ بھری تھی "عفت میڈم خود گرینڈ ہوٹل کی بریانی اڑا رہی تھیں..."

ریحانہ جل کر بولی تھی "ہماری آہیں اسے کہاں بریانی ہضم ہونے دیں گی۔" انگلش ڈپارٹمنٹ کی

نغمانہ گنگنا رہی تھی۔

گومی سن شائین

ہر طرف خاموشی چھا چکی تھی۔۔۔ بس ہلکی ہوا سے کبھی کبھی نیم کے پتے گر کر ادھر ادھر اڑنے لگتے تھے ۔۔۔ "اس کی آواز بہت پیاری ہے ویسے۔۔۔" روشی نے کہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ بالکل۔۔۔" صدف نے تائید کی تھی۔۔۔ لڑکیوں کے موبائلز کی اسکرینز روشن تھیں۔۔۔ فیس بک، واٹس اپ، ہر کسی کو سوشل میڈیا نے مصروف کر رکھا تھا روشی چونکی تھی۔

"میری فیس بک آئی ڈی ہیک ہو گئی ہے۔"

ریحانہ کچھ سوچنے کے انداز میں بولی تھی۔

"ایسی تخریب کارانہ کارروائیوں میں آئی۔ ٹی کی حمنہ ملوث نظر آ رہی ہے۔۔۔ اس سے بھی دو دو ہاتھ کرنا ہی پڑیں گے۔"

صدف نے بیلا کو متوجہ کیا تھا "تم ایف۔ بی پر ہو ۔۔۔؟" بیلا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔۔۔ ریحانہ بولی تھی۔

"صدف پہلے بیلا سے یہ پوچھو کہ اس کے پاس موبائل ہے یا نہیں۔۔۔؟" صدف ہنسنے لگی تھی پھر پوچھا تھا۔

بیلا نے جواب دیا۔

"نہیں میرے پاس موبائل نہیں ہے مگر جلد لوں گی۔۔۔"

روشی نے جیسے موضوع بدلا تھا "ویسے تم نے اتنا لیٹ ایڈمیشن کیوں کروایا۔۔۔ کلاسز تو دو ہفتوں سے اسٹارٹ ہو چکی ہیں۔۔۔"

بیلا نے گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھا تھا "مجھے بہت مشکل سے یہاں آنے کی اجازت ملی ہے۔۔۔ ہمارے گاؤں میں لڑکیوں کا پڑھنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔۔۔ مجھے بہت شوق تھا پڑھنے کا تو میں نے مشکل سے اپنے والدین کو راضی کیا۔۔۔ تبھی اتنے دن ہو گئے۔۔۔"

روشی نے افسوس سے سر ہلایا تھا "کتنی عجیب سوچ ہے نا۔۔۔ ہمارا مذہب تو برابر حقوق دیتا ہے نا۔۔۔ بھلا تعلیم سے کیسی دشمنی۔۔۔ تعلیم تو شعور کا نام ہے۔۔۔"

وہ چاروں وہاں بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔۔۔ شام رات کے سانچے میں مدغم ہونے لگی تو وہ اندر آ گئیں۔۔۔ کچھ دیر پہلے بارونق لان اب ویران پڑا تھا۔۔۔ لیمپ جل رہے ہیں۔۔۔ ہلکی ہوا سے اسنیکس کے لفافے اڑتے پھر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ چرچ کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی اس کے لمبے بال سیڑھیوں پر بکھرے ہوئے تھے۔۔۔ اس نے وائٹ فراک پہن رکھی تھی جو اس کے پیروں تک آتی تھی ۔۔۔ وہ خوب صورت نقوش والی بہت خوب صورت لڑکی تھی۔ شاہ بلوط کے خزاں رسیدہ پتے جابجا بکھرے ہوئے تھے۔۔۔ وہ روتی ہوئی کانپ رہی تھی۔

"میں نے آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگا یسوع مسیح ۔۔۔ مگر پلیز میں آج آپ سے کہتی ہوں اس کا دل میری طرف پھیر دیں۔۔۔ میں اس کے بغیر مر جاؤں گی۔۔۔"

دل پھیرنے کی بات ہو رہی تھی۔۔۔ دل کہاں آسانی سے پھرتے ہیں؟ جب محبت نامی آکٹوپس نے دلوں کو قبضے میں کر رکھا ہو تو۔۔۔ تو ساری منتیں، ساری مناجاتیں بے کار جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔۔۔ اور جیسے برسوں سے یہی ہوتا آیا ہے۔ دوسرے گھونگھریالے بالوں والی لڑکی سیڑھیوں پر بیٹھی لڑکی کی طرف آئی تھی۔۔۔

"فیریا۔۔۔ اٹھو پلیز گھر چلو۔۔۔" مگر فیریا بے تحاشا رو رہی تھی۔ روتی جاتی تھی۔

"اس نے کہا تھا جس دن اس کا دل میری طرف پھر گیا وہ یہاں مجھے ملنے آئے گا۔" دوسری لڑکی بے بسی کی انتہاؤں پر تھی "ہی واز آ لائیر" (وہ جھوٹا تھا) مگر فریا نفی میں سر ہلاتی رہی۔

"وہ جھوٹ بولتا ہے کہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔۔۔ کسی سے بھی نہیں کرتا۔۔۔ مگر اس نے اپنی شامیں میرے ساتھ گزاری ہیں۔۔۔ اس نے میری نیلی آنکھوں کی تعریف کی ہے ماریانا۔۔۔" ماریانا نے اسے

جھنجوڑ ڈالا تھا۔

"اگر وہ تم سے محبت کرتا تو تمہیں یوں یہاں اکیلا نہ چھوڑ جاتا... محبت کرنے والے اتنا انتظار نہیں کرواتے۔" دور... بہت دور سے وائلن کی آواز آرہی تھی... تیز ہوا سے اس کی فراک لہرا رہی تھی۔ ماریانا اس کے پیچھے پیچھے تھی... وہ یسوع مسیح کی شبیہہ کے سامنے سجدہ ریز تھی... "آئی ریئلی لو ہم اینڈ آئی کانٹ لیو ود آؤٹ ہم" اور محبت کرنے والوں پر سجدہ فرض ہوتا ہے اور وہ وہ فرض نبھارہی تھی... گڑگڑا رہی تھی... مچل رہی تھی۔ چھت سے لٹکتے فانوس جگمگ کر رہے تھے اور ان کی روشنی فیریا پر پڑ رہی تھی۔ جیسے ہر طرف سفیدی چھا گئی تھی... بھر بھری... مقدس۔

"اسے میرا مقدر بنادیں... اس مشرقی لڑکے کا دل میری طرف پھیر دیں... آپ کے لیے تو سب کچھ ممکن ہے نا... تو پھر یہ بھی میرے لیے ممکن بنادیں پلیز..."

وہ سسکیاں بھرتی سجدے میں گری ہوئی تھی... ٹھنڈے فرش پر اس کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے... باہر تیز ہوا شاہ بلوط کے پتے اڑائے پھر رہی تھی... اور ماریانا آنسو پونچھتی الٹے قدم واپس پلٹ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

ماریانا نے کھڑکیاں کھول دی تھیں... جیسے اداس زمانوں کی اداس ہواؤں نے آہستہ سے اندر قدم رکھا تھا... ماریانا کھڑکی کے پاس کرسی گھسیٹے بیٹھی تھی... اس نے اپنے گھنگھریالے بالوں کا جوڑا بنا رکھا تھا کھڑکی کے قریب اسٹینڈ پر گلدان میں ٹیولپ کے پھول جانے کب کے مرجھا چکے تھے۔ ماریانا کی نظریں سامنے گلابی کاغذ پر تھیں۔

"ڈیئر ماریانا...

مجھے علم ہے کہ تم مجھ سے ناراض ہوگی... تمہیں مجھ پر غصہ بھی آئے گا اور بے تحاشا آئے گا تمہارا دل مجھے قتل کرنے کو بھی چاہ رہا ہوگا... یہ سارے حق تمہیں حاصل ہیں... مگر میں مجبور ہوں محبت کے سامنے... جو توڑ دیتی ہے... انسان کو انسان رہنے ہی نہیں دیتی... موم بنادیتی ہے اور تم جانتی ہو نا موم کے گھر ذرا سی تپش سے پگھل جاتے ہیں... میں بھی جیسے پگھل گئی ہوں... کاش... وہ لڑکا ہمارے کیفے نہ آتا اور مجھے اس سے محبت ہوتی ہی نہیں... محبت ہونا کیا ہمارے اختیار میں ہوتا ہے...؟ نہیں۔

مجھے اس کی مسکراہٹ میں زندگی ہنستی نظر آتی تھی... وہ تھا تو سب کچھ تھا... وہ گیا تو سب کچھ ختم... نہ شاموں کا حسن متاثر کرتا ہے اور نہ ہی پیرس کی خوب صورت سڑکیں... ایسا کیوں ہوتا ہے...؟ کہ ہمارے وجود کی ڈور کسی اور کے ساتھ باندھ دی جاتی ہے... میں بھی اس کے ساتھ بندھ گئی ہوں محبتوں کے علاج کیوں نہیں ہوتے... مجھے محبت نے مفلوج کر دیا ہے۔

میں اندھی ہوگئی ہوں مجھے لگتا ہے ہر شخص میری طرف انگلی اٹھا رہا ہو... قہقہہ لگا رہا ہو۔ بلائنڈ گرل (اندھی لڑکی) وہ کہتا تھا کہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا اور میں دعا کرتی ہوں کہ اس کا دل میری طرف پھر جائے کیا ہر دعا قبول نہیں ہوتی ہے؟ شاید نہیں... کچھ دعائیں کبھی قبول نہیں ہوتی ہیں... مجھے لگ رہا ہے اگر میری یہ دعا بھی قبول ہوئی تو... تو میں کیا کروں گی روؤں گی چلاؤں گی یسوع مسیح سے شکوے کروں گی... اور پھر ہاں شاید پھر مرجاؤں گی... مجھے مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے ماریانا... مگر اب میں اسے ڈھونڈنے جارہی ہوں... اسے دیکھنے کہ اس کا دل بدلا یا نہیں... اگر میں خالی ہاتھ لوٹ آؤں تو مجھے برا بھلا نہ کہنا ماریانا تب میرے سارے حوصلے، میری ساری ہمتیں ٹوٹ چکی ہوں گی۔

ٹوٹے ہوئے لوگوں کو مزید توڑا جائے تو بہت اذیت ہوتی ہے بہت تکلیف ہوتی ہے تم... مجھے اس تکلیف سے بچالینا... تم ایسا کروگی نا...؟

تمہاری پیاری

فیریا..."

ماریانا کے آنسو گلابی کاغذ پر ٹپ ٹپ گر رہے تھے

..... کاغذ کی سیاہی پھیل رہی تھی "میں تمہیں کچھ نہیں کھوں گی فیریا..... میں تمہیں خالی ہاتھ نہیں دیکھ پاؤں گی..... کبھی نہیں.....'' وہ میز پر سر جھکائے روتی جارہی تھی..... اداس زمانے کا سوز باقی تھا۔

☼ ☼ ☼

یونیورسٹی کے اندر قدم رکھتے ہی لگا تھا جیسے اسے سارے جہاں کی دولت مل گئی ہو..... واکنگ کے ٹریکس بنے ہوئے تھے جن پر مختلف وضع قطع سے لباس پہنے لڑکے، لڑکیاں کتابیں، نوٹس تھامے اپنے اپنے ڈپارٹمنٹس کی طرف جاتے نظر آتے تھے..... بیلا فاروق کا وہ یونیورسٹی میں پہلا دن تھا۔

وہ چاروں اپنے ڈپارٹمنٹ کی طرف گروپ کی شکل میں جارہی تھیں..... ان کا ڈپارٹمنٹ گھنے درختوں کی اوٹ میں جیسے چھپ سا گیا تھا..... سیدھے راستوں کی بڑی بڑی سڑکیں تھیں جو آگے جا کر مختلف ڈپارٹمنٹس میں تقسیم ہو جاتی تھیں..... گھنے درخت اپنے سائے میں بیٹھے اسٹوڈنٹس پر جھکے نظر آتے تھے ..... مختلف انواع و اقسام کے پھول پودے، جدید عمارتیں سبھی کچھ اتنا دلکش تھا کہ بیلا مرعوب ہو گئی تھی۔

روشی اسے اردگرد کے ڈپارٹمنٹس کا احوال کسی نیوز رپورٹر کی طرح بتا رہی تھی..... جسے بیلا خاصی دلچسپی سے سن رہی تھی "انگلش ڈپارٹمنٹ کی عمارت بابائے اردو کے زمانے کی ہے اور اس ڈپارٹمنٹ کے لڑکے اور لڑکیاں حد سے زیادہ شوخے اور بولڈ ہیں۔'' روشی نے جیسے اس کے علم میں اضافہ کیا تھا۔

وہ نوٹس بورڈ کے قریب پہنچ چکی تھیں..... وہاں جیسے اسٹوڈنٹس کا جم غفیر امڈ آیا تھا..... نت نئے چہرے..... لڑکیوں کے فیشن دیکھ کر بیلا تو ساکت رہ گئی تھی۔

ہر ایک دوسرے سے آگے..... یوں لگ رہا فیشن شو میں جاتے جاتے ارادہ تبدیل کر کے یونی آگئی ہیں۔

سامنے گھنے گھنے درے لان میں اونچی ایڑی والی ہیل پہنے گلاسز کانوں کے پیچھے اٹکائے کچھ لڑکیاں ایزل، کینوس سے نبرد آزما تھیں..... کچھ لڑکیاں سمٹ کر سکتہ زدہ حالت میں بیٹھی تھیں..... منہ کے زاویے ایک جگہ..... جسم ساکت..... ذرا جو جنبش کا امکان ہو۔

بیلا نے ریحانہ کو ٹھوکا دیا "ان لڑکیوں کو کیا ہوا.....؟"

ریحانہ ہنسی تھی "ڈیئر..... یہ فائن آرٹس والی مخلوق ہیں..... خود ہی ایک دوسرے کے اسٹل بناتی رہتی ہیں۔"

یونیورسٹی وسیع و عریض رقبے پر مشتمل تھی..... یونیورسٹی کا پینٹ نرم دھوپ میں چمک رہا تھا..... لڑکیوں نے بنگالن طرز کے لباس کے اوپر فلیٹ ہیٹ اوڑھے رکھے تھے۔ ان کے لمبے لمبے ناخن دیکھ کر افریقن چڑیلوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھیں..... بیلا کو جھرجھری آگئی تھی۔ لانگ شرٹس اور لمبے دوپٹوں کے ساتھ کچھ لڑکیاں معقول نظر آتی تھیں۔ وہ گیلریاں عبور کرتی آخر اپنے ڈپارٹمنٹ کی طرف آگئی تھیں۔

"اردو ڈپارٹمنٹ....." عمارت کے اوپر جیسے یہ الفاظ جگمگا رہے تھے۔

"ہاں..... تو بیلا فاروق تمہارا اپنے خواب کی طرف پہلا قدم....." وہ مسکرائی تھی۔ کاریڈور نیم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا..... لڑکے لڑکیاں مختلف موضوعات پر بحث کرتے نظر آرہے تھے۔

روشی نے کہا تھا "شکر ہے ہمارا ڈپارٹمنٹ سب سے الگ تھلگ پرسکون جگہ ہے۔'' ڈپارٹمنٹ کے کلاس رومز کے شیشوں پر سونا اگلتی دھوپ چمک رہی تھی۔ وہ چاروں کلاس روم میں آگئی تھیں..... باہر کی نسبت یہاں کچھ ٹھنڈ تھی۔

وہ ایک ہی لائن میں رکھی چیئرز پر بیٹھ گئی تھیں..... انہوں نے نوٹس اور فائلز کرسیوں کی ہتھیوں پر رکھ دی تھیں..... بیلا نے نظر دوڑائی تھی..... امریکن طرز کا کلاس روم سادہ اور نفیس سا تھا۔ اس کے باقی کلاس فیلو ایک دوسرے سے باتوں میں مگن تھے..... پیریڈ شروع ہونے میں ابھی وقت تھا۔

پہلی کلاس سر عارف کی تھی جو سو برس پر سنالٹی کے

مالک اور کافی ہنس مکھ انسان تھے... گلاس ونڈز سے سارے کمرے میں روشنی چکراتی پھر رہی تھی... سارے اسٹوڈنٹس ایکٹو سے انداز میں بیٹھے تھے۔ وہ ڈائس پر کھڑے تھے۔

"تو کیا حال ہیں ڈیئر اسٹوڈنٹس؟ کیسی گزر رہی ہے؟" مختلف قسم کی ملی جلی آوازیں گونجی تھیں... ہر روز کوئی نہ کوئی نیا اسٹوڈنٹ آن ٹپکتا تھا... اسی لیے ساتھ ساتھ وہ تعارف بھی لیتے جا رہے تھے... تبھی ان کی نظر بیلا پر پڑی تھی... انہوں نے اشارے سے اسے اٹھنے کا کہا تھا... بیلا اٹھ کھڑی ہوئی تھی اس سے پہلے کہ وہ بیلا سے مخاطب ہوتے دروازے میں وہ لڑکا آن کھڑا ہوا تھا۔

"مے آئی کم ان سر! وہ پوچھ رہا تھا... انہوں نے سر ہلا دیا تھا۔ وہ آہستہ سے چلتا ہوا آ کر بیلا کے برابر رکھی گئی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ ساری کلاس کی نظریں اسی لڑکے پر تھیں سر بھی مرعوب نظر آتے تھے۔

اس نے بلیک ڈینیش کی پینٹ کے اوپر لائٹ بلیو کلر کی شرٹ پہنی ہوئی تھی... سلیقے سے جیل سے بنائے گئے بال، خوب صورت نقوش، کشادہ پیشانی اور سیاہ روشن آنکھیں وہ جو بھی تھا... زبردست پرسنالٹی کا مالک تھا... پہلی نظر اگر غیر ارادی پڑتی تھی تو پھر دوسری، تیسری، چوتھی نظر ارادی پڑتی تھی... وہ بھی شاید نیا اسٹوڈنٹ تھا اسی لیے آج پہلی کلاس تھی اس کی بھی... مردانہ کلون کی خوشبو پھیلنے لگی تھی۔ بیلا بے نیاز سے انداز میں سر کی طرف متوجہ تھی جواب اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"کیا نام ہے آپ کا...؟"

"جی... بیلا فاروق..."

"نائس نیم... تو مس بیلا آپ کہاں سے آئی ہیں...؟"

"جی... میں گاؤں بستی کھو کھر سے آئی ہوں..."

"کیا مشاغل ہیں آپ کے...؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"صرف اسٹڈی اس کے علاوہ کچھ نہیں..."

"اٹس گریٹ... اگر آپ آج کل جنریشن کی طرح دوسری خرافات سے دور ہیں تو اس کا مطلب آپ اسٹڈی میں کافی اچھی ہوں گی...؟" وہ مسکرائے تھے۔ جواباً بیلا نے پر اعتماد سے انداز میں جواب دیا تھا

"آف کورس سر... میں پوزیشن ہولڈر رہی ہوں..." سر نے متاثر ہو کر اسے دیکھا اور اسٹوڈنٹس کی طرف متوجہ ہو کر بولے تھے۔

"ارے... تالیاں بجاؤ بیلا فاروق کے لیے تو مس بیلا کیا ہم یقین رکھیں کہ آپ مستقبل میں بھی اس اعزاز کو برقرار رکھیں گی..." پوری کلاس تالیوں کی آواز سے گونج رہی تھی۔

"جی بالکل... میں یہاں آئی ہی اسی لیے ہوں... ایم۔ اے اردو میں پوزیشن لے کر میں اپنے پیرنٹس کو پراؤڈ فیل کروانا چاہتی ہوں۔" اور بیلا فاروق کا لہجہ اس کے ارادوں کی خبر دیتا تھا۔

سر نے سر کے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا تھا

"آئی ہوپ یو کین ڈو اٹ گڈ لک۔" وہ واپس اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی... اس نے دوپٹا سر پر اچھی طرح پھیلا کر اوڑھ لیا تھا... اب سر نے اس لڑکے کو کھڑا کیا تھا... ساری نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں... وہ دلکش سے انداز میں مسکرایا تھا یونانی دیوتاؤں کی سی تمکنت، وقار۔

بیلا ارد گرد سے بے نیاز سامنے لڑکی کو بغور دیکھ رہی تھی جس نے ناخنوں پر جامنی نیل پالش لگائی تھی۔ اور ہونٹوں پر بھی جامنی لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی۔

"جی... تو کیا نام ہے آپ کا...؟" سر نے سوال کیا تھا... ساری کلاس جیسے اس کے تعارف کے لیے بے چین تھی...

"میرا نام منعم علی ہے... میرے فادر بھکر کے ٹاپ انڈسٹریلسٹ میں شامل ہوتے ہیں... میں پوزیشن ہولڈر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھا ڈیبیٹر بھی ہوں۔" وہ مسکرایا تھا... اور اس نے اپنا تعارف ذرا وضاحت سے پیش کیا تھا... سر مسکرائے تھے۔

"گریٹ... لگتا ہے سارے پوزیشن ہولڈر ہماری

یونی میں اکٹھے ہو گئے ہیں۔" ساری کلاس مسکرانے لگی تھی۔
روشی نے بیلا کو چٹکی کاٹی "کتنا پیارا اور ڈیشنگ ہے نا۔۔۔"
بیلا نے حیران ہو کر اسے دیکھا "کون۔۔۔ کس کی بات کر رہی ہو۔۔۔؟" روشی نے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔
"جو تمہارے ساتھ والی چیئر پر بیٹھا ہے اس کی بات کر رہی ہوں۔۔۔ "آئی ایم امپریسڈ۔۔۔ (میں اس سے متاثر ہوئی ہوں) منعم علی نے جیسے ان کی سرگوشیاں سن لی تھیں۔۔۔ ہاں وہ لڑکیوں کے لیے ہاٹ ٹاپک تھا۔
بیلا نے جیسے روشی کی بات کی تردید کی تھی "میں تو امپریس نہیں ہوئی۔۔۔ کسی کی ظاہری صورت دیکھ کر متاثر ہونا میرے نزدیک بے وقوفی ہی ہو گی۔۔۔"
روشی حیران ہوئی "تم واقعی امپریس نہیں ہوئیں۔۔۔؟"
بیلا اب کے مسکرا دی تھی "ہاں یار میں لوگوں کو ان کی شکل و صورت سے جج کرنے کی عادی نہیں ہوں۔ اور پہلی نظر میں کسی کو دیکھ کر رائے قائم کرنا۔۔۔ اٹ از امپاسبل۔۔۔" وہ بیلا فاروقی تھی۔۔۔ اب اس کی خود اعتمادی عروج پر تھی۔
جس طرح انڈے سے چوزہ نکلتا ہے وہ بھی اسی طرح اپنے خول سے باہر نکل آئی تھی۔ یہاں اگر رہنا تھا تو خود اعتمادی، یقین کے ساتھ رہنا تھا۔ ان دو چیزوں کے علاوہ آپ زندگی کی کسی بھی فیلڈ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔۔۔ اور وہ یہ بات جانتی تھی۔ اسی طرح کلاسز ہوتی رہیں۔۔۔ وہ چاروں لیکچرز اٹینڈ کرنے میں مگن رہی تھیں۔
وہ اب کیفے ٹیریا کی طرف جا رہی تھیں۔۔۔ کیفے ٹیریا میں لڑکیوں اور لڑکوں کا ہجوم خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ وہ کونے میں رکھی ٹیبل پر بیٹھ گئی تھیں۔۔۔ کینٹین کافی سادہ اور صاف ستھری تھی۔۔۔ ایک سات سالہ لڑکا دونوں ہاتھوں میں پلیٹیں تھامے ایک سے دوسری میز تک آرڈر پہنچا رہا تھا۔

اس کے بالوں میں سرسوں کا تیل کچھ زیادہ ہی لگا ہوا تھا۔۔۔ مگر بال اچھی طرح جمے ہوئے تھے۔ صدف وہیں سے بیٹھے بیٹھے چلائی تھی "اوہ۔۔۔ ویٹر۔۔۔ ادھر آؤ۔"
وہ تن فن کرتا قریب آیا "اے ویٹر۔۔۔ کس کو بولا۔۔۔؟" گرم خون جیسے چہرے سے چھلک رہا تھا۔
"تمہیں بولا ہے۔۔۔" صدف نے کہا۔
"ہزار بار کہا ہے مجھے خان کہا کرو۔۔۔ مگر آپ بھی نا۔۔۔ سزا کے طور پر آج آپ کا آرڈر کینسل۔۔۔" وہ واپس جانے لگا تھا ریحانہ نے پکڑ لیا۔
"نا۔۔۔ میرے بھائی جا۔۔۔ چار برگر لے آ۔۔۔" روشی نے کنگھی سے جمے اس کے بال بگاڑ دیے تھے۔۔۔ بیلا کو بے ساختہ جیدی یاد آیا تھا وہ تلملایا "پہلے بال سیٹ کرو۔۔۔" روشی نے جلدی کسی بیوٹیشن کی طرح ہاتھوں کی مہارت سے اس کے بال سیٹ کر دیے تھے۔۔۔ وہ اب گنگناتا ہوا بھاگ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ برگر لے آیا تھا۔۔۔ وہ چاروں آرام سے برگر کھانے لگی تھیں۔۔۔ ذائقہ زبردست تھا۔ ساتھ والی ٹیبل پر بیٹھی نغمانہ کیٹس کو غائبانہ باتیں سنا رہی تھی۔
"آئے ہائے۔۔۔ کیسی عجیب و غریب پوئٹری کر گیا ہے۔ افسوس صد افسوس۔۔۔ ہر بات سر سے گزر جاتی ہے۔" اس نے آنکھوں میں گہرا کاجل لگا رکھا تھا۔۔۔ جو کناروں تک پھیل گیا تھا۔ وہ کیٹس کی نظم پڑھ رہی تھی۔۔۔ اس کی آواز بلاشبہ پیاری تھی کبھی تو بے انتہا گاتی تھی اور بور شے بھی اس کی آواز کے سروں میں خوب ردھم سے برآمد ہوتی تھی۔

Seasons of mists and
mellow fruitfulness
Close bosom Friend of
the maturing sun

روشی نے برگر کی بڑی سی بائٹ لی تھی۔۔۔ بیلا آہستہ آہستہ کھاتی کیٹس کی شاعری پر غور کر رہی تھی۔۔۔

Conspiring with him how to
load and bless
vines that round the

- evesrun With fruit the thatch

بیلا جیسے کیٹس کی خزاں کی شاعری کے سفر پر گامزن گاؤں پہنچ چکی تھی۔ اس نے اردگرد نظر دوڑائی تھی یہاں ہر طرف تمول، بے فکری اور ہنسی تھی۔ پرانے ہاسٹل کی طرف سے بنے گیٹ سے کچھ لڑکیاں اندر داخل ہو کر سیدھی یہیں آگئی تھیں۔ ان کے اونچے اور بلند قہقہے جیسے کیفے ٹیریا کی دیواروں سے ٹکرا رہے تھے۔

"وہ لیڈی کلر لگتا ہے اردو ڈپارٹمنٹ کا ہے.... بڑے امیر باپ کی اولاد ہے.... برانڈڈ اشیاء استعمال کرتا ہے.... کاش.... میری اس سے فرینڈ شپ ہو جائے۔" وہ اسٹائلش سی لڑکی دعا کے انداز میں ہاتھ جوڑے کہہ رہی تھی۔

بیلا کو یہ سب کافی عجیب لگا تھا.... خیر وہ چاروں اپنا اپنا بل پے کرتی باہر آگئی تھیں۔ دور گراؤنڈ میں کچھ لڑکیاں ریکٹ تھامے بیڈمنٹن کھیل رہی تھیں۔ سنگی بینچوں پر گروپ میں بیٹھے لڑکے، لڑکیاں بحث میں مگن نظر آتے تھے۔ ان کی آوازیں وقفے وقفے سے بلند ہو رہی تھیں۔

وہ چاروں یونی کے مین گیٹ کی طرف جا رہی تھیں جب روشی چلائی تھی۔

"وہ دیکھو.... منعم علی عمیں انگیجڈ نہ ہوتی تو فرینڈ شپ ہی کر لیتی۔" وہ ٹھنڈی آہ بھرتی ہوئی کہہ رہی تھی.... وہ تین لڑکوں کے ساتھ کھڑا بات چیت میں مگن تھا.... روشی کی آواز پر وہ بے ساختہ پلٹا تھا.... مگر تب تک اسے آگے گھسیٹ کر صدف اور ریحانہ آگے بڑھ چکی تھیں۔ بیلا کو بہت ہنسی آئی مگر وہ ضبط کر گئی تھی۔

ریحانہ نے روشی کو دھمو کا جڑا تھا۔

"لڑکی.... کوئی موقع محل ہی دیکھ لیا کرو ہر جگہ شرمندہ کرواتی ہو۔" روشی اس سب سے بے پرواہ ہو کر سیٹی بجاتی آگے چلی جا رہی تھی۔ نارنجی دوپہر گھنے درختوں کی اوٹ سے جھانک رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وقت جیسے کسی تیز رفتاری کی مانند چلتا رہا.... چلتا رہا۔ ان چاروں کا گروپ "فور اسٹار گروپ" ڈیڑھ ماہ میں ہی پوری یونی ورسٹی میں مشہور ہو چکا تھا۔ ان چاروں نے جدوجہد اور عزم سے اپنی پہچان بنا ہی لی آخر اور تو اور وہ چاروں پروفیسرز کی نظروں میں بھی آ چکی تھیں.... ان کی ذہانت و مستقل مزاجی کے سلیقے نے انہیں فرش سے اٹھا کر عرش تک پہنچا دیا۔ ان میں بلا کا اتحاد اور یگانگت تھی۔ ہوسٹل میں دبے دبے قہقہے لگائے جاتے.... عفت میم کی گھوریوں کو نظرانداز کرنا بہت آسان تھا۔

وہ اکثر ایک جیسے رنگوں میں ملبوس نظر آتی تھیں پوری یونی اس دن ان پر ہنستی.... مگر وہ مکمل سکون سے نظرانداز پالیسی پر عمل کیے جاتی تھیں.... وہ زندہ دل اور شوخ لڑکیاں اردو ڈپارٹمنٹ کی جان تھیں.... لائبریری میں ایک ہی ٹیبل کے گرد بیٹھ کر عرق ریزی سے نوٹس بنائے جاتے.... کیفے ٹیریا میں کونے والی مخصوص ٹیبل پر بیٹھ کر کوک، برگر، اور چپس سے لطف اندوز ہوا جاتا۔ وہ تین بار لڈو چوری ہاسٹل میں بنا چکی تھیں.... عفی میم خوشبو سونگھتیں آن پہنچتیں۔

"یہ اسمیل کیسی ہے....؟"

"انگلش والیاں کچھ بنا رہی ہوں گی۔" روشی جواب دیتی.... ایسی اداکاری روشی پر ختم تھی۔ بعد میں وہ ہنستے ہوئے بیلا کے بیڈ پر بیٹھی انجوائے کر رہی ہوتی تھیں۔ بیلا نے کمرے کی مکمل سیٹنگ چینج کی تھی.... سلیقے اور نفاست کے حسین امتزاج نے جیسے کمرے کی حالت ہی بدل ڈالی تھی بیلا کو صبح جلدی اٹھنے کی عادت تھی جو شاید گاؤں والوں کی پختہ عادت ہوتی ہے۔ وہ صبح صبح انہیں جگا دیتی.... وہ تینوں منہ بناتی اٹھ ہی جاتیں آخر....

صدف ٹوتھ برش تھامے ادھر ادھر کمرے میں چکرا رہی ہوتی.... ریحانہ میٹرس پر دوبارہ سے ڈھیر ہو جاتی.... جبکہ روشی آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے چہرے کا جائزہ لے رہی ہوتی۔ وہ معمول کا سوال دہراتی۔

"بیلا پلیز.... ذرا اپنی مائیکرو اسکوپک نظروں سے

دیکھنا میرے ہمپلز ٹھیک ہو گئے ہیں نا۔۔؟" بیلا کافی کا مگ تھامے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی ہوتی۔۔۔ جانے کب کڑوی کافی پینے کی عادت اسے بھی ہو گئی تھی۔
ہاں۔۔۔ تو وہ شہری ماحول میں آخر ڈھل ہی گئی تھی۔
"ہاں۔۔۔ اب تمہارے ہمپلز ختم ہو گئے امیزنگ یار۔۔۔" وہ جواب دیتی تھی اور روشی مطمئن سی آئینہ رکھ دیتی۔۔۔ باہر کاریڈور سے زور زور سے جھاڑو لگائے جانے کی آواز آتی۔۔۔ ساتھ ساتھ چنبیلی کی دبی دبی گنگناہٹیں بھی۔۔۔ میٹرس پر ڈھیر ہوئی ریحانہ غصے سے اٹھتی۔۔۔ اور کاریڈور میں گھمسان کا رن پڑتا۔
والس رانگ ود یو چنبیلی
چنبیلی ٹھنڈی آہ بھرتی۔ "تتھنک۔" ریحانہ اور تلملا جاتی "مائیکل جیکسن کی نانی خدا کے واسطے ہمارے ایریا سے گزرتے ہوئے لائیو کنسرٹ پرفارم مت کیا کرو۔"
یہ کہہ کر وہ اندر آجاتی۔۔۔ صدف قہقہہ لگاتی۔
"بے چاری اتنا اچھا تو گا رہی تھی۔"
ریحانہ دانت کچکچاتی "تم دونوں اکٹھے مل کر بینڈ کیوں نہیں بنا لیتیں۔"
صدف کہتی "مشورہ تو بہت اچھا ہے۔" الماری سے کپڑے نکالتی روشی بھی شدومد سے سر ہلا دیتی تھی۔
بیلا ہاسٹل کے کمرے کی کھڑکی سے احاطے میں لگے لوکاٹ پر نظریں جمائے کھڑی ہوتی۔۔۔ جس کے پتے گرد سے اٹے ہوئے تھے یقیناً "ایک اچھی اور زوردار بارش کی ضرورت تھی جو ہر طرف جل تھل کر دے۔۔۔ پودوں، پتوں کو نہلا کر رکھ دے۔۔۔ وہ اپنی خواہش کا اظہار کرتی تو چارٹ بناتی صدف گنگناتی۔۔۔

ہم تم ہوں گے، بادل ہوگا
رقص میں سارا جنگل ہوگا
کس نے کیا مہمیز ہوا کو
شاید ان کا آنچل ہوگا

اب لڑکیوں کو ہوسٹل کے باسی کھانوں کے خلاف احتجاج کرنے کا طریقہ آ گیا تھا۔۔۔ ذرا سی گڑبڑ ہوتی عفت میم کا اے۔ سی والا روم میدان کارزار بن جاتا۔
"آپ ایک پتھر دل عورت ہیں جنہیں کسی کے بھی دکھ، درد کا احساس تک نہیں۔۔۔ ہم معصوم لڑکیاں گھر سے میلوں دور۔۔۔ اگر ہماری اماؤں کو اس ظلم کا اندازہ ہو جائے تو اگلے دن آپ کا ہوسٹل بند ہو گا۔" عفت دہل جاتی تھیں۔۔۔ چنبیلی خوب مزے لیتی ان کے تاثرات کے۔
روشی اور صدف کئی بار عفت کا سونفوں والا باؤل اڑا چکی تھیں۔۔۔ وہ ہر ڈپارٹمنٹ کی لڑکیوں کے کمروں کے چکر لگاتی تھیں۔۔۔ جب وہ ان کے کمرے میں آتیں تو ریحانہ مدبر بنی کہتی۔
"جہاں تک میرا خیال ہے کہ یہ گھٹیا شرارت سوشل ورک والیوں کی ہے۔۔۔ اکثر جوتے چوری ہونے، اور کاسمیٹکس کا سامان ادھر ادھر ہونے میں انہی کا ہاتھ ہوتا ہے۔" عفت لشکتی مٹکتی آگے کی طرف چلی جاتیں۔
ایک دن تو حد ہی ہو گئی ان کا عزیز ترین رومانوی ناول چوری ہو گیا بقول چنبیلی کے وہ ناول عفتی کوئی بیس سے زائد مرتبہ پڑھ چکی تھیں اور تو اور انہیں اس کے ڈائیلاگ بھی ازبر تھے۔ خیر کوئی دو ہفتہ تلاش جاری رہی۔۔۔ مگر ناول ندارد۔ آخر کار روشی ان کا غم غلط کرنے کے لیے لائبریری سے سعادت حسن منٹو کے افسانے ایشو کروا کر عفت کو دے آئی مگر اگلے روز نیا ہنگامہ تیار تھا۔
"چھی۔۔۔ چھی اتنی گندی اور ننگی، ننگی کہانیاں۔۔۔ توبہ، توبہ۔۔۔ اماں باوا پڑھنے بھیجیں اور ادھر یہ ایسی حرکات کرتی پھرتی ہیں۔"
روشی ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی "یہ ہماری کورس سے ریلیٹڈ افسانے ہیں جو انسانی رویے، سوشل ایشوز اور دوسرے اہم معاملات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔" وہ غصے میں ایسا گھومی تھیں کہ ہیل کا تلوا وہیں چھوڑ گئیں۔۔۔ دبی دبی ہنسی اور قہقہے کورس میں گھومتے رہے۔
اچانک ایک دن عفت میم کا ناول کترا ہوا کاؤنٹر

کے پیچھے سے برآمد ہوا تھا وہ صفحہ نمبروں کی ترتیب جوڑ جوڑ کر چوہوں کو کوستی رہیں۔۔۔ چنبیلی نے پر سکون ہو کر کہا تھا۔

"ہزار بار کہا کہ چوہے مار دوائی منگوا دیں مگر نا یہ کہہ کر مکھی اڑا دی کہ چوہوں کا یہاں کیا کام۔۔۔" اس دن چنبیلی کا سارا دن شاداں و فرحاں گزرا تھا۔۔۔ کلیجے میں ٹھنڈ پڑ چکی تھی۔

بیلا روشی کے ساتھ موبائل مارکیٹ جا کر موبائل لے آئی تھی اب وہ ہفتے میں دو دن ضرور اماں سے بات کرتی تھی۔۔۔ اماں کے سوال و جواب کا سیشن اسٹارٹ ہوتا تو وہ نہایت خوش دلی سے جواب دیتی۔

"بیلی۔۔۔ پڑھائی کیسی ہو رہی ہے؟ تو وہاں خوش تو ہے۔"

"اماں۔۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔ پڑھائی بھی اچھی ہو رہی ہے۔"

"دل لگ گیا تیرا۔۔۔؟"

"ہاں اماں۔۔۔ دو سال کی تو بات ہے ویسے بھی ساری لڑکیاں اچھی ہیں۔"

"پھر ٹھیک ہے۔۔۔ وہاں کا کھانا پینا کیسا ہے؟" اماں پوچھتیں۔ بیلا کی نظروں میں پہلے دنوں کے باسی کھانے گھوم گئے۔

"ہاں اماں۔۔۔ میس کا کھانا بھی بڑا لذیذ ہوتا ہے۔" وہ تینوں بھی اماں سے بات کر چکی تھیں۔۔۔ اماں کو وہ بہت پسند آئی تھیں پٹر پٹر بولتی لڑکیاں ان کی بیلی تو سیدھی سادی تھی۔

مگر ان کے فرشتوں تک کو خبر نہ تھی کہ بیلا فاروق یونی کی سب سے پر اعتماد اور ذہین اسٹوڈنٹ ہے۔ جیدی کی باتیں بیلا کو ہنسنے پر مجبور کر دیتی تھیں۔

"بیلی۔۔۔ وہاں تو خوب روشنی ہوتی ہو گی رات کو؟"

"ہاں۔۔۔ یہاں راتیں بھی دن جیسی روشن ہوتی ہیں۔" تاروں کا شیدائی پوچھتا "تارے ہوتے ہیں۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ بہت سارے ہوتے ہیں۔"

"سچ۔۔۔؟"

"بالکل۔۔۔" وہ ہنسی دباتی۔

"اچھا مٹھو کیسا ہے۔۔۔؟" جیدی اداسی سے کہتا "کچھ کھاتا پیتا نہیں۔۔۔ سارا سارا دن تجھے بلاتا رہتا ہے۔" بیلا بھی پوچھتی۔

"جیدی۔۔۔ اسے کھلایا پلایا کر۔۔۔ رفتہ رفتہ عادی ہو جائے گا۔" پلنگ پر بیٹھی فائز تھامے روشی ہانک لگاتی۔

"بیلا فاروق۔۔۔ انسان عادی ہو جاتے ہیں پرندے نہیں۔۔۔" بیلا افسردہ سی ہو جاتی ہاں۔۔۔ روشی سچ کہتی ہو۔ شاید زندگی کی ڈائری پر رقم یادیں آسانی سے نہیں بھلائی جاتیں وہ بھی کوشش کرتی مگر نا کام ہو جاتی تھی۔ ہر شام قریبی جناح پارک میں وہ چاروں واک کرنے جاتی تھیں۔۔۔ پول کی زرد روشنی۔۔۔ واکنگ ٹریک پر ٹینس شوز پہنے لڑکیاں۔۔۔ وہ جوڑی بن کے واک کرتی تھیں۔ بیلا اور صدف۔۔۔ ریحانہ اور روشی۔

قریبی آئس کریم پارلر سے آئس کریم بھی منگوا لی جاتی تھی۔۔۔ قد آدم درختوں پر ننھی ننھی بتیاں روشن ہوتیں وہ ان کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہتی۔۔۔ آئس کریم پگھل جاتی۔

ٹیبپ، موبائل ہاتھ میں تھامے لڑکیاں، لڑکے فیس بک پر مگن نظر آتے تھے۔ اسے بھی صدف نے آئی۔ ڈی بنا دی تھی جسے وہ کبھی کبھی استعمال کرتی تھی وہ اکثر کہتی۔ "فیس بک' ٹوئٹر' نے فاصلے پیدا کر دیے ہیں آج کل ہر دوسرا بندہ مصروف نظر آتا ہے اپنوں کے ساتھ بانٹنے جانے والے دکھ سکھ اب فیس بک فرینڈز کے ساتھ شیئر کیے جاتے ہیں۔" سنگترے اور سفیدے کی ترش مہک سارے میں اڑ رہی ہوتی تھی۔۔۔ وہ گہرے گہرے سانس لیتی۔ یونی میں نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اور منعم علی پروفیسرز کی نظروں میں آ گئے تھے۔ دونوں کے درمیان مقابلے کی سی فضا پیدا ہو گئی تھی۔۔۔ سارے ٹیسٹس اور اسائنمنٹ میں وہ برابری میں آتے تھے۔

نہ وہ پہلا نمبر چھوڑنے کو تیار تھی اور نہ ہی منعم علی

۔۔۔ ان دونوں کے بنائے گئے نوٹس اردو ڈپارٹمنٹ میں گردش کرتے پائے جاتے۔ منعم علی کو "لیڈی کلر" کہا جانے لگا تھا۔۔۔ لڑکیوں کا جھرمٹ اسے گھیرے رکھتا تھا' وہ ایک تفاخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھا ہوتا تھا۔

لڑکیاں اس پر تحائف کی بارش کرتی تھیں۔۔۔ رسٹ واچز' پرفیومز' شرٹس۔۔۔ وہ ساحر تھا۔۔۔ اس کا سحر جگمگ کرتا اثر انداز ہوتا تھا۔ کاریڈور میں وہ اپنے گروپ کے ساتھ نظر آتا تھا۔ بیلا فاروق اور وہ دونوں ایک دوسرے کے حریف تھے اور ایک دوسرے کو خوب نظر انداز کرتے تھے۔

روشی کہتی۔۔۔ بیلا یار تم کتنی انٹیلی جینٹ ہو نا جو منعم علی جیسے بندے کے ساتھ کمپیٹ کی جاتی ہو۔"

بیلا سنجیدگی سے کہتی "نہیں روشی کمپیر نگ میں نہیں کرتی دوسرے لوگ کرتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ اس کی اور میری منزل اور راستہ ایک ہے اور جیتنا ایک انسان نے ہی ہے۔۔۔ میں بھی محنت کرتی ہوں وہ بھی کر رہا ہے۔۔۔ روشی سرہلا دیتی تھی۔ "تم ٹھیک کہتی ہو۔"
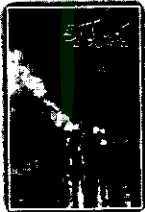
وہاں لڑکے' لڑکیاں آپس میں بہت قریب تھے۔۔۔ مگر بیلا فاروق نے ہمیشہ ایک فاصلہ برقرار رکھا تھا ویسے بھی وہ آدم بے زار سی لگتی تھی۔

اپنی ذات میں مگن۔

شاید یہ آدم بے زاریت بھی نہ تھی بلکہ ایک قسم کی احتیاط تھی۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتی تھی جس سے اس کے والدین پر کوئی انگلی اٹھاتا۔۔۔ اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں میں ٹھہرانا آسان نہیں ہوتا۔۔۔ وقت لگتا ہے۔

بیلا فاروق کو بھی لگا تھا۔۔۔ خود کو ثابت کرنے میں۔۔۔ اور اس نے ثابت کیا تھا۔ ذہانت کسی کی جاگیر نہیں ہوتی یہ تو سانجھے کی چیز ہوتی ہے ہر کوئی اپنی قابلیت کے بل بوتے پر پہچانا جاتا ہے۔۔۔ بغیر کسی شہر یا قصبے کی شناخت کے۔ اور یہ بات سچ تھی۔۔۔ سچ ہے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

سالگرہ نمبر

تنزیلہ ریاض
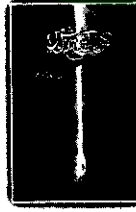
راپنزل

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراضی کی وجہ سے اپنے خرچے مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔ نینا کی سلیم سے بہت دوستی ہے۔ سلیم کی محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ ایک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو جاتا ہے۔ سلیم نے پرائیویٹ انٹر کیا ہے اور اس کی غزل احمد علی کے

نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہوتی ہے۔
سمیع اور شہرین نے ضد کرکے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جاکر شادی کی ہے، لیکن شہرین اپنے والدین کی ناراضی کی وجہ سے ڈپریشن کا شکار ہوجاتی ہے۔ سمیع اور شہرین دونوں اپنی بیٹی ایمن کی طرف سے بہت لاپروا ہیں اور انہوں نے گھر کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلالیا ہے۔
صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا، صوفیہ کی شادی کاشف نثار سے ہوتی ہے، جو وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ شادی کے بعد صوفیہ کو کاشف کا غیر عورتوں سے بے تکلفی سے ملنا پسند نہیں آتا اور وہ شک کا اظہار کرتی ہے، لیکن کاشف کاروبار کا تقاضا ہے کہہ کر اس کو مطمئن کردیتا ہے۔ صوفیہ کو کاشف کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی ہے کیونکہ وہ کاشف سے بہت بے تکلف ہے۔ صوفیہ کی ایک بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ زرمین۔
حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوجاتا ہے وہ اپنا سارا پیسا کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کردیتی ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے، کاشف کے انکار پر ان کا جھگڑا ہوجاتا ہے اور وہ دبئی چلی جاتی ہے۔
کاشف کے تعلقات ایک ناکام اداکارہ رخشی سے بڑھنے لگتے ہیں اور وہ کاشف کو فلم بنانے کے لیے آمادہ کرلیتی ہے اور اس چکر میں کاشف اپنا سارا پیسا لٹادیتا ہے۔ صوفیہ ایک مردہ بچے کو جنم دیتی ہے۔ کاشف کی ماں بی بی جان کا انتقال ہوجاتا ہے۔
سلیم کی بہن رخشی کا انتقال ہوجاتا ہے اور نینا اس کی بیٹی مہر کے لیے پریشان ہوتی ہے۔ نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس اپ پر تنگ کررہا ہے۔ "آئی لو یو راپنزل" لکھ کر۔
شہرین کو برین ٹیومر ہوجاتا ہے اور سمیع اس کا آپریشن کرواتا ہے اور اس کی ماں کو منا کر اسپتال لے آتا ہے۔
زری کسی لڑکے سے بات کرتی تھی وہ شادی کے لیے کہتا ہے، زری نینا سے ذکر کرتی ہے۔ نینا اس کی تصویر دیکھ کر چونک جاتی ہے، بعد میں اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی لڑکا ہے جو رانیہ کو میسج کرتا تھا وہ زری کو منع کرتی ہے اور سلیم کے کہنے پر زری کو سمجھانے کے لیے رات کو سلیم کو گھر بلاتی ہے۔ زری اس پر سلیم سے محبت کرنے کا الزام لگاتی ہے۔ شور ہونے پر ابا جاگ جاتے ہیں اور سلیم کو تھپڑ مارتے ہیں۔ سلیم صدمے اور شرمندگی کی وجہ سے خودکشی کرلیتا ہے۔

انیسویں قسط

وہ تھکے تھکے قدموں سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی تھی۔ آج اس کی زندگی کا خراب ترین دن تھا۔ خاور نے اسے ایسے آئینہ دکھایا تھا کہ اس کا وجود ہل کر رہ گیا تھا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس بھی تھا اور یہ احساس اس سے بھی بڑھ کر تھا کہ خاور نے سب بھانپ لیا تھا کہ وہ آخر کیا کررہی تھی۔ اسے بے پناہ شرمندگی ہوئی تھی اور اگرچہ وہ اپنے آپ کو باور کرواتی آئی تھی کہ جو ہوگیا سو ہوگیا۔ خیر ہے، کوئی مسئلہ نہیں ہے، مگر پھر بھی جیسے ہی وہ تھم کر بیٹھتی تھی خاور کے سلگتے ہوئے جملے سماعتوں میں اودھم مچانے لگتے تھے۔
وہ ایسی نہیں تھی۔ منہ پھٹ، بدتمیز، خود سر۔ یہ سب تو تھی وہ۔ ہاں ٹھیک ہے۔ یہ تو کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن وہ مفاد پرست یا خود غرض کبھی نا رہی تھی۔ اپنے راستے سیدھے کرنے کے لیے اس نے کبھی کسی دوسرے انسان کو استعمال کرنے کا سوچا تک نہ تھا، پھر ایسے کیسے کہہ گیا تھا اسے۔
"اس نے غلط تو نہیں کہا۔ مجھے کیا ضرورت تھی ابا کے سامنے یہ گھٹیا تاثر دینے کی کہ وہ نماناتا میرا بوائے فرینڈ ہے۔ اف توبہ توبہ۔ میں اتنا کیسے گر سکتی ہوں۔" وہ اپنے کمرے میں آتے ہی بستر پر گر گئی۔ دل تھا کہ مسلسل کوس رہا تھا۔ اسے شرمندہ ہونے سے چڑ تھی اور کبھی ہوتی بھی نہ تھی۔ لیکن آج اسے اپنے دل کی سخت ملامت سہنی پڑ رہی تھی۔ "سخت گھٹیا حرکت کی ہے میں نے۔"
اس نے کروٹ بدلی تھی۔ زری اپنے بیڈ پر بیٹھی ناخنوں کو فائل کررہی تھی۔ اس کے چہرے پر بے حد طمانیت

اور خوشی تھی۔ اسے اپنی بہن پر رشک آیا۔ کتنی خوش قسمت تھی وہ۔ سب کی پسندیدہ' سب کی چہیتی۔ اس نے چند سیکنڈز بعد ہی اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹالیں۔ وہ جانتی تھی رشک ہی حسد میں بدل جاتا ہے۔ وہ اپنی ہی بہن سے حسد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اتنی بری نہیں تھی۔

"لیکن سب لوگ مجھے برا کیوں سمجھتے ہیں۔ میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ میں تو خود کو بھی ایسی ہی ملی تھی۔ الجھی الجھی سی۔ ناکام۔ اور الٹی کھوپڑی کی۔" اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ "میں جان بوجھ کر تو نہیں کرتی یہ سب۔ بس مجھ سے ہو جاتا ہے۔ لیکن۔" وہ پھر سیدھی ہو گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ زری اس کے چہرے کی جانب دیکھے۔ "دنیا کے سب فارمولے میرے معاملے میں جھوٹے پڑ جاتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں جس کا کوئی نہیں ہوتا' اس کا خدا ہوتا ہے' لیکن میرا تو خدا بھی نہیں ہے۔ ورنہ کبھی تو میری بھی کوئی بات سنی گئی ہوتی۔ میں تو مرتی بھی نہیں ہوں۔ کاش موت آسانی سے آجایا کرتی۔ کیا کھا کر مر جاؤں میں۔"

وہ انتہائی زود رنج ہو رہی تھی۔ اس نے کروٹ بدل کر اپنی پشت زری کی جانب کرلی۔ اس کے سر میں درد سا ہونے لگا تھا۔ اس نے اس درد کو اگنور کرنا چاہا تھا۔ لیکن پلک جھپکتے میں اس کے درد میں اضافہ ہوا تھا' ایک جھٹکا تھا جو سر کی ایک سائڈ میں محسوس ہوا اور پھر فوراً" ہی دوسرا' تیسرا جھٹکا۔ یکے بعد دیگرے محسوس ہوا۔ ایک لمحے میں ہی اس کے سر میں شدید درد ہونے لگا تھا جو اس کی قوت برداشت سے بہت زیادہ تھا۔

"امی۔ ہائے امی۔" وہ اپنا سر پکڑ کر چلائی تھی۔ اس کے حواس جیسے مفلوج سے ہو رہے تھے۔ ایسا پہلے تو کبھی محسوس نہ کیا تھا اس نے۔ اس نے پلکیں جھپکی' آنکھیں پھیلائیں' لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اس کی بینائی جواب دے گئی تھی۔ اسے کچھ نظر آرہا تھا۔ نہ کچھ محسوس ہو رہا تھا۔ سوائے شدید درد کے۔ "امی۔ ہائے امی۔" حواس کھونے سے لمحہ بھر پہلے وہ مزید شدت سے چلائی تھی۔

✡ ✡ ✡

خاور نے بلاوجہ سیل فون اٹھا کر دیکھا اور پھر مایوس ہو کر دوبارہ سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ کتنے دن گزر گئے تھے اور اس نے کوئی کال نہیں کی تھی' جبکہ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ ضرور ہی اس کے ساتھ رابطہ کرے گی اور روتے ہوئے معافی مانگ لے گی' مگر ایسا کچھ نہ ہوا تھا۔

"کتنی بے مروت چیز ہے۔ انسان معذرت کے لیے ایک ٹیکسٹ ہی کر دیتا ہے۔ مگر نہیں بھئی۔ اونچے شملے والے لوگ ہیں۔ انہیں کیا خبر کہ دل ٹوٹنا کیا ہوتا ہے۔ اور خاور میاں آپ بھی ہوش کے ناخن لیں۔ اس سے زیادہ بے عزتی ہو نہیں سکتی تھی آپ کی۔ اس کے باوجود آپ منتظر ہیں محترمہ نین کاشف نثار صاحبہ کی کال کے۔" اس نے کروٹ بدلی۔ اماں کے کمرے سے ٹی وی کی آوازیں سارے گھر میں گونج رہی تھیں۔ اس نے کوئی کوشش نہیں کی تھی' لیکن سماعتیں خود بخود ہی غزل کے مصرع میں الجھ گئیں۔

"اے عشق ہمیں اتنا تو بتا۔ انجام ہمارا کیا ہو گا۔" منی بیگم نے تان لگائی تھی۔ اس نے بغور سنا اور پھر برا سا منہ بنایا۔

"اوہ فٹے منہ بھئی' ایسے عشق کے جس میں ہاتھ سوائے ذلت کے کچھ آئے ہی نہیں۔ ہم سے نہیں ہو گا۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا' پھر چند لمحے ایسے ہی اپنے پاؤں کی جانب دیکھتا رہا۔ اسے بے چینی سی لاحق ہو رہی تھی۔ آج آفس سے بھی جلدی آگیا تھا اور اب اپنے ذہن کو بار بار نینا کی جانب سے ہٹانے میں اسے دشواری کا سامنا تھا۔ اس نے سلیپر پاؤں میں پہنے اور اٹھ کر باہر آگیا۔

"اماں ٹی وی کی آواز تو آہستہ کرلیں۔" اس نے اماں کے کمرے کی جانب منہ کر کے اکتائے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

"خواہ مخواہ میں آواز آہستہ کروں۔۔۔ میرے آصف نے ریال بھیجے تھے ایل ڈی (ایل ای ڈی) خریدنے کے لیے۔ کہتا تھا اماں آپ سکون سے اپنے کمرے میں بیٹھ کر ڈراما دیکھا کریں۔ میں تو اونچی آواز کے ساتھ ہی دیکھوں گی بھیا۔ سارے محلے والوں کو پتا چلنا چاہیے کہ میرا بیٹا میرا کتنا خیال رکھتا ہے۔" اماں نے وہیں اپنے بستر پر بیٹھے کرارا سا جواب دیا۔

"جتنی اونچی آواز آپ نے کر رکھی ہے بھائی کو وہاں بیٹھے پتا چل گیا ہوگا کہ آپ نے مہر کے اسکول میں داخلے کے نام پر جو رقم منگوائی تھی اس کا دراصل آپ نے کیا کیا ہے۔ کال کریں گے اب کی بار تو اچھی خبر لیں گے آپ کی۔۔۔ آپ آرام سے سنتی رہیں۔۔۔ اے عشق ہمیں اتنا تو بتا۔۔۔ انجام ہمارا کیا ہوگا۔" اس نے صحن میں کھڑے کھڑے ہی ان کو جواب دیا تھا۔ غزل کے بول منہ بنا کر گنگناتے ہوئے اسے مزید غصہ آیا۔ اماں کے ساتھ اس کے جھگڑے چلتے ہی رہتے تھے۔

"دے پھو۔۔۔ کتنا بے دید ہے تو۔۔۔ شرم تو نہیں آتی ماں کو ایسے ڈراوے دیتے ہوئے۔۔۔ ارے میں کیوں منگواؤں گی مہر کا نام لے کر پیسے۔۔۔ میں نے تو اس کو بولا تھا کہ مہر پر بڑا پیسہ خرچ کر رہی ہوں۔ اچھا کھلا رہی ہوں' اچھا پہنا رہی ہوں۔۔۔ اسکول کی فیس۔۔۔ کتابیں' کاپیاں۔۔۔ ایک خرچا ہو تو بتاؤں۔۔۔ میں ہی خرچتی ہوں اس پر۔۔۔ اتنا ہی تو بولا تھا آصف کو کہ جو کمیٹی نکلی تھی وہ بھی مہر پر ہی لگا دی۔ حالانکہ ارادہ تھا بڑا سا ایل وی لے لوں۔۔۔ بس اس نے روپے بھیج دیے۔ ارے میرا بیٹا ہے۔۔۔ اسی سے مانگوں گی نا۔ اب خبردار جو تو نے بھائی کے کان بھرے تو۔۔۔" اماں چلا کر بولی تھیں۔ خاور کو ہنسی آگئی۔ اماں کو آصف بھائی سے پیسے بٹورنے کے ایک سو ایک طریقے آتے تھے۔

"میں کب بتا رہا ہوں بھائی کو۔۔۔ میں تو کہہ رہا ہوں کہ آواز آہستہ کرلیں۔۔۔ سارے محلے کو پتا چل گیا ہے' آپ نے نیا ایل ای ڈی خرید لیا ہے۔" اب کی بار اس نے رسانیت سے سمجھایا تھا۔ مزاج پہلے ہی اکتایا ہوا تھا۔ اماں سے بحث کر کے مزید بے مزا نہ ہونا چاہتا تھا۔ وہ بہن کے کمرے میں آگیا۔ مہر اپنی گڑیا کو گود میں لیے بیٹھی تھی جبکہ نبیحہ شاید کچن میں تھی۔

"کیا بات ہے مہر۔۔۔ آپ اکیلی کیوں بیٹھی ہو۔" اس نے اس کے قریب آتے ہوئے پوچھا تھا۔ نوشین بھابھی کے بعد اس گھر کے حالات کافی بدل گئے تھے۔ پہلے ان کو تنگ کرنے کے چکر میں اماں مہر سے بھی اکتائی رہتی تھیں اور نبیحہ کو بھی اس کے کام نہیں کرنے دیتی تھیں' لیکن اب وہ سارے گھر کی لاڈلی تھی۔ پہلے بھی خاور اور نبیحہ' مہر پر جان چھڑکتے تھے' لیکن جب سے نوشی بھابھی کا انتقال ہوا تھا تب سے وہ ان کے زیادہ قریب آگئی تھی۔

"چاچو۔۔۔ میری ڈول بیمار ہے۔ اسے ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔" وہ اٹھ کر اس کے پاس آگئی تھی۔

"اوہو۔۔۔ کیا ہو گیا اس کو۔۔۔ ٹمپریچر ہے کیا؟" خاور نے معصومیت چہرے پر طاری کی تھی۔

"نہیں چاچو۔۔۔ اس کو بہت کھانسی آتی ہے۔ اس نے آئس کریم کھالی تھی شام کو۔۔۔ اب اس سے بولا بھی نہیں جا رہا۔۔۔ بہت خراب ہے اس کا گلا۔۔۔" مہر افسردہ سے انداز میں بولی۔ نبیحہ اکثر اسے ایسے ہی کھیل کھلاتی رہتی تھی۔

"اوہو۔۔۔ تو اس نے کون سا غزلیں گا گا کر آپ کی دادو کو سنانی ہیں۔ ہو جائے گا ایک دو دن میں گلا ٹھیک۔" خاور نے اسے گود میں بٹھایا تھا۔

"چاچو۔۔۔ س کا گلا بہت خراب ہے۔۔۔ یہ بالکل ایسے بات کرتی ہے جیسے نانو کرتی ہیں' کھانس کھانس کر۔۔۔" مہر نے وہی زبان بولی جو اس کی دادی اس کی نانو کے لیے بولتی رہتی تھیں۔

"اوہو۔۔۔ بری بات مہر۔۔۔ بڑوں کے لیے اس انداز میں بات نہیں کرتے۔" خاور نے اسے سمجھانا چاہا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔۔ نانو نے فون کیا تھا نا مجھے تو ان کی طبیعت بھی بہت خراب تھی۔ بہت کھانسی آ رہی

تھی انہیں... میں نے خود سنی تھی۔" مہر اپنی ہی بات پر قائم تھی۔ خاور چونکا۔ اس کی نانو عام طور سے فون نہیں کرتی تھیں اور اگر کرتی بھی تھیں تو اماں کافی برا مناتی تھیں۔

"آپ کی نانو نے فون کیا تھا؟ کب؟" اس نے کریدنے والے انداز میں پوچھا تھا۔

"میں نے بات کروائی تھی مہر کی... اپنے موبائل سے۔" نبیحہ کمرے میں آتی ہوئی مدھم سی آواز میں بولی کہ کہیں اماں نا سن لیں۔ خاور نے حیرانی سے اس کو دیکھا۔ وہ تو اماں کی چمچی تھی۔ ان کی مرضی کے بغیر اپنی جگہ سے ہلتی تک نا تھی اور اماں کو مہر کے ننھیال والے سخت ناپسند تھے۔

"ان کا فون آیا تھا چند دن پہلے... مہر کو بلوا رہی تھیں، بہت یاد کر رہی تھیں مہر کو، کہنے لگیں کہ اپنے بیٹے کو بھیج دیتی ہوں، وہ مہر کو چند گھنٹوں میں واپس چھوڑ جائے گا، لیکن اماں نہیں مانیں... پھر اماں آج خالہ تبسم کی طرف گئی ہوئی تھیں نا تو میں نے موقع دیکھ کر بات کروادی تھی ان سے... وہ بے چاری بہت یاد کرتی ہیں اسے۔" نبیحہ اتنی مدھم آواز میں بات کر رہی تھی کہ مہر بھی نا سن پائے۔

"یہ تو بہت اچھا کیا تم نے یار... نیک خاتون بنتی جا رہی ہو تم۔" خاور نے دل ہی دل میں اس کے اقدام کو سراہتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہا تھا۔

"اتنی سی بات پر کافی خوش ہو گئیں وہ... حالانکہ پانچ منٹ ہی بات کروائی میں نے، لیکن اتنا شکریہ ادا کیا انہوں نے میرا... دعائیں دے رہی تھیں... دراصل مسائل نے بھی ان کا گھر ہی دیکھ لیا ہے۔ پہلے نوشین بھابھی، پھر سلیم کی موت اور اب نینا کی بیماری... وہ کافی نڈھال لگ رہی تھیں۔"

"نینا کی بیماری... اسے کیا ہے؟" خاور کے جیسے سارے اعصاب ایک دم ہی چوکنے ہوئے تھے۔

"زیادہ تو نہیں پتا مجھے... لیکن شاید بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ اسپتال رہی ہے کچھ دن... اسی کی خاطر بلوا رہی تھیں مہر کو... لیکن اماں نے صاف انکار کر دیا۔" نبیحہ تو کچھ اور بھی بتا رہی تھی، لیکن خاور کی سماعتیں تو یہ سن کر ہی بہری ہو گئی تھیں کہ نینا کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔

"بہت برا ہوا... بہت ہی برا..." اس نے دل ہی دل میں خود کو کہا۔

☆ ☆ ☆

وہ چھوٹی تھی... نا سمجھ اور معصوم... اسے تو جس شکل میں ڈال لیا جاتا وہ ڈھل جاتی... لیکن ان دونوں نے اسے اپنے برابر کی سمجھ لیا۔ باپ سے جھڑکیاں کھا کر ماں کی گود میں سمانا چاہتی تو ماں بھی منہ نہیں لگاتی تھی... کوسنے، ڈراوے، دھمکیاں... چار پانچ سال کی بچی کا نصیب بن کر رہ گئے۔" وہ بجھی ہوئی آنکھوں اور تھکے ہوئے وجود کے ساتھ اسے بتا رہی تھیں۔ خاور نے پہلو بدلا۔

"چھوٹا منہ بڑی بات خالہ، لیکن آپ نے کبھی اپنی بہن کو سمجھانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ آپ بڑی تھیں۔ اور بقول آپ کے خالہ صوفیہ آپ کی بات کو اہمیت بھی دیتی تھیں۔ پھر آپ نے کیوں انہیں اس غلط روش کو ترک کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا۔ اولاد کو اس طرح تو نہیں پالا جاتا نا۔" خاور نے ذرا جھجک کر اپنا موقف واضح کیا تھا۔ وہ براہ راست تو نینا کی خیریت دریافت کرنے نہیں آسکتا تھا، لیکن ایک ترپ کا پتا تھا جو وہ استعمال کر سکتا تھا اور اس نے کیا۔ وہ مہر کو اس کی نانو سے ملوانے لے آیا تھا۔

"نبیحہ بتا رہی تھی، آپ مہر کو یاد کر رہی ہیں تو اس لیے میں اسے لے آیا۔" اس نے نوشین بھابھی کی امی کے دروازے پر پہنچ کر وہی کہا تھا جو وہ سوچ کر آیا تھا۔ گھر پر خالہ ہی تھیں۔ مہر کو دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ وہ پہلے سے کافی کمزور ہو گئی تھیں اور شاید تنہا بھی... سلیم کی موت نے واقعی انہیں بے حد توڑ کر رکھ دیا تھا۔ خاور نے فقط ان سے

نینا کی خیریت ہی دریافت کی تھی کہ وہ خود ہی بتانے لگیں اور پھر شاید وہ بھی پریشان تھیں گفتگو کا رخ خود بخود ہی ماضی کی جانب مڑ گیا تھا۔ وہ اسے بتاتی چلی گئیں کہ ان کی بہن، بہنوئی نے نینا کی تربیت میں کیا کجیاں چھوڑی تھیں اور نینا کی خستہ شخصیت کے پیچھے کیا محرک کار فرما تھے۔

"کتنا سمجھاتی تھی صوفیہ کو کہ ایسے مت کرو۔ اولاد کو منہ بھر بھر کر طعنے مت دو۔ مگر وہ بھی نا سنتی تھی۔ دوسرے ہمارے بہنوئی بالکل ہی من موجی اور لاپروا تھے۔ ان کی تربیت کے طریقے کچھ انوکھے ہی تھے۔ جانے کیا سوچ رکھا تھا انہوں نے اپنی اولاد کے لیے... ذرا ذرا سی بات پر بچی کو دھنک کر رکھ دیتے۔ بچی کو ذہنی اذیت دینے کے سو طریقے اپنا رکھے تھے انہوں نے... زری کو آئس کریم دلواتے اور نینا سامنے بیٹھی دیکھتی رہتی، مگر اسے ایک لقمہ بھی نہ دینے دیتے... زری کو پارک لے جاتے اور اسے کمرہ بند کر کے چلے جاتے۔ ضد لگا لیتے تھے ننھی سی بچی سے... اپنی ہی اولاد کو سوتیلی سمجھ کر پال رہے تھے۔

جبکہ اس کی خاطر ہم اپنا بسا بسایا گھر، محلہ چھوڑ کر یہاں آ بسے... ادھر گھر لے لیا کہ چلو ایسے نظروں کے سامنے تو رہے گی۔ لیکن وہ بھی انہیں ناگوار گزرتا تھا۔ ہمارے یہاں آنے ہی نہیں دیتے تھے اسے، حالانکہ جانتے تھے کہ یہاں اس کا دل لگتا ہے۔ وہ آنے پر اصرار کرتی تو باپ رسی سے باندھ کر کمرے میں بند کر دیتا۔ حالانکہ میری نظروں کے سامنے میرے سلیم علیم کے ساتھ ہی تو کھیلتی تھی سارا دن... مگر ہمارے بہنوئی نے پابندی لگا دی کہ خالہ کے یہاں جاؤ گی تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔

وہ بس وہاں اپنی کھڑکی میں بیٹھی چپ چاپ ہمیں دیکھتی رہتی۔ منہ سے ایک لفظ نہ کہتی۔ بس ایسے جیسے ساری دنیا سے کٹ کر رہ گئی ہو۔ وہیں بیٹھی ہوا میں تکتی رہتی۔ میں کھڑکی کے نیچے جا کر کھڑی ہو جاتی۔ آوازیں دیتی، لیکن مسکراتی تک نہ تھی... ہم نے نازوں سے پالی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہماری سگی اولاد تھی اور اب کسی اور نے زبردستی گود لے لی ہے۔ ہماری مرضی اور منشا کے بغیر... اس کا بھی یہی حال تھا۔ وہ اپنوں سے نکل کر جیسے کسی پرائے گھر میں چلی گئی تھی۔ ہمارے آنگن میں تو ہمہ وقت کھلکھلاتی رہتی تھی۔ اماں باوا کے یہاں گئی تو ایسے جیسے کسی جن کی قید میں ہو... قلعہ بند، محصور..." خالہ نے اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں صاف کی تھیں۔ وہ بہت بوجھل دل کے ساتھ اسے سب بتا رہی تھیں۔

"انہوں نے اسے انسانوں میں رہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا۔ وہ لڑائی بھڑائی میں ماہر ہو گئی۔ زبان چلانے لگی۔ جتنے طعنے اس نے زندگی میں سنے... ایک وقت کے بعد پھر وہی طعنے اس کی زبان سے جھڑنے لگے۔ جو کوسنے اس نے سنے تھے، وہی کوسنے اس کے منہ سے بھی برسنے لگے۔ لیکن اس کا کیا قصور... جو اس کے ساتھ ہوا۔ اس کا یہی نتیجہ نکلنا تھا۔ وہ ہو گئی خود سر۔ آخر انسان قلعوں میں قید کر کے پالے جائیں تو خرابیاں ہی جنم لیا کرتی ہیں۔ جب آپ کے اردگرد صرف تاریکی ہو تو روشنی بری لگنے لگتی ہے۔ وہ اب انسانوں میں رہنے کے قابل نہیں۔

بس بیٹا منہ نہ ہی کھلواؤ میرا تو اچھا ہے۔ میری بہن کی اولاد ہے، لیکن اللہ معاف کرے بڑی ہی ناانصافیاں ہوئی ہیں اس کے ساتھ۔ ماں، باپ کے ہوتے ہوئے بھی ماں کی گود ملی نہ باپ کی شفقت... اور اب جب اس نگینے جیسی بچی کو بگاڑ کر پتھر کر دیا ہے تو دونوں میاں، بیوی پریشان ہوتے ہیں کہ وہ بات نہیں سنتی۔ نافرمان اور ضدی ہے۔ زبان چلاتی ہے۔ کوئی ان سے پوچھنے والا ہو تو پوچھے کہ بھیا جو بویا ہے وہی کاٹو گے نا۔" خالہ نے تو جیسے اس کے سامنے پوری داستان رقم کر کے رکھ دی تھی۔

"سلیم کے ساتھ بنتی تھی اس کی۔ سلیم اس کے لیے جیسے کسی بند قلعے کی واحد کھڑکی تھا۔ جہاں سے روشنی اور ہوا دونوں برابر ملتی رہتی ہیں۔ اس کے ساتھ راز و نیاز کرتی رہتی تھی۔ سلیم کے جانے کے بعد بالکل اکیلی ہو گئی

ہے۔ ارے بیٹا ہمارا تو دل اٹکا رہتا ہے اس بچی میں۔۔۔ میں نے اور میرے بچوں نے بڑا پیار کیا ہے اس کے ساتھ۔۔۔ ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اس کو تکلیف میں دیکھتے ہیں تو برداشت نہیں ہوتا۔ اس دن بھی اچانک بلڈ پریشر زیادہ ہو گیا۔ سر درد سے جان نکل رہی تھی اس کی۔ ڈاکٹر کے پاس لے گئے فوراً"۔۔۔ دو دن اسپتال میں رہی ہے۔ ایک دم اتنا سامنہ نکل آیا ہے۔ بتاؤ یہ عمر ہے بلڈ پریشر ہائی ہونے کی۔ جانے کیا کیا سوچ کر ہلکان ہوئی رہتی ہے میری بچی۔ بس اسی لیے بلوایا تھا مہر کو کہ اس کو دیکھے گی تو شاید خوش ہو جائے۔" خالہ جذباتی ہو کر کافی دیر نینا کی باتیں کرتی رہیں' پھر جب احساس ہوا کہ کسی غیر کے ساتھ باتیں کیے چلے جا رہی ہیں تو وضاحت کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"میں اکثر لے آیا کروں مہر کو۔ اگر آپ کہیں تو۔۔۔؟" اس نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ نینا کی ذات کی کئی پرتیں ان کی باتیں سن سن کر اس کے سامنے کھل گئی تھیں۔ وہ جتنا اس کے بارے میں جانتا جاتا تھا' اتنی ہی اس کی ذات میں دلچسپی بڑھتی جاتی تھی' اتنا ہی اس کے لیے دل ہمکتا جاتا تھا۔

قلعے میں محصور شہزادی کو قید سے رہا کروانے کے لیے بالآخر کوئی شہزادہ آ گیا تھا۔ یہ سوچے سمجھے بنا کہ قلعوں میں محصور شہزادیاں آزاد دنیا میں رہنے کے قابل نہیں ہوتیں۔

☆ ☆ ☆

"یہ کون سی مووی ہے؟" سمیع لیپ ٹاپ پر کوئی لنک ڈھونڈ رہا تھا اور شہرین کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اپنے ہمراہ بیڈ پر بٹھا رکھا تھا۔ وہ اٹھنا چاہتی تھی تو کہہ دیتا تھا کہ آرام سے بیٹھو مل کر مووی دیکھیں گے اور اب وہ کب سے مووی ہی تلاش کر رہا تھا۔ شہرین بیٹھی تو ہوئی تھی' لیکن زیادہ خوش نہ نظر آتی تھی۔

"لاہور آ کر ہم بہت ہی بے زار کن روٹین کو فالو کر رہے ہیں۔ کوئی ایکٹیویٹی ہی نہیں رہی۔ ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارنے کا تو موقع ہی نہیں ملتا۔ اسی لیے میں نے سوچا کہ چلو گھر بیٹھ کر مووی دیکھ لیں۔" سمیع کی نظریں لیپ ٹاپ پر ہی تھیں' لیکن توجہ شہرین کے چہرے کے تاثرات پر ہی تھی۔ اماں رضیہ کے بقول اگر وہ ٹی وی یا فلم دیکھنے کی اتنی ہی شوقین ہو رہی تھی تو اسے سمیع کی اس آفر پر بے حد خوش ہونا چاہیے تھا' لیکن وہ تو بے زار دکھائی دے رہی تھی۔ "میں تو کہتا ہوں اس اتوار کو کوئی اچھی مووی دیکھنے چلتے ہیں۔ بڑی اسکرین پر تو زیادہ اچھا لگے گا۔" سمیع مسلسل اسے اکسا رہا تھا کہ وہ کچھ تو بولے جس سے پتا چلے کہ آخر ٹی وی میں شہرین کی دلچسپی بڑھنے کی وجہ کیا ہے۔

"میں نہیں جا رہی کہیں۔ نری بوریت۔۔۔ مسلسل دو ڈھائی گھنٹے ایک ہی جگہ جم کر بیٹھے رہو پاپ کارن کھا کھا کر پاگل ہو جاؤ۔ اتنی بوریت ہوتی ہے فلم دیکھتے ہوئے۔ میں تو گھر پر رہ کر بیس منٹ مسلسل ٹی وی نہیں دیکھ سکتی۔ تم سینما جانے کی بات کر رہے ہو۔ تمہارا دل چاہ رہا ہے تو تم چلے جاؤ نا۔" وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔ سمیع نے بغور اس کا انداز ملاحظہ کیا۔

"اماں رضیہ کہتی تھیں وہ اکثر ٹی وی دیکھنے میں وقت ضائع کرتی ہے' جبکہ وہ تو اکتائی ہوئی بیٹھی تھی۔ اسے مووی دیکھنے سے چڑ ہو رہی تھی یا وہ اس کے ساتھ بیٹھ کر دیکھنا نہیں چاہتی تھی اور پھر وہ اس کے ساتھ باہر جانے سے اتنا کترانے کیوں لگی تھی۔ کیا اسے اس کا ساتھ اچھا نہیں لگتا تھا۔"

سمیع نے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ کنفیوز سا ہو گیا تھا۔ اس کا ذہن کسی ایک نقطے پر مرکوز نہیں ہو پا رہا تھا۔ اماں رضیہ نے کبھی اس کے اعتبار کو ٹھیس نہیں پہنچائی تھی۔ وہ لگائی بجھائی والی عورت نہیں تھیں۔ ان کی بات کو شک کے زمرے میں لانا بھی سمیع کے لیے آسان نہیں تھا' جبکہ شہرین پر شک کرتا بھی تو کیسے۔ یہ تو کبھی آسان نا رہا تھا اس کے لیے۔

"ارے میرے ساتھ بیٹھ کر مووی دیکھو گی تو پھر دیکھنا کتنا مزا آئے گا۔ اور میں تمہیں کوئی ہارر مووی تھوڑی نہ دکھاؤں گا۔ کوئی زبردست سی رومانٹک مووی دیکھیں گے۔" وہ مسکرایا تھا اور ساتھ ہی اس نے لیپ ٹاپ کا رخ شہرین کے آگے موڑا۔ "یہ بہت اچھی مووی ہے... تمہیں اچھی لگے گی... تھوڑی پرانی ہے پر میری بڑی فیورٹ ہے۔" وہ اسے بتا رہا تھا۔ شہرین نے استہزائی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی۔

"تمہیں تو مویز دیکھنے کا شوق کبھی نہیں تھا۔" سمیع نے اس کی بات سن کر چند سیکنڈز کے لیے اس کے چہرے کی جانب دیکھا' پھر وہ خود کو کہنے سے روک نہیں پایا تھا۔

"شوق تو تمہیں بھی نہیں تھا شہرین۔" شہرین نے اس کی بات سن کر تیوری چڑھائی تھی۔

"مجھے ابھی بھی نہیں ہے... تمہیں یہ وہم کیسے ہو گیا ہے کہ مجھے مووی دیکھنے کا شوق ہے۔ میں کہہ تو رہی ہوں کہ میں نہیں دیکھتی مویز شویز۔" وہ چلا کر بولی تھی۔ سمیع نے ایک بار اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ کتنی جلدی غصے میں آجاتی تھی۔ پہلے تو ایسا مزاج نہیں ہوا کرتا تھا اس کا... تبدیلی آ نہیں رہی تھی۔ تبدیلی آگئی تھی۔ لیکن کیسے۔

"اچھا بابا' مان لیا تم نہیں دیکھتی مویز لیکن میری خاطر تو دیکھ لو۔ اتنی مشکل سے ٹورینٹ ڈھونڈا ہے۔" اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا تھا لیکن شہرین پھر بھی بے زار دکھائی دیتی تھی۔ سمیع نے اس ساری صورت حال کو سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

شہرین بڑی نرم مزاج کی لڑکی تھی' ضد اس نے زندگی میں صرف ایک بار ہی کی تھی۔ شاید اور وہ بھی سمیع سے شادی کے لیے' ورنہ تو وہ کسی بات کے لیے ضد نہ کرتی تھی' لیکن اب سمیع غور کر رہا تھا کہ وہ کچھ عجیب سی ہوتی جا رہی تھی۔ ایک ہی بات کے پیچھے پڑ جاتی تھی تو بس وہی اس کے حواسوں پر سوار رہتی تھی۔ ایمن کی ٹیوشن' ایمن کی پڑھائی' ایمن کا اسکول... ان سب باتوں میں جیسے اس کی جان اٹکی رہتی تھی۔ اب جبکہ ٹیوشن کا بندوبست ہو گیا تھا تو وہ بالکل لاپروا ہو گئی تھی۔

ٹیوٹر پہلے دن کے بعد سے دوبارہ آئی ہی نہیں تھی' لیکن شہرین نے ایک بھی بار اس کی بابت دریافت کیا تھا نا شکوہ۔ سمیع روز ہی اماں رضیہ سے کال کر کے پوچھتا تھا کہ کیا ٹیوٹر آئی ہے تو وہ اکتا کر کہتی تھیں کہ بچی کو وخت ڈالا ہوا ہے۔ وہ اٹھ کر منتظر بیٹھی ہے کہ استانی صاحبہ آئیں تو پڑھائیں' لیکن ان کا نام و نشان تک پتا نہیں۔" جبکہ شہرین نے ایک بھی بار اس سے متعلق بات نہ کی تھی۔ سمیع کے لیے یہ سب کسی قدر حیران کن ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران مووی شروع ہو گئی تھی۔

پہلے چند منٹ تو بوریت میں ہی گزر گئے' پھر دو مرد گولف کھیلتے ہوئے اپنی شادی شدہ زندگی کے دکھڑے روتے ہوئے نظر آئے۔ یہ ایک عام سا سین تھا۔ بیش بہا انگریزی فلموں میں یہ سین نظر آتا تھا' لیکن شہرین کو یہ سن کر بڑا ہی دلچسپ لگا۔ وہ ہنسی تھی۔ سمیع نے اس کا چہرہ دیکھا' پھر وہ مزید ہنسی۔ ایک ہی سین کو دیکھتے ہوئے وہ بے تحاشا ہنسنے لگی تھی۔ سمیع اس کو ہنستا دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"خیر یہ اب اتنی ہنسنے والی بات بھی نہیں تھی۔" اس نے جتا کر کہا تھا۔ شہرین نے ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

"تم اس کے تاثرات تو دیکھو... کہتا ہے میں دس سال سے ایک بدروح کے ساتھ رہ رہا ہوں... ہاہاہا... سب شادی شدہ مردوں کا المیہ... شادی کے دس سال بعد ہی بیویاں بدروحیں لگنے لگتی ہیں... ہاہاہا..." وہ پھر قہقہہ لگا کر ہنسی۔ اس کی ہنسی میں اتنی روانی تھی کہ اس کی آنکھوں سے پانی نکل آیا تھا۔

"اچھا چلو بس کرو۔ اب یہ کوئی ایسا خاص لطیفہ بھی نہیں تھا کہ تم ہنس ہنس کر ہلکان ہو جاؤ۔" سمیع نے مصنوعی ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔ اسے تو واقعی اس سین پر کوئی ہنسی نہ آئی تھی' مگر شہرین کافی دیر تک ہنستی رہی۔ اگلے

دو تین سینز کے بعد ایک بچہ بستر پر سویا ہوا تھا، کروٹ لینے کے چکر میں وہ بستر سے نیچے گر گیا اور فرش پر سوئے ہوئے باپ پر گر گیا، جس سے باپ کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھل گئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بچہ اسی کی گود میں ڈر کر رونے لگا۔ بیڈ پر سوئی ہوئی ماں نے بچے کے رونے کی آواز سنی تو اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا فیڈر اٹھا کر بچے کے بجائے شوہر کے منہ سے لگا دیا۔ اب یہ واقعی مزاحیہ سین تھا۔ سمیع کو ہنسی آئی۔

"اب تو تمہارے جبڑوں کی خیر نہیں۔ کہیں ہنس ہنس کر پاگل نہ ہو جانا۔" سمیع نے لیپ ٹاپ کی اسکرین سے نظریں اٹھا کر شہرین کی جانب دیکھا تھا اور پھر وہ ششدر رہ گیا۔ اس کی آنکھیں پانی سے بھری ہوئی تھیں، وہ دیکھتے ہی دیکھتے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کیا ہوا شہرین۔ کیا بات ہوگئی۔" سمیع نے لیپ ٹاپ گود سے نکال کر بیڈ پر رکھا تھا۔

"بچہ نیچے گر گیا سمیع۔ وہ بھوکا بھی ہے اور اس کی ماں نے فیڈر بھی اس کے باپ کو دے دیا۔" وہ بلک رہی تھی۔ سمیع نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ وہ رو رہی تھی اور سمیع کو اس کے انداز پر ہنسی آگئی۔

"اوہ ہو شہرین۔۔۔ سچ آ بے بی یو آر۔" اس نے ہنستے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا، لیکن وہ مسلسل رونے میں مشغول تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں مہر کو لایا تھا تم سے ملوانے کے لیے۔" خاور اگلے دن مہر کو اسکول سے لے کر اس کے گھر پہنچ گیا تھا۔ اب کی بار اس نے یہ بالکل نہیں سوچا تھا کہ کیا مناسب لگتا ہے اور کیا نہیں۔ مرد جلدی محبت کرتا نہیں ہے، لیکن جب کرتا ہے تو پھر اس محبت کو نباہنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ خاور نے بھی کو نین کاشف نثار کی خاطر سنجیدہ ہو جانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اب کی بار وہ سب برداشت کرنے کو تیار تھا۔ گھر میں خالہ صوفیہ ہی تھیں۔ وہ اسے دیکھ کر کچھ حیران ہوئیں۔ انہوں نے مہر کو اندر بلوا کر اسے بس مروتاً ہی اندر آنے کے لیے کہا تھا، لیکن وہ فوراً ہی اندر آ گیا۔ اسے ہر حال میں نینا کو دیکھنا تھا۔ وہ گھر میں ہی تھی اور مہر کی آواز سن کر وہ لاؤنج میں آ گئی تھی۔ اسے دیکھ کر ذرا بھی حیران نہ ہوئی، جبکہ وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ ایک دم زرد چہرہ اور بوجھل سی آنکھیں۔۔۔ جن کی ویرانی میں بے حد سوال چھپے تھے۔

"یہ کیا کر دیا تم نے خاور میاں۔۔۔ اتنا بھی عاجز نہیں کر دیتے کسی کو۔" اس نے خود کو کوسا تھا۔ اس کے حساب سے تو نینا کی طبیعت کی خرابی کی بنیادی وجہ تو وہی تھا۔ وہ نا پہنچتا اس پر۔۔۔ تو وہ کبھی بھی بیمار نہ پڑتی۔

"بڑی مہربانی آپ کی۔ اجازت دے دی آپ کی ماں نے۔ اس بات پر ان کا شکریہ ضرور ادا کیجیے گا۔" خاور نے اس کے انداز کو بغور دیکھا۔

"یعنی صحیح فرما گئے ہیں بزرگ۔۔۔ رسی جل جاتی ہے۔ بل نہیں جاتے۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا اور اس بات کی اسے خوشی بھی تھی۔ اسے اس کا وہی بے لاگ، بے دھڑک انداز گفتگو تو پسند تھا۔

"میں شکریہ ادا کیوں کروں۔ جب تمہاری ان سے ملاقات ہو تو خود ہی کر دینا۔" خالہ صوفیہ بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھی مہر سے باتیں کر رہی تھیں۔ اس لیے وہ ذرا محتاط سے انداز میں ہی بات کر رہا تھا۔

"ہماری کہاں ملاقات ہوگی ان سے۔۔۔ بڑے لوگ ہیں آپ۔۔۔ ہمارے گھر میں قدم رکھیں گے نہیں۔ اور ہمیں اپنے گھر میں قدم رکھنے دیں گے نہیں۔ سو آپ ہی کہہ دیجیے گا ہمارا شکریہ۔" وہ اسی انداز میں بولی۔ وہ طنز نہیں کر رہی تھی۔ اس کا انداز گفتگو ہی یہ تھا۔

"کیا پتا کوئی مستقل سبیل بن ہی جائے۔ آخر معجزے انسانوں کے ساتھ ہی ہوا کرتے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔ اسے نینا پر بے حد غصہ تھا، لیکن پہلے اس کی بیماری کا سن کر اور اب اسے دیکھ کر جیسے ساری ناراضی دور ہو گئی تھی۔

"چلیں ہمیں انسانوں کی کیٹگری میں شمار کرنے کا شکریہ۔" وہ سادہ سے انداز میں بولی تھی۔ خالہ صوفیہ انہی کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ اس کے خاموش ہونے پر خاور کو دیکھ کر بولیں۔

"مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے مہر کو دیکھ کر' ورنہ تمہاری اماں نے تو بچی سے ملنے کے سب اسباب ہی ختم کر ڈالے تھے۔ ہم نے زری کے دن رکھ دیے ہیں۔ اگلے مہینے کی پندرہ کو ہے شادی۔۔۔ میں مہر کے لیے غرارہ اور دوسرے کپڑے بنوانا چاہ رہی تھی۔ تم سے ایک درخواست ہے بیٹا۔۔۔ اپنی اماں سے کہنا ہمارے گھر خوشی کا پہلا موقع ہے۔ ان کا احسان رہے گا ہم پر اگر وہ مہر کو شادی میں شرکت کی اجازت دے دیں۔ آپا کو بھی بہت اچھا لگے گا۔" وہ درخواست کرنے والے انداز میں بولی تھیں۔ خاور کو بڑی شرمندگی ہوئی۔ ایک جائز سی خواہش کے لیے بھی انہیں منت کرنی پڑ رہی تھی۔

"آنٹی آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں خود مہر کو لے کر آؤں گا۔ اور آپ کپڑے وغیرہ مت بنوائیں۔ میں دلوادوں گا اسے۔ اس کے والد محترم بہت روپے بھیجتے ہیں اسے۔ اس کے نئے نئے شوز اور اچھے اچھے کپڑے خرید دیں گے۔" وہ ماحول کو ذرا شگفتہ رکھنے کی خاطر شوخ سے انداز میں بولا تھا اور ساتھ ہی مہر کو بھی دیکھا تھا۔

"نہیں۔۔۔ یہ تو ہماری روایتیں ہیں۔ جیسے کپڑے نینا کے بنواؤں گی۔ ویسے ہی مہر کے بھی بنواؤں گی۔ مہر غرارہ پہنو گی نا؟" وہ کافی خوش ہو گئی تھیں۔ خاور نے نینا کے چہرے کی جانب دیکھا۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی تھی' جیسے وہاں موجود ہی نہ ہو۔

"نینا۔۔۔ جاؤ بھائی کے لیے چائے بناؤ۔" خالہ صوفیہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ خاور نے لفظ "بھائی" پر اپنی ناگواری کو بڑی مشکل سے چھپایا۔

"امی مجھے نہیں پتا۔ میرے سر میں تو پہلے ہی درد ہے۔ اور ویسے بھی یہ کولڈ ڈرنک پینے والے لوگ ہیں۔ انہیں چائے کیوں پلوا رہی ہیں آپ۔۔۔ ایک گلاس میں چار آئس کیوبز کے ساتھ کولڈ ڈرنک ڈال کر لے آئیں۔" اس نے صاف جواب دیا تھا۔ خاور کو ہنسی آ گئی۔

"جی آنٹی۔۔۔ بجا فرما رہی ہیں آپ کی صاحب زادی۔ بس میں مہر کو چھوڑنے آیا تھا۔ شام کو آ کر لے جاؤں گا اس کو۔" وہ اٹھنا چاہتا بھی نہیں تھا' لیکن زیادہ دیر بیٹھے رہنا بھی عجیب لگتا تھا' سو اس نے کہا تھا۔

"ارے نہیں۔۔۔ تم پہلی بار آئے ہو۔۔۔ اچھا نہیں لگتا۔ میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔۔۔ مہر تم نینا خالہ کے پاس بیٹھو۔" انہوں نے اسے کہا' پھر مہر کو نینا کی جانب دیوان پر بٹھا دیا تھا۔ ان کے چلے جانے کے بعد کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ خاور کچھ کہنا چاہتا تھا' لیکن جھجک رہا تھا' کچن کون سا دور تھا۔ اگر خالہ صوفیہ کے کانوں تک کوئی بے تکلف آواز پہنچ جاتی تو برا لگتا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں خاور صاحب۔۔۔ اس دن جو بھی ہوا۔۔۔ اچھا نہیں ہوا۔۔۔ لیکن کیا کریں۔ غلطیاں انسانوں سے ہی ہوا کرتی ہیں۔ میں فرشتہ تو ہوں نہیں۔ آپ سمجھ رہے ہیں نہ۔" وہ معذرت بھی کر رہی تھی' مگر اپنے انداز میں۔۔۔

"نہیں۔۔۔ سمجھ ہی تو نہیں پا رہا میں۔۔۔" خاور نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اسے اس دن اس پر غصہ تو بہت آیا تھا' لیکن وہ اس غصے کو قائم نہیں رکھ سکا تھا۔ نینا جز بز سی ہو گئی۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ ایسے کہ وہ اس کے دیکھنے سے خائف ہونے لگی۔

"امی جی۔۔۔ آپ آئیں۔۔۔ میں بنا لیتی ہوں چائے۔ غضب خدا کا۔۔۔ اتنا چھچھورا کیسے ہو سکتا ہے کوئی۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور پھر بنا اس کی جانب دیکھے بڑبڑاتی ہوئی کچن کی جانب بڑھنا چاہا تھا۔ خاور کو ہنسی بھی آئی اور مزا بھی۔

"میری بات سنیں محترمہ۔ ایک بار مجھ سے ذرا تفصیلی بات کرلیں۔ میں ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ میں چھچھورا نہیں ہوں۔ بخدا نہیں ہوں۔" اس نے شرارتی آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ نیناسن کر بھی رکی نہیں تھی' لیکن خاور نے دیکھا' اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ وہ بھی مزید مسکرایا اور مطمئن وشاد ہو کر چائے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

✡ ✡ ✡

"شہرین کہیں باہر گئی ہے کیا۔" سمیع نے اماں رضیہ سے پوچھا تھا کیونکہ شہرین اسے بیڈ روم میں تو نظر آئی نہ تھی اور اب وہ لاؤنج میں بھی موجود نہ تھی۔

"نہیں بیٹا۔۔۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہیں۔۔۔ چائے بنانے کو بولا ہے۔۔۔ وہ آئی ہوئی ہیں نا۔۔۔ ایمن کی استانی۔۔۔" وہ آفس سے جلدی آگیا تھا۔ اس کی مصروفیت میں اس کا گھر اگنور ہو رہا تھا جس کی اسے اب فکر ہونے لگی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ کہیں آؤٹنگ کے لیے جائے گا اور شہرین کے ساتھ ذرا فراغت سے وقت گزارے گا لیکن ٹیوٹر کی آمد کا سن کر اس نے منہ بنایا۔

"اب یہ کس وقت آگئیں محترمہ۔۔۔ اور فرما کیا رہی ہیں؟" اس نے ذرا ناگواری سے سنا تھا۔ اسے اس ٹیوٹر کا رویہ زیادہ پسند نہیں آرہا تھا۔ پہلے ایمن کو پڑھانے کے لیے رضامند نہیں تھی' پھر جب رضامند ہوئی تو وقت طے کر لینے کے باوجود نہیں آئی تھی اور اب ایک ڈیڑھ ہفتے بعد دوبارہ آگئی تھی۔ ایمن کی پڑھائی کے لیے شہرین کا رویہ پہلے ہی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس نے ٹیوٹر بھی کوئی نرالے مزاج کی رکھ لی تھی۔

"مجھے تو کچھ نہیں بتایا۔۔۔ مجھ سے کہا مسز شہرین کو بلادیں۔۔۔ میں نے بلوا دیا۔" اماں رضیہ کو جتنا سمجھ میں آیا انہوں نے بتا دیا تھا۔

"آپ پوچھ لیتیں نا۔۔۔ کیا کہتی ہے اب وہ۔۔۔ آنے سے پہلے انفارم کرتیں تو ایمن کو تیار کر لیتیں آپ۔۔۔" سمیع بہ عجلت بولا تھا۔ اس کا سارا پروگرام خراب ہو گیا تھا۔

"بیٹا۔۔۔ مجھے کہاں سمجھ میں آتی ہیں یہ لکھت پڑھت والی باتیں۔۔۔ بہتر ہوتا آپ بھی مل لیتے ایک بار۔۔۔" انہوں نے کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے کہا تھا حالانکہ وہ ایسے چھوٹے چھوٹے معاملات بخوبی سنبھال سکتی تھیں' لیکن شہرین کے بدلے ہوئے رویے نے انہیں ذرا محتاط سا کر دیا تھا۔

"اچھا چلیں میں بھی دیکھ لیتا ہوں۔۔۔ یہ وقت تو مقرر نہیں ہوا تھا۔۔۔ پہلے تو صبح کے وقت آنے کا کہہ گئی تھیں۔۔۔ اب کیا شام کو آیا کریں گی۔۔۔ بہر حال آج کے لیے تو معذرت کر لیتے ہیں۔۔۔ مجھے اور شہرین کو باہر جانا ہے' لیکن اب آپ ذرا دھیان رکھیے گا کہ روزانہ ایمن کو وقت پر جگاناہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔" اس نے تاکید کی تھی۔ اماں رضیہ عادت کے مطابق سر ہلاتے ہوئے اس کی بات سن رہی تھیں۔ وہ احتیاطاً" کھنکارتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف آیا تھا۔ شہرین کی پشت دروازے کی طرف تھی جب کہ وہ ٹیوٹر بالکل سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ سمیع اس کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ وہ اٹھارہ انیس سے زیادہ کی نہ لگتی تھی۔ زردی مائل رنگت' کالی سیاہ گہری تھکی ہوئی سی آنکھیں جن میں زندگی ایک سوالیہ سا نشان دکھائی دیتی تھی۔ سمیع کو شہرین کے انتخاب پر غصہ آیا تھا جب کہ وہ بھی سمیع کو دیکھ کر کچھ اچنبھے کا شکار لگتی تھی۔

"یہ کیا پڑھائیں سکھائیں گی ایمن کو۔۔۔ ان کی تو خود ابھی پڑھنے لکھنے کی عمر ہے۔" اس نے دل ہی دل میں خود سے کہا تھا۔

"شہرین۔۔۔" اس نے پکارا تھا۔ شہرین نے مڑ کر دیکھا اور پھر مسکرائی۔

"سمیع آؤنا۔۔۔ تم بھی کونین سے ملو۔۔۔ بہت اچھی بچی ہے۔" وہ بظاہر تعارف کرواتے ہوئے بولی۔ ٹیوٹر نے لفظ "بچی" پر آنکھیں پھیلائی تھیں۔

"کونین... یہ میرے ہزبینڈ ہیں... سمیع..." شہرین نے تعارف کروانا چاہا تھا' لیکن سمیع نے اس طرف دیکھنے کے بجائے شہرین کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔
"کیا یہ روز اسی وقت آیا کریں گی؟" وہ اس سے سوال کر رہا تھا۔
"نہیں... نہیں... صبح کے وقت ہی آئیں گی... ابھی تو بس کچھ بیمار تھیں تو اس لیے نہ آنے کی وجہ بتانے آگئی تھیں۔" شہرین نے بتایا۔ سمیع کی نگاہوں کا مرکز شہرین ہی تھی۔ ایک بار کے بعد اس نے دوبارہ ٹیوٹر کی جانب دیکھا تک نہ تھا۔
"ہاں چلو یہ تو اچھی بات ہے۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے اب... تم نے جوس پیا... کھانا وقت پر کھا لیا تھا نا۔" وہ ٹیوٹر کو بالکل اگنور کرتے ہوئے شہرین سے ہی مخاطب تھا۔ اس کے لیے فکر مند ہو رہا تھا۔
"ہاں... تم بیٹھو نا۔" شہرین نے اسے کہا تھا۔ اس نے شہرین کو بغور دیکھتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔
"نہیں... میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں... تم کب تک فری ہو جاؤ گی۔" وہ مزید گویا ہوا تھا۔
"خیریت ہے... کیا ہوا... تم آفس سے بھی جلدی آگئے؟" شہرین نے استفسار کیا تھا۔ سمیع کے چہرے پر ذو معنی سی مسکراہٹ بکھری تھی۔ اس نے اگلا جملہ بہت دھیمی آواز میں کہا تھا۔
"خیریت ہی ہے... بس تمہیں دیکھنے کی شدید خواہش ہو رہی تھی... کوئی اعتراض...؟" شہرین ٹیوٹر کی موجودگی کی وجہ سے کچھ جزبز سی ہوئی' لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی۔ سمیع پھر گویا ہوا۔
"جلد نبٹاؤ یہ سب... اوکے... میں انتظار کر رہا ہوں۔" وہ اتنا کہہ کر واپس مڑ گیا تھا۔ یہ دیکھے بنا کہ کوئی اسے بہت غور سے دیکھنے میں مگن تھا۔

☆ ☆ ☆

"آصف نے فون ہی نہیں کیا بہت دن سے... اسے میسج کر کہ ماں کو ایک فون ہی کر لے۔" اماں نے امید بھرے لہجے میں اس سے کہا تھا۔
"کیا بات ہے... لگتا ہے پیسے چاہئیں آپ کو... مجھ سے لے لیں' لیکن ایک بار مجھ سے بھی ایسے ہی پیار سے باتیں کریں نا جیسے بھائی سے کرتی ہیں۔" وہ انہیں چڑاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"بس... تو طنز کیا کر ہر وقت ماں پر... اور تو کچھ نہیں آتا تجھے... میں کیوں مانگوں گی پیسے کسی سے... نبیحہ کے سسرال والے تاریخ مانگ رہے ہیں۔ بس اسی کا مشورہ کرنا ہے آصف سے۔" وہ برا مان کر بولی تھیں۔ وہ ہنسا۔
"مشورے کہاں کرتی ہیں آپ ان سے... بس حکم دے دیتی ہیں اور وہ بھی آپ کی ہر بات پر فوراً" سر جھکا دیتے ہیں۔"
"لے میں کیوں حکم دوں گی اپنے بیٹے کو... ایسی نہیں ہوں میں اور نہ ہی میرا آصف ایسا ہے کہ اسے حکم دینا پڑے... وہ تو میرے منہ سے نکلی بات کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے... وہ تیری طرح نہیں ہے کہ ماں سے بحث کر کے دماغ خراب کر ڈالے۔" اماں نے شکوہ کناں انداز میں کہا۔
"میں کب بحث کرتا ہوں آپ سے... وہ تو آپ ہی مجھے شروع سے ناپسند کرتی ہیں اور بھائی کو مجھ سے زیادہ محبت کرتی ہیں... ہاں بھئی ٹھیک ہے... وہ پیسے والے لوگ ہیں... وہ تو اچھے لگیں گے ہی آپ کو... کہاں وہ ریال کمانے والے... کہاں ہم چند ہزار کمانے والے عام سے کلرک۔" وہ انہیں چڑا ہی رہا تھا۔ اس کی اور اماں کی بحث ہمیشہ ہی جھگڑے پر ختم ہوتی تھی اور جھگڑا وہ چاہتا نہیں تھا اسی لیے جان بوجھ کر گفتگو کا رخ سنجیدگی کی طرف موڑ نہیں رہا تھا۔
"بے کار بات کی ہے پوتو نے... ماں کے لیے ساری اولاد برابر ہوتی ہے... وہ اگر ریال کماتا ہے تو اسی کا فائدہ

ہے اور اگر تو روپے کماتا ہے تو اس کا فائدہ بھی تجھے ہی ہے۔۔۔ تم لوگوں کے بال بچوں کے کام آئے گا سب۔۔۔ ہم تو تین میں نہ تیرہ میں۔۔۔ نہ اس سے لیتے ہیں نہ ہی تجھ سے مانگتے ہیں۔۔۔ ہاں جو خوشی سے دے دے کوئی۔۔۔ اس کو نہ نہیں بول سکتی میں۔۔۔ کفران نعمت تو میرے رب کو بھی پسند نہیں ہے۔" اماں نے مدلل انداز میں کہا تھا۔ پپو نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔

"ہمارے بال بچوں کیا ذکر اماں۔۔۔ وہ تو تب آئیں گے نا جب ہمارے ہاتھ پیلے کرنے کا سوچیں گی آپ۔۔۔ بھائی کا تو آپ کو بہت خیال ہے' لیکن میری تو کوئی فکر ہی نہیں ہے۔۔۔ سوچیں کچھ میرے بارے میں بھی۔" وہ دل میں اس بات کے لیے سنجیدہ تھا' لیکن بظاہر انہیں مذاق میں کہہ رہا تھا۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ ملا آصف کو فون۔۔۔ اس سے بات کروں۔۔۔ نبیحہ کے دن رکھنے ہیں۔۔۔ ساتھ ہی عمارہ کو انگوٹھی پہنا دیتی ہوں۔۔۔ دو جوڑے بھی دلوا دوں گی۔۔۔ ہزار پانچ سو ہاتھ پر رکھ دوں گی۔۔۔ بات پکی ہو جائے گی ورنہ بعد میں الگ سے منگنی پڑے گی۔" انہوں نے ساری منصوبہ بندی کی ہوئی تھی جسے سن کر خاور نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔ عمارہ ان کی بھتیجی کا نام تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔۔۔ مجھے منظور نہیں ہے یہ سب۔" وہ چلایا تھا۔

"ارے بدھو تیرے فائدے کی بات ہے۔۔۔ دن رکھنے آئیں گے جب نبیحہ کے سسرال والے تو ہم قورمے کی دیغ بنوالیں گے۔۔۔ اسی میں منگنی بھی نبٹ جائے گی۔۔۔ الگ سے کریں گے تو بڑا خرچا ہو جانا ہے۔۔۔ تجھے اپنی ممانی کا پتا ہی ہے۔۔۔ بعد میں اس نے منہ پھاڑ کر کتنی چیزوں کی فرمائش کر دینی ہے۔۔۔ باقی تیری مرضی ہے۔" انہوں نے گویا ہاتھ جھاڑے تھے۔

"یہی تو کہہ رہا ہوں میری مرضی ہی نہیں ہے۔۔۔" وہ سابقہ انداز میں ہی بولا تھا۔

"اوہ اچھا بھائی۔۔۔ نہیں تیری' مرضی تو نہ سہی۔۔۔ میں تو تیرا خرچا ہی بچانا چاہتی تھی۔۔۔ تیری تنخواہ بھی زیادہ نہیں ہے۔۔۔ میں نے تو بھلا ہی سوچا تھا تیرا۔۔۔ نئیں تے نا سہی۔" اماں اس کی بات پر ناک چڑھا کر بولیں۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا۔۔۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس رشتے میں ہی میری مرضی نہیں ہے۔۔۔ میں کوئی نہیں کر رہا عمارہ سے شادی۔۔۔ آپ کے ذہن میں یہ خیال آیا بھی کیسے۔" وہ سخت ناراضی کے عالم میں بولا تھا۔

"ہاہ وہ۔۔۔ پھر وہی بات۔۔۔ کہا تو ہے کہ تیرا بھلا سوچ رہی ہوں۔۔۔ اتنی اچھی لڑکی ہے۔۔۔ سگھڑ سلیقہ مند۔۔۔ کیسے اس اکیلی نے سارا گھر سنبھالا ہوا ہے۔۔۔ اتنا اچھا کھانا بنا لیتی ہے۔ یوں چٹا جواب (صاف انکار) دینے سے پہلے ذرا سا دماغ کا استعمال کر۔۔۔ اس کی ماں نے بڑا کچھ جمع کر رکھا ہے اس کے لیے۔۔۔ کپڑا لتا۔۔۔ بستر بھانڈے۔۔۔ زیورات۔۔۔ دو دو پیٹیاں بھر رکھی ہیں اس کی ماں نے اس کے لیے۔۔۔ ایک دفعہ بتا رہی تھی کہ جس سے بھی عمارہ کی شادی کرے گی اسے سلامی میں کار بھی دے گی۔۔۔ او کچھ عقل سے کام لے پتر۔۔۔ تیرے تو نصیب کھل جائیں گے ورنہ ایک کلرک کو کون دیتا ہے آج کل لڑکی۔" اماں نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا تھا۔ خاور کو ساری بات پر تو غصہ آیا ہی تھا' لیکن کلرکی کے طعنے پر تو جیسے وہ سلگ ہی اٹھا تھا۔

"کوئی نہ کوئی دے دے گا مجھے بھی لڑکی اماں۔۔۔ آپ اس کی فکر نہ کریں' لیکن عمارہ کا خیال دل سے نکال دیں۔۔۔ خوب بھلا سوچ رہی ہیں آپ میرا۔۔۔ یعنی میرے لیے وہ عمارہ ہی رہ گئی ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے اس کے پانچ رشتے ٹوٹ چکے ہیں۔" وہ ناگواری سے بولا تھا۔ اماں کی پیشانی پر شکنوں کا جال بننے لگا تھا۔

"اچھا یعنی کوئی ہے جو تجھے اپنی لڑکی دینے کو تیار ہے۔۔۔ ورنہ تو کبھی بھی اپنی ماں کو اس طرح انکار نہ کرتا۔" اماں کا دماغ فوراً" ہی اصل بات تک پہنچ گیا تھا۔ خاور نے سٹپٹا کر ان کی شکل دیکھی۔

''اوہو... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے انکار کرنا چاہا' لیکن چہرہ اصل حقیقت کی چغلی کھا رہا تھا۔
''دیکھ خاور... میں صاف کہے دیتی ہوں... تیری شادی ہوگی تو عمارہ کے ساتھ... اس لیے جس کے ساتھ وعدے کر بیٹھا ہے نا... اسے جواب دے دے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' اماں نے غرا کر کہا تھا۔ اس نے کھسیانا ہو کر انہیں دیکھا' لیکن ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر جلد ہی نظریں چرا گیا۔
''وعدے تو کسی کے ساتھ بھی نہیں کیے اماں... لیکن عمارہ نام کا اکاؤنٹ کبھی نہیں کھولوں گا۔'' اس نے انہیں انکار کر دیا تھا' لیکن اماں کے چہرے پر بکھری استقامت دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔
''کونین کاشف نثار صاحبہ اب آپ سے کھل کر اس موضوع پر بات کرنی ہی پڑے گی۔'' اس نے سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

''مجھے پتا نہیں چلا کہ کب... لیکن ایسا ہوا۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھا سادہ سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ مہر ریسٹورنٹ کے پلے ایریا میں کھیل رہی تھی۔ خاور سے زیادہ نینا کی نگاہیں اس پر مرکوز تھیں اور یہ بات خاور کو بے چین کر رہی تھی۔ وہ اس سے کتنی اہم بات کر رہا تھا جب کہ وہ اسے کتنے غیر اہم انداز میں سن رہی تھی۔
''میں اپنانا چاہتا ہوں تمہیں... وہ بات جو بہت پہلے میں نے مذاق میں کہی تھی' وہی بات اب جیسے میری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بن کر رہ گئی ہے... میں اس مسئلے کو تمہارے ساتھ مل کر سلجھانا چاہتا ہوں۔'' وہ اس کے چہرے کی جانب دیکھ کر بولا تھا۔
''میں سمجھی نہیں... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' نینا نے کھوکھلے سے لہجے میں کہا تھا۔ صاف پتا چل رہا تھا' وہ سمجھتے ہوئے بھی کچھ نہ سمجھنا چاہ رہی تھی۔
''اس سے زیادہ واضح الفاظ میں اظہار محبت کیسے کر سکتا ہے کوئی۔'' وہ زچ ہو کر بولا پھر ہاتھ ایسے انداز میں پھیلائے جیسے کسی موضوع کی وضاحت کر رہا ہو۔
''دیکھیں کونین بی بی ایک شخص بھلے سے ''آئی لو یو'' نہ بولے' لیکن جب وہ کہہ دے کہ وہ آپ کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہے' آپ کے ساتھ مل کر ایک مکان کو گھر میں بدلنا چاہتا ہے تو اس کی اس بات کو ''آئی لو یو'' جیسے جملے سے زیادہ اہمیت دینی چاہیے... میں نے جو بھی کہا ہے' بے حد سنجیدگی سے کہا ہے... یہ دل تمہیں دیکھ کر رکنے لگتا ہے' جانتی ہو دل کسے دیکھ کر رکتا ہے؟'' وہ اس سے سوال کر رہا تھا جب کہ وہ اس کی جانب دیکھنے سے بھی کترا رہی تھی۔
''دل جسے چاہتا ہے اسی کو دیکھ کر رکتا ہے اور پھر اسی کو دیکھ کر چلتا ہے اور پھر اسی کو پا کر سنبھلتا ہے۔'' وہ بس کہتا چلا جا رہا تھا۔ پہلا جملہ کہنا مشکل تھا' اس کے بعد کا ہر مرحلہ آسان تھا۔ وہ اسے بتا دینا چاہتا تھا کہ وہ اس کے لیے کتنی اہمیت اختیار کر چکی تھی۔
''تم سمجھ رہی ہو نا... میں کیا کہہ رہا ہوں... میں شادی کرنا چاہتا ہوں تم سے... میری بہن کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں گھر میں... میری اماں میرے لیے رشتہ ڈھونڈ رہی ہیں... میں ان کے سامنے تمہارا نام لے دوں...؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ نینا نے مہر کے وجود سے نظریں ہٹائیں۔
''وہ کب سے ایک ہی رائیڈ پر بیٹھی ہے... اس کو کہیں کہ باقی رائیڈز پر بھی بیٹھے ورنہ بعد میں پچھتائے گی۔'' وہ بولی بھی تو کیا بولی... سوال گندم' جواب چنا۔ خاور جی بھر کر بدمزا ہوا۔ یہ اتنی بے کار بات نہیں تھی' اس کی زندگی کا اہم ترین مسئلہ تھا اور نینا اسے کتنے غیر اہم انداز میں لے رہی تھی۔ وہ خاموش ہی ہو گیا۔ نینا بھی چپ ہو گئی تھی

پھر چند منٹ کے بعد اسی نے خاموشی توڑی تھی۔

"آپ بہت اچھے انسان ہیں... آپ کا ساتھ کسی بھی لڑکی کے لیے خوش قسمتی کی موجب ہو سکتا ہے... میرے پاس..." خاور نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا وہاں عجیب سی کاٹ تھی۔

"بس کرو نینا... یہ نئے نئے سسرالی رشتہ داروں والی گفتگو مت کرو میرے ساتھ... آپ بہت اچھے ہیں۔ آپ قابل عزت ہیں... ارے اتنا ہی اچھا ہوں... اتنی ہی عزت ہے میری تمہارے دل میں تو پھر یہ بودی دلیلیں کاہے کو دینی..." وہ اس کی بات کاٹ کر تنک کر بولا تھا۔

"تم کچھ مت کہو... میں سمجھ گیا ہوں کہ میری دال نہیں گلنے والی..." وہ اتنا کہہ کر چپ سا ہو گیا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ اسے دکھ ہوا تھا، مگر اس کے گمان میں کہیں نہ کہیں یہ سب موجود تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ نینا کو رضامند کرنا اس کے لیے اماں کو رضامند کرنے سے بھی کہیں زیادہ مشکل ہو گا۔

"میں اس قابل نہیں ہوں کہ کسی مکان کو گھر میں تبدیل کر سکوں... میں تو بنے بنائے گھر کو قبرستان بنا ڈالوں... آپ کیوں اپنی خوشیوں بھری زندگی کو میری وجہ سے دوزخ بنانا چاہتے ہیں۔" وہ اس کی جانب دیکھے بنا کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جیسے خلا میں مرتکز تھیں، اس کا لہجہ کس قدر ٹوٹا ہوا لگتا تھا۔

"آپ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے... کچھ نہیں پتا آپ کو... میرے تو اپنے گھر والے میرے ساتھ نہیں رہ سکتے... میں ایک نارمل انسان نہیں ہوں... میں تو اپنے ساتھ رہنے والوں کو ابنارمل بنا دیتی ہوں... زومبی تو دیکھا ہو گا نا آپ نے کبھی کسی فلم میں، جسے کاٹ لے پھر وہ بھی زومبی بن جاتا ہے... وہی ہوں میں... نارمل انسانوں میں رہنے کے قابل نہیں ہوں... آپ کہاں سے آ گئے اپنا آپ برباد کرنے..."

وہ رک رک کر بول رہی تھی خاور کو اچھا لگ رہا تھا۔ جب آپ کسی شخص کے سامنے اپنی ذات کی پرتیں کھول کر کتھارسس کرنے لگتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ اس شخص کو اہمیت دیتے ہیں۔ وہ اسے اہمیت دے رہی تھی تو اسے اچھا کیوں نہ لگتا۔

"تمہیں کس نے کہہ دیا تم زومبی ہو... نہیں ہو تم زومبی... تم راپنزل ہو... ایک ہی قلعے کی تاریک دیواروں میں محصور ہو کر رہتے رہتے ایسی ہو گئی ہو... میں تمہیں نکال لوں گا اس تاریک قلعے سے... سب ٹھیک ہو جائے گا... تاریکی سے نکلو تو روشنی آنکھوں میں چبھتی ہے، لیکن چند لمحے کے لیے... پھر سب واضح ہو جاتا ہے... سب کچھ... میں سب ٹھیک کر دوں گا... میرا یقین کرو۔" وہ اپنے جذبات کی شدت سے مغلوب ہو کر بول رہا تھا۔ اس کے الفاظ میں ہی نہیں انداز میں بھی اس قدر محبت تھی کہ کسی کا بھی دل پگھل جاتا۔ نینا نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

کیا وہ بھی پگھلنے لگے تھی؟

☼ ☼ ☼

"آج تم میری پسند کا ڈریس پہنو گی... کوئی بھی پنک یا پرپل کلر کا۔" سمیع نے صبح ہی صبح فرمائش کی تھی۔ اتوار کا دن تھا۔ سمیع گھر پر ہی تھا وہ کافی لیٹ اٹھے تھے پھر ناشتا کرتے بارہ بج گئے۔ ناشتے کے بعد اس نے اطمینان سے شہرین سے کہا تھا۔

اس کے رویے نے اسے کچھ الرٹ کر دیا تھا وہ آج کل شہرین کو بھرپور وقت دینے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اسے سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا تھا کہیں شہرین کے گھر والے فون کر کے اسے ورغلاتے ہوں۔ نہ صرف اس کے گھر والے بلکہ خود اس کی امی بھی کب ابھی تک ان کے رشتے کو اہمیت دینے کو تیار ہوئی تھیں۔ شہرین کی سرجری کے دنوں میں ہی حالات بہتر ہوئے تھے۔ اب یہ صورت حال تھی کہ وہ سب آپس میں ملتے تو تھے لیکن

سمیع اپنے سسرال والوں کے لیے اور شہرین اپنے سسرال والوں کے لیے ناپسندیدہ ہی تھی۔
"آج کوئی خاص بات ہے کیا۔؟" شہرین کو اس کا اس طرح کہنا بڑا اچھا لگا اس لیے خوش ہوتے ہوئے بولی تھی۔
"میرے لیے تمہارے سوا کوئی بھی' کچھ بھی کبھی خاص نہیں رہا میری جان۔۔ میرے لیے تو تم ہی سب سے خاص ہو۔" وہ اس کے سر سے سر ٹکراتے ہوئے بولا تھا۔ شہرین مسکرائی تھی۔
"اچھا یہ بات ہے تو پہن لیتی ہوں تمہاری پسند کا ڈریس۔۔ کیا یاد کرو گے تم بھی۔" اس نے خوشی خوشی وارڈ روب کھول لی تھی۔ سمیع نے اس کو مصروف دیکھا تو وہ لاؤنج میں آکر بیٹھ گیا تھا۔ کام تو کچھ خاص تھا نہیں۔۔ اخبار کھول کر بیٹھ گیا۔ ادھر ادھر کی خبریں پڑھتے' آرٹیکلز کا سرسری جائزہ لینے کے بعد اس نے موبائل اٹھالیا تھا۔ وہ انتظار کر رہا تھا کہ شہرین آجائے تو پلان کرے کہ آخر چھٹی کا دن گزارنا کیسے ہے' مگر وہ آہی نہیں رہی تھی۔ سمیع کافی دیر موبائل پر مصروف رہا تب کہیں جاکر شہرین آئی تھی۔ سیاہ رنگ شاکنگ پنک پھولوں والے لباس میں وہ اچھی تو لگ رہی تھی' میک اپ بھی کر رکھا تھا۔ لمبے بھورے بال تو اب رہے نہ تھے' اس لیے سر تو اس نے ڈھک رکھا تھا۔ وہ سمیع کو ہر حال میں ہی اچھی لگتی تھی' مگر یہ وہ رنگ نہ تھا جو سمیع نے اسے پہننے کے لیے کہا تھا۔
"اچھی لگ رہی ہو۔۔ لیکن پنک یا پرپل کیوں نہیں پہنا؟" سمیع نے عام سے انداز میں کہا۔ شہرین حیران سی ہو گئی۔
"پہلے کہتے ہو سیاہ لباس پہنو۔۔ اب جب سیاہ لباس پہن لیا ہے تو کہہ رہے ہو کہ پنک یا پرپل کیوں نہیں پہنا۔" وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔
"ارے۔۔ میں نے تو کہا تھا کہ کوئی لائٹ سا کلر پہنو۔۔ میرا دل چاہ رہا تھا تمہیں پنک کلر میں دیکھنے کو۔" سمیع سمجھا وہ مذاقاً ایسا کہہ رہی ہے' لیکن اس نے برا سامنہ بنایا۔
"سمیع تم ایسا کیوں کرتے ہو۔۔ مجھے ستا کر کیا ملتا ہے تمہیں۔۔ تمہارے کہنے پر ہی تو پہن کر آئی ہوں یہ۔۔ اب تمہیں اچھا نہیں لگ رہا یہ رنگ مجھ پر تو تم نے اعتراض کرنے شروع کر دیے۔۔ اچھی نہیں لگ رہی نہ میں۔" وہ ناگواری بھرے انداز میں بولی تھی۔
"خبردار جو یہ کہا تو۔۔ تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔۔ یہ رنگ تو ویسے بھی تم پر سوٹ کرتا ہے۔۔ لیکن میں نے واقعی پنک کہا تھا۔۔ اچھا چلو کوئی بات نہیں غلط فہمی بھی کسی چڑیا کا نام ہے آخر۔" وہ ابھی بھی مسکراتے ہوئے ہی کہہ رہا تھا' لیکن شہرین کا مزاج بگڑا ہوا ہی تھا۔
"مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی۔۔ تم نے بلیک ہی کہا تھا۔۔ ورنہ میں کیوں پہنتی یہ رنگ۔۔ اس میں تو میری رنگت مزید بھدی سی لگنے لگتی ہے۔" وہ ابھی بھی ناخوش تھی۔ سمیع نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔
"اچھا ٹھیک ہے جو تم کہہ رہی ہو' وہی ٹھیک ہے۔۔ اب یہاں بیٹھو میرے پاس۔۔ کتنے دن ہوئے تمہیں فرصت سے دیکھا تک نہیں ہے۔۔ ہمیں تو بس بھاگتی دوڑتی مل رہی ہو آج کل۔" سمیع نے رومانٹک سے انداز میں کہا تھا۔ شہرین نے ہاتھ چھڑوا لیا تھا۔
"میں نہیں بیٹھ رہی۔۔ مجھے ابھی نماز پڑھنی ہے۔" وہ کاؤچ کے سائیڈ پر پڑے ٹیبل کے دراز سے جاء نماز نکالنے لگی تھی۔ سمیع نے کندھے اچکائے۔
"اچھا چلو نماز پڑھ لو پہلے۔۔ پھر بات کرتا ہوں تم سے۔۔" سمیع کا انداز ابھی بھی ویسا ہی تھا۔ شہرین کوئی جواب دیے بنا ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ لاؤنج میں ٹی وی چلتا رہتا تھا تو اکثر نماز وہ ڈرائنگ روم میں ہی پڑھ لیتی تھی۔
اس کے جانے کے بعد سمیع نے دوبارہ موبائل اٹھالیا۔ وہ کافی دیر تک نہیں آئی تھی۔ سمیع نے وال کلاک کی

جانب دیکھا اور پھر موبائل پر بھی نظر ڈالی۔ نصف گھنٹہ ہو چلا تھا' لیکن وہ ڈرائنگ روم سے نکلی تک نہ تھی۔ سمیع اپنی جگہ سے اٹھا اور اسے دیکھنے کی غرض سے ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ جاء نماز صوفے کے ہینڈل پر پڑی تھی جب کہ شہرین موبائل ہاتھ میں لیے کچھ ٹائپ کرنے میں مصروف تھی۔ سمیع کو آتے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کے لیے رکی پھر اس نے فون آف کر دیا تھا۔ سمیع نے اس کی اس حرکت کو غور سے دیکھا تھا۔

"میں سمجھا تم ابھی تک نماز پڑھ رہی ہو۔۔۔ اور تم یہاں بیٹھی واٹس ایپ میں مگن ہو۔" اس نے شکوہ کیا تھا۔ شہرین حیران ہوئی۔

"کون سی نماز۔۔۔؟ میں تو بیڈ روم سے ہی نماز پڑھ کر آئی تھی۔" وہ سمیع کی بات پر ناک چڑھا کر بولی تھی۔

"لیکن تم نے خود ہی کہا تھا کہ تم نماز پڑھنے لگی ہو۔۔۔" سمیع اس سے زیادہ حیران ہوا۔

"میں کیوں کہوں گی ایسے۔۔۔ جب کہ میں نے تو اذان ہوتے ہی نماز پڑھ لی تھی۔۔ اب تو ایک گھنٹہ ہو گیا ہے۔" اس نے سمیع کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"شہرین۔۔۔ فار گاڈ سیک۔۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔۔ مجھے تو تم یہی کہہ کر ڈرائنگ روم میں آگئی تھیں کہ نماز پڑھنی ہے ابھی۔۔۔ اچھا دکھاؤ مجھے یہ فون۔۔۔ کس سے باتیں کر رہی ہو واٹس ایپ پر؟" وہ برا مان کر بولا تھا۔ شہرین کا رویہ سمجھ سے بالاتر تھا۔ شہرین نے فون والا ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"کسی سے نہیں سمیع۔ اب کیا تم میرا سیل فون بھی چیک کیا کرو گے۔۔۔ دیٹس ناٹ فیئر۔" وہ بھی ناراضی والے لہجے میں بولی تھی۔ سمیع کو لگا اس کا سر پھٹنے لگے گا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں شہرین۔۔۔ کیا ملتا ہے تمہیں اس طرح مجھے اذیت دے کر۔۔۔ کیوں کر رہی ہو تم میرے ساتھ یہ سب۔۔۔" وہ چلایا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم راہنزل ہو۔۔۔ ایک ہی قلعے کی تاریک دیواروں میں محصور ہو کر رہتے رہتے ایسی ہو گئی ہو۔۔۔ میں تمہیں نکال لوں گا اس تاریک قلعے سے۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے چت لیٹے چھت کی جانب دیکھتے ہوئے اس کے اس جملے کو ذہن میں دہرایا تھا۔ اس کا لہجہ کیسا محبت بھرا تھا جب وہ ایسے کہہ رہا تھا۔ ایک لڑکی کو اور کیا چاہیے ہوتا ہے۔ محبت عورت کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ محبت کا سہارا لے کر بڑی سے بڑی سورما عورت کو زیر کیا جا سکتا ہے' لیکن کونین کاشف نثار پر محبت نے بھی اثر نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنا دل ٹٹولنے کی کوشش کی اور ہر بار وہاں گہری خاموشی تھی۔

"میں واقعی نارمل نہیں ہوں۔۔۔" اس نے تھک کر سوچا تھا اور ساتھ ہی کروٹ بدل لی۔ مہر اس کے ساتھ ہی سو رہی تھی۔ زری کی شادی میں دو دن رہ گئے تھے۔ اس کی سہیلیاں آج سر شام ہی آکر ڈھولکی پیٹتی رہی تھیں۔ اسی لیے مہر بھی یہاں موجود تھی۔ خاور نے اسے فون کر کے کہا بھی یہی تھا کہ مہر کو لے جاؤ' خدا جانے اس نے اپنی اماں کو اس امر کے لیے کیسے راضی کیا تھا' لیکن مہر بہرحال ان کے یہاں چند دن رہنے کے لیے آگئی تھی۔

خاور اچھا انسان تھا' یہ تو وہ مانتی ہی تھی۔ اسے' اس کی آنکھوں میں چھپی محبت محسوس تو ہوتی تھی' لیکن اسے گمان نہیں تھا کہ وہ ایسے کھل کر بھی اظہار کرے گا۔ اس کے اظہار محبت نے نینا کو زیادہ کنفیوز کر دیا تھا۔ وہ تذبذب کا شکار ہو گئی تھی اس نے زری کے بیڈ کی جانب دیکھا۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ بالکنی میں بیٹھی اظفر سے باتیں کرنے میں مگن تھی۔ صبح سے شام تک اس کے پاس کرنے لائق بس یہی کام رہ گیا تھا۔ درزی سے جوڑا سل کر آتا یا بازار سے کوئی جوتا وہ ہر چیز پہن کر پہلے تصویر اتارتی تھی' اسے اظفر کو واٹس ایپ کرتی تھی اور پھر کوئی دوسرا کام کرتی تھی۔

اس کا دل چاہا وہ زری کو خاور سے ہونے والی ساری گفتگو بتائے اور پھر اس سے مشورہ کرے، مگر وہ ڈرتی تھی کہ زری اسے طعنہ دے دے گی۔ اسے طعنوں سے بہت خوف آتا تھا۔ اس نے زندگی بھر طعنے ہی تو کھائے تھے، لیکن اب اس سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ اب کوئی طعنہ دیتا تھا تو اس کا دماغ پھٹنے لگتا تھا پھر وہ اول فول بکنے لگتی تھی۔ زری کی شادی میں دو ہی دن تو باقی تھے۔ وہ اس سے جھگڑنا نہیں چاہتی تھی۔

"ایسی باتوں پر میرا دل رسپانس کیوں نہیں کرتا.... اور وہ کہتا ہے کہ میں نارمل ہوں....؟" اس نے سوچا تھا اور پھر دوسری جانب نرمی سے کروٹ بدلی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ مہر کی نیند خراب ہو۔ اسی دوران اس کے موبائل کی اسکرین چمکی تھی۔ بیپ بند ہونے کی وجہ سے آواز تو نہیں آئی تھی، لیکن اسکرین چمکتے دیکھ کر اس کو اندازہ ہوا تھا کہ شاید کوئی کال آرہی تھی۔ اس نے فون اٹھایا تو اندازہ ہوا کہ کال نہیں ٹیکسٹ تھا۔

"مہر تنگ تو نہیں کر رہی؟" اس کی توقع کے عین مطابق وہ ٹیکسٹ خاور کی جانب سے کیا گیا تھا۔ سلیم کے علاوہ کسی کی مجال نہ تھی کہ اسے رات کو ٹیکسٹ کرتا۔ سلیم کے بعد خاور نے اتنی ہمت دکھائی تھی اور عجب بات یہ تھی کہ نیہا کو اس کا بلاوجہ ٹیکسٹ کرنا برا نہ لگتا تھا۔

"شاید اسی کو محبت کہتے ہوں....؟" اس نے جوابی ٹیکسٹ لکھتے ہوئے سوچا تھا۔

"نہیں.... سکون سے سوچکی ہے.... آپ فکر مند نہ ہوں۔" اس نے لکھ دیا تھا۔

"تم کیوں جاگ رہی ہو اب تک؟" چند لمحے کے بعد دوبارہ ٹیکسٹ موصول ہوا تھا اور وہ اس کی توقع کر رہی تھی۔ اس نے فون ہاتھ ہی میں پکڑ رکھا تھا۔

"اب میں اس احمقانہ سوال کا کیا جواب لکھوں.... اگر یہ لکھ دیا کہ فضول آدمی تمہاری باتوں کی وجہ سے دماغ گھوم کر رہ گیا ہے۔ ان ہی کو سوچ سوچ کر نیند نہیں آرہی تو کیا سوچے گا وہ.... چھوڑو یہ تو کبھی نہیں لکھوں گی.... اونہہ۔" اس نے خود ہی سے سوال کیا تھا اور خود ہی جواب دے دیا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم میرے بارے میں نہیں سوچ رہی ہوگی.... بلاشبہ وہ کوئی اور مسئلہ ہوگا جس نے تمہاری نیندیں اڑا رکھی ہوں گی، لیکن ہر سوچ کو دماغ سے جھٹک کر اب سو جاؤ.... گھر میں شادی ہے.... صبح کو کافی کام ہوں گے کرنے والے.... آخر لڑکی کی بہن ہو....؟" اس نے کافی دیر تک کوئی مسیج نہیں کیا تو خاور کا ایک اور مسیج آگیا تھا۔ جسے پڑھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"او سیانے آدمی تمہارے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔" اس نے پھر سوچا تھا، لیکن لکھا نہیں تھا۔

"آپ بھی سو جائیں.... شب بخیر۔" اس نے بہت سوچنے کے بعد اسے یہ جملہ ٹیکسٹ کیا تھا۔ اس کے بعد خاور کا کوئی ٹیکسٹ نہیں آیا تھا حالانکہ وہ انتظار کرتی رہی کہ شاید وہ دوبارہ کچھ کہے گا، مگر ایسا نہیں ہوا تھا اور پھر چند مزید کروٹیں بدلنے کے بعد وہ نیند کی وادی میں اترنے والی تھی تو صرف الارم چیک کرنے کے لیے اس نے سیل اٹھایا۔ وہاں کافی پہلے کا ایک عدد ٹیکسٹ موصول ہوا تھا۔

تمہیں اداس دیکھ کر، کسی کے رنگ کھو گئے
کہیں پہ چاند بجھ گئے، کہیں ستارے سو گئے
کہیں پہ بارشوں کی رت غضب پیاس بن گئی
کہیں پہ آس ٹوٹ کر سراپا یاس بن گئی
کسی کے موسموں کو یوں عذاب مت کیا کرو
اداس مت رہا کرو، اداس مت رہا کرو

اس نے دوبارہ پڑھا تو کچھ کچھ سمجھ میں آیا اور کچھ نہیں کہ وہ شاعری کی زبان میں کیا کہنا چاہ رہا تھا۔ وہ اگرچہ چند

لائنوں کی ایک نظم تھی، لیکن اسے کہاں آرام سے سمجھ میں آتی تھیں ادب و ثقافت کی باتیں... اس نے ناک چڑھائی تھی۔

"اللہ پوچھے گا تم سے... اتنی مشکل باتیں اور وہ بھی آدھی رات کے وقت... ابھی تک جاگ رہا ہے... الو نا ہو تو۔" اسے سخت نیند آرہی تھی۔ اس نے سیل فون دوبارہ سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ نیند کی آغوش میں اپنا آپ سپرد کردینے سے صرف ایک لمحہ پہلے جانے کیوں اس کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی تھی۔ نیند کی وادی میں اترنے سے پہلے اس نے مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔

"اونہہ... اور پھر کہتا ہے میں چھچھورا نہیں ہوں..."

☆ ☆ ☆

"ایمن... بیٹا دھیان سے چڑھنا۔" نیہا نے گھر کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے تاکید کی تھی۔ وہاں گرد اور دھول کے نشان خوب واضح تھے۔ نیہا کا دل افسردہ سا ہوا۔ جب ان دونوں بہنوں کی شادی نہیں ہوئی تھی تو ان کا گھر بالخصوص یہ سیڑھیاں ہمیشہ صاف رہتی تھیں اور اس کا سارا کریڈٹ زری کو جاتا تھا۔ اسے صفائی ستھرائی کا خبط تھا۔ کبھی صفائی والی باجی سے کبھی خود ہی وہ گھر چمکانے میں ہی لگی رہتی تھی، لیکن اب امی کی بوڑھی ہڈیوں میں وہ دم خم نہیں رہا تھا اور صفائی والی اتنی محنت کرتی نہیں تھی۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگئی۔ وہاں سامان تو سب وہی تھا، لیکن اب اداسی سی اتری محسوس ہوتی تھی۔ ایک سال کے قلیل عرصے نے بہت کچھ تبدیل کردیا تھا۔

"امی... کہاں ہیں آپ..." اس نے لاؤنج میں ہی کھڑے ہو کر آواز دی تھی پھر ایمن کو دیوان پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ آرام سے دیوان کی جانب بڑھ گئی۔

"ارے نیہا تم بھی آگئیں... میں بھی تھوڑی دیر پہلے ہی آئی ہوں۔" زری امی کے کمرے سے نکلتے ہوئے بولی تھی۔ اس نے بھی مڑ کر دیکھا۔ چھوٹی سی ڈھولکی جیسا پیٹ اٹھائے، کھلتی ہوئی رنگت کے ساتھ وہ مسکراتی ہوئی اس کی جانب آئی تھی۔

"کیسی ہو؟" نیہا نے بھی خوش دلی سے اسے گلے لگایا تھا۔

"طبیعت کیسی رہتی ہے تمہاری..." وہ اس کے سراپے کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ شادی کے دوسرے سال بڑی منتوں مرادوں کے بعد اللہ نے کرم کیا تھا۔ وہ کافی خوش تھی۔

"ٹھیک ہوں... بس اٹھنا بیٹھنا مشکل ہوا ہے آج کل... باقی تو سب ٹھیک ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ وہ بھی سر سے لے کر پاؤں تک اس کا جائزہ لے رہی تھی پھر وہ وہیں دیوان پر ایمن کے قریب بیٹھ گئی۔ ایمن کو مخاطب تک نہ کیا تھا اس نے۔

"اس کی ماں کیسی ہے...؟" بیٹھ جانے کے بعد زری نے بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔ نگاہوں میں لہجے سے کہیں زیادہ طنز تھا۔ نیہا کو اچھا نہ لگا، لیکن زری اور امی ایمن کو زیادہ پسند نہ کرتی تھیں۔

"ایمن آپ جائیں اس کمرے میں... اپنے کھلونے نکال کر کھیلیں... میں ابھی آتی ہوں۔" اس نے اسے وہاں سے اٹھانا چاہا۔

"نیہا... واپس کب جائیں گے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں زری کے انداز پر بجھ گئی تھیں۔ وہ بہت ذہین تھی۔ رویوں کی بخوبی پہچان تھی اسے۔

"ابھی تو آئی ہے وہ... اسے ذرا سانس تو لے لینے دو۔" زری نے تنک کر کہا تھا۔ ایمن گھبرا کر فوراً ہی اس کمرے کی جانب چلی گئی جس طرف نیہا نے اشارہ کیا تھا۔

"ایسے کیوں بات کررہی ہو یار... بچی ہے... محسوس کرتی ہے۔" نیناں نے اسے رسانیت سے ٹوکا تھا۔

"رہنے بھی دو نیناں... کوئی بچی نہیں ہے یہ... بہت چالاک ہے۔ اس کی ماں ہمیشہ اسے تمہارے ساتھ بھیج دیتی ہے کہ جاؤ ذرا اس گن لے کر آؤ اور تم بھی اس دم چھلے کو ساتھ لگائے رکھتی ہو... اتنا سر مت چڑھاؤ اسے۔" زری ناک چڑھا کر نخوت سے بولی تھی۔ ایمن بہت شوق سے یہاں آتی تھی' لیکن بہت سرد مہری کا سامنا کرنا پڑتا تھا اسے یہاں۔

"وہ اکیلی گھر میں کیا کرے... میں آرہی تھی تو وہ بھی آگئی... امی سے بہت گھل مل گئی ہے۔ کہتی رہتی ہے نانو کے یہاں چلیں... اسی لیے لے آئی تھی۔ خیر تم چھوڑو یہ بتاؤ کب تک کے لیے آئی ہو... رہو گی۔" نیناں نے وضاحت کرنے کے بعد پوچھا تھا۔

"میں تو شام کو چلی جاؤں گی... تم رکو گی کیا؟" زری نے پوچھا تھا۔

"ہاں... میں تو اتوار کی رات کو جاؤں گی... دو دن رہوں گی۔" نیناں نے بتایا۔ زری نے کھوجتی ہوئی نگاہوں سے ایک بار پھر اس کا جائزہ لیا۔ مہنگی لان کا انتہائی خوب صورت سلا ہوا سوٹ' کندھے پر لٹکتا ہوا برانڈڈ ہینڈ بیگ اور... اور بس... اور کچھ بھی نہیں... کان' ہاتھ یا گردن میں زیور کے نام پر دھاگا تک نہ تھا۔ ہاتھ کی کسی بھی انگلی میں کوئی ایک چھلا تک نہ پہن رکھا تھا۔ کاجل غازہ سرخی... اسے آرائش و زیبائش کا کوئی اصول شادی کے بعد بھی ازبر نہ ہو سکا تھا۔

"تم پاگل ہو نیناں... ایسے مت چھوڑا کرو اپنے شوہر کو... ایک تو تمہیں ابھی تک اپنا آپ سجانا سنوارنا نہیں آیا... اوپر سے ویک اینڈ پر یہاں آجاتی ہو... تیسرا تم سوکن والی ہو... اتنی بے وقوفیاں ایک ساتھ تم ہی کر سکتی ہو... سیلوٹ ہے تمہیں..." وہ اپنی کلائیوں میں پڑی چوڑیوں کو گھماتے ہوئے اسے گھور کر بول رہی تھی۔ نیناں کی ہارٹ بیٹ ذرا سی دیر کو مس ہوئی' لیکن اس نے خود کو سنبھالا تھا۔

"شادی کے بعد کتنی نصیحتیں کرنی آگئی ہیں تمہیں..." وہ صرف موضوع تبدیل کرنا چاہتی تھی۔

"یہ ہی عقل مندی ہے نیناں... شوہر کو کئی کئی دن تک اکیلا چھوڑ کر میکے آکر بیٹھ جانا بہت بڑی غلطی ہے... ان کے آس پاس ہی رہنا چاہیے... مجھے دیکھو میں ویک اینڈ پر کبھی امی کی طرف نہیں رکتی... اگر کبھی رکنا بھی چاہوں تو اظفر اجازت نہیں دیتا... منتیں کرنے پر اتر آتا ہے اور میں اوپر اوپر سے غصہ کرتی ہوں' لیکن دل ہی دل میں بڑا خوش ہوتی ہوں کہ اسے بھی میرے بغیر رہنا اچھا نہیں لگتا۔" وہ آواز مدھم کر کے بول رہی تھی۔ چہرے پر کیسا خوشی اور اطمینان تھا۔

"اونہہ مجھ سے نہیں ہوتے یہ چونچلے... شوہر کو تھوڑی سی پرائیویسی تو دینی چاہیے..." نیناں نے ناک چڑھا کر کہا تھا۔

"پرائیویسی کی بچی... شوہر سے کوئی پرائیویسی نہیں ہوتی... اور اگر تم اسے پرائیویسی دینے کے چکر میں رہو گی تو وہ تمہاری سوکن چھین لے گی تمہیں اس سے۔" زری اسے سمجھا رہی تھی۔

"وہ کیوں چھین لے گی... چھینا تو اس نے ہے اس کا شوہر۔" یہ امی کی آواز تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ امی کبھی اسے طعنہ دینے سے چوکتی نہیں تھیں' لیکن اب اس نے طعنوں پر بھڑکنا چھوڑ دیا تھا۔

"جی امی... صحیح کہہ رہی ہیں آپ..." وہ سادہ سے انداز میں بولی کہ حقیقت بھی تو یہی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

✡ ✡

کرن

عنبرین ولی

یہ محبتیں

جاتی سردیوں کی راتیں تھیں۔ اس نے بھاری کمبل اٹھا کر لوہے کی بڑی بڑی پیٹیوں میں رکھ دیے تھے۔ اب ہلکے پھلکے کمبل ہی استعمال میں تھے۔ سردیاں روانہ ہوتے ہوئے گرم کپڑوں کا بار بھی اتار کر لے جا رہی تھیں۔ وہ سوچنے لگی کہ کاش کوئی ایسا موسم بھی ہو کہ انسان اپنے تمام دکھ ان کے حوالے کر کے ہلکا پھلکا اور پرسکون ہو کر زندگی گزار دے۔

پچھلے کچھ دنوں سے اس کی طبیعت میں عجیب بوجھل پن اتر آیا تھا۔ بات بے بات ماضی یاد آجاتا اور وہ بے قرار ہو کر جلے پیر کی بلی کی مانند یہاں سے وہاں گھومتی۔ بڑے سے کچے برآمدے میں نیم کے درخت کے ساتھ جھولا بندھوایا گیا تھا۔ یہ درخت اس برآمدے میں نجانے کتنے سال سے تھا، مگر اس کی شادی کے بعد ہی اس پر جھولا لگا۔ وہ بھی زاہد نے اس کی خوشی کے لیے یہ کام کیا تھا۔ وہ اسے سوچتے ہوئے جھولے پر آبیٹھی۔

رات آہستہ آہستہ ڈوب رہی تھی۔ برآمدے کے اطراف بڑی بڑی اونچی دیواریں تھیں۔ اس سے باہر ایک جہان اور تھا۔ جہاں انسان، نسان نما جانور، اور جانور سب کچھ ہی تو موجود تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے اپنا سر رسی سے ٹکا دیا۔ کانوں میں گیدڑوں کے رونے کی آوازیں اترنے لگیں مگر وہ خوف زدہ نہ ہوئی۔ عجیب سی وحشت طاری تھی اس پر۔ وہ جھنجلانے اور پریشان ہونے کے باوجود اسی کیفیت میں خود کو ڈبوئے رکھنے پر وہ عجیب سا سکون محسوس کر رہی تھی۔ اس نے ہمیشہ یہی سنا تھا کہ مرد کبھی بھی جانور کا روپ دھار لیتا ہے، اس سے محتاط رہنا چاہیے۔ اسے کبھی کسی نے یہ نہیں بتایا تھا کہ گھر میں بیٹھی عورت کئی بار کسی شکاری جانور سے زیادہ خطرناک ہو سکتی ہے۔ اور وہ اس عورت کا شکار ہو گئی تھی۔ ان دونوں کو سزا دینے کے لیے اس نے اپنا سب کچھ برباد کر دیا تھا۔ کبھی کبھی اسے لگتا تھا کہ اس نے غلطی کی ہے، مگر پھر کبیر کا حال دیکھ کر اس کے جلتے دل پر جو ٹھنڈک اترتی، مگر کبھی کبھار یہ ٹھنڈک بھی اسے عذاب لگتی۔

وہ لمحے یاد آتے ہی اس کے پورے وجود میں تکلیف کا احساس سرائیت کر گیا۔ وہ بے اختیار سیدھی ہو بیٹھی۔ اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اسے ایک دم ہی اپنے اردگرد کی ہر چیز سے خوف محسوس ہونے لگا۔ وہ جیسے ہی جھولے سے اٹھی اور پلٹی سامنے زاہد کھڑا تھا۔ رومانہ بے اختیار ہی اس کے سینے سے آلگی۔ زاہد نے بڑی محبت سے اس کے گرد بازوؤں کا حصار کیا۔

"اندر چلو۔ کئی بار منع کر چکا ہوں کہ رات کے وقت یہاں مت آیا کرو۔ لیکن تم میری بات مانتی ہی نہیں۔" وہ اسے نرمی سے کہہ رہا تھا۔ رومانہ مسکرا دی۔ اس کے قریب آکر وہ ہر بوجھ، ہر دکھ سے یوں آزاد ہوئی، جیسے کبھی اس کی زندگی میں کوئی حادثہ ہوا ہی نہیں۔ اس نے سر اٹھا کر زاہد کو دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" رومانہ کی آنکھوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھ کر وہ سرگوشی میں بولا۔

"میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ کیا ہر انسان کی زندگی میں محبتوں کا موسم آتا ہے' جو سارے دکھ اور غم کو پانی کے بلبلے کی طرح ختم کر دیتا ہے؟" وہ مسکرا اٹھا۔
"نہیں صرف ان لوگوں کی زندگی میں..... جنہیں خدا مجھ جیسے محبوب نما شوہر سے نوازے۔" اس نے شرارتاً" کہا تھا مگر رومانہ..... وہ جانتی تھی کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

وہ گھر میں سب سے چھوٹی تھی۔ اور بے حد لاڈلی۔ جتنا عرصہ وہ ماں باپ کے ساتھ رہی' اس کی ہر خواہش پوری کی گئی۔ مگر شادی کا وقت آنے پر اس کے بے حد پیارے بابا نے اس کی رضا پوچھنے کی زحمت تک نہ کی۔ بس ایک دن اس کے تایا اپنے بیٹے کبیر کا رشتہ لے آئے۔ کبیر کتھئی آنکھوں' کتھئی بالوں والا خوبرو مرد تھا مگر اسے بالکل بھی پسند نہیں تھا۔ مگر بابا تو یوں خوش تھے جیسے کبیر نہیں کوئی کروڑوں کی لاٹری نکل آئی ہو۔ وہ سخت ناراض تھی۔ اماں سے بھی' بابا سے بھی۔
اس کی دونوں بڑی بہنوں کی شادی خاندان سے باہر ہوئی تھی اور وہ اچھی خاصی خوش حال زندگی گزار رہی تھیں۔ ان کے رشتے طے کرتے وقت ان دونوں کی رضا کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ مگر رومانہ کی باری آنے پر سارے قوانین بدل گئے تھے۔ وہ بے حد دکھی تھی' مگر باپ کے سامنے بھلا کیا کہتی؟ دونوں بہنیں بھی بابا سے ناراض ہو گئی تھیں۔ رومانہ کے لیے ایک سے ایک رشتہ تھا۔ تو انہوں نے کیوں میٹرک پاس کبیر کے لیے ہاں کی؟ وہ بھی کسی کی بھی رضا پوچھے بغیر۔ بابا نے ان دونوں کو کوئی جواب نہیں دیا تھا' رومانہ کو اپنے پاس بلایا۔
"کیا تم اس رشتے سے ناراض ہو؟" وہ جو سوچ کر آئی تھی ان کے پوچھنے پر صاف انکار کر دے گی مگر نفی میں سر بھی نہ ہلا سکی۔ انہوں نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگایا اور اسے تھپکنے لگے۔
"تم مجھے میری ساری اولادوں سے زیادہ عزیز ہو' تمہیں دیکھ دیکھ کر جیتا ہوں میں۔ تمہیں ذرا سی بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ اسی لیے میں نے کبیر کے ساتھ تمہارا رشتہ طے کیا ہے۔ وہ صرف میرا بھتیجا نہیں ہے' تمہاری خالہ کا بیٹا بھی ہے' ہنس مکھ اور سمجھ دار ہے۔ باکردار ہے' پھر سب سے بڑی بات وہ گھر جہاں تم جاؤ گی وہاں میرا بچپن' اور پھر تمہارا بچپن بھی گزرا ہے۔ ذکیہ اور ریحانہ کی ساسوں کی طرح تمہاری ساس' تم میں خامیاں نہیں ڈھونڈیں گی بلکہ تم میں کوئی خامی ہوئی تو اس پر پردہ ڈالیں گی۔ اگر کبھی کبیر نے تمہارے ساتھ کچھ برا کرنے کی کوشش بھی کی تو تمہارے تایا' بیٹے کا ساتھ نہیں دیں گے بلکہ تمہیں سنبھالیں گے اور اسے سرزنش کریں گے۔ میں تمہیں کسی غیر کو سونپ کر بے سکون نہیں رہ سکتا۔ تم اپنوں کے محفوظ ہاتھوں میں جاؤ گی تو میں سکون سے جی سکوں گا۔"
ان سب باتوں کے بعد اگر وہ کسی اندھے بہرے کانے سے بھی اس کی شادی کر رہے ہوتے تو وہ کبھی انکار نہ کرتی۔ کبیر تو اچھا خاصا ہینڈسم اور معقول لڑکا

تھا۔ بس کم پڑھا لکھا تھا۔

اس کی دونوں بہنوں نے خوب ناراضی دکھائی۔ رومانہ کو باتیں سنائیں مگر وہ بابا کے فیصلے کے خلاف نہ گئی۔ کیا وہ صرف اسے اس لیے مسترد کرتی کہ وہ کم پڑھا لکھا ہے؟ کیا پڑھے لکھے مرد ہی اپنی بیوی کو خوش رکھ سکتے ہیں؟ رومانہ کی باتیں سن کر انہیں لگتا کہ بابا نے اس کی خوب ہی برین واشنگ کی ہے۔ وہ جلتی کڑھتی رہیں' مگر ظاہر ہے جب دلہن راضی تھی تو وہ کیا کر سکتی تھیں۔ جلد ہی دونوں کی شادی کر دی گئی۔

شادی کے وقت رومانہ کی عمر بیس سال جبکہ کبیر پچیس سال کا تھا۔ اس پرانے طرز کے بنے ہوئے گھر میں سب کی بے تحاشا محبتوں کے بیچ وہ کھلنے لگی۔ چہرہ ہر وقت کسی گلاب کی طرح چمکتا رہتا۔ کبیر اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا۔ خالہ اس کی بلائیں لیتیں۔ مگر ہر کہانی اتنی سیدھی نہیں ہوتی' نہ ہی کوئی عورت اس قدر خوش قسمت کہ زندگی اسے طوفانوں سے گزارے بغیر جینے دے۔ اس حیات کو ہمارے آنسوؤں سے بڑی محبت ہوتی ہے' جب تک یہ ہمارے آنکھوں سے نہ بہ جائیں زندگی کو چین نہیں آتا۔ اس کے ساتھ بھی یہی سب ہوا۔ بس یہ سکون شادی کے چند مہینوں تک قائم رہا۔ پھر اس کی زندگی ایک ایسی ڈائن کے سائے میں اندھیر ہوئی جس کا نام زینب تھا۔

زینب' کبیر کے دور کے رشتہ داروں میں سے تھی۔ وہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے اس شہر میں آئی اور ان کے گھر مہمان بن کر ٹھہری۔ عمر میں رومانہ سے کم' مگر تجربے میں شاید اس کا کوئی بھی ثانی نہیں تھا۔ رومانہ شادی شدہ ہونے کے باوجود بھی معصوم تھی' اس کی معصومیت پر کبیر عاشق تھا۔ مگر زینب کے آنے کے بعد اسے یہ معصومیت اپنی زندگی کے سب سے قیمتی لمحوں کی دشمن لگنے لگی۔ کبیر جھنجلانے لگا۔ وہ بے سکون ہوتا تو رومانہ کی جان پر بن آتی۔ وہ اس سے دور دور جاتا اور زینب کے قریب۔ وہ کوئی سطحی عورت تو تھی نہیں کہ ان دونوں کی دوستی کو کسی اور نظریے سے دیکھتی۔ کبیر کی شوخ مزاجی اور زینب کی چلبلاتی طبیعت اسے میل کھاتی محسوس ہوئی اور ان دونوں کی دوستی ہونے پر اسے اعتراض نہ ہوا۔

کبیر گودام سے واپس آنے کے بعد زیادہ وقت زینب کے ساتھ گزارتا۔ ان کے گھر کا ماحول بھی اس قسم کا تھا کہ کزنز ایک دوسرے کے ساتھ بغیر کسی روک ٹوک کہیں بھی آتے جاتے' گھنٹوں گزارتے۔ اس لیے نہ تو کبھی کبیر کو زینب کے ساتھ روابط بڑھانے میں مسئلہ ہوا' نہ ہی زینب کو کوئی شرم آئی۔ رومانہ اس آنکھ مچولی سے بے خبر اپنی دنیا میں مگن تھی کہ ایک روز ذکیہ آئیں۔ ذکیہ کو اپنے گھر دیکھ کر وہ خوشی سے بے حال ہی ہو گئی۔ ذکیہ دو راتیں رکنے کے ارادے سے آئی تھیں۔ اور ان دو دنوں میں انہوں نے جو جو تماشے دیکھے وہ سرپیٹ کر رہ گئیں۔ زینب اور کبیر کی بڑھتی بے تکلفی اگر کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی' تو رومانہ کیسے دیکھتی؟ وہ گھر اور گھر کے کاموں میں ہی مصروف رہتی۔ ساس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی۔ چھوٹے دیور اور نند کے ساتھ کھیلتی۔ اس دوران زینب سارا وقت کمرے میں گھسی رہتی اور کبیر کے آنے سے پہلے تیار شیار ہو کر گھر کے چکر کاٹنے لگتی۔ اس کی تیز' بے حد تیز نظریں ذکیہ کو کسی عیار لومڑی کی سی محسوس ہوئیں۔ اس کا ہاتھ ملانے کا سخت سا انداز۔ ذکیہ بے چین ہو گئیں مگر وہ رومانہ کو کیسے سمجھاتیں؟

کبیر کو دیکھتے ہی زینب کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اتری تو ذکیہ کا دل بند ہونے لگا۔ یہ کیا ہونے جا رہا تھا؟ کبیر نے آتے ساتھ ہی زینب کے ساتھ چھیڑ خانیاں شروع کر دیں۔ بظاہر وہ عام سی شرارتیں جنہیں دیکھ کر قباحت محسوس نہ ہو مگر ذکیہ..... انہیں دس سال ہو چکے تھے سسرال میں' اور پھر شادی کے بعد بھی وہ جاب کرتی رہی تھیں۔ کسی سیانی عورت کی طرح انہیں مردوں کی فطرت کے ساتھ ساتھ عورتوں کے بدلتے تیوروں سے بھی ٹھیک ٹھاک واقفیت تھی۔ وہ اس کے تیوروں سے کیوں نہ کھٹکتیں؟ زینب' ذکیہ کی توجہ محسوس کر کے سمت کر بیٹھ گئی اور کچھ دیر بعد

وہاں سے کھسک گئی۔ کبیر جو تھکا ہارا واپس آیا تھا اسے سکون کی خاطر زینب کی توجہ چاہیے تھی۔ کیسے رکتا بھلا؟ وہ بھی تھوڑی سی دیر کے بعد اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ ذکیہ کو پسینے آگئے۔ وہ کیا کریں؟ کس سے کہیں؟ انہیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ ان کی بے وقوف بہن کچن میں مصروف شوہر کے کھانے کے لیے چرغہ اسٹیم کرنے میں مصروف تھی۔ ذکیہ بے سکون ہو کر باہر آگئیں۔ انہیں کبیر اسٹور روم کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پیچھے چل پڑیں۔ اندر جاتے ہی اس نے دروازہ آدھا بند کر دیا۔ ذکیہ اسٹور کی پچھلی دیوار کی طرف آگئیں جہاں کھڑکی سے ساری کھسر پھسر با آسانی سنی جاسکتی تھی۔

"تم یہاں میرے پیچھے کیوں آگئے؟" کبیر نے اس کا چوڑیوں بھرا ہاتھ تھاما ہی تھا کہ اس نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے غصے سے کہا۔

"میں ابھی گھر آیا ہوں اور تم مجھے وقت دینے کے بجائے یہاں آکر سامان نکالنے لگیں۔ گھر میں کتنے لوگ ہیں کوئی بھی یہ کام کر لیتا۔" وہ خفگی سے بولا۔ ذکیہ جھلملاتی آنکھوں سے دیکھنے لگیں۔ وہ اپنی بیوی کا حق کسی اور پر لٹا رہا تھا۔

"یہاں میں کام کرنے نہیں کام کا بہانہ بنا کر آئی ہوں۔ تمہاری بیوی کی بہن ذکیہ کب سے ہم دونوں کو گھورے جا رہی تھی۔ اس کے سامنے مجھ سے صرف وہ بات کرنا جو ضروری ہو۔ وہ رومانہ نہیں جسے ان باتوں کو سمجھنے کے لیے دماغ لگانا پڑے۔ وہ عورت بہت تیز ہے۔ لمحوں میں حقیقت جان جائے گی۔" ان کا اندازہ بالکل ٹھیک تھا۔ زینب کوئی معمولی لڑکی ہرگز نہیں تھی۔ یہ وہ لوگوں کا چہرہ دیکھ کر سب سمجھ جانے والوں میں سے تھی۔ اگر اس میں یہ خوبی نہ ہوتی تو وہ کبھی کبیر کو اپنے لیے منتخب نہ کرتی۔

"یہ باجی عام عورتوں جیسی نہیں ہیں۔ نہ ہی وہ یہ ساری باتیں سوچیں گی۔ وہ جانتی ہیں کہ ہم کزنز ہیں۔ اور کزنز میں اتنا تو مذاق تو چلتا ہی ہے نا۔" کبیر نے مسکرا کر اس کی لٹ کھینچی۔ جواباً اس نے جو حرکت کی ذکیہ کی سانس رک گئی۔ یہی تو بے باکی تھی جس نے کبیر کو زینب جیسی عام شکل کی عورت کا عاشق بنا دیا تھا۔ انہوں نے اپنے قدم اندر کی طرف بڑھا دیے۔ ان کا رخ کچن کی طرف تھا۔ جہاں رومانہ اور اس کی ساس باتیں کر رہی تھیں۔ وہ سلاد کاٹ رہی تھی۔

"آئیں آپی۔ بیٹھیں نا۔" اس نے محبت سے کہا۔ ذکیہ کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت سی ہو گئیں۔ انہوں نے رومانہ کی طرف دیکھا۔ کس چیز کی کمی تھی اس میں؟ خوب صورت، دراز قامت، بھرا بھرا جسم، گندم جیسی حسین چمکتی رنگت، سو عورتوں میں بھی الگ دکھتی تھی۔ اور اس زینب میں کیا تھا بھلا؟ سانولی، بے حد معمولی نقوش کی حامل ناٹے قد کی پتلی سی زینب۔ وہ کھانا بنا چکی تھی۔ ایک برتن میں چکن رکھا تھا جو ابھی دھلا نہیں تھا۔

"تم نے کھانا بنا لیا؟" ان کا انداز سپاٹ تھا۔

"جی بنا لیا۔ آپ ٹھیک تو ہیں نا؟ کیا ہوا؟" وہ پریشان ہو گئی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ یہ کس کے لیے رکھی ہے؟" انہوں نے کچے مرغ کی طرف اشارہ کیا۔ رومانہ ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"جتنی ضرورت تھی اتنی بنالی۔ یہ بچ گئی ہے تو فریج میں رکھ رہی ہوں۔ آپ کو کچھ بنوانا ہے کیا؟" اس نے نرمی سے پوچھا۔ ذکیہ کی پیلی رنگت دیکھ کر خالہ بھی اٹھ کر اس کے پاس آگئیں۔ ذکیہ اپنی خالہ کی طرف مڑیں۔

"خالہ! اپنی بہو کو سمجھا دیں کہ اپنے شوہر کے لیے کھانا بنانا چھوڑ دے۔ کیونکہ اسے اب اس کے ہاتھ کے بنے کھانے میں دلچسپی نہیں۔ وہ اس گند کا عادی ہو چکا ہے۔" ذکیہ نے برتن کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ان کی بات ڈھکی چھپی تو نہیں تھی جو انہیں مطلب پوچھنا پڑتا۔

"میری بات سمجھ میں نہیں آئی؟ آپ آئیں یہاں۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر جالی والے دروازے کے پاس کھڑا کر دیا۔ خالہ میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی

کہ وہ کچھ پوچھ سکیں۔ سامنے سے زینب آتی دکھائی دی۔ کچھ دیر قبل اس کے ہونٹوں پر جو سرخی تھی اب غائب تھی۔ انہوں نے بے اختیار ذکیہ کی طرف دیکھا۔ ذکیہ نے اشارہ کیا۔ زینب نے ان دونوں کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ دو منٹ بعد کبیر بھی باہر آیا۔ اس کی چال میں عجیب سی سرشاری تھی۔ خالہ نے بے اختیار دل تھاما۔

☆ ☆ ☆

سب کو یہ لگا تھا کہ اب رومانہ کوئی طوفان کھڑا کردے گی' جرگہ ہوگا۔ سارے خاندان میں ان کی ناک کٹے گی اور نسلوں تک ان دونوں کی بے غیرتی کو یاد رکھا جائے گا۔ پول کھل جانے پر کبیر خاموش رہا تھا مگر زینب نے سرے سے اپنے اور اس کے تعلق کو ماننے سے انکار کردیا تھا۔

"آپ زینب سے شادی کرنا چاہتے ہیں نا؟" کبیر نے اثبات میں سرہلایا۔ وہ بے سکونی جس کا ادراک ہی اسے زینب کی وجہ سے ہوا' وہ کیسے اس خواہش سے انکار کرتا؟ مگر زینب بے چین ہوگئی۔ رومانہ' تایا اور خالہ کے پاس آئی۔

"آپ کو پتا ہے بابا نے میرا اور ان کا رشتہ کیوں طے کیا تھا؟ کیونکہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ آپ میری غلطیوں اور بے وقوفیوں کو روایتی ساس کی طرح دس گھروں میں جاکر بیان نہیں کریں گی۔ اور تایا ابو۔ میری غلطی پر بھی مجھے اپنے سایے سے محروم نہیں کریں گے۔ بلکہ اپنی محبت میں اضافہ کریں گے۔ مجھے ہمیشہ عزت اور محبت کی چھاؤں میں رکھیں گے۔ اور آپ دونوں نے بالکل ایسا کیا۔ میرے بابا کا مان نہیں ٹوٹنے دیا۔ میں بھی تو اسی خاندان کا حصہ ہوں نا۔ میں کیسے اس بات پر واویلا مچا کر لوگوں کو یہ کہنے کا موقع دوں کہ غلام رسول کا بیٹا بے غیرت ہے۔ اس نے ایک گھر میں رہتے ہوئے' سب کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے منہ کالا کیا ہے۔" خالہ رونے لگیں۔ تایا ابا کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔

"میں آپ کی عزت کو جرگے کی نظر نہیں ہونے دے سکتی۔ اس لیے میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ آپ ان دونوں کا نکاح کردیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میں نہیں چاہتی کہ کبیر گناہ کی دلدل میں اتر کر اپنی آخرت خراب کریں۔ ویسے بھی میری شادی کو ایک سال تو ہونے والا ہے۔ اور اب تک میری گود ہری نہیں ہوئی۔ کچھ دن پہلے زینب آپ کو اس بات کی کمی کا بھی تو احساس دلا رہی تھی نا۔ اسی بات کو بہانہ بنا کر دوسری شادی کی جاسکتی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے زینب کی طرف دیکھا۔ وہ جس طرح بلبلائی تھی رومانہ اگر حلق پھاڑ کر چلاتی۔ دس عورتیں زینب کو پیروں میں روندتیں۔ تب بھی اسے اتنا سکون محسوس نہ ہوتا۔ جتنا اس وقت ہوا تھا۔ سب کو لگ رہا تھا کہ اس نے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس نے زینب کے ساتھ کیا کردیا تھا۔ اس وقت اس نے واقعی اسی لیے یہ فیصلہ کیا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ کچھ بھی کرلیں وہ کبیر کو حرام کے راستے سے کھینچ کر باہر نہیں لاسکتی' مگر زینب کا حال دیکھ کر وہ روایتی عورت بن گئی۔ چند لمحوں کے لیے۔

زینب اس مردانہ فطرت کی عورت تھی' جسے زندگی ایک شخص کے ساتھ گزارنے میں دلچسپی نہیں ہوتی۔ کبیر اس کے لیے اس وقت تک کی بہترین وقت گزاری تھا۔ جب تک وہ یہاں تھی۔ جب اس کی پڑھائی مکمل ہوجاتی۔ وہ کبیر کو بھی خدا حافظ کہہ دیتی۔ مگر رومانہ تو اسے ہمیشہ کے لیے یہاں باندھ رہی تھی۔ زینب نے ایک بار ہی تو اس کا چہرہ پڑھا تھا۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ کبھی یہ زحمت نہ کی تھی۔ ورنہ اسے اندازہ ہوجاتا کہ ایسے سانحے کے بعد ایک معصوم عورت بھی کسی شاطر اور سیانی عورت کا روپ دھار لیتی ہے۔ اور رومانہ اسے وہی عورت لگی۔

بابا کو اس نے سمجھا دیا تھا۔ کوئی کچھ نہیں بول سکا کیونکہ رومانہ نے کسی کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا' ان کے نکاح کے بعد اس نے خلع کا کیس دائر کردیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ کبیر اسے کبھی نہیں چھوڑے

گا' نہ ہی طلاق دے گا۔ خلع کا نوٹس ملتے ہی وہ تڑپتے بلکتے اس تک پہنچا۔

"تم کیوں کر رہی ہو یہ سب؟" وہ چیخا۔

"میں نے صرف اپنا حق استعمال کیا ہے اور کچھ نہیں۔" وہ مسکرائی۔ اس کے چہرے پر کوئی ملال' دکھ نہیں تھا۔ کبیر کو جھٹکا لگا۔

"تمہیں ذرا بھی دکھ نہیں؟" کبیر صدمے کی کیفیت میں بولا۔ وہ جو اس کی ذرا سی دوری پر گھبرا جاتی تھی' اب خود اسے کسی اور کو سونپ کر اس قدر پرسکون کیسے رہ سکتی تھی؟

"مجھے کیوں کسی بات کا دکھ ہو؟ سوائے اس کے کہ میری شرم اور جھجک نے آپ کے لیے زنا کا راستہ کھولا۔ شاید ساری عمر خدا مجھے معاف نہ کرے۔" وہ ناخنوں سے ٹیبل کی سطح کھرچتے ہوئے بولی۔ کبیر کا سر جھک گیا۔

"میں وہ کبھی نہیں بن سکتی تھی جو۔۔۔ جو زینب آپ کے لیے تھی۔ بہتر یہی تھا کہ میں الگ ہو جاؤں۔ اور میں الگ ہو گئی۔ آپ اپنی نئی زندگی سکون سے جئیں۔ مجھے طلاق دے دیں تاکہ میں بھی اپنے لیے کسی معقول مرد کا رشتہ قبول کر سکوں۔" کبیر کو لگا شاید اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تم؟" وہ دھاڑا۔

"یہ بکواس نہیں ہے۔ میرے منہ سے آپ کسی مرد کا نام نہیں سن سکتے اور آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنی باقی زندگی ایک زانی مرد کے ساتھ گزاروں؟ کیوں رہوں میں آپ کے ساتھ؟" اس نے کبیر کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجوڑا۔

"جیسے آپ ہیں۔ خدا نے آپ کو ویسی بیوی دے دی۔ اور جیسی میں ہوں میری دعا ہے کہ خدا مجھے ویسا ہی شوہر دے۔"

☼ ☼ ☼

اور پھر اس کی دعا قبول ہو گئی۔ اس کے گھر والے حیران تھے۔ وہ اکیلے بلک بلک کر روتی تھی' اور سب کے سامنے یوں ہوتی جیسے اس طوفان سے اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔

"میں کوئی بے وقوف عورت نہیں جو زینب جیسی عورت کے لیے اپنا ایمان خراب کرنے والے مرد کے بارے میں سوچ سوچ کر خود کو ہلکان کروں۔ اور میں کیوں رہوں اکیلی؟ آپ لوگوں نے کیوں سوچا کہ میں کبیر سے خلع لینے کے بعد اس کی یاد میں داسی بن کر لوگوں کی ہمدردیوں اور مشوروں کو سمیٹنے کے لیے یہاں بیٹھی رہوں گی؟ میں شریعت پر عمل کروں گی۔ میرا دل اتنا بڑا ہرگز نہیں تھا کہ ان کے ساتھ زندگی گزار سکتی' لیکن میرے دل میں خدا گنجائش ضرور پیدا کرے گا کہ میں نئے سرے سے گھر بسا سکوں اور اس کا خیال کر سکوں۔" وہ یہ باتیں صرف کہتی نہیں تھی۔ روز خدا سے دعا مانگتی اور پھر ان دعاؤں کا ثمر اسے ملا۔ زاہد کی صورت۔

اس کی شفاف آنکھیں' مدھم مسکراہٹ نے رومانہ کو جلد ہی اپنا اسیر کر لیا۔ مگر کبھی کبھی سے لگتا جیسے اس نے ان دونوں کو گناہ سے روکنے کے لیے نہیں' بلکہ سزا دینے کے لیے اس رشتے میں باندھا تھا۔

کچھ عرصے بعد اسے خبر ملی تھی کہ کبیر اور زینب کے درمیان علیحدگی ہو گئی ہے۔ اس خبر پر اسے حیرت نہیں ہوئی تھی۔ گدلی آنکھوں والی عورتیں بھلا گھر کب بساتی ہیں۔

کبیر کی بے سکونی اسے کبھی کبھی پریشانی کرتی تھی' اور وہ خدا سے معافی مانگتی۔ جب بھی زاہد' اسے محبت سے اپنی آغوش میں سمیٹتا تو ساری تکلیف بھول جاتی۔ مگر وہ ایک کسک۔۔۔ وہ لمحے بھر کی نیت کا کھوٹ۔۔۔ اسے ساری عمر یاد رہنا تھا۔

☼ ☼

قرۃ العین ہاشمی

سالگرہ نمبر

تو ہے تو درخشاں ہے حیات

مکمل ناول

"سنا ہے کہ حکومت نے اجازت دے دی ہے!"
اس کے ہاتھ سے اپنا کوٹ اور لیپ ٹاپ پکڑتے ہوئے وہ بولا تھا۔ وہ مصروف سے انداز میں پلٹتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کس چیز کی اجازت؟ کیا دوسری شادی کی!"

"وہ پابندی حکومت کی طرف سے نہیں ہے محترمہ! بس آپ کے "ہاں" کرنے کی دیر ہے اور..."
اس نے آگے بڑھ کر اس کی نازک کلائی تھامی تھی۔ جواباً "کالی کالی آنکھوں کی گھوری سے واسطہ پڑا تو مسکرا کر اس نے ہاتھ چھوڑ دیا جیسے احسان کر رہا ہو۔

"کیا یاد کرو گی..."

"مہربانی ہے آپ کی..." اس کا انداز بھی تیکھا تھا۔

"پتا نہیں یہ تھرڈ کلاس عاشقوں والی عادتیں کب جان چھوڑیں گی' بھلا بندہ اپنی عمر دیکھے اور اپنی حرکتیں..." اس کی بڑبڑاہٹ اتنی اونچی ضرور تھی کہ وہ آرام سے سن سکے اور یہ ہی اس کا مقصد بھی تھا۔ حسب توقع وہ تپ گیا تھا۔

"مت بھولو کہ آج کا یہ تھرڈ کلاس عاشق کچھ سال پہلے محبت کا مقدمہ جیت چکا ہے۔ وہ بھی اعلا نمبروں اور بہترین کارکردگی کے ساتھ..." خفگی کا اظہار کرتا ہوا وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگا تھا جب پیچھے سے اس کی نرم آواز نے اس کے قدم روکے تھے۔

"سنیں..." (کچھ اثر تو ہوا میری خفگی دکھانے کا) دل ہی دل میں خود کو شاباش دی تھی۔

"غصے میں یہ مت بھول جائیے گا کہ دو عدد نٹ کھٹ بچے بھی اسکول ڈراپ کرنے ہیں۔" تیز لہجے میں کہتے وہ دونوں بچوں کو آواز دینے لگی۔ وہ اپنی خوش

فنی پر بھنا کر' دروازہ زور سے بند کرتا گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ چھ سالہ دانیال اور پانچ سالہ فروا کے ہاتھ پکڑے ہوئے پورچ میں آئی۔ دونوں بچوں کے کار میں بیٹھنے تک وہ مسلسل بولتی رہی۔ یہ نہیں کرنا' وہ نہیں کرنا' لنچ ٹائم پہ کرنا' ایک دوسرے کا خیال رکھنا' وغیرہ جیسی باتیں وہ ہر روز ہی بچوں کو یاد کرواتی تھی۔ دونوں بچے اثبات میں سر ہلا کر جی ہاں جی ہاں کرتے رہتے تھے۔ بچوں سے فارغ ہو کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی جو منہ پھلائے کھڑا تھا۔

"آپ ......!" ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے چہرے کو روشن کر دیا تھا۔ اس نے کن انکھیوں سے' دیکھتے ہوئے اس کی ہنسی کے نور کو دل میں اتارا تھا۔

"میں جا رہا ہوں۔" مگر جب بولا تو انداز روٹھا ہوا ہی تھا۔ اگر محبوب نخرے اٹھانے پر رضامند ہو تو پھر نخرا نہ دکھانا بے وقوفی ہوتی ہے اور اب وہ اتنا بے وقوف تو نہیں تھا نا۔

"جی جی۔ وہ تو نظر آ رہا ہے کہ آپ جا رہے ہیں مگر جاتے جاتے وہ ادھوری خبر تو سنا دیجیے جس نے آج صبح صبح صاحب کا موڈ اتنا خوش گوار بنا دیا ہے۔" بھگو بھگو کر مارنا اس کی عادت نہیں۔ اس کی "ٹریننگ" میں شامل تھا۔ وہ دانت پیس کر رہ گیا۔ کس کو الزام دیتا کہ یہ "حسین انتخاب" بھی اس کا اپنا ہی تھا۔

"ویسے تو تم پتھر دل' احساسات سے عاری' ایک روبوٹ ہو۔ تمہارے نزدیک اس بات کی کیا اہمیت' مگر میں پھر بھی بتا دیتا ہوں کہ سنا ہے کہ حکومت نے اس سال بسنت منانے کی اجازت دے دی ہے اور تم سن لو اگر ایسا ہوا تو میں بسنت ضرور مناؤں گا' چاہے تمہیں اعتراض ہو۔" وہ تیزی سے کہتا ہوا گاڑی میں بیٹھا اور زن سے گاڑی نکال کر لے گیا۔ پورچ میں کھڑی' اس کے لفظوں پر غور کرتی وہ ایک دم چونکی تھی۔ کئی سال پہلے کی ایک بسنتی یاد ذہن کے پردے پر لہرائی تھی۔

"قصہ ایک بسنت کا ......!"

وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ اس کی مترنم ہنسی' صبح کی تازگی جیسی تھی۔ دھند میں لپٹی صبح میں اس کا چھوٹا سا لان اپنی تازگی دکھا رہا تھا۔ اس نے ایک نظر سبزے پر ڈالی اور واپس پلٹی تو اس کے لب گنگنا رہے تھے۔ بہار ابھی دور تھی' مگر اس کے دل میں کھلے پھول' اپنی خوشبو سے سانسوں کو مہکا رہے تھے۔

"محبت کی بہار کی' کوئی خزاں نہیں ہوتی ہے۔"

گرم گرم کافی کے گھونٹ بھرتی' وہ ماضی کی گلیوں میں پہنچ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے سامنے کھڑکی پر پڑے گلابی پردے کو ہلتے ہوئے دیکھا اور فوراً" آگے بڑھ کر بٹن دبا دیا۔

"تینوں تکئیے بنائی دل لگدا......
محلے وچوں کوچ نہ کریں......
محلے وچوں کوچ نہ کریں......

"عاشر! اس سے پہلے کہ تم آج میرے ہاتھوں

دوسرے جہاں کوچ کرجاؤ اس واہیات کا گلا دبا دو' نہیں تو میں آج اس منحوس ڈبے کو اٹھا کر گلی میں پھینک دوں گا۔" ابا کی آواز' اس کی شاندار میوزک سسٹم سے بھی اونچی اور کڑک دار تھی۔ عاشر نے جلدی سے کھڑکی بند کی اور ڈیک کا بٹن بند کرکے' اس کے اوپر کپڑا ڈال دیا۔ یہ میوزک سسٹم اس نے کئی مہینوں کے "مالی ہیر پھیر" اور اپنی پاکٹ منی جمع کرکے خریدا تھا۔ اب اتنی محنت سے حاصل کی گئی محبوب چیز کو' اپنے ہاتھوں سے کیسے جانے دیتا۔

"ابا کو بھی آج ہی جلدی گھر آنا تھا۔" اسے افسوس ہو رہا تھا کہ پتا نہیں سامنے والی ندا تک اس کے جذبات پہنچے بھی ہیں یا نہیں۔ آج ہی اسے خبر ملی تھی کہ وہ لوگ یہ گھر چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ابھی تو بات صرف اشاروں کنایوں سے تعارف تک پہنچی تھی۔ ابھی تو محبت کے بہت سے مرحلے طے کرنے تھے کہ کم بخت یہ جدائی ہمیشہ کی طرح' اس کی راہ میں آکھڑی ہوئی تھی۔ وہ دو منزلہ مکان کی چھت پر کافی دیر ٹہلتا رہا۔ اسے انتظار تھا کہ ابا مغرب کی نماز پڑھنے چلیں جائیں تو وہ نیچے اترے' مگر وہ بھی آج تہیہ کرکے بیٹھے ہوئے تھے کہ اس کی کلاس لیے بغیر گھر سے باہر قدم نہیں نکالیں گے۔ اسی لیے سات سالہ ٹیپو کو بھیج کر اسے بلالیا۔ وہ دل ہی دل میں خود کو کوستا ان کے دربار میں حاضر ہوا تھا۔ اماں اور مہ ناز بھابھی بھی پاس ہی بیٹھیں ہوئی تھیں چاچو کی عزت افزائی دیکھنے کے لیے ٹیپو بھی وہاں بیٹھ گیا۔ اسے آتا دیکھ کر سب اس کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔

"ہاں تو برخودار! یہ سب کیا تھا؟" ابا نے کڑے تیوروں سے پوچھا تو وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

"ابا جی! گانے سن رہا تھا اور کیا؟ مجھے کیا پتا تھا کہ آج آپ وقت سے پہلے گھر تشریف لے آئیں گے۔" آخری لائن اس نے منہ ہی منہ میں کہی تھی' مگر مہ ناز بھابھی کے تیز کان سن چکے تھے' ان کی ہنسی بہت واضح تھی۔

"بیٹا جی کوئی شرم ہوتی ہے' کوئی حیا ہوتی ہے' پرانی محلے داری ہے لوگ کیا کہیں گے کہ خالد احمد کا بیٹا' کیسے فضول شوق رکھتا ہے۔"

"ابا جی آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے آپ مسجد کے امام ہیں اور میرے گانے سننے سے آپ کی تربیت پر حرف آئے گا۔" وہ لاپروائی میں کہہ تو گیا' مگر جب ابا کا سرخ ہوتا چہرہ دیکھا تو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"دیکھ رہی ہو اسد کی ماں! یہ ناہنجار نالائق یہ کہنا چاہ رہا ہے کہ ہم عزت دار اور شریف لوگ نہیں ہیں؟ کیا ہمارا پیشہ گانا بجانا ہے؟ یہ سمجھتا کیا ہے کہ..." ابا جی غصے میں آگ بگولا ہو چکے تھے۔ اس سے پہلے کہ زبان کے ساتھ ساتھ ان کے ہاتھ بھی چلنے لگتے' وہ فوراً کھسک کر ماں کے قریب ہو گیا کیونکہ ہر شریف شوہر کی طرح' ابا بھی صرف اپنی بیوی سے ڈرتے تھے۔

"کیا ہو گیا ہے اسد کے ابا... حوصلہ کریں بچے نے ایسا بھی کیا کہہ دیا ہے؟ سب ہی جانتے ہیں کہ آپ شروع سے ٹی وی کے دلدادہ رہے ہیں۔ مت بھولیں کہ اس کا نام بھی آپ نے مشہور ڈرامہ دھواں دیکھ کر رکھا تھا۔ کتنا عرصہ تک آپ اس ڈرامے کے حصار میں رہے تھے اور..." اماں بولنے پر آئیں تو پھر رکیں نہیں تھیں۔ یہ سب باتیں وہ بچپن سے سنتے آرہے تھے۔ ابا تھوڑے ٹھنڈے ہوئے۔

"ہاں تو میری کتنی خواہش تھی کہ یہ بھی پولیس میں جاتا۔"

"اور گولی کھا کر مر جاتا یا کسی بم دھماکے کا شکار ہو جاتا۔" باقی کا جملہ عاشر نے منہ بنا کر کہا تو اماں نے پاس پڑی جوتی اٹھا کر اسے ماری تھی۔ چونکہ حملہ اچانک اور غیر متوقع تھا' اس لیے وہ اپنا بچاؤ نہیں کرسکا تھا۔

"کیا ہے اماں!" اپنا بازو سہلاتا' وہ چڑ کر بولا تھا۔

"جب بھی بولے گا' بکواس ہی کرے گا۔ بولتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچتے کہ والدین کے دل کتنے نرم اور اپنی اولاد کے لیے حساس ہوتے ہیں۔" اماں نے

ناراضی سے کہا تو وہ شرمندہ ہوگیا اور اماں کے گلے میں بازو ڈال کر لپٹ گیا۔

"اچھا اماں! ناراض مت ہوں۔ آئندہ نہیں کروں گا ایسی باتیں۔" اس نے لاڈ سے کہا تو اماں نے محبت سے اس کی پیشانی چومی۔ سامنے بیٹھے ابا جی گلا کھنکار کر بولے۔

"باپ کی ناراضی بھی خدا کی ناراضی ہوتی ہے۔" سب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ عاشر اماں سے الگ ہوا اور باپ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"وہ تو ٹھیک ہے ابا جی! مگر اماں تو گلے لگنے سے مان جاتی ہیں جب کہ آپ کو منانے کے لیے مجھے مرغا بننا پڑتا ہے۔ اب چھ فٹ کا بندہ مرغا بنتے کتنا عجیب لگے گا نا۔!"

"چاچو! کون سی نئی بات ہے' اب تک تو آپ کو عادی ہو جانا چاہیے۔" ٹیپو کے کہنے پر سب قہقہہ مار کر ہنس پڑے تھے۔

"ٹھہر بتاتا ہوں تجھے۔" عاشر خفت زدہ ہو کر اس کی طرف لپکا' مگر تب تک وہ باہر بھاگ گیا تھا اور عاشر اس کے پیچھے پیچھے۔

✡ ✡ ✡

"کیا میری بیٹی سوہنی نہیں ہے؟" چائے میں ڈبویا بسکٹ' چائے میں ہی کہیں رہ گیا تھا۔ باجی شبنم نے منہ بنا کر سامنے رکھی پلیٹ سے آخری بسکٹ اٹھایا اور اب کی بار بہت احتیاط سے چائے میں ڈبویا اور فوراً" ہی نکال لیا۔

"یہ بسکٹ اتنی جلدی ختم ہوگئے۔" باجی شبنم نے افسوس سے خالی پلیٹ کی طرف دیکھا اور چائے کا گھونٹ بھرا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ رشیدہ خالہ کی ہاں میں ہاں ملائے جا رہی تھی۔

"کیا میری بیٹی من موہنی نہیں ہے؟"

"وہ تو ہے' مگر..." باجی شبنم نے کچھ کہنا چاہا۔

"دراز قد' لمبے بال' گوری رنگت' پڑھی لکھی اور تو اور اب اسے سرکاری نوکری بھی مل گئی ہے۔ پھر میری بیٹی کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ کیوں نہیں لاتی ہو۔" رشیدہ خالہ نے منت بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

"خالہ جی! سب کچھ ہی ٹھیک ہے' مگر یہ جو سرکاری نوکری ہے نا یہ ہی تو اصل مسئلہ ہے کیسے۔" باجی شبنم نے سوچتے ہوئے کہنا شروع کیا جب سامنے سے وہ چلی آئی۔ باجی شبنم فوراً" محتاط ہوگئی۔ حالانکہ وہ پچھلے کئی سالوں سے اس گھرانے سے واقف تھی' بلکہ رشیدہ خالہ کی بڑی بیٹی سنبل کا رشتہ بھی اسی نے کروایا تھا۔ اس وقت باجی شبنم کا خیال یہی تھا کہ دوسری بیٹی نور فاطمہ کا رشتہ بھی وہ ہی کروائے گی' بلکہ بہت جلدی اور آسانی سے! ایسی من موہنی اور خوب صورت لڑکیوں کے رشتے تو بے شمار ملتے ہیں' مگر خدا بھلا کرے اس کی سرکاری نوکری کا جو اس کے رشتے کی سب سے بڑی رکاوٹ بن گئی تھی۔

"آج کافی دنوں کے بعد نظر آئی ہیں آپ!" نور فاطمہ نے سلام کرتے ہوئے پراعتماد انداز میں پوچھا تھا۔

"آں ہاں! بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ اچھا خالہ میں چلتی ہوں کافی ٹائم ہوگیا ہے۔" باجی شبنم نے پاس رکھی چادر اٹھائی اور جلدی سے اوڑھ کر سلام کرتی دروازے کی طرف لپکی' جب پیچھے سے رشیدہ نے آواز لگا کر اپنا کام جلد از جلد کرنے کا کہا تو وہ "جی اچھا" کہہ کر گھر سے باہر نکل گئی اور باہر نکل کر شکر کرتی ہوئی نیا شکار ڈھونڈنے لگی۔

باجی شبنم نے رشتہ کروانے کے بہانے بہت سے لوگوں کو بے وقوف بنایا تھا۔ بہت سوں کے رشتے کروائے بھی تھے' مگر اس میں بھی زیادہ ہاتھ قسمت کا

سرورق کی شخصیت

ماڈل ---------- نازیہ رضوی

میک اپ ---------- روز بیوٹی پارلر

فوٹوگرافی ---------- موسیٰ رضا

ہوتا ہے۔ بس باجی شبنم کو قسمت کے ہیر پھیر سے اپنا مطلب (کام) نکلوانا بخوبی آتا تھا۔

جیسے سانولی سلونی' باوقار سی سنبل ایک میلاد شریف میں پہلی نظر میں ہی نبیل کی ماں کو پسند آگئی تھی۔ خیر سے باجی شبنم بھی وہاں موجود تھی۔ گلی گلی پھرنے کی وجہ سے وہ سنبل سے بھی واقف تھی اور نبیل کی ماں اپنے کسی رشتے دار کے گھر رہنے آئی ہوئی تھی۔ نبیل کی ماں نے اپنی دلچسپی ظاہر کی' تو باجی شبنم نے موقع غنیمت جان کر اپنی جاندار انٹری دی اور یہ شادی کرواکر ہی دم لیا۔ اسی لیے رشیدہ خالہ' باجی شبنم کے ناز نخرے اٹھاتی تھیں کہ سنبل کی طرح نور فاطمہ کا رشتہ بھی کہیں کروادے۔ پہلے پہل باجی شبنم کو یہ کام بہت آسان لگا تھا' مگر بدلتے وقت اور حالات نے اسے ناکوں چنے چبوادیے تھے۔ اب تو وہ رشتہ لاتے ہوئے بھی ڈرتی تھی کہ کہیں کوئی بات "نور فاطمہ" کو ناگوار گزرے اور اس کی شامت آجائے۔ کیونکہ اب وہ پہلے والی سنجیدہ اور کم گو نور فاطمہ نہیں رہی تھی' بلکہ اس کی نوکری نے اسے ایک طاقت اور ہمت عطا کردی تھی۔ ایک ڈھال مہیا کردی تھی اور اسی ڈھال سے تو بہت سے لوگ خائف رہتے تھے۔ یہ ہی وجہ تھی اس کے رشتہ نہ ہونے کی۔

☼ ☼ ☼

"جوجی! تیرا دھیان کدھر ہے؟ وہ دیکھ پتنگ! جلدی کر۔" عاشر نے کٹی پتنگ دیکھ کر نعرہ بلند کیا۔ جوجی نے تیزی سے گیٹ پار کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ پتنگ تک پہنچتا' ایک پانچ سالہ بچے نے خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ پتنگ کو پکڑلیا۔ ابھی وہ بچہ ٹھیک سے خوش بھی نہیں ہوپایا تھا' جب جوجی اور اس کے پیچھے پیچھے عاشر وہاں پہنچ گیا۔ جوجی نے بچے کے سر پر ہلکی سے چپت لگائی اور پتنگ چھین لی۔ بچہ منہ بسورنے لگا۔

"انکل یہ مجھے ملی ہے۔" بچے نے پتنگ کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

"بیٹا! یہ ہماری ہے' ویسے بھی ابھی تمہاری عمر نہیں ہے پتنگ اڑانے کی۔ چلو بھاگو یہاں سے۔" جوجی نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا' عاشر بھی مسکرانے لگا تھا۔ اسی وقت بچہ روتا ہوا کسی سے لپٹ گیا۔ وہ دونوں منہ دوسری طرف ہونے کی وجہ سے نہیں دیکھ سکے۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ شرم نہیں آئی ایک معصوم بچے کو تنگ کرتے ہوئے۔" نسوانی آواز اور دبنگ لہجے پر دونوں نے ایک ساتھ پلٹ کر دیکھا۔ دونوں کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ وہ لڑکی سادگی میں بھی حسین نظر آتی تھی۔ سلیقہ سے دوپٹا سر پر لیے' سخت نگاہوں سے انہیں گھور رہی تھی۔ اسی وقت عاشر نے خود کو سنبھالا اور جوجی کے ہاتھ سے پتنگ چھینتے ہوئے بولا۔

"آپ کے آنے سے پہلے میں اس ظالم اور سنگ دل انسان کو یہ ہی سمجھا رہا تھا' مگر یہ ہے کہ۔ بیٹا آپ یہ لے لو۔" عاشر کے پینترا بدلنے پر جوجی حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ جو سارا الزام اس کے سر ڈال کر خود اچھا بن رہا تھا۔

"رہنے دو عبداللہ! میں آپ کو نئی لے دوں گی۔" اس لڑکی نے بچے کا ہاتھ تھاما اور ایک طرف چل پڑی۔ عاشر نے جوجی کی طرف دیکھا اور گلی مڑتی لڑکی کے پیچھے بھاگا۔

"پاگل ہوگئے ہو کیا؟ کسی نے دیکھ لیا تو جوتے پڑیں گے۔" جوجی نے تیزی سے آگے بڑھ کر عاشر کا ہاتھ پکڑا۔ عاشر اس مداخلت پر تپ گیا۔ تب تک وہ لڑکی اور بچہ نظروں سے اوجھل ہوگئے تھے۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں؟ کیوں مجھے روکا اب میں کہاں اسے ڈھونڈوں گا۔" عاشر نے بے بسی سے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

"مگر ہم نے کون سا اس سے اپنا قرضہ واپس لینا تھا جو اسے ڈھونڈتے پھریں۔ مفت کی پتنگ ہاتھ آئی ہے۔ چلو پیچا لڑاتے ہیں۔ سنا ہے پیچا لڑاتے لڑاتے اکثر دل بھی مل جاتے ہیں۔" جوجی نے پوری بتیسی نکالتے ہوئے کہا۔

"تو پیچا لڑا اور دل ملنے کی دعا کر۔۔۔ میرا تو دل ہی

میرے پاس نہیں رہا' مجھے اسے ڈھونڈنا ہے اب۔"
عاشر کے کہنے پر جوجی نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔
"یہ وہ ہی "دل" تو نہیں۔ جو اپنی ان ہی حرکتوں کی وجہ سے بدنام ہو چکا ہے۔ نجانے کہاں کہاں' کس کس گلی' بند اور کھلے جھروکوں' اونچی نیچی چھتوں' گلی کے نکڑ پر یہ دل تقسیم ہوتا رہا ہے اب تو حیرت ہے اگر یہ "دل" اپنے ہونے کا دعوا کرے تو چیزوں کی طرح اس دل کی بھی کوئی وارنٹی یا ٹائم پیریڈ تو ہو گا نا۔"
"ابھی بتاتا ہوں تجھے کہ تیری زندگی کی کوئی وارنٹی نہیں ہے میرے پاس۔" عاشر دانت پیستا ہوا اس کی طرف لپکا جوجی ہنستا ہوا آگے آگے بھاگنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی ڈور سے بندھی پتنگ ہوا میں لہرا رہی تھی۔ وہ دونوں آگے پیچھے بھاگتے ہوئے جوجی کے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ جوجی کے گھر کی بڑی سی چھت پر پتنگ بازی کرنے کا اپنا ہی مزا اور لطف تھا۔ اس لیے تو عاشر یہاں دوڑا چلا آتا تھا' مگر آج جو واردات اس کے دل کے ساتھ ہوئی تھی' اس نے سارے مزے اور خوشی کو درہم کر کے رکھ دیا تھا۔
"سچ ہی کہتے ہیں سیانے۔ دل کو اتنی ہی ڈھیل دینی چاہیے کہ اپنی دسترس میں رہے' زیادہ ڈھیل دو گے کہ کٹی پتنگ کی طرح ادھر ادھر ڈولتا' کسی کے بھی ہاتھ لگ جائے گا اور مفت میں ملی پتنگ ہو یا دل' واپس کون کرتا ہے۔" اپنی پتنگ کو اونچا اڑاتے ہوئے وہ خود کو کوس رہا تھا اور پتنگ تھی کہ آسمان پر اڑتے ہوئے' ہوا کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہی تھی۔
ہوا میں اڑنے والوں کو' زمین زادوں کی الجھنوں سے کیا لینا دینا۔! پرواز تو بس بلندی کو چھونا اور اسے تسخیر کرنا جانتی ہے۔!

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے اسد کے ابا! آج بڑے خاموش ہیں آپ؟" عالیہ بیگم نے مجازی خدا کو صحن میں رکھی کرسی پر کب سے سوچوں میں گم دیکھا تو فکر مندی سے پاس آکر پوچھنے لگیں۔ جب سے خالد احمد اپنی جاب سے ریٹائرڈ ہوئے تھے' گھر میں ہر وقت شور مچائے رکھتے تھے کسی نہ کسی بات پر اعتراض' یا ہدایت دیتے رہتے تھے۔ مگر ان کے لب و لہجے میں تلخی یا غصہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنے نادر مشوروں سے سب کی زندگی کو سنوارنا چاہتے تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ ان کے نادر مشوروں کی روشنی میں سنورنے کا وقت کب سے گزر چکا تھا۔ دو جوان بیٹے اپنی اپنی ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل تھے۔
بڑے اسد کی شادی ہو چکی تھی اور وہ تین پیارے پیارے بچوں کا باپ تھا۔ عاشر چھوٹا اور لاڈلا ہونے کی وجہ سے فطرتاً "لاپروا اور من موجی تھا۔ ایم بی اے کرنے کے باوجود جاب ڈھونڈنے سے زیادہ دوستوں کے ساتھ وقت گزارنا پسند تھا۔ مختلف جگہ سے جابز کی آفرز آئی تھیں مگر عاشر صاحب کے معیار کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نظر کرم سے محروم رہی تھیں۔ خالد احمد کو اسی لیے عاشر پر بہت غصہ آتا تھا کہ وہ بے کار میں وقت ضائع کر رہا ہے۔ مگر عاشر کو پروا کب تھی۔ ابھی بھی بیگم کی مداخلت پر گہری سانس لے کر ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ عالیہ بیگم سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر منتظر نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔
"آپ کو تو خوش ہونا چاہیے اسد کی ماں! میرے بولنے پر ہمیشہ اعتراض رہا ہے آپ کو!"
خالد احمد کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔
"اب ایسا بھی نہیں ہے اسد کے ابا! وہ تو میں اس لیے آپ کو منع کرتی ہوں کہ آپ کی روک ٹوک سے بچے بدظن نہ ہو جائیں۔ گھر میں بہو بھی ہے۔ بھلے لاکھ اچھی سہی مگر بے جا روک ٹوک اسے بھی بری لگ سکتی ہے۔ اس لیے روکتی ہوں آپ کو!"
"بہو سے ڈر رہی ہیں' اپنے لاڈلے بیٹے کو کیا کہیں گی' جسے باپ کی ہر بات سے اختلاف ہوتا ہے۔"
خالد احمد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ عالیہ بیگم سر ہلا کر رہ گئیں۔ اب کہتیں بھی تو کیا! عاشر کی من مانیاں بھی ان کے سامنے تھیں۔

"کیا اس لیے آپ پریشان ہیں؟"

عالیہ بیگم کے چہرے پر فکرمندی کے سایے لہرا رہے تھے۔ خالد احمد مسکرا دیے۔

"نہیں اسد کی ماں! میں کیوں اس نالائق کی وجہ سے پریشان ہونے لگا۔ وہ تو میں سوچ رہا تھا کہ اگر ہمارا ایک بیٹا اور ہوتا تو میں اس کا نام حکماں رکھتا.....! قسم سے کیا زبردست کردار نبھایا تھا بیٹے کا اور وسیم عباس نے کمال اداکاری کی تھی "لنڈا بازار" میں۔ جب جب وہ ڈرامہ دیکھتا ہوں دل میں یہ حسرت شدت سے جاگتی ہے۔ کل رات عاشر نے یوٹیوب پر یہ ڈرامہ لگا کر دیا تھا۔ مزا ہی آگیا اور.....!"

خالد احمد اپنی ہی دھن میں بولے چلے جا رہے تھے۔ یہ دیکھے بغیر کہ عالیہ بیگم غصے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اور اب انہیں گھور رہی تھیں۔

"اسد کے ابا! کچھ لحاظ ہے کہ نہیں! گھر میں بہو ہے پوتے 'پوتیاں ہیں کیا سوچیں گے وہ ایسی باتیں سن کر' ساری عمر گزر گئی مگر ڈراموں سے آپ کا عشق نہیں گیا' پتا نہیں شادی کیسے مجھ سے کرلی۔ اپنے لیے کوئی اداکارہ ہی ڈھونڈنی تھیں نا حد ہوتی ہے' آنے دو آج عاشر کو' اس کی تو خبر لیتی ہوں' باپ کو اس عمر میں خراب کر رہا ہے۔"

عالیہ بیگم بڑبڑاتی ہوئیں وہاں سے واک آؤٹ کر گئیں۔ خالد احمد نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا اور بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

☼ ☼ ☼

"نور بیٹی! میری ایک بات مانے گی۔"

وہ یونیفارم تبدیل کرکے تھکی ہاری سی ماں کے پاس آکر بیٹھی جو کھانے کی ٹرے سامنے رکھے اس کی منتظر تھیں۔ نور گہری سانس لے کر رہ گئی۔ اپنی ماں کے سادہ سے چہرے کو دیکھنے لگی۔ اس کی ماں کی زندگی میں خوشیوں اور سکون کے رنگ بہت کم تھے۔ ساری زندگی دوسروں کی سنتی اور مانتی رہی تھیں۔ صرف اور صرف اپنی دونوں بیٹیوں کے تحفظ اور ایک کمزور سی چھت کے لیے۔ جس پر گھات لگائے بہت سے اپنے بھی موجود تھے۔ مگر یہاں قسمت نے ان کا ساتھ دیا تھا اور وہ بے گھر ہونے سے محفوظ رہے تھے مگر اماں ساری زندگی سسرال والوں کے اس احسان تلے دبی رہی تھیں حالانکہ یہ احسان نہیں' ان کا حق بنتا تھا۔ مگر اماں کو یہ باتیں کب سمجھ میں آتی تھیں۔ وہ تو بس سر جھکانے والوں میں سے تھیں۔ اطاعت گزار' صبر کی اعلا مثال! یہ "صبر" وہ اپنی دونوں بیٹیوں میں منتقل کرنا چاہتی تھی۔ مگر وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ "صبر" چاہنے یا تربیت کرنے سے نہیں آتا ہے۔ اور نہ ہی یہ لبادہ سب کے لیے ہوتا ہے۔

"امی! میں جانتی ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

نور نے نرمی سے ماں کے ہاتھ تھامے تھے۔ رشیدہ کی آنکھوں میں معصوم سی امید جھلک رہی تھی۔ نور کا دل ملال کے گہرے پاتال میں اترنے لگا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اپنی ماں کی خواہش پوری نہیں کرسکتی تھی۔

"نور بیٹی! تم یہ نوکری چھوڑ دو۔ پتا ہے وہ شبنم کہہ رہی تھی کہ اسی وجہ سے تمہارے رشتے نہیں آتے ہیں۔" بیٹی کا اچھا موڈ دیکھتے ہی رشیدہ نے اپنا مطالبہ دہرایا تھا۔ نور دھیرے سے مسکرا دی۔

"امی! آپ میری شادی کیوں کرنا چاہتی ہیں؟"

"لو بھلا یہ کیا بات ہوئی؟ بیٹی کی شادی کیوں کرتے ہیں؟ بیٹی کی ذمہ داری احسن طریقے سے پوری کرنے کے لیے۔ اسے محفوظ اور اچھا مستقبل دینے کے لیے۔ اس لیے تو بیٹی کی پیدائش پر مبارک باد سے زیادہ اس کے اچھے نصیب کی دعا ملتی ہے۔"

رشیدہ نے نرمی سے نوالہ بنا کر اس کی طرف بڑھایا۔ جب وہ بہت لاڈ اٹھانے کے موڈ میں ہوتیں تو اسے اپنا ہاتھ سے کھانا کھلاتی تھیں۔ جیسے وہ چھوٹی سی بچی ہو۔

"امی کیا آپ کو نہیں لگتا کہ اب میرا مستقبل اور میں زیادہ محفوظ ہوں۔"

نور نے کھانے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا

تھا۔ رشیدہ اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

"بات تو تمہاری بھی ٹھیک ہے نور! مگر میں جلد از جلد تمہیں رخصت کرنا چاہتی ہوں۔ اس نوکری کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ تم خود سر بن کر اپنی ماں سے سوال جواب کرنے لگو۔ سنبل سے کہا ہے میں نے کہ کوئی اچھا سا رشتے دیکھے تمہارے لیے۔ مگر وہ بھی یہ کہہ رہی تھی کہ تمہاری یہ نوکری ہی رشتے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم......!"

رشیدہ کہتے کہتے چپ کر گئیں۔ گھر کے حالات سے بھی وہ واقف تھیں۔ دوسری طرف بیٹی کا مستقبل بھی عزیز تھا۔

"امی! آپ سب کچھ جانتی اور سمجھتی ہیں۔ مجھے آپ کی بات ماننے میں کوئی عار نہیں ہے۔ مگر کیا نوکری چھوڑ دینا ہی سب مسئلوں کا حل ہے؟ آپ یہ کیوں بھول رہی ہیں کہ اس نوکری کی وجہ سے ہی ہمیں تحفظ ملا ہے۔ ہم مضبوط ہوئے ہیں۔"

"اور جو خطرات لاحق ہیں وہ......" رشیدہ نے ڈرے ہوئے انداز میں اس کی بات کاٹی تھی۔ اس سے پہلے کہ نور کچھ کہتی، وہ حتمی انداز میں بولی تھیں۔

"نہیں نور! میں اب اور تمہاری نہیں سنوں گی! جیسے ہی کوئی اچھا رشتہ ملا، میں ہاں کرنے میں دیر نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے امی مگر تب تک میں بھی یہ نوکری کرتی رہوں گی۔ اگر کسی نے مجھے پسند کرنا ہے تو اسی نوکری کے ساتھ کرے گا۔"

نور نے بھی ضدی لہجے میں کہا اور ٹرے اٹھا کر کچن کی طرف چلی گئی۔ جبکہ رشیدہ اپنی جگہ سوچ میں ڈوبی بیٹھی رہ گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"پکڑو جلدی سے! یہ ہی وہ بچہ ہے۔" جوجی نے نعرہ بلند کیا اور تیزی سے اس کی طرف بھاگا۔ عبداللہ جو سڑک کنارے گری اپنی بال اٹھا رہا تھا۔ ایک دم ہی ڈر گیا۔ اور بال وہاں چھوڑ کر تیزی سے گھر کی طرف بھاگا۔

"مما، مما۔ بچاؤ مجھے!" بے ترتیب بڑھے ہوئے بال، اور بڑھی ہوئی شیو۔ سر پر کیپ پہنے گندے سے حلیے میں ملبوس شخص کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر، عبداللہ خوف زدہ ہو گیا ہے۔ اسی وقت جوجی نے اسے کالر سے پکڑ لیا۔ عبداللہ کے منہ سے چیخ بلند ہوئی۔

"ابے چپ کر میری بات تو سن!"

جوجی نے اپنی بھاری بھرکم آواز میں اسے سمجھانا چاہا، مگر وہ مزید ڈر کر روتے ہوئے ہاتھ پاؤں چلانے لگا۔ اس سے پہلے کہ جوجی کچھ اور کرتا، ہوا میں لہراتا ہوا وائپر اس کے ہاتھ پر پڑا۔ اور اس نے "اوئی ماں" کہتے ہوئے عبداللہ کا کالر چھوڑ دیا تھا، ہاتھ سہلاتے ہوئے سامنے دیکھا تو ایک فربہی مائل 'لڑکی' دوپٹا کمر پر باندھے کھڑی خوف ناک تیوروں سے اسے گھور رہی تھی۔

"مما! مما!" عبداللہ ماں سے لپٹ گیا تھا۔

"شرم نہیں آتی۔ دن دھاڑے، بیچ سڑک کے، ایک معصوم بچے کو اغوا کر رہے تھے۔ وہ تو شکر ہے کہ میں گیٹ کھول کر گیراج دھو رہی تھی۔ نہیں تو آج میرا بیٹا، ظالموں کے ہاتھ لگ جانا تھا۔"

عبداللہ! بیٹے جلدی سے اندر جاؤ اور میرا موبائل لے کر آؤ۔ تب تک میں اس کمینے کو روک کر رکھتی ہوں۔"

اس نے وائپر ایسے اس پر تانا تھا جیسے وہ بندوق ہو۔ جوجی تلملا کر رہ گیا۔

"حد کرتی ہیں۔ آپ محترمہ! میں کیا شکل سے چور، ڈاکو لگتا ہوں۔"

جوجی نے تپ کر کہا تھا۔

"تو اور کیا؟ تمہارا مطلب یہ ہے کہ تم اس بڑھی شیو کے ساتھ ڈیشنگ "فواد خان" لگتے ہو!"

اس نے سرتا پیر اسے بغور دیکھا تھا۔ "قسمت کی بات ہے محترمہ! نہیں تو آج میں بھی اس فواد خان سے کہیں بہت آگے ہی ہوتا، ہلکا لے رہی ہیں آپ مجھے!" جوجی نے اپنے کالر جھاڑے تھے۔

"بیٹا جی! اس طوطے جیسی ناک کے ساتھ' سب آپ کو ہلکا ہی لیں گے۔ چپ چاپ کھڑے رہو۔ آج تمہاری خیر نہیں۔ تم نہیں جانتے پولیس میں بہت اوپر تک پہنچ ہے ہماری۔"

اس نے دھمکایا تھا۔ جوجی دانت پیس کر رہ گیا۔

"دیکھیے محترمہ! آپ خواہ مخواہ بات کو بڑھا رہی ہیں۔ میں تو کسی کی تلاش میں' یہاں تک آیا تھا۔ دو گلیاں چھوڑ کر میرا گھر ہے۔ چل کر میرے محلے والوں سے پوچھ لیں' بچہ تو کیا' میں نے کبھی کسی کی مرغی بھی نہیں اغوا کی ہے۔"

جوجی نے ایسے منہ بنایا کہ اسے دیکھ کر ہنسی روکنا مشکل ہو گئی۔ اس وقت ہانپتا کانپتا عبداللہ اندر سے بھاگا ہوا آیا۔

"مما! میں نے فون کر دیا ہے۔ پولیس آرہی ہے۔"

"دھت تیری کی!" جوجی سر پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔ جبکہ وہ عورت بچے کو ڈانٹنے لگی کہ اسے فون لا کر دینے کو کہا تھا' کسی کو فون کرنے نہیں۔ ان دونوں ماں بیٹا کو آپس میں الجھتا دیکھ کو جوجی کھسکنے لگا تھا جب سائرن بجاتی پولیس کی موبائل وہاں پہنچی۔

"بھاگ جوجی!"

اس سے پہلے کہ وہ بھاگتا' پولیس وین میں سے لیڈیز پولیس کو اترتے دیکھ کر چونکا۔

"میں حالت مرد میں ہی ہوں نا!"

جوجی نے گھبرا کر خود کو ٹٹولا تھا کہ شاید دیکھنے میں وہ جنس مخالف جیسا لگا تھا جو اسے پکڑنے کے لیے لیڈیز پولیس پہنچ گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتا۔ اسے چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ جوجی ابھی کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب اس نے کسی کی آواز سنی۔ چونکہ وہ گھیرے میں بند تھا۔ اس لیے اسے کچھ نظر نہیں آسکا۔

"کیا ہوا آپی! سب ٹھیک ہے نا؟ کس نے عبداللہ کو اغوا کرنے کی کوشش کی ہے۔" اسی وقت جوجی کے سامنے کھڑی لیڈی کانسٹیبل پیچھے ہٹی۔ تو اس نے سامنے دیکھا۔ اور وہ بری طرح چونکا۔ اس دن والی لڑکی پولیس یونیفارم میں' فکرمند چہرہ لیے کھڑی تھی۔ اسی وقت اس کی نظر بھی جوجی پر پڑی۔ کچھ لمحے لگے مگر وہ پہچان ہی گئی۔

"پتنگ چور!" وہ لڑکی بڑبڑائی۔ جوجی اس سے زیادہ سننے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ اور چکرا کر زمین پر گر گیا۔

☼ ☼ ☼

"میں جب سے آیا ہوں' تو مہاتما بدھ کی تصویر بن کر بیٹھا ہوا ہے۔ منہ سے کچھ پھوٹے گا بھی یا میں جاؤں۔"

عاشر اس کی کال سنتے ہی بھاگا چلا آیا۔ جیسے ہی جوجی کے کمرے میں داخل ہوا۔ بیڈ پر بیٹھے جوجی کو دیکھ کر اسے دوسرا شاک لگا۔ اور وہ اپنی جگہ کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ "جوجی! میرے بھائی! یہ تم ہی ہو نا!"

فوجی کٹ بال' کلین شیو اور صاف ستھرے حلیے کے ساتھ' وہ بالکل بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ جوجی اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ عاشر نے قہقہہ لگایا۔ اور اس کے پاس بستر پر اوندھا لیٹ کر ہنسنے لگا۔ اسی وقت سلیم (نوکر) بھی مسکراتا ہوا چائے کی ٹرے لے کر چلا آیا۔

"کمال ہے بھئی! سلیم سچ بتاؤ تم نے اپنے جوجی صاحب کو پہچان لیا تھا۔۔۔!"

عاشر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ تو پندرہ سالہ سلیم مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"جی عاشر بھائی! پہچان تو لیا تھا مگر یقین نہیں آیا تھا۔" سلیم کی بات پر عاشر کا قہقہہ بلند ہوا۔ جوجی نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں گھورا تو سلیم فوراً وہاں سے کھسک گیا۔ چائے کے لوازمات سے انصاف کرنے کے بعد' وہ جوجی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ جوجی عاشر کے مسلسل اصرار پر اسے بتانے لگا۔

"تجھے اس دن والی لڑکی اور بچہ یاد ہیں نا! جس کی تلاش میں تو آئے روز' میرے گھر کے چکر لگانے لگا ہے۔"

"کیا وہ مل گئی ہے؟"

عاشر اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ جوجی نے اثبات میں سرہلایا۔ عاشر کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا تھا۔

"مجھے یقین تھا! میری طلب سچی ہے۔ وہ مجھے ضرور ملے گی۔" عاشر نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"ابے میرے رانجھا! پوری بات تو سن لے' آج میرے ساتھ ہوا کیا؟"

جوجی نے کہتے ہوئے اسے اچانک عبداللہ کے نظر آنے' اس کی ماں کے وہاں پہنچنے' بچے کا فون کرنا اور پولیس وین کا آنا اور پھر.....!

"پھر کیا! جلدی بتا۔"

عاشر اس کی خاموشی پر بے چین ہوا تھا۔

"وہ لڑکی اس بچے کی خالہ ہے۔ اور بچے کی خالہ لیڈی پولیس میں بھرتی ہے یعنی کہ.....!!"

جوجی نے راز افشا کیا تھا۔ عاشر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر اسے بھی زور کا چکر آیا۔ اور وہ بھی چاروں شانے چت' کھلی آنکھوں کے ساتھ بیڈ پر گر گیا۔

اب کی بار جوجی کے قہقہے چھت تک جا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"بہن آپ یہ مٹھائی تو لیں! ہمارے یہاں کی بہت مشہور مٹھائی ہے یہ۔ لوگ دور دور سے لینے آتے ہیں۔" رشیدہ نے سامنے بیٹھی بھاری بھرکم' سفید رنگت والی عورت سے کہا۔ جس کے ہاتھ میں موجود پلیٹ پہلے ہی بھری ہوئی تھی۔ ساتھ اس کے چودہ' پندرہ سال کی دو لڑکیاں اور اس کا دختر نیک بھی تھا۔ جس کے رشتے کے لیے وہ حاضر ہوئی تھیں۔ شبنم نے یہ رشتہ ان کے گھر بھیج دیا تھا' مگر خود ساتھ نہیں آئی تھی۔ شبنم کے لیے یہ سچ میں ایک موٹی آسامی تھی۔ جو بات بات پہ پیسے کا رعب جمانا ضروری سمجھتے تھے۔ نئے نئے دولتیوں کی ایسی حرکتیں ہی شبنم جیسے لوگوں کے لیے فائدہ مند ہوتی تھیں۔ اس عورت کا بیٹا نیا نیا دبئی گیا تھا۔ آج کل پاکستان آیا ہوا تھا۔ اس لیے ماں اور بہنوں کے ساتھ گھر گھر جا کر اپنے لیے جیون ساتھی ڈھونڈ رہا تھا۔ ابھی بھی کلف لگے سوٹ کے ساتھ' اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا' وہ بہت اکڑ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اور منہ کے زاویے بگاڑ بگاڑ کر ادھر ادھر نظریں گھما رہا تھا۔ شبنم نے صرف لڑکی کی تصویر دکھائی تھی۔ اس لیے وہ لوگ یہاں آئے تھے۔ مگر گھر کی حالت' ان کی توقعات سے بہت کم تھی۔

"بیٹا! آپ بھی کچھ لیں!" رشیدہ نے بے زار بیٹھے لڑکے کو مخاطب کیا تھا۔ جو ماں کو گھوری ڈال کر کچھ سمجھانا چاہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے اشاروں کو سمجھتی وہ عورت جلدی سے پلیٹ صاف کرتی ہوئی' رشیدہ کی طرف متوجہ ہوئی' جو ان کے آگے بچھی بچھی جا رہی تھیں۔

"اچھا بہن آپ بتا رہی تھیں کہ آپ کے شوہر کا انتقال کئی سال پہلے ہو گیا تھا۔ صرف دو ہی بچیاں ہیں آپ کی۔ اور وراثت میں ملا ہوا یہ مکان اور شاید کسی دکان کا بھی ذکر کر رہی تھیں آپ!" اس عورت نے سوچنے کی اداکاری کی۔

"ہاں ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی' مین مارکیٹ میں دو دکانیں' شوہر کی بقیہ جائیداد میں سے ملی ہیں۔ وہ دراصل پہلے اتنے حالات نہیں تھے کہ کیس کر کے اپنا حصہ لیتے۔ بس اب اللہ کا کرم ہوا تو سب راستے آسان ہوتے گئے۔ بڑی بیٹی شادی شدہ اور ایک بچے کی ماں ہے۔ اس کا میاں بینک میں بڑی اچھی پوسٹ پر ہے۔ اس کے سسرال میں میلاد تھا۔ اس لیے وہ آج نہیں آسکی۔ آپ اس سے ملتیں تو بہت خوش ہوتیں۔"

رشیدہ نے اپنی سادگی میں سب کچھ بتاتے ہوئے کہا۔ اس عورت کی آنکھوں کی چمک بڑھ رہی تھی۔ ماں نے بیٹے کی طرف دیکھا تو اس نے بھی اطمینان سے گردن ہلائی تھی۔ یعنی یہاں بات بن سکتی تھی۔ ایسی کمزور فیملی سے لڑکی لانے کے فائدے بے شمار اور نقصان نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔

"آپ کی بیٹی کوئی سرکاری نوکری کرتی ہے' کب

تک آجاتی ہے وہ؟" اس عورت نے دہی بھلے پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں! بس بچی کو شوق تھا۔ گھر میں فارغ تھی تو.....! مگر آپ فکر مت کریں۔ وہ شادی سے پہلے چھوڑ دے گی۔"

رشیدہ نے سمجھا کہ یہ لوگ بھی نور کی نوکری کی وجہ سے ہچکچاہٹ کا شکار ہیں۔

"ارے نہیں بہن! نوکری کیوں چھوڑے وہ' اچھی بات ہے۔ سرکاری نوکری ملنا کون سی آسان بات ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں کیوں بیٹا!"

اس عورت نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ جو نوکری چھوڑنے کا سن کر سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔ دوبارہ پرسکون ہو کر صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

رشیدہ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا تھا۔ انہیں اپنے خواب کی تعبیر قریب نظر آرہی تھی۔ "میری نور کے نصیب کا دروازہ کھلنے والا ہے۔"

رشیدہ نے دل میں اپنے رب کا شکر ادا کیا تھا۔ وہ مہمانوں کے لیے گرم گرم چائے لے کر آئیں اور انہیں پیش کرنے لگیں۔ ابھی وہ چائے پی رہے تھے۔ جب رشیدہ نے بیرونی دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنی۔

"نور آگئی ہے۔ ماشاء اللہ بہت نیک اور ایماندار ہے میری بچی! اس لیے تو آج تک نہ کوئی غلط کام کیا ہے اور نہ کسی سے رشوت لی ہے۔"

رشیدہ نور کی تعریفوں میں مگن تھیں۔ جب چھوٹے سے ڈرائنگ روم کے دروازے پر پڑے پردے کو ہٹا کر وہ اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم.....!"

نور نے پراعتماد انداز میں کہا۔

"وعلیکم انس.....!"

لڑکے کی ماں نے پرجوش انداز میں کہتے ہوئے' جیسے ہی نظر اس پر ڈالی' آدھا سلام ہی بھول گئی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔ اسی وقت لڑکے کی بھی اس پر نظر پڑی اور چائے کا گھونٹ بھرا۔

جو فوراً" ہی باہر کی طرف آیا چائے نے اس کے صاف کپڑوں کو داغ دار کردیا تھا۔ اس سے بے پروا' وہ بس کھانس رہا تھا۔ اسے بہت زور کا اچھو لگا تھا۔

"آؤ نور بیٹی! یہ لوگ تمہارا ہی انتظار کررہے تھے۔ یہ سب جانتے ہیں اور انہیں تمہاری نوکری کرنے پر بھی اعتراض نہیں ہے۔"

نور جو اپنے مخصوص "لیڈی پولیس" کے یونیفارم میں ملبوس تھی۔ ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"بہن آپ نے بتایا ہی نہیں تھا کہ نور بیٹی' لیڈی پولیس میں ہے۔"

اس عورت نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ لڑکا بھی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ مونچھوں کو بل دینے کے بجائے' وہ یہاں سے اٹھنے کا سوچ رہا تھا۔

"امی مجھے ایک جگہ بہت ضروری کام سے جانا ہے۔ جلدی چلیں۔" اچانک وہ لڑکا اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور ماں اور بہنوں کو اشارہ کرتا ہوا' کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے وہ عورت بھی کھسیانی ہنسی چہرے پر سجائے' اتنی تیزی سے گئی' جیسے نور کی شکل میں بھوت دیکھ لیا ہو۔

"شکر ہے بچت ہوگئی!" لڑکے نے گاڑی تیزی سے بھگاتے ہوئے ماں سے کہا تھا' اس نے بھی اثبات میں سرہلایا تھا۔

جبکہ چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں افسردگی سے سر جھکائے بیٹھی رشیدہ کو افسردگی سے نور نے دیکھا تھا۔ کبھی کبھی اسے اپنی معصوم ماں کی سادگی پر بہت ترس آتا تھا۔ جسے لوگ آسانی کے ساتھ' اپنے مفاد کے لیے استعمال کرلیتے ہیں۔ نور نے ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"امی! بہت بھوک لگی ہے!"

"تم اپنی وردی بدل کر آؤ۔ میں روٹی بناتی ہوں۔"

رشیدہ نے خفگی بھرے انداز میں کہا اور وہاں سے اٹھ گئیں۔ نور جانتی تھی کہ وہ اس کی نوکری نہ چھوڑنے اور اس کی وجہ سے رشتہ نہ ہونے کی ذمہ دار اس کو سمجھ

کر ناراض تھیں۔ نور گہری سانس لے کر رہ گئی۔ کبھی کبھی اپنوں کو سمجھانا اور سمجھنا' دونوں ہی مشکل ہو جاتا ہے اور اسی مشکل سے وہ گزر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بھئی اسد میاں! میں نے سوچا ہے کہ اب بہت ہو گیا۔ وہ نالائق میرے کسی خواب' کسی امید کو کبھی پورا نہیں کرے گا۔ اس لیے جیسے ہی وہ نوکری پر لگے گا میں اسے گھوڑی چڑھا دوں گا۔ کم از کم اس کے سہرے کے پھول کھلتے تو دیکھ سکوں گا۔"

خالد احمد نے گرم چائے میں کیک رس ڈبوتے ہوئے پاس بیٹھے اسد سے کہا تھا۔ جو ان کی باتوں پر مسکرا کر رہ گیا تھا۔

مین مارکیٹ میں اسد کی اپنی کپڑے کی دکان تھی۔ اس کی دکان میں خواتین کا رش لگا رہتا تھا۔ وہ بہت اچھا کما رہا تھا اور گھر کو مکمل سپورٹ کر رہا تھا۔ خالد احمد نے محکمہ ایجوکیشن میں اچھی پوسٹ پر کام کیا تھا۔ اسد کو پڑھنے سے زیادہ کاروبار کرنے میں دلچسپی تھی۔ اس لیے بی۔ اے کے بعد اس نے کام شروع کر دیا تھا۔ جس میں دن دگنی' رات چوگنی ترقی ہوئی' اس کی شادی پھپھو کی بیٹی مہ ناز سے بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ تب عاشر ایف۔ ایس۔ سی کر رہا تھا۔ پڑھنے میں تیز مگر بہت شرارتی۔ ہر وقت گھر میں ادھم مچانے والا۔ اسد کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑا ٹیپو' پھر پانچ سالہ نوی اور سب سے چھوٹی تین سالہ کرن تھی۔ عاشر ایم۔ بی۔ اے کرنے کے بعد مختلف اداروں میں نوکری کے لیے کوشش کرتا رہتا تھا۔ مگر اسے ابھی تک اپنی من پسند جاب نہیں ملی تھی۔ کچھ وہ جاب کے لیے ابھی سنجیدہ بھی نہیں تھا۔ گھر بھر کا لاڈلا ہونے کی وجہ سے اس کی فطرت میں لاپروائی بہت تھی۔

"ابا جی! آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ کرے گا نوکری بھی۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟" اسد نے محبت سے بھائی کی سائیڈ لی تھی۔

"یہ بھی خوب کہا تم نے! چھبیس سال کا ہو گیا ہے۔ ابھی بھی بچہ بنا پھرتا ہے۔ سمجھا لو اسے! نہیں تو جس دن مجھے غصہ آ گیا تو اس کی خیر نہیں۔"

خالد احمد نے چائے کا کپ خالی کر کے زور سے میز پر رکھا تھا۔ اسد نے ان کا موڈ خراب دیکھا تو فوراً" آگے ہو کر ان کے کندھے دبانے لگا۔ اور اپنی دکان کا قصہ چھیڑ دیا۔ اس کا یہ طریقہ کامیاب رہا۔ ان کی توجہ ہٹ گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد عاشر وسلنگ کرتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا مگر سامنے بیٹھے ابا اور بھائی کو دیکھ کر فوراً" چپ ہو گیا۔ ابا کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے سلام کیا۔ اسد نے جواب دیتے ہوئے' اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ وہ سمجھتے ہوئے وہاں سے کھسکنے والا تھا۔ جب انہوں نے اسے آواز دے کر روک لیا اور اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عاشر گہری سانس لے کر رہ گیا۔ آج کا دن ہی بھاری تھا اس پہ۔ پہلے جوجی کا کیا انکشاف دوسری طرف ابا کے خطرناک تیور۔ وہ باپ کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"برخوردار کیا سوچا تم نے!" خالد احمد نے اپنے لہجے کو سخت بناتے ہوئے کہا۔

"کس بارے میں؟" عاشر نے معصوم بن کر پوچھا۔

"دیکھ رہے ہو تم! اس کی ان ہی باتوں کی وجہ سے مجھے غصہ آتا ہے۔ باپ کو بے وقوف سمجھتا ہے۔"

ابا کا پارہ ہائی ہوتے دیکھ کر عاشر فوراً" آگے بڑھا اور ان کے پاس بیٹھ کر ان کا دوسرا کندھا دباتے ہوئے بولا۔

"ابا آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں۔ میں سمجھا شاید آپ اس ڈرامے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ جس کی کچھ قسطیں آپ سے مس ہو گئی تھیں۔ یہ دیکھیں میں اپنے موبائل میں ڈاؤن لوڈ کر کے لایا ہوں۔" عاشر نے جلدی سے ان کے پسندیدہ ڈرامے کا حوالہ دیا۔ تو ابا بھی فوراً" اس کے ہاتھ میں پکڑے موبائل کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کام تو تم نے اچھا کیا ہے مگر اسکرین کچھ چھوٹی ہے۔ ڈرامہ دیکھنے کا مزا نہیں آ رہا۔ مگر چلو کچھ بھی نہ

ہونے سے تو بہتر ہے۔"

ابا نے کہتے ہوئے' اس کے ہاتھ سے موبائل پکڑ لیا۔ عاشر نے چالاکی سے یوٹیوب پر ابا کو ڈرامہ لگا دیا تھا۔ اور ظاہر یہ کیا تھا کہ خاص طور پر ڈاؤن لوڈ کر کے لایا ہوں۔

"ابا! ایسا کرتا ہوں کہ آپ کو ٹیب پر ڈرامہ لگا دیتا ہوں۔ دیکھنے میں آسانی ہوگی۔"

عاشر نے جلدی سے کہا۔ کیونکہ جب تک ابا ڈرامہ دیکھتے رہتے۔ فون بھی ان کے پاس رہتا اور عاشر فون کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ عاشر اپنے کمرے میں گیا اور ابا کو ٹیب پر ڈرامہ لگا کر دے دیا۔ عاشر ابا کو مصروف دیکھ کر وہاں سے جانے لگا تھا۔

"یہ سب کچھ اپنی جگہ برخوردار' مگر تم نے جلدی نوکری نہیں ڈھونڈی تو میں نے تمہاری شادی بلو بادشاہ کی اکلوتی بیٹی سے کردینی ہے۔ وہ کئی بار باتوں ہی باتوں میں مجھے کہہ چکے ہیں۔ ان کے پاس اتنا پیسا ہے کہ داماد کو خود ہی پال لیں گے۔ بس انہیں لڑکا چاہیے اپنی بیٹی کے لیے' سمجھ رہے ہو نا.....!"

ابا نے بم دھماکا کرتے ہوئے کہا تھا۔ عاشر نے جھٹکے سے مڑ کر دیکھا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ چکا تھا۔ اسد اپنی ہنسی روکنے کے لیے سر جھکا کر رہ گیا۔ عاشر کی آنکھوں کے آگے بلو بادشاہ کی فیملی کا نقشہ گھومنے لگا۔ بلو بادشاہ کا یہاں ڈیری فارم تھا۔ قریبی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ خالص غذائیں اور کچھ قدرتی جسامت ایسی تھی کہ ان کے سامنے عاشر خود کو چوہا سمجھتا تھا۔ اور انہیں ہاتھی! ان کی اکلوتی بیٹی بھی اپنے بے تحاشا موٹاپے کی وجہ سے' ابھی تک ماں باپ کے گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ ابا کا دماغ کیا سوچ رہا تھا؟ یہ سوچ کر عاشر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

"میں ایک مہینے کے اندر نوکری ڈھونڈ لوں گا۔" بے ساختہ عاشر کے منہ سے نکلا تھا۔

"یہ تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔" ابا نے اسکرین پر سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ عاشر کے وہاں سے جانے کے بعد اسد اور ابا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اور بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔ ان کا یہ حربہ کامیاب رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اوہو امی! آپ کیوں اتنی ٹینشن لیتی ہیں' ہو جائے گی نور کی شادی بھی' اپنا حال دیکھیں بیمار ہو گئی ہیں۔"

رشیدہ آج صبح سے ہی سنبل کے گھر آئی ہوئی تھیں۔ ان کو اداس دیکھ کر سنبل پریشان ہو گئی تھی۔ اس لیے ماں کو سمجھا رہی تھی۔ عبداللہ بھی نانی کو دیکھ کر بہت خوش تھا۔

"بس میرا دل کرتا ہے کہ میری نور جلدی سے اپنے گھر کی ہو جائے۔ مجھے کیا پتا تھا کہ اس کی یہ نوکری اتنا بڑا مسئلہ بن جائے گی۔ میں اسے کبھی یہ کام نہیں کرنے دیتی۔" رشیدہ نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

"اچھا خیر چھوڑو ان باتوں کو! تم اپنا خاص خیال رکھو۔ میں نے تو کہا تھا کہ میرے پاس آجاؤ۔ مگر تمہیں نبیل میاں کی فکر ہے کہ انہیں کھانے پینے میں تنگی ہوگی۔ تمہاری سسرال بھی دوسرے شہر ہے۔ ان کی طرف سے بھی کوئی آسرا نہیں ہے۔ میرے حساب سے دو مہینے رہتے ہیں۔" رشیدہ نے حساب لگاتے ہوئے کہا تو سنبل سر ہلا کر رہ گئی۔ ننھے مہمان کے آنے میں زیادہ وقت نہیں رہا تھا۔ اس لیے سنبل گھر سے باہر نکلنے سے کتراتی تھی۔ رشیدہ ہی آکر اس سے مل جاتی تھیں۔

"اچھا میں اب چلتی ہوں!" رشیدہ نے چادر اوڑھتے ہوئے کہا۔

"ٹھہریں امی! میں گلی میں کھڑے گارڈ سے کہہ کر رکشا منگوا دیتی ہوں۔ آپ کہاں اتنی دور چل کر جائیں گی۔" سنبل نے فکرمندی سے کہا۔

"نہیں بیٹی! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں باہر نکلتے ہی رکشا مل جاتا ہے۔" رشیدہ نے عبداللہ کو پیار کیا اور سنبل کو ہدایتیں دیتی ہوئی گھر سے نکل آئیں۔ مگر کافی دور چلنے کے باوجود انہیں کوئی رکشا نہیں ملا۔

رشیدہ اپنے دھیان میں چلی جارہی تھیں جب انہیں ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل گر گئیں۔ پاس کھڑے بچے ہنسنے لگ گئے۔ اسی وقت جوجی کے گھر سے واپس آتے عاشر نے انہیں گرتے دیکھ لیا۔ اور فوراً" بائیک روک کر انہیں سڑک سے اٹھایا۔ بچوں کو ڈانٹ کر بھگایا۔

"ماں جی! آپ ٹھیک تو ہیں۔ زیادہ چوٹ تو نہیں لگی۔" عاشر نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ہاں بیٹا میں ٹھیک ہوں۔ بس مجھے رکشا لے دو۔ مجھ سے مزید نہیں چلا جارہا۔" سڑک پر گرنے کی وجہ سے رشیدہ کے گھٹنے اور ہتھیلیوں پر خراشیں آئی تھیں اور انہیں درد بھی ہو رہا تھا۔

"ماں جی! آپ میرے ساتھ آئیں۔ میں آپ کو گھر چھوڑ دوں گا۔ پہلے ٹیٹنس کا انجکشن لگوانا ضروری ہے۔" عاشر نے ان کی زخمی ہتھیلیاں دیکھ لی تھیں۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی بائیک تک لایا۔

"آپ بائیک پر بیٹھ جائیں گی؟" عاشر نے رشیدہ سے پوچھا تو وہ اثبات میں سرہلا کر رہ گئیں۔ عاشر انہیں پہلے قریبی کلینک لے کر گیا۔ انہیں انجکشن لگانے کے ساتھ ڈاکٹر نے ماتھے پر آئی خراش پر سنی پلاسٹ لگادیا۔ پھر عاشر رشیدہ کے بتائے' پتے پر گھر تک چھوڑنے گیا۔ وہ گھر پہنچیں تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ نور بے تابی سے ماں کا انتظار کررہی تھی۔ سنبل کے مطابق انہیں وہاں سے نکلے ہوئے دو گھنٹے ہوچکے تھے' وہ دونوں پریشان تھیں کہ رشیدہ ابھی تک گھر کیوں نہیں پہنچیں۔ گھر کے آگے بائیک رکتے دیکھ کر نور فوراً" آگے بڑھی۔

"امی کیا ہوا آپ کو۔ یہ چوٹ کیسے لگی؟" نور نے ماں کا ہاتھ تھام کر فکرمندی سے پوچھا۔ عاشر اسے دیکھ کر چونکا۔ اس کی قسمت بار بار اسے اس حسینہ کے در پر لارہی تھی۔

"کچھ نہیں بیٹی' بس سڑک پر گر گئی تھی۔ اس نیک بچے نے بہت مدد کی۔ اللہ اسے جزا دے۔ آؤ بیٹا! اندر آؤ۔ چائے پلائے بغیر نہیں جانے دوں گی۔"

رشیدہ نے محبت سے کہا تو عاشر سرجھکا کر گھر کے اندر داخل ہوا۔ نور نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے ڈرائنگ میں بیٹھا کر چائے بنانے چلی گئی۔ تب تک عاشر سے رشیدہ انٹرویو لیتی رہیں اور یہ جان کر کہ وہ کنوارہ ہے۔ انہیں بہت خوشی ہوئی۔

"کاش! اتنا نیک اور شاندار لڑکا' میری بیٹی کا نصیب بن جائے۔" رشیدہ نے اس کے وجیہہ چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ ہر اچھا اور نیک لڑکا' انہیں اپنی بیٹی کے لیے پسند آجاتا تھا۔ نور چائے کی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئی۔ عاشر نے اس کے سنجیدہ چہرے پر نظر ڈالی۔ اس کی آنکھیں روئی روئی سی تھیں۔ اس لیے آنکھیں اور ناک ہلکی گلابی ہو رہی تھیں۔ عاشر کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔ جس لڑکی کے پیچھے وہ پچھلے دو مہینوں سے خوار ہو رہا تھا۔ وہ آج اس کے روبرو تھی۔ سرپر ڈوپٹا لیے وہ سنجیدگی سے سرجھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ عاشر بظاہر رشیدہ سے باتیں کررہا تھا مگر اس کی پرشوق نظریں مسلسل اس کے چہرے کا طواف کررہی تھیں۔ نور کو اس کی نظروں کا احساس ہوا تھا۔ اس لیے سراٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ عاشر مسکرایا' نور نے خفگی سے اسے گھورا۔ اسے کچھ یاد آیا تھا۔

"بیٹا! دوبارہ ضرور آنا۔ میں انتظار کروں گی۔" رشیدہ نے عاشر کو اٹھتے ہوئے دیکھا تو زور دے کر کہا۔

"جی ضرور آنٹی!" عاشر نے سرجھکایا تو رشیدہ نے اس کے سرپر ہاتھ پھیرکر دعا دی تھی۔

"ایکسکیوزمی مسٹر....."

"عاشر کہتے ہیں!" عاشر دروازے کے پاس پہنچ گیا تھا۔ جب نور نے اسے پکارا۔ اور وہ شوخی سے پلٹتے ہوئے بولا تھا۔

"جو بھی کہتے ہوں — یہ لیجیے آپ کے پیسے' آپ امی کو ڈاکٹر کے یہاں لے کر گئے جو میڈیسن اور انجکشن لیے ہیں۔ ان کے پیسے ہیں۔ دیکھ لیں اگر کم ہیں تو میں اور دے دیتی ہوں۔" نور نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔ عاشر نے لینے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا اور خاموشی سے اسے

دیکھتا رہا۔ نور نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"محترمہ آپ نے میری خدمات خریدی نہیں تھیں۔ اس لیے برائے مہربانی اگر آپ کسی کے خلوص قدر نہیں کر سکتیں تو آپ کو یہ حق بھی نہیں ہے کہ آپ اس کی تذلیل کریں۔" عاشر نے ناگواری سے کہا۔ تو نور نے شرمندہ ہو کر ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"میرا مقصد یہ نہیں تھا! میں شرمندہ ہوں۔" نور نے آہستگی سے کہا تو اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر عاشر مسکرا دیا۔

"کوئی بات نہیں معاف کیا۔" عاشر نے فراخدلانہ انداز میں کہا۔

"معافی کس نے مانگی ہے؟" نور نے اسے گھورا تھا۔

"میں سمجھا کہ شاید...!" عاشر نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے شرارت سے کہا۔ نور "اونہہ" کہہ کر رہ گئی۔ عاشر مسکراتا ہوا چلا گیا۔ دروازہ بند کرتے ہوئے، نور پلٹی تو اس کے روشن چہرے پر نرم مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"مہ ناز بھابھی! آپ نے بازار نہیں جانا، میں آج فارغ ہوں اگر کہیں گی تو فوراً" لے جاؤں گا۔" عاشر نے ٹیپو کی کنگھی کرتی مہ ناز بھابھی سے کہا تو وہ مصروف سے انداز میں بولیں۔

"نہیں! ٹیپو کے ابا کل لے گئے تھے۔"

"ایک تو ہمارے خاندانی روایت ہے شوہر کو اصل نام سے پکارنے کے بجائے فلاح کے ابا، اس کے ابا، اس کے ابا کے حوالے سے پکارا جاتا ہے، حد ہے بھئی۔" عاشر نے چڑ کر کہا تھا۔ مہ ناز بھابھی نے اسے گھورا تھا۔

"تم اپنی والی کو کہنا کہ یہ روایت نہ نبھائے، ویسے تمہارے آنے کا مقصد پوچھ سکتی ہوں۔" مہ ناز بھابھی نے ٹیپو کو وہاں سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ عاشر کھسیانی ہنسی ہنس پڑا۔

"میں تو ویسے ہی...!"

"رہنے دو بھائی! تمہیں میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں! ویسے میں اور امی تمہاری منتیں کرتے رہ جائیں مگر تم کبھی بازار لے جانے کی حامی نہیں بھرتے۔ اور اب بغیر کہے، اتنی فرمانبرداری کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ صحیح بتاؤ! اصل بات کیا ہے؟" مہ ناز بھابھی نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا تو عاشر دل میں ان کی ذہانت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

"وہ مہ ناز بھابھی! بات یہ ہے کہ۔" عاشر نے آہستہ آواز میں انہیں ساری بات بتادی۔ مہ ناز بھابھی لیڈی پولیس کا سن کر اچھل ہی پڑیں۔

"ارے بھائی! کہاں دل لگا لیا ہے؟ یہ تو اتنا بدنام شعبہ ہے اور پھر ایک لڑکی کا ایسی جاب کرنا... تم اچھی طرح سوچ سمجھ لو، یہ نا ہو کہ کل کو تمہیں بھی بہت سے مسئلے مسائل کا سامنا کرنے پڑے۔" مہ ناز بھابھی نے فکرمندی سے کہا تھا۔

"بھابھی میں نے اچھی طرح سوچا ہے۔ سچ بتاؤں تو اس کی یہ نوکری پسند تو مجھے بھی نہیں ہے مگر میں شادی کے بعد اسے کہوں گا کہ یہ کام چھوڑ دے۔" عاشر نے چٹکی بجاتے ہوئے حل بتایا تھا۔

"ہاں جیسے وہ تمہاری بات ضرور مانے گی!" مہ ناز بھابھی نے مذاق اڑایا تھا۔

"ہوں نہیں مانے گی، اسے ماننا پڑے گی۔" عاشر نے تنک کر کہا تو مہ ناز بھابھی اسے کچھ دیر دیکھتی رہ گئیں۔

"تم محبت کر رہے ہو یا سودے بازی؟ اگر محبت ہے تو پھر تم اسے ویسے ہی قبول کرو جیسی وہ ہے" کوئی کام یا پیشہ برا نہیں ہوتا عاشر! اسے برا یا اچھا بنانے والے ہم لوگ ہوتے ہیں، اگر تم ہی اس بات کو نہیں سمجھوگے تو دنیا کے سامنے اپنا مقدمہ کیسے لڑو گے، ابھی بھی وقت ہے سوچ لو۔ میں تمہارے ہر فیصلے میں ساتھ کھڑی ہوں۔ تم مجھے میرے ٹیپو کی طرح عزیز ہو۔" مہ ناز بھابھی نے نرمی سے کہا تو عاشر کسی گہری سوچ میں سر ہلا کر رہ گیا۔ مہ ناز بھابھی وہاں سے اٹھ کر جانے

لگیں۔ جب عاشر نے انہیں پکارا تھا۔

"آپ میرے ساتھ 'اس کے گھر چلیں گی!" مہ ناز بھابھی نے حیرت سے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں یقین بول رہا تھا۔ انہوں نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں پتا ہے آج عاشر بیٹا' اپنی بھابھی کے ساتھ آیا تھا۔ میرا حال پوچھنے' یہ سب کچھ وہ ہی لائے ہیں۔" رشیدہ نے بچوں کی سی خوشی سے کہا۔ نور نے ایک نظر میز پر رکھے فروٹس کے تھیلوں پر ڈالی تھی۔ وہ ابھی تھکی ہاری لوٹی تھی۔

"ویسے بہت اچھے لوگ ہیں!" سنبل نے بھی لقمہ دیا تھا۔ اس کی ڈلیوری میں تھوڑے دن ہی رہ گئے تھے۔ اس لیے وہ ماں کے پاس رہنے کے لیے آگئی تھی۔ نبیل ان دنوں آفس کے کام سے اسلام آباد گیا ہوا تھا۔

"دنیا اچھے لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔" نور نے عبداللہ کو پیار کرتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا تھا۔

"ویسے مجھے اب اچھے لوگوں کا مقصد کچھ اور ہی لگ رہا ہے۔ تمہیں یاد ہے وہ واقعہ جب غلطی سے ایک لڑکے پر ہم نے اغوا کا شک کیا تھا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ لڑکا بے چارہ اپنے دوست کی پہلی نظر کی محبت کو تلاش کر رہا تھا۔ جو ایسے ایک بار عبداللہ کے ساتھ' پتنگ لوٹتے ہوئی ملی تھی۔ وہ جوجی' عاشر کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اور جس لڑکی کو ڈھونڈ رہے تھے وہ تم ہو میری بہن.....!"

رشیدہ اٹھ کر کچن میں گئی تو سنبل نے مزے لے کر اسے ساری بات بتائی۔ ایک لمحے کے لیے نور کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ مگر وہ عام سے لہجے میں بولی۔

"اور اس لڑکی کے "کام" کے بارے میں جان کر وہ بھی "غائب" ہو جائیں گے۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی' اس در کے چکر لگا رہے ہیں۔" سنبل نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

"تم بھی نا! کہانی بنانے میں ماہر ہو! ایسا کچھ نہیں ہے۔" نور نے آنکھیں چراتے ہوئے کہا اور فریش ہونے کے لیے اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔ سنبل نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

سنبل اور رشیدہ کے سامنے خود کو مضبوط اور بے پروا ظاہر کرنے والی نور' رات کے آخری پہر مدھم روشنی میں اپنے ماضی کے ورق پلٹ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی مگر لبوں پر خاموشی کا پہرا تھا۔ اسے آج بھی یاد ہے کہ باپ نے کس طرح ان دونوں بہنوں کو شہزادیوں کی طرح پالا تھا۔ بے تحاشا پیار دیا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد' وہ کچھ ایسے بے سائبان ہو گئے تھے کہ اپنے پرایوں کی تیز زبانوں' چبھتی نظروں کے تیر ان کے جسموں کو زخمی کرنے لگے تھے۔ رشیدہ مزاج کی سیدھی سادھی عورت' حالات کی سختی سے گھبرا کر رہ گئی تھیں۔ بے سہارا عورت کو اکیلا دیکھ کر شوہر کے چچا زاد بھائیوں نے دکانوں پر قبضہ کر لیا۔ رشیدہ اپنی اور اپنی جوان ہوتی بچیوں کی عزت سنبھالتیں یا ایسے لوگوں سے لڑائیاں لیتیں۔ اس لیے وہ خاموشی سے اس چھوٹے سے مکان میں اپنی بچیوں کو چھپا کر بیٹھ گئیں۔ نور کو آج بھی اچھی طرح یاد کہ ابا کے مرنے کے بعد ملنے والی رقم اور پینشن سے کس مشکل سے گزارا ہوتا تھا۔ رشیدہ ہر وقت جوڑ توڑ کرتی رہتی تھیں۔ سنبل نے ان حالات میں ٹیوشن پڑھانا شروع کر دی۔ اس نے اپنی تعلیم اور گھر کا خرچا ساتھ ساتھ اٹھایا۔ اس کی دیکھا دیکھی نور نے بھی بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ اور ماں پر بوجھ بننے کے بجائے اپنے تعلیمی اخراجات خود اٹھا لیے۔

ان کے پاس نہ تو اچھا کھانے کے لیے ہوتا تھا اور نہ اچھا پہنانے کے لیے اس لیے وہ خاندان بھر سے کٹ کر رہ گئی تھیں۔ رشیدہ آئے روز اپنے سسرال میں جاتیں اور دکانوں کا قبضہ چھڑوانے کے لیے منتیں

کرتیں۔ اگر انہیں دکانیں مل جاتیں تو ان کے حالات اور بچیوں کی شادی بہت آرام سے ہو سکتی تھی۔ مگر سسرال میں موجود اس کی ساس اور جٹھانی کہتیں کہ ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تمہارا جیٹھ کویت سے آئیں گے تو ہی کچھ کریں گے۔ ویسے بھی تم عورت ہو کر دکانوں کو کیسے چلاؤ گی۔ اچھا ہے کہ وہ دیکھ بھال کر رہے ہیں اور تھوڑا بہت تمہارے ہاتھ پر رکھ بھی دیتے ہیں۔

رشیدہ نے انہیں بہت بار یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ تھوڑا بہت اکثر کئی مہینے نہیں ملتا ہے۔ مگر وہ مجبور عورت ہر در کا دروازہ بجا کر 'مایوس لوٹ آتی تھیں۔

سنبل اور نور جوان ہوئیں تو رشیدہ کو اور پریشانیوں نے گھیر لیا۔ وہ کالج جاتیں تو رشیدہ ان کے آنے تک بے چین رہتیں۔ بے سہارا اور خوب صورت لڑکیوں کو سب اپنے لیے بہت آسان ہدف سمجھتے ہیں۔ یہ تو شکر تھا کہ محلے میں رشیدہ کی بہت عزت تھی۔ لوگ بیوہ عورت سمجھ کر بہت خیال بھی رکھتے تھے۔ مگر جوان بچیوں کی حفاظت کرنا ان کے لیے آسان نہیں تھا۔ نور کو یاد ہے کہ ایک اوباش لڑکا سنبل کے پیچھے پڑ گیا تھا کہ اسے ڈر کر کالج کا آخری سال چھوڑنا پڑا اور اس نے پرائیویٹ بی اے کا امتحان دیا۔ سنبل نے نور کو یہ بات ماں کو بتانے سے منع کیا تھا کہ وہ پہلے ہی اتنی پریشان رہتی ہیں۔ سنبل اور نور کو قدم قدم پر باپ اور بھائی کی کمی شدت سے محسوس ہوتی تھی۔ ایک مضبوط سہارے کے بغیر عورت کا معاشرے میں رہنا بہت مشکل تھا۔ یہ مشکل وہ تینوں ہی برداشت کر رہی تھیں۔

دو سال سنبل گھر پر بیٹھی رہی۔ اس نے ایم اے اردو کے امتحان بھی پرائیویٹ دیے۔ اس دوران ہی اللہ کے کرم سے ایک میلاد میں نبیل کی ماں کو سنبل پسند آگئی۔ نبیل کی ماں پہلے ہی بہوؤں کے معاملے میں پر باش اور رچی ہوئی تھیں۔ اس لیے انہوں نے جہیز یا اس سے متعلق کوئی ڈیمانڈ نہیں کی تھی۔ شریف اور نیک سیرت لڑکی چاہیے تھی۔ اس لیے وہ شبنم کے توسط سے رشتہ لے کر ان کے گھر چلی آئیں اور رشیدہ کے حالات جان کر بہت دکھی ہوئیں۔ مگر وہ اپنے وعدے کے مطابق بہت عزت اور شان سے سنبل کو بیاہ کر لے گئیں کہ سارے خاندان والے حسد کا شکار ہو گئے۔

نور فطرتاً" بہت حساس اور مضبوط لڑکی تھی۔ اس نے معاشرے میں سر اٹھا کر جینے کے لیے 'پولیس لائن کو جوائن کر لیا۔ حالانکہ وہ کوئی بہت بڑے عہدے پر نہیں تھی مگر اس کی وردی بڑوں بڑوں کے منہ بند کروا دیتی تھی۔ اب اس کی خوب صورتی کو دیکھ کر آوازیں کسنے 'سیٹی بجانے والے' 'پیچھا کرنے والے' اس کی یونیفارم سے بدک کر پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ اس نے ایک واضح فرق آتے دیکھا تھا۔ وہ بہت سے معاملات میں اپنی اس طاقت کو استعمال کر کے دیکھ چکی تھی۔ اس کے محکمہ پولیس میں بنائے تعلقات سے' بہت سے کام وہ با آسانی کروا لیتی تھی۔ مگر اس سب کے باوجود وہ کبھی ناجائز کام نہیں کرتی یا کرواتی تھی۔ اسی کی وجہ سے وہ سالوں سے قابض لوگوں سے اپنے باپ کی دکانیں چھڑوا پائی تھیں۔ آج ان دکانوں کے ملنے والے کرائے اور اس کی نوکری کی وجہ سے ان کے حالات بہت بہتر ہو چکے تھے۔ اچھا کھانے اور پہننے کو میسر تھا۔

مگر ہر چیز کی کچھ نہ کچھ قیمت ضرور ادا کرنی پڑتی ہے۔ جہاں نور کو بہت کچھ ملا تھا' وہاں اسے بہت کچھ کھونا بھی پڑا تھا۔ لوگوں کی عجیب باتیں شک بھری نگاہیں 'سامنے ڈرنا مگر پیچھے برا بھلا کہنا۔ اس محکمے کی ہر برائی کو اس کی ذات سے منسوب کرنا۔ نور اکثر سوچتی تھی کہ ہم کتنے آرام سے پولیس محکمے کو برا کہہ دیتے ہیں مگر خود معاشرے میں چھپتی برائیوں اور رویوں کو نہیں دیکھتے ہیں۔

ایک محکمہ کیسے اچھا یا برا ہو سکتا ہے' یہ سب وہاں کام کرنے والے افراد پر ہے جیسے ایک معاشرہ اچھا یا برا' وہاں کے رہنے والے لوگوں کی وجہ سے بنتا

ہے۔ بات صرف سوچنے اور سمجھنے کی ہے۔ اپنی اس دو سالہ ملازمت کے دوران اس نے اچھے برے چہرے اپنے محکمے میں دیکھے۔ جائز' ناجائز کی دوڑ دھوکا' رشوت 'بے ایمانی' سب کچھ اس کے سامنے ہوا' مگر اس نے اپنے جیسے ایمان دار اور راہ مستقیم پر چلنے والے بھی بے شمار لوگ دیکھے تھے۔

لیڈی پولیس کا تمغہ اس کی ڈھال بھی تھا اور اس کی خامی بھی بن گیا تھا۔ سب اس کی عزت نہیں کرتے تھے۔ اس سے دور بھاگتے تھے۔ اس کی "یونیفارم" سے خوف زدہ رہتے تھے۔ اس سے بہت سی کہانیاں منسوب کردیتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رشیدہ کی یہ خواہش کہ اس کی شادی کسی بہت اچھی جگہ کردیں' شدت پکڑنے لگی تھی۔ نور کو اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔ اس کے حالات جیسے بھی رہے ہوں مگر اس کا دل بھی عام لڑکی کی طرح ہی ایسے ہر خواب پر زور سے دھڑکتا تھا۔ اسی چاہ میں مبتلا تھا۔ مگر لوگوں کے عجیب و غریب رویے اسے اذیت میں مبتلا کرنے لگے تھے۔ کچھ لوگ اس کی طرف بڑھے تھے' مگر وہ سب کسی نہ کسی غرض کے کشکول اٹھائے ہوئے تھے۔ نور کو ایسے شخص کی تلاش تھی جو اس سے بھلے محبت نہ کرے مگر اسے وہ عزت اور مقام ضرور دے۔ جو اس کا حق ہے۔

آج سنبل کی باتوں نے اس کے اندر سوئے ہوئے 'خوابوں کو جگا دیا تھا۔ سنبل نہیں جانتی کہ عاشر کو دیکھتے ہی وہ اسے پہچان گئی تھی۔ عاشر اور اس کے دوست سے ہوا اتفاقیہ ٹکراؤ اسے یاد تھا۔ عاشر نے جس طرح رشیدہ کی مدد کی وہ قابل تحسین جذبہ تھا۔ مگر اس کی بولتی آنکھوں میں کچھ اور بھی ضرور تھا جو نور کو نظریں چرانے پر مجبور کردیتا تھا۔ ان کہے لفظوں کی بولتی 'شور مچاتی زبان' اس کے دل کی دھڑکن کو ہر لمحے بڑھا کر نئی دنیا کے خواب دکھا رہی تھی اور وہ خوابوں کی اس دنیا میں جانے سے گھبرا رہی تھی کہ خواب ٹوٹیں تو حقیقت سے زیادہ تکلیف دیتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

عاشر نے' مہ ناز بھابھی کے ساتھ ساتھ اسد بھائی کو بھی اپنا حامی بنا لیا تھا۔ مہ ناز ان کے گھر سے بہت مطمئن اور خوش لوٹی تھیں' نیک' شریف اور سیدھے سے لوگ' رشیدہ کی سادگی بہت اپنائیت لیے ہوئی تھیں۔ سنبل بھی بہت نرم مزاج کی تھی۔ نور کو دیکھنے کی تمنا لیے وہ گھر لوٹ آئی تھی۔ عاشر نے اگلا مرحلہ ماں کو راضی کرنے کا طے کرنا تھا۔ ماں مان جاتیں تو اسے ایک مضبوط ووٹ مل جانا تھا اور عاشر کو یقین تھا کہ وہ سب مل کر ابا کو باآسانی منوالیں گے۔ مگر جب عاشر نے ڈرتے ڈرتے ماں کو اپنے دل کی بات بتائی تو وہ یہ سن کر کہ وہ پولیس میں ہے۔ ہتھے سے ہی اکھڑ گئیں اور سخت غضب ناک ہوگئیں' ساتھ ہی مہ ناز بھابھی اور اسد کی بھی شامت آگئی۔

"غضب خدا کا! میری ناک کے نیچے کیسے کیسے کھیل کھیلے جارہے ہیں۔ خود ہی لڑکی پسند کرلی' بھائی بھابھی کو بھی ساتھ ملالیا۔ ماں باپ کو فالتو سمجھ کر کونے میں ڈال دیا۔ جو لڑکی شادی سے پہلے ایسے فرق ڈال سکتی ہے وہ بعد میں کیا کرے گی۔"

"امی! وہ لوگ ایسے نہیں ہیں' آپ ایک بار ان سے مل کر تو دیکھیں۔" مہ ناز بھابھی نے نرمی سے ساس سے کہا تو وہ اسے غصے سے دیکھنے لگیں۔

"میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی بیٹی سمجھا! کبھی ساس بن کر نہیں دکھایا اور تم نے بھی مجھے دھوکے میں رکھا۔" عالیہ بیگم کے لہجے میں دکھ تھا۔ مہ ناز فوراً" ان کے پاس آئیں۔ اور نرمی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

"خدا کی قسم امی! میں نے بھی دل سے آپ کو اپنی ماں کہا اور تسلیم کیا ہے۔ کبھی آپ کی اور اس گھر کی عزت میں کمی نہیں لائی۔ اگر میں عاشر کے ساتھ گئی تھی تو اسی گھر کی بہتری اور سکون کے لیے' مگر پھر بھی آپ سمجھتی ہیں کہ میں قصور وار ہوں تو آپ مجھے جو دل چاہے سزا دے سکتی ہیں' میں معافی مانگتی ہوں۔" مہ ناز نے کہتے ہوئے ہاتھ جوڑے تو عالیہ بیگم نے فوراً" اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

"ساری غلطی میری ہے مہ ناز بھابھی! آپ کیوں معافی مانگ رہی ہیں۔ میری وجہ سے آج پہلی بار امی آپ سے ناراض ہوئی ہیں۔" عاشر نے شرمندگی سے کہا تو اسد نے اسے حوصلہ دینے کے لیے اس کا کندھا تھپکا تھا۔ اور ماں کے پاس جاکر بیٹھ گیا اور انہیں نرمی سے سمجھانے لگا۔ عالیہ بیگم اس کی بات سن کر نفی میں سر ہلانے لگیں۔ اسی وقت خالد احمد بھی گھر کے اندر داخل ہوئے اور اپنی ہی دھن میں عاشر کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے۔

"یار عاشر! آج کل تم نے مجھے سارے ڈرامے پولیس پر بنے دکھا کر میرے دل میں وہ خواہش پھر سے جگا دی ہے کہ کاش تم پولیس آفیسر ہوتے۔ کیا ڈرامہ تھا "اندھیرا اجالا" "دھواں" اور...!"

خالد احمد نے کہتے ہوئے لطف لیا تھا اور ان کے درمیان آکر اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گئے۔

"سمجھ دار جو ہے' اپنے لیے پولیس والی جو پسند کر بیٹھے ہیں۔"

عالیہ بیگم نے بڑبڑاتے ہوئے کہا خالد احمد چونک پڑے۔

"کیا مطلب؟"

ان کے لہجے میں حیرت تھی۔ سب کے چہرے غور سے دیکھتے ہوئے' وہ ٹھٹکے تھے۔ کچھ تھا جو بہت خاص تھا۔

"مطلب اپنے بیٹے سے ہی پوچھیں۔"

عالیہ بیگم نے ناگواری سے کہا تھا' خالد احمد نے اپنی سوالیہ نظریں عاشر پر مرکوز کی تھیں جو سر جھکائے ہوئے کسی سوچ میں گم تھا۔ اس کی مسلسل خاموشی پر اسد گلا کھنکارتے ہوئے باپ سے مخاطب ہوا' اور آہستہ آہستہ کر کے انہیں ساری بات بتانے لگا۔ ساری بات سن کر خالد احمد حیرت اور بے یقینی سے عاشر کی طرف دیکھا تھا۔

"عاشر...!"

"ابا جی! میں جانتا ہوں کہ آپ بھی مجھے ڈانٹیں گے' برا بھلا کہیں گے۔"

عاشر نے دو ٹوک لہجے میں کچھ کہنا چاہا' جب عالیہ بیگم نے اس کی بات کاٹی۔

"ہاں تو تم نے کام ہی ایسا انوکھا کیا ہے۔ غضب خدا کا ہم دنیا والوں کو کیا بتائیں گے کہ ایک پولیس والی سے اپنے بیٹے کا رشتہ کر رہے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ یہ پولیس کتنی بدنام ہے۔"

"اور اماں اگر آپ کا یہ نکما' نالائق' آوارہ بیٹا ابا کی خواہش کے مطابق پولیس میں ہوتا تو... کیا تب بھی آپ دنیا کی باتوں پر یقین کرتیں' صرف لوگوں کی سنتیں' نہیں نا! آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ آپ کے بیٹے میں کتنی خامیاں ہیں۔ اس لحاظ سے تو وہ لڑکی مجھ سے بہت بہتر اور قابل تو ہے جو اپنے ناموافق حالات سے باہمت طریقے سے لڑ رہی ہے۔ اماں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ہم عورت کی مظلومیت کے قصے تو بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں مگر عورت کی جرات اور ہمت کی داد نہیں دیتے ہیں۔" عاشر نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے' سب کے خاموش چہرے دیکھے تھے۔ پھر وہ گہری سانس لیتے ہوئے گویا ہوا۔

"آپ لوگ مجھے اس دنیا میں سب سے زیادہ عزیز اور پیارے ہیں۔ میں آپ سب سے بغاوت تو نہیں کر سکتا' مگر اپنی محبت کا مقدمہ لڑ ضرور سکتا ہوں! آگے میری قسمت اور نصیب!"

عاشر نے افسردگی سے کہا تھا۔

"محبت کا مقدمہ! واہ بیٹا جی۔ ساری زندگی ڈرامے میں نے دیکھے ہیں اور شاندار ڈائیلاگ تم بول رہے ہو۔ کمال ہو گیا اسد کی ماں یہ تو...!"

خالد احمد نے جھومتے ہوئے کہا تھا۔ عاشر کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ طنز کر رہے ہیں یا اسے سراہ رہے ہیں۔ وہ اسی افسردگی کے ساتھ کہنے لگا۔

"اگر آپ لوگ نور کو اس کی اخلاقی یا شخصی خامی کی بنیاد پر رد کرتے تو میں سمجھ بھی سکتا تھا مگر بنا دیکھے صرف اس کے کام کے بارے میں سن کر منع کر دینا' یہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ میں آپ لوگوں سے بغاوت تو نہیں کروں گا مگر پھر میں ساری عمر شادی بھی

نہیں کروں گا۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔" عاشر نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اور وہاں سے چلا گیا۔ پیچھے سب ہی حیرت سے اس کی بات پر سوچتے ہی رہ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"ایک منٹ پلیز۔" عاشر نے عبداللہ کو گود سے نیچے اتارا' تو کمرے کا دروازہ کھول کر نور جلدی سے آگے بڑھی اور اسے روکتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں کہ اس مشکل وقت میں' آپ نے ہمارا ساتھ دیا' مگر۔۔۔" اسی وقت ایک نرس چھوٹی ٹرے ہاتھ میں پکڑے کمرے کے اندر داخل ہونے لگی۔

"میرے خیال سے یہ جگہ مناسب نہیں ہے بات کرنے کے لیے' اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو ہم کیفے میں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔" عاشر نے آس پاس تیزی سے گزرتے لوگوں اور میڈیکل اسٹاف کو دیکھ کر کہا۔ سنبل کے یہاں دو دن پہلے بیٹی ہوئی تھی۔ اس دن عاشر رشیدہ کا حال پوچھنے آیا ہوا تھا۔ جب رشیدہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں اسے ٹیکسی لانے کا کہا۔ عاشر فوراً" ٹیکسی لے آیا۔ رشیدہ درد سے بے حال ہوتی سنبل اور عبداللہ کو ٹیکسی میں بٹھا کر قریبی اسپتال کی طرف روانہ ہوئیں۔ عاشر بھی اپنی بائیک پر ان کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ اس نے اپنی مدد کے لیے جوجی کو بھی فون کر کے بلا لیا تھا۔ پھر نبیل اور اس کے گھر والوں کے آنے تک سب عاشر نے سنبھال لیا تھا۔ جس پر نور اور رشیدہ کے ساتھ ساتھ نبیل بھی بہت مشکور ہوا تھا۔ عبداللہ کو عاشر اکثر اپنے ساتھ بائیک پر بٹھا کر کوئی چیز دلانے لے جاتا تھا۔ اس لیے عبداللہ کو بھی عاشر کا انتظار ہوتا تھا۔

عاشر اور نور خاموشی سے چائے کے کپ سے اٹھتی بھاپ کو دیکھتے' ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس طویل ہوئی خاموشی کو نور کی سنجیدہ آواز نے توڑا تھا۔

"دیکھیے عاشر صاحب! آپ کی نیت کتنی بھی صاف اور اچھی ہو' مگر یہ دنیا صرف ظاہر کو دیکھتی اور مانتی ہے اور دنیا کی نظر سے دیکھا جائے تو آپ کا آئے روز ہمارے گھر کے چکر لگانا' امی سے ملنے آنا' کچھ مناسب نہیں لگتا ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد ہم ماں' بیٹیوں نے ساری زندگی بہت سنبھل سنبھل کر اور پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے ہوئے گزاری ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ کی وجہ سے' ہماری نیک نامی پر کوئی حرف آئے۔ جس سے ہمارے ساتھ ساتھ آپ کو بھی تکلیف پہنچے۔" نور نے اپنی بات ختم کر کے عاشر کے سنجیدہ چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

"میں شرمندہ ہوں' اگر آپ کو میری بات سے تکلیف پہنچی ہو۔ مگر سچ یہ ہی ہے کہ یہ دنیا عورت کے کردار پر سب سے پہلے انگلی اٹھاتی ہے۔" نور نے وضاحت کی تھی۔ عاشر گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"نہیں نور! مجھے آپ کی بات بری نہیں لگی ہے۔ آپ کی امی نے مجھے بیٹا کہا تو مجھے ان کا مان رکھنا اچھا لگتا ہے اور دوسری بات۔۔۔" عاشر نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ نور کا دل زور سے دھڑکا۔ اس کی ہتھیلیاں نم ہو گئی تھیں۔ وہ دوسری بات کے راز سے آگاہ تھی۔ "یہ بھی سچ ہے کہ میں پہلی نظر کی محبت کا شکار ہوا ہوں اور اسی کے پیچھے چلتے چلتے یہاں تک پہنچا ہوں۔ لفظوں سے اظہار اس لیے نہیں کیا کہ میں پوری عزت و تکریم کے ساتھ' اس رشتے کو جائز مقام پر لانا چاہتا ہوں۔ جس کے لیے مجھے اپنے گھر کے محاذ پر بھی لڑنا پڑ رہا ہے۔" عاشر کے کہنے پر نور نے چونک کر دیکھا تھا۔ مگر عاشر نظریں جھکائے بغیر رکے کہہ رہا تھا۔

"آپ جانتی ہیں نور! آپ سے ملنے سے پہلے میں اپنی زندگی کھیل تماشوں' لڑکیوں سے فلرٹ کرنے میں گزار رہا تھا۔ مگر ایسا ہوتا ہے نا کہ کسی فرد کے ملنے سے' زندگی میں آنے سے' خود اپنے آپ سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ تب آپ سفر کرتے ہیں۔ خود کو تلاشنے کا' خود کو سنوارنے کا۔۔۔ محبت کرنا شاید کوئی بڑی بات نہیں ہے' مگر خود کو اس محبت کے قابل بنانا' اسے نبھانا میرے نزدیک بہت بڑی بات ہے۔ میں اپنی محبت کو

"حاصل" کا لیبل لگا کر گھر کے کسی کونے میں نہیں سجانا چاہتا ہوں۔ میں اپنی محبت کی دنیا میں سانس لینا چاہتا ہوں۔ میں محبت کے دن رات میں جینا چاہتا ہوں۔ میں محبت کی دھوپ چھاؤں میں سنورنا چاہتا ہوں۔ محبت کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ عام زندگی میں آپ کتنے بھی قد آور یا کامیاب ہوں' محبت کی دنیا میں آپ کا وجود اس نوزائیدہ بچے یا زمین سے نکلی اس پہلی کونپل کی طرح ہوتا ہے' جس کی نشوونما اور آبیاری محبت اپنی مرضی اور اپنے طریقے سے کرتی ہے۔ ایسا سمجھ لیں کہ محبت اس سخت گیر استاد کی طرح ہے' جس کی مار اور ڈر سے گھبرا کر کچھ بچے اسکول سے بھاگ جاتے ہیں اور جو استاد کی سختی کو جھیل جاتے ہیں وہ زندگی کے میدان میں کبھی کسی سے مار نہیں کھاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے آگ کی بھٹی میں تپ کر مٹی سے بنے برتن مضبوط ہوتے ہیں۔ ان کا کچا پن ختم ہو جاتا ہے۔"

عاشر اپنے جذب کی دنیا میں بہتے ہوئے بول رہا تھا۔ نور تحیر سے آنکھیں پھیلائے اسے سن رہی تھی۔ ارد گرد لوگوں کا شور' آوازیں' سب ساکت ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان کی دنیا صرف ایک دوسرے میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔

"میں نے بھی جب سے اپنی محبت کی دنیا میں آنکھ کھولی ہے۔ قدم قدم پر اپنے تحمل اور نیت کے کچے پن کو' محبت کی آگ پر سینکتا ہوں' جلاتا ہوں۔ میرا یقین مجھے کہتا ہے کہ ایک دن میں ضرور اپنی محبت کے قابل بنوں گا۔ تب میں سرخرو ہو کر اس محبت کو اپنے سر پر ایک پروقار بادشاہ کے تاج کی طرح سجاؤں گا۔ بس تب تک میرا یقین اور انتظار کیجیے گا۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کے محلے میں دوبارہ قدم نہ رکھوں' مگر کیا کروں کہ اٹھنے والا ہر قدم' اسی راہ کی دھول میں گم ہونا چاہتا ہے۔" عاشر نے گم صم سی بیٹھی نور کو دیکھا اور خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔

دو چراغوں سے رات روشن ہے
ایک تیرا ہے' دوسرا میرا

اپنی زندگی کے گھپ اندھیروں میں بہت دور' دور تک' اس نے محبت کے لاتعداد چراغ روشن ہوتے ہوئے دیکھے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔

عاشر اپنے دھیان میں چلتا پارکنگ میں کھڑی بائیک تک آیا' جب بائیک کے پاس کھڑے شخص پر اس کی نظر پڑی تو وہ چونک گیا۔ پھر بے اختیار ہنستا ہوا اس کے گلے لگ گیا۔

"جوجی! میرے یار!"

"چل چل پیچھے ہٹ! زیادہ ڈرامے مت کر' دو ہفتے سے شکل نہیں دکھائی ہے اور اب دیکھتے ہی گلے لگ گیا ہے۔ میں بہت سخت ناراض ہوں۔" جوجی نے مصنوعی خفگی سے کہتے ہوئے بھی اسے زور سے خود میں بھینچ لیا تھا۔ "ٹھنڈ پے گئی۔" جوجی نے آہستگی سے کہا۔ عاشر بے اختیار ہنس پڑا تھا۔ دونوں کتنی ہی دیر ایک دوسرے گلے شکوے کرتے رہے۔

"اپنی بائیک یہاں ہی چھوڑ۔ چل آ کھانا کھا کر آتے ہیں۔" جوجی نے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"مانا کہ آپ کو یہ گاڑی وراثت میں ملی ہوئی ہے۔ اس لیے آپ کو اس کی قدر کم ہوگی' مگر بھائی مجھے اپنی بائیک سے بہت محبت ہے۔ میں کیوں یہاں چھوڑ کر جاؤں۔ تم گاڑی چھوڑو' میرے ساتھ بائیک پر آجاؤ۔" عاشر نے لاپروائی سے کہا اور اپنی بائیک کی طرف بڑھا۔

"ایک تو اور تیری یہ پھٹیچر بائیک! ٹھیک ہے' پھر کھانا بھی تو ہی کھلائے گا۔ میری گاڑی میں جائے گا تو میں کھانا کھلاؤں گا۔ نہیں تو نہ سہی۔" جوجی نے روٹھی ہوئی محبوبہ کی طرح تڑی لگائی تھی۔ عاشر نے مسکراتے ہوئے بائیک کو کک لگائی۔ جوجی جلدی سے پیچھے بیٹھ گیا۔ "ککڑ تو دیکھو۔۔۔ محبوبوں والی۔" جوجی نے جل کر کہا تھا۔ عاشر نے بائیک کی اسپیڈ بڑھا دی۔

"ابے ہیرو! آرام سے چلا۔ ہم دونوں نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے' نہ کسی حسینہ کی چشم کرم ملی ہے اور نہ ابھی

ہمارے سہرے کے پھول بھلے ہیں۔ تیز بائیک چلا کر کون سا تو نے محبت کی ریس جیت لینی ہے۔ ابے تو سن بھی رہا ہے یا نہیں۔ ماں تیری دعا چاہیے' آج جو جی کو بچا لے ربا۔" جو جی سارے راستے بولتے ہوئے آیا تھا' مگر عاشر کے کان پر جوں تک نہیں رینگی تھی۔ تنگ آ کر جو جی نے غائبانہ اپنی ماں کو پکارا تھا۔ جب عاشر نے بائیک کو بریک لگائی تھی۔

"چل اتر ڈرامے باز....." عاشر نے جو جی پر ہلکا سا مکا مارا تھا۔

"ہائے ظالم! کیوں آج جان لینے پر تلا ہوا ہے۔ یہ تو تیرا گھر ہے یار۔" جو جی نے اپنی کمر سہلاتے ہوئے منہ بنایا تھا۔

"بیٹا جی! ابھی نئی نئی نوکری لگی ہے۔ بمشکل مہینہ پورا ہوتا ہے۔ مہینے کے آخر میں کوئی بھی عیاشی کرنا مشکل کام ہے۔ آجا! گھر کا صاف ستھرا کھانا تیرا منتظر ہے۔" عاشر نے کہتے ہوئے چابی سے گیٹ کھولا۔ جو جی بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہو گیا۔

"ارے واہ! آج تو جو جی میاں بھی تشریف لائے ہیں۔" کچن سے نکلتیں مہ ناز نے جو جی کو دیکھ کر خوشی سے کہا تھا۔ دونوں نے سلام کیا۔ تو وہ جواب دیتے ہوئے کہنے لگیں۔ "فریش ہو جاؤ تم دونوں' آج میں نے مزے دار بریانی بنائی ہے۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔"

"جیو بھابھی!" جو جی نے خوشی سے نعرہ بلند کیا تھا۔

جب تک عاشر فریش ہو کر آیا۔ جو جی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا مسلسل باتیں کیے جا رہا تھا۔ عالیہ بیگم' مہ ناز بھابھی' اسد بھائی اور تینوں بچوں کے ساتھ اس کی نوک جھونک چل رہی تھی۔ عاشر نے ایک نظر سب کے ہنستے مسکراتے چہروں پر ڈالی اور خاموشی سے جو جی کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس دوران خالد احمد بھی اپنی کرسی پر بیٹھ کر جو جی سے گپ شپ کرنے لگے تھے۔ کھانا اسی خوش گوار ماحول میں کھایا گیا۔ سب سے پہلے عاشر نے کھانا کھایا اور خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔ خالد احمد اور عالیہ بیگم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔ پچھلے تین مہینوں سے وہ ایسا ہی خاموش اور سب سے الگ تھلگ رہنے لگا تھا۔ حتیٰ کہ ٹیپو بھی شکایت کرنے لگا تھا کہ چاچو اس کے ساتھ اب نہیں کھیلتے ہیں۔

"عاشر بریانی کتنے شوق سے کھاتا تھا' مگر اب....."
مہ ناز بھابھی نے افسردگی سے اس کی پلیٹ کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی باتوں کی طرح اس کی خوراک بھی بہت کم ہو گئی تھی۔

"نہ پہلے کی طرح ہنستا ہے اور نہ بولتا ہے۔ آج جو جی بیٹے کو ہنستا بولتا دیکھ کر' میرے دل میں شدید غم کی لہر اٹھی ہے۔ کبھی میرا عاشر بھی....." عالیہ بیگم نے نم لہجے میں کہا تھا۔

"مما' چاچو کو کیا ہو گیا ہے؟" ٹیپو نے فوراً سوال کیا تھا۔

"بیٹا! ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ تینوں اپنے کمرے میں چلیں۔ میں آتی ہوں۔" مہ ناز نے بچوں کو وہاں سے اٹھایا تھا۔

"پہلے مجھے پرانے ڈرامے لا کر دیتا تھا۔ اپنے موبائل پر دکھاتا تھا' مگر اب آفس سے آنے کے بعد ہر وقت کمرے میں بند پڑا رہتا ہے اور تو اور اب اونچی آواز میں بے ہودہ اور بکواس فلمی گانے بھی نہیں سنتا ہے۔ یقین کرو جو جی بیٹا! اب تو محلے والے بھی پوچھنے لگے ہیں کہ عاشر بیٹے کو کیا ہو گیا ہے۔" خالد احمد نے بھی دل گیر لہجے میں کہا۔ اسد اور مہ ناز نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کو ہونٹوں پر آنے سے روکا تھا۔ لوہا گرم تھا۔ جو جی نے' اسد بھائی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ انہوں نے سمجھ کر سر ہلایا تھا۔ مدد پاتے ہی جو جی نے چہرے پر مظلومیت طاری کی اور اپنی آواز کو غم زدہ بناتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں آپ لوگوں کو اپنے دکھ کے بارے میں کیا بتاؤں! عاشر میرا بچپن کا لنگوٹیا یار ہے۔ اس کے بغیر کبھی کوئی عید' شب رات' بسنت بہار نہیں منائی اور اب..... ایسا لگتا ہے جیسے یہ وہ عاشر ہی نہیں ہے۔ نہ ملتا ہے' نہ بات کرتا ہے۔ اکثر بڑھی شیو کے ساتھ' فلسفہ بولتا' مجنوں سے زیادہ پاگل لگ رہا ہوتا ہے۔

یقین کریں' اس وقت شدت سے دل کرتا ہے کہ ایک چماٹ کھینچ ماروں مگر۔۔۔ پھر خیال آتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ وہ آپ سب کا غصہ مجھے معصوم کو لترمار کر نکالے۔"

"لاحول ولا قوۃ!" خالد احمد بڑبڑا کر رہ گئے۔ "میرا ایسا احمق دوست ہوتا تو سچ میں "لتر" سے کام لیتا۔" خالد احمد کے کہنے پر سب بے ساختہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ جوجی نے پہلے منہ کے مختلف زاویے بنائے پھر خود بھی مسکرانے لگا۔

"پلیز انکل! مذاق اپنی جگہ' مگر میرے دوست کی معصوم' روندھی صورت پر ترس کھائیں۔ قسم سے اب مزید اس کی اداسی برداشت نہیں ہوتی ہے۔" جوجی نے آخر حملہ بے بسی سے کہا تھا۔

"جوجی پتر! تم ہم سے پوچھو کہ ہمارے دل کا کیا حال ہے۔ جب اپنے لاڈلے اور چہیتے بیٹے کو اس حال میں دیکھتے ہیں۔ نہ ہم سے ٹھیک سے بولتا ہے' نہ ہنستا ہے۔ قسم سے دل پر آری چلتی ہے اسے ایسے دیکھ کر۔" عالیہ بیگم نے دوپٹے سے اپنی گیلی آنکھیں رگڑی تھیں۔

"تو پھر آنٹی یہ ضد چھوڑ دیں آپ لوگ! نور بھابھی سچ میں بہت اچھی ہیں اور۔۔۔" اچانک جوجی کو احساس ہوا کہ وہ جلدی میں نور کے ساتھ بھابھی کا لفظ لگا چکا ہے۔ وہ گھبرا کر چپ کر گیا۔

"بیٹا جی! ضد کیسی اور کس کے لیے؟" خالد احمد نے مطمئن سے انداز میں کہا تو جوجی نے چونک کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ جس پر کچھ عجیب سا تاثر تھا۔

"کیا مطلب۔۔۔" اس نے حیرت سے سوال کیا تو خالد احمد نے معنی خیز نظروں سے عالیہ بیگم کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بھی مسکرا کر سر اثبات میں ہلانے لگیں۔

"دیکھو بیٹا! ہم کوئی جاہل یا ضدی یا روایتی والدین نہیں ہیں جو ساری زندگی اولاد کو آزادی دے اور اس کی زندگی کے سب سے اہم فیصلے پر اپنی مرضی چلائے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وقتی طور پر جھٹکا ضرور لگا تھا۔ بہت سی سوچیں حملہ آور ہوئی تھیں۔ مگر جب ہم نے یہ دیکھا کہ اس لڑکی سے ملنے کے بعد ہمارے بیٹے میں یک دم ہی اتنا بدلاؤ اور سنجیدگی آگئی ہے تو ہمیں بہت حیرت اور خوشی ہوئی۔ حیرت اس بات کی کہ ساری زندگی بچہ بن کر رہنے والا' اب بڑی بڑی باتیں کرنے لگا تھا اور خوشی اس بات کی کہ اسے اپنے سے جڑے رشتوں کی اہمیت اور محبت کا احساس تھا۔ اس نے اپنی محبت اور لگن میں بھی' اپنے پیاروں کا مان اور احترام رکھا تھا۔ مجھے کب یقین تھا کہ بظاہر کھلنڈرا سا نظر آنے والا' مجھ سے جھاڑیں کھانے والا' چھتوں پر چڑھ کر پتنگ بازی کرنے والا' محلے کی ہر لڑکی پر دل ہارنے والا' میرا نکما بیٹا اتنا سمجھ دار نکلے گا۔ ہم تو بہت پہلے اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے راضی ہو گئے تھے۔ مگر ہم چاہتے تھے کہ وہ اب کی بار ثابت قدم رہے اور اس لڑکی کے سامنے سرخرو ہو کر جائے۔ اس لیے اپنے دل کو مضبوط کر کے' ہم نے بے حسی کی چادر اوڑھی تھی۔ مگر اب ختم یہ امتحان۔ ہم کچھ دنوں میں ہی پوری تیاری کے ساتھ جا رہے ہیں۔ عاشر کا رشتہ لے کر۔۔۔"

خالد احمد نے ابھی بات مکمل نہیں کی تھی کہ ایک زور کا نعرہ بلند ہوا۔ جوجی اچھل کر اپنی جگہ سے پردے کے پاس گیا اور اسے ہٹا کر عاشر کو گلے سے لگا کر ناچنے لگا۔

"یاہو۔۔۔ ہرے۔۔۔"

"میری بات تو پوری ہونے دے' میں کہہ رہا تھا کہ ہم عاشر کا رشتہ لے کر بلو بادشاہ کے گھر جا رہے ہیں۔" خالد احمد نے اطمینان سے کہا تو عاشر اور جوجی حیرت سے رک کر ان کا چہرہ دیکھنے لگے۔ کچھ دیر ایسے ہی خاموشی رہی۔

"رہنے دیں آپ بھی! میرے بچے کو خوش تو ہونے دیں۔ میں اپنے عاشر کی پسند کی دلہن لاؤں گی۔" عالیہ بیگم نے اپنی جگہ سے اٹھ کر عاشر کا ماتھا چوما تھا۔ عاشر خوشی سے ماں کے گلے لگ گیا۔

راجہ کی آئے گی بارات

رنگیلی ہو گی رات' مگن میں ناچوں گی

"اوئے ربا! جوش میں غلط گانا گا گیا۔" جوجی بھنگڑا

ڈالتے ہوئے رکا اور خود کلامی کرتے ہوئے' دوسرا گانا سوچنے لگا۔ پھر اس کی آواز بلند ہوئی۔

شادمانی ہو' شادمانی
ہے مبارک آج کا دن
رات آئی ہے سہانی
شادمانی ہو' شادمانی

جوجی نے آگے بڑھ کر اسد اور عاشر کو بھی اپنے ساتھ ملالیا۔ شور سن کر ٹیپو بھی بھاگا ہوا آیا۔ اب وہ چاروں جھوم رہے تھے۔ عاشر کے چہرے پہ سچی خوشی کے رنگ تھے۔ وہ اپنی محبت کے امتحان میں پورا اترا تھا۔ وہ کیوں نا اپنی کامیابی پر جھومتا۔ عالیہ بیگم اور خالد احمد نے نم آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

سچ ہے کہ اولاد کی خوشی میں ہی والدین کی خوشی اور سکون ہوتا ہے۔ اس لیے تو والدین کے رتبے اور مقام کو کوئی چیز چیلنج نہیں کر سکتی ہے۔ عاشر نے انہیں چیلنج نہیں کیا تھا۔ ان کی اطاعت کی تھی۔ اس لیے تو آج بہاروں نے اس کے آنگن میں ہمیشہ کے لیے ڈیرہ ڈال لیا تھا۔ اب اسے بہاروں کے اس جہاں میں اپنے دل کی ملکہ کو لانا تھا۔ جسے امید اور انتظار کی ڈور تھما کر' وہ دوبارہ پلٹ کر نہیں گیا تھا۔ اپنے وعدے کے مطابق۔

''عاشر بیٹا! اکثر فون کر کے حال احوال تو پوچھ لیتا ہے مگر نہ جانے کیوں گھر نہیں آتا۔ کئی بار بازار میں ملا ہے' اسپتال میں پیچھے آجاتا ہے۔ جب میں ڈاکٹر کو دکھانے جاتی ہوں۔ دوائی لے کر مجھے اسٹاپ تک چھوڑ جائے گا' مگر گھر نہیں آتا۔ کہتا ہے ماں جی! دعا کریں۔ بہت جلد آؤں گا۔'' رشیدہ نے اداسی سے کہا تھا۔ نور عصر کی نماز پڑھ کر کمرے سے نکلی۔ اس نے دوپٹا بھی اسی انداز میں لیا ہوا تھا۔ رشیدہ نے اس کا معصوم اور وضو کے پانی سے چمکتا شفاف چہرہ بہت محبت سے دیکھا تھا۔ نہ جانے کیوں نور کے ساتھ انہیں ہمیشہ عاشر ہی کھڑا نظر آتا تھا۔ عاشر فون پر ان سے حال چال پوچھ لیتا۔ رشیدہ اپنی سادگی میں اسے ساری روٹین بتا دیتیں۔ جس سے عاشر کو پتا چل جاتا

کہ آج وہ کس ڈاکٹر کے پاس جائیں گی' کس وقت جائیں گی۔ مین مارکیٹ میں اپنی دکانوں کا حساب لینے جائیں گی۔ وہ بھی وہاں پہنچ جاتا اور جو ممکن ہو سکتا' ان کی مدد کر دیتا۔

آج رشیدہ کو وہ بہت شدت سے یاد آرہا تھا۔ شاید اس لیے کہ آج کل نور کے لیے' اس کے محکمے سے ہی ایک انسپکٹر کا رشتہ آیا ہوا تھا۔ مگر زیادہ عمر ہونے اور بڑھی ہوئی توند کے ساتھ وہ انہیں نور کے لیے بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ مگر اس نے بھی حیلے بہانوں سے نور کو تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس سے نور کو اندازہ ہوا تھا کہ ایک خوب صورت اور جوان لڑکی کہیں بھی محفوظ نہیں تھی۔ وہ بہت بددل سی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے مزاج میں چڑچڑاپن بڑھنے لگا تھا۔ شاید لاشعوری طور پر اسے بھی عاشر کا انتظار رہتا تھا۔ مگر وہ تو اس کی بات کو حرف آخر سمجھ کر دوبارہ آیا ہی نہیں تھا۔ شاید وہ بھی اپنے گھر والوں کے سامنے کمزور پڑ گیا تھا۔ نور ڈیوٹی کے دوران بھی شاید' شاید کی گردان میں پھنسی رہتی۔ اب وہ اس شاید کے چکر سے نکلنا چاہتی تھی۔ آر یا پار کا کوئی فیصلہ......

مگر یہ دماغ تھا جو آر یا پار ہونا چاہتا تھا' مگر اس کے سینے میں دھڑکتا دل صرف محبت کے ہونے پر ہی خوش تھا' نازاں تھا۔ دل بھی آر یا پار نہیں ہوتے ہیں۔ دل کی زمین کی مٹی اتنی گدلی اور چپچپی ہوتی ہے کہ قدموں سے لپٹ کر انہیں اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اندر ہی اندر اتارنے لگتی ہے۔ دل کی زمین پر چاہے کوئی صرف ایک قدم رکھے یا اس کے اندر تک اتر جائے۔ وہ کہلاتا دل کا مکین ہی ہے۔ نور بھی عاشر کے قدموں کے نشان بہت دور تک دیکھ رہی تھی۔ مگر اس کی نظروں کے سامنے سفاک حقیقتیں منہ کھولے کھڑی ہوئی تھیں۔ اسی وقت دروازہ بجا۔ نور بے دھیانی میں چلتی دروازے تک گئی۔ بغیر پوچھے دونوں پٹ وا کر دیے۔ سامنے دیکھ کر ساکت کھڑی رہ گئی۔ دل کی زمین' جس کے نقش قدم سے مہک رہی تھی' وہ سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کیا اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا

ہے؟نور کے ذہن میں ایک سوچ لہرائی۔

"ارے ہٹو آگے سے' تم کیا دیوار بن کر کھڑے ہوگئے ہو۔ چلو گاڑی سے مٹھائی کے ٹوکرے نکال کر لاؤ۔" اسی وقت عالیہ بیگم نے اسے پیچھے ہٹایا' تین بچے بھاگتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ عالیہ بیگم اسے دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئیں۔

"بیٹا! آپ کا نام نور ہے؟" خالد احمد نے آگے بڑھ کر پوچھا تو نور نے اثبات میں سرہلایا۔

"ماشاءاللہ۔۔۔ چشم بدور۔۔۔" عالیہ بیگم اور خالد احمد نے باری باری اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو نور جھینپ کر رہ گئی۔ اسد بھائی اور مہ ناز بھابھی کے پیچھے جوجی اور عاشر مٹھائی کے ٹوکرے اٹھائے چلے آرہے تھے۔ رشیدہ سب دیکھتے ہی سمجھ گئیں۔ ان کا چھوٹا سا گھر اچانک بھر سا گیا تھا۔ خوشی سے ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"بس بہن! آپ کسی تکلف میں نہ پڑیں اور ہمارے پاس بیٹھ جائیں۔ ہمیں بہت ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔۔۔" عالیہ بیگم نے گھبرائی سی رشیدہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا۔ "بہن! آپ ہمارے آنے کا مقصد تو سمجھ گئیں ہوں گی۔ عاشر سے بھی آپ واقف ہیں۔ بس آپ یہ بتادیں کہ آپ کو اپنی بیٹی نور کے لیے' ہمارا یہ نالائق بیٹا قبول ہے۔" خالد احمد نے بغیر کسی تمہید کے کہا تو رشیدہ بیگم کا دل رب کے حضور جھک گیا اور وہ بے اختیار رو پڑیں۔

"یہ میری خوش نصیبی ہوگی' عاشر جیسا ہیرا میری بیٹی کے بخت میں لکھا گیا ہے۔ میرے رب نے آج مجھے اپنی رحمت کے سب خزانوں سے نواز دیا ہے۔ میں کس زبان سے اس ذات کا شکر ادا کروں۔"

"ارے بہن! خوشی کے موقع پر شکر گزاری کے آنسو عاجزی کی نشانی ہے۔ بس آج سے آپ کی بیٹی ہماری ہوئی۔ یہاں آؤ نور بیٹی۔" عالیہ بیگم نے مہ ناز کو اشارہ کیا تو وہ حیران سی کھڑی نور کو لے کر آگے بڑھیں اور ان کے درمیان میں بٹھادیا۔ "بسم اللہ کرو۔" عالیہ بیگم نے کہا تو مہ ناز نے سرخ دوپٹا اس کے سر پر ڈالا۔

"سچ میں نور ہو تم۔۔۔" مہ ناز بھابھی نے اس پر سے پیسے وارتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔ عالیہ بیگم نے اسے انگوٹھی پہنائی۔ سب نے باری باری نور کو مٹھائی کھلائی۔ جوجی نے شوخی سے مٹھائی کھلاتے ہوئے اسے نور بھابھی کہا تو سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"میں ابھی سنبل کو فون کر کے بتاتی ہوں۔ وہ بہت خوش ہوگی۔" رشیدہ نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا۔

"ہاں بہن! بس ہم سے زیادہ صبر نہیں ہوا۔ اس لیے اپنے نام کا شگن کروایا ہے۔ اب سیدھا شادی کریں گے اور آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ ہمیں صرف آپ کی نور چاہیے اور کچھ بھی نہیں۔" عالیہ بیگم نے خوشی سے جگمگاتے چہرے کے ساتھ کہا۔ سب خوش گپیوں میں لگ گئے' جب عاشر نے جوجی کو آنکھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

"کیا تکلیف ہے؟ پتا نہیں میں اپنی خوب صورت بھابھی کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔" جوجی نے لاڈ سے کہا تو عاشر دانت پیس کر رہ گیا۔

"ابے خوب صورت بھابھی کے لنگور دیور' ڈرامے کم کر اور ایک بات تو بتا۔"

"بک بھی۔۔۔" جوجی نے چڑ کر پوچھا۔

"سب نے رسم کی ہے۔ حتیٰ کہ بچوں نے بھی نور کو مٹھائی کھلائی ہے۔ میری باری کب آئے گی۔" عاشر نے بے چارگی سے پوچھا تھا۔

"ٹھہر ابھی۔۔۔ انکل سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔" جوجی کہتے ہوئے آگے بڑھا جب عاشر نے پیچھے سے اسے کالر سے پکڑ کر کھینچا تھا۔

"مروائے گا کیا۔" عاشر نے اسے گھورا تو جوجی ہنسنے لگا۔

"کوئی بات نہیں' میرا وقت بھی آنے دو۔ پھر دیکھتا ہوں سب کو' دولہے کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔" عاشر نے منہ بناتے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا یار رو تا کیوں ہے؟ میں ہوں نا؟" جوجی نے بہت انداز سے کہا اور پاس سے گزرتے ٹیپو کے کان میں کچھ کہا۔ ٹیپو نے سمجھ کر سرہلایا اور عاشر کا ہاتھ پکڑ

کر کھینچتا ہوا تخت پر بیٹھی نور کے پاس لے گیا۔

"واوو! چاچو کو بھی مٹھائی کھلاؤ نا!" ٹیپو کے کہنے پر عالیہ بیگم نے عاشر کو اپنی جگہ بٹھایا اور سب نے باری باری عاشر کو مٹھائی کھلائی اور پیسے وارے۔ عاشر، نور کے پاس بیٹھ کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اسی وقت سب کے درمیان کھڑے جوجی اور ٹیپو نے جھومتے ہوئے گانا شروع کر دیا۔

دیکھو میری آنکھوں میں ہیں ڈورے گلابی
میں تو نہیں پیتا ہوں شرابی
یہ ہے تیرے پیار کا نشہ
چندا سی بھابھی۔۔۔

جوجی نے نور کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا تھا۔

بھیا راجہ! لے کر آئے ہیں
چاند سے پریوں کی رانی
شادمانی ہو شادمانی

جوجی نے عاشر کو بھی ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا تھا۔ اب نور اور عاشر درمیان میں کھڑے تھے اور ٹیپو، جوجی، اسد ان کے گرد جھومتے ہوئے چکر لگا رہے تھے۔

ہے مبارک آج کا دن
رات آئی ہے سہانی
شادمانی ہو شادمانی

رات کے دس بج رہے تھے۔ رشیدہ فون پر سنبل کو سارا احوال بتاتے ہوئے ہنس رہی تھیں۔ سنبل کی حیرت اور خوشی سے نکلتی آوازیں اسپیکر سے باہر تک آرہی تھیں، نور نے صحن میں کھڑے ہو کر سر اٹھا کر آسمان پر اتری تاروں کی بارات کو دیکھا تھا اور پھر اپنے چھوٹے سے آنگن میں بکھری چیزوں کو دیکھا تھا۔

"آج زمین پر آسمان سے زیادہ روشن اور چمکتے ہوئے ستارے ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے خود کلامی کی اور بکھرا ہوا سامان اٹھانے لگی۔

محبت یوں بھی ممکن ہے
نہ اس کو دیر تک تکنا
نہ اس سے بہت سی باتیں
نہ کوئی پیار کے قصے
نہ آخر شب مناجاتیں

محبت یوں بھی ممکن ہے
کبھی کچھ عام سے جملے
کبھی کچھ عام سی باتیں
کبھی بس مسکرا دینا
کبھی نظریں چرا لینا
محبت یوں بھی ممکن ہے
نہ بہت شوخی ہے جذبوں میں
نہ زیادہ آس، رنگوں میں
نہ زیادہ ربط پھولوں سے
نہ زیادہ سوچ میں رہنا
محبت یوں بھی ممکن ہے
کہ جس کو چاہتے ہیں ہم
نہ اس کو یہ بتا پانا
کہ اس کی چاہ کو ہر دم
دل میں ہی چھپا رکھنا
محبت یوں بھی ممکن ہے
نہ نغمہ گیت ہو کوئی
نہ میٹھا ساز ہو کوئی
اسے دل میں چھپا رکھنا
کہ جیسے راز ہو کوئی
محبت یوں بھی ممکن ہے

آٹھ سال گزر چکے تھے ان کی شادی کو۔ بلاشبہ عاشر اس کے لیے بہترین ہم سفر ثابت ہوا تھا۔ اپنے سسرال میں وہ سیٹ تھی کہ ان کی بہو نہیں بیٹی لگتی تھی۔ اپنی جاب وہ شادی سے پہلے ہی چھوڑ چکی تھی۔ رشیدہ اپنا گھر کرائے پر چڑھا کر سنبل کے پاس منتقل ہو گئی تھیں۔ عاشر کی پرموشن ہوئی اور اسے اسلام آباد ٹرانسفر کر دیا گیا۔ یہ چھوٹا سا گھر ان کی جنت تھا۔ سسرال اور میکے میں اس کے آنے کے دن گنے جاتے۔ وہ محبت کی بارش میں بھیگتی رہی اور یہ سب ممکن ہوا تھا صرف ایک شخص کی سچی لگن اور محبت کی وجہ سے۔۔۔ نور مسکراتے ہوئے ماضی سے حال میں پہنچی۔

صبح کا رد ٹھا ہوا عاشر، تھکا ہارا گھر میں داخل ہوا تو سجی

سنوری بیوی' صاف ستھرے گھر اور بچے دیکھ کر اور کھانے کی اشتہا انگیز اٹھتی خوشبو سونگھ کر ایک دم ہی ہلکا پھلکا ہو گیا فریش ہو کر' مگر کھانے کی میز پر آیا تو سنجیدہ سی صورت بنا کر بیٹھا رہا۔ کن انکھیوں سے مہکتی ہوئی بیوی کو دیکھنے لگا۔ جو بچوں کو پلیٹوں میں کھانا ڈال کر دے رہی تھی۔ بچوں سے فارغ ہوئی تو نظر منہ پھلائے' روٹھے ہوئے بڑے بچے پر پڑی۔ وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

"صاحب جی! کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ مزے دار کھانے سے لطف اٹھائیں' پھر میں نے بھی آپ کو ایک خوش خبری سنانی ہے۔" نور نے نرم لہجے میں کہا تو متوقع خوش خبری کا سن کر عاشر کی باچھیں کھل اٹھیں۔

"میری تو کب سے خواہش تھی کہ دانیال کا بھائی یا فروا کی چھوٹی بہن آجائے' شکر ہے میرے رب کا کہ...." عاشر کی خوشی سے چلتی زبان کو نور کی تیز گھوری نے بریک لگائی تھی۔

"میں اس خوش خبری کی بات نہیں کر رہی تھی۔" نور نے دانت پیستے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔ کہیں بچے نہ سن لیں۔

"تو پھر...." عاشر نے منہ بناتے ہوئے کہا اور کھانے سے انصاف کرنے لگا۔ نور نے اسے رغبت سے کھانا کھاتے دیکھا۔ اسے لگا کہ ساری محنت وصول ہو گئی ہے۔ اطمینان اور سکون کی لہر اس کے دل میں اٹھی تھی۔ جب عاشر کھانا کھا کر فارغ ہو گیا اور "الحمدللہ" کہتے ہوئے نیپکن سے ہاتھ اور منہ صاف کر کے اور اپنی جگہ سے اٹھنے لگا۔ تو برتن سمیٹتی نور نے مگن سے انداز میں کہا۔

"وہ خوش خبری تو سنتے جائیں۔" عاشر نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اس کے خوب صورت چہرے کی طرف دیکھا۔ یہ وہ چہرہ تھا جو اس کی بینائی کا مرکز تھا۔ اس کے دل کی سطح پر تیرتا کنول تھا۔

"تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اس سال بھی بسنت منانے کی اجازت نہیں ملے گی۔ اس لیے آپ اپنے تیار کیے سوچے ہوئے سارے پروگرام کینسل کر دیں۔" نور نے مزے لیتے ہوئے کہا۔

"ظالم تو تم ہو! آخر کبھی پولیس والی جو تھیں تم۔" عاشر نے جل کر کہا تو نور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ عاشر بے خودی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر بچوں سے نظر بچا کر تھوڑا پاس آکر بولا۔

"سنو! محبت کے جشن بہاراں میں' جذبوں کے رنگوں سے سجی' ہری' نیلی' لال' پیلی پتنگیں دل کے کورے آسمان پر اڑانے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے نا۔"

"اس میں بھی ایک قباحت ہے مسٹر پتنگ باز۔" نور نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"وہ کیا پولیس رانی!" عاشر نے بھی اسے چڑایا تھا۔

"وہ یہ کہ آپ کا دل پہلے ہی بو کاٹا ہو چکا ہے۔ ایسی ہی کسی واردات میں' اور آپ اسی کی پاداش میں عمر قید کاٹ رہے ہیں۔ سو بھول جائیں اور صبر کریں۔" نور نے اس کا مذاق اڑایا تو عاشر پیچھے ہٹتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔

"سارا بیڑا غرق کیا تھا اس جوجی کے بچے نے۔ نا اس دن وہ پتنگ لوٹنے گلی میں جاتا' نہ اس کے پیچھے میں آتا اور نہ تم سے ٹکراؤ ہوتا۔ اس جوجی کی تو آج خیر نہیں۔ خود مزے سے دبئی میں بیٹھا ہوا ہے۔ اپنے بیوی' بچوں کے ساتھ۔ ابھی خبر لیتا ہوں اس کی۔" عاشر نے موبائل ہاتھ میں لے کر جوجی کو کال ملائی اور اس سے باتیں کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ نور نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ روز جوجی سے اس وقت بات کرتا تھا۔ برتن دھوتے ہوئے وہ گنگنا رہی تھی۔

"کہ دل ہوا بو کاٹا۔"

محبت کے سجائے جشن بہاراں میں' اس کے نصیب کی پتنگ' کسی کے دل کے آسمان پر' بہت اونچی' اڑ رہی تھی اور یہ نصیب کی بلندی' اس کے رب کی عطا تھی۔ جس کے لیے اس کی ہر سانس شکر کے احساس سے بھری ہوئی تھی۔

☆ ☆

سالگرہ نمبر

خواتین کا عالمی دن

شاہین رشید

عمرانہ مقصود : ۔ (رائٹر)

میں یہ سمجھتی ہوں کہ اگر ہم شہر کی خواتین کی بات کریں، جیسے کراچی، لاہور، اسلام آباد وغیرہ کی، تو یہ ایک اور کہانی ہے۔ یہاں کی عورت فیشن ایبل بھی ہے۔ باہمت بھی ہے۔ جاب بھی کرتی ہے، نہیں بھی کرتی ہے اور آسائش کی زندگی بھی گزارتی ہے۔ اس عورت کو آپ عورت نہ سمجھیں، یہ اپنے شوہر کی پارٹنر بھی ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی یہ حاوی ہو جاتی ہے اور شوہر کمزور پڑ جاتا ہے۔۔۔ ہماری عورت تو وہ عورت ہے، جو ہماری آبادی کا 80 فیصد حصہ ہے اور وہ عورت انتہائی مجبور، بے آسرا، مظلوم اور بے سہارا ہے۔ اس کے اوپر دوسری عورت آنے میں دیر نہیں لگتی، اس کی پٹائی ہونے میں دیر نہیں لگتی، سڑک پر بھی اس کی بے عزتی ہونے میں دیر نہیں لگتی۔۔۔ تو عورت تو ہماری مظلوم ہے اور مظلوم ہی رہے گی۔ لیکن میرا اپنا فلسفہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں بنایا جس کے اندر ایک میجک نہ ہو اور وہ میجک ڈھونڈنا پڑتا

خواتین کا عالمی دن

عورت ہماری آبادی کا اکیاون فیصد حصہ ہے۔ ہر شعبے میں عورت نمایاں ہے۔ گھریلو رتبوں کے علاوہ، وہ پائلٹ ہے، انجینئر، ڈاکٹر، بینکر، ٹیچر، لیکچرار، پولیس غرض یہ کہ وہ ہر شعبے میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنا کردار بہت اچھی طرح نباہ رہی ہے۔ لیکن کیا مردوں کے اس معاشرے میں عورت آج بھی مظلوم ہے؟ خواتین کے عالمی دن پر زندگی کے ہر شعبے کی خواتین سے یہی ایک سوال کیا ہے۔

1. کیا آج بھی عورت مظلوم ہے؟

آیئے ان تمام خواتین کے تاثرات پڑھتے ہیں

ہے اور ڈھونڈنے کے لیے ہمیں وہ وقت چاہیے جس میں ہم اپنے آپ کو ایکسپلور (دریافت) کر سکیں۔ اگر عورت وہ میجک ڈھونڈ لے تو اس پہ ظلم ہونا بند ہو جائے گا۔ میجک سے مراد یہ ہے کہ جیسے میں کام کرتی ہوں SOS (Save our soul) کے ساتھ۔ پوری دنیا میں یہ موجود ہے اور ہمارے پاکستان میں بھی اس کی بہت اہمیت ہے کہ یہ ادارہ حکومت سے کوئی مدد نہیں لیتا۔ میں یہاں بچیوں کی ایک بڑی تعداد کو ٹرینڈ کرتی ہوں اور ان کو وہاں تک پہنچاؤں کی جہاں سے عورت ظلم کے باہر قدم رکھتی ہے۔ یہاں سے جو بچیاں شادی کر کے اپنے گھر کی ہوئیں۔ ان میں ایک بچی نے بتایا کہ اس نے "بی کام" میں داخلہ لیا ہے۔

ایک نے کہا کہ میں "سلائی" کی کلاسز لے رہی ہوں۔ کیونکہ میں نے ان بچیوں کو کہا ہے کہ اپنے اندر کے میجک کو باہر نکالو... مرد تو اپنے آپ کو میجشن (جادوگر) مانتا ہی ہے کہ وہ اپنے سے اوپر کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے، لیکن عورت اپنے اندر کے میجشن کو دریافت کرلے اور اپنے اردگرد کی بچیوں کو اپنا ہنر منتقل کرے تو بہت سدھار آسکتا ہے۔ اگر عورت غربت سے نکلنا چاہے تو دو سے تین سال لگتے ہیں وہ غربت سے نکل سکتی ہے۔ عورت بہت بہادر ہے اگر وہ بہادر بننا چاہے تو... اور اللہ سے ڈریں آدمیوں سے نہ ڈریں... اور جن بچیوں کو میں ٹرینڈ کر رہی ہوں ان شاء اللہ وہ آدمیوں سے ڈریں گی نہیں بلکہ ڈرائیں گی۔ وہ معاشرے کا کار آمد پرزہ بنیں گی۔ ان شاءاللہ

عابدہ الطاف :۔ (شاعرہ، گلوکارہ)

عورت مظلوم ہے اور مظلوم رہے گی، اس لیے کہ عورت کے لیے اکثر لوگ کہتے ہیں کہ عورت اکیلے سروائیو کرسکتی ہے۔ مگر میں کہتی ہوں کہ عورت کبھی بھی اکیلے سروائیو نہیں کرسکتی، مثلاً" عورت کو جب کہیں اکیلے جانا پڑ جاتا ہے تو پانچ ہزار نظریں اس کی طرف اٹھی ہوئی ہوتی ہیں، چاہے وہ برقعے میں ہو، چادر میں ہو، دوپٹے میں ہو یا اس کے بغیر ہو، لوگ اسے ایسی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ اسے اپنا آپ برا لگنے لگتا ہے اور وہ عورت کچھ نہیں کرتی اور سب کی نگاہوں کا سامنا کرتے ہوئے گزر جاتی ہے۔ کیونکہ وہ ایک دو کو تو منع کرسکتی ہے مگر سب کو نہیں، اگر بے چاری لائن میں لگ جائے تو لوگ اسے دھکے دیتے ہیں کوئی ادھر سے نوچتا ہے، کوئی ادھر سے نوچتا ہے تو آپ اب خود ہی بتائیے کہ عورت مظلوم نہیں ہے تو کیا ہے، گھر میں شوہر سے لڑائی ہو تو وہ گھر سے نکل جانے کی دھمکیاں دیتا ہے۔ وہ کبھی بھی ایسا نہیں کرتا کہ اپنا سامان باندھ کر گھر سے نکل جائے۔ وہ ہمیشہ مع سازو سامان کے عورت کو گھر سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس فیلڈ میں چلے جائیں وہاں عورت کو مفت کا مال سمجھ لیا جاتا ہے۔ اسے نیچا دکھانا، مرد اپنا فرض

رباب ہاشمی :۔ (آرٹسٹ)

کم سے کم پڑھی لکھی عورت تو مظلوم نہیں ہے۔ ہاں وہ عورت جو مکمل طور پر اپنے شوہر، اپنے بھائیوں پر انحصار کیے ہوئے ہوتی ہے وہ مظلوم ہے۔ کیونکہ وہ ظلم سہنے کے علاوہ کر ہی کیا سکتی ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ ماں باپ لڑکیوں کے لیے جہیز کی فکر کرنے کے بجائے ان کی اچھی تعلیم کی فکر کریں... پھر کسی کو جرات نہیں ہوگی کہ وہ اس پر ظلم کرے۔

سمجھتے ہیں۔ اس لیے عورت ہمیشہ مرد سے نیچی ہی رہے گی اور مظلوم رہے گی۔

حریم فاروق :۔ (آرٹسٹ)

ہمارے معاشرے میں عورت کی عزت نہیں کی جاتی۔ اسے وہ مقام نہیں دیا جاتا جو اسے ملنا چاہیے۔ لیکن ہمارے ڈراموں میں جو کچھ دکھایا جارہا ہے میں اس سے بھی اتفاق نہیں کرتی، بے شک عورت مظلوم ہے، مگر اتنی زیادہ بھی نہیں..... اور پڑھی لکھی عورت کو مظلوم دکھانا اس پر تو دل مانتا ہی نہیں ہے..... اور میں اپنے ڈراموں سے عورت کو اس کا مقام بتانا چاہتی ہوں..... اور ڈراموں کے ذریعے اس کا مقام دلانا چاہتی ہوں۔

شازیہ انور :۔ (جوائنٹ ایڈیٹر ہم ٹی وی نیٹ ورک)

میرے نزدیک عورت کبھی بھی مظلوم نہیں تھی اور نہ ہی آج ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے دیکھ لیں، تاریخ گواہ ہے کہ ہر دور میں ہر وہ عورت مضبوط اور محترم ترین مقام پر رہی جس کا واسطہ اچھے مرد سے پڑا، اب خواہ وہ بھائی کی صورت میں ہو یا شوہر کی شکل میں یا شفیق باپ کی شکل میں.... ہر وہ انسان مظلوم ہے جو ظلم کو برداشت کرے۔ عورت کی مضبوطی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ وہ "ماں" اور بہن کے رتبے پہ بھی فائز ہوتی ہے۔ آج کا مرد ظالم اور دور جہالت سے زیادہ جاہل ہے۔ خود پرستی اور انا پرستی کا شکار مردوں کے ہاتھ لگنے والی عورت مظلوم ہے۔ کبھی وہ اپنے بچوں کی خاطر ظلم برداشت کرتی ہے۔ تو کبھی گھر کو بچانے کی خاطر، اور مرد اس کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ اگر عورت معاشی طور پر مضبوط ہو جائے تو کوئی اس پر ظلم نہیں کرسکے گا، اپنی بیٹیوں کو مضبوط بنائیں ان کی تعلیم و تربیت پہ توجہ دیں یقین کیجیے کل کوئی انہیں مظلوم کی صف میں نہیں کھڑا کر سکے گا۔

آمنہ رؤف :۔ (ٹیچر۔ دبئی)

عورت آج کے دور میں مظلوم نہیں ہے، اگر وہ پڑھی لکھی ہے۔ ہماری ماؤں کے زمانے میں عورت

واقعی مظلوم تھی۔ مگر آج کل عورت بہت مضبوط بہت اسٹرونگ ہے۔ آج کے ماں باپ تعلیم یافتہ ہیں اور اپنے فیصلوں میں آزاد ہوتے ہیں اور اپنی بیٹیوں کو بھی اعلیٰ تعلیم دلواتے ہیں اور اب بیٹیوں کو بھی مظلوم بننے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کے ماں باپ بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں اور بیٹیاں اپنے فیصلے خود کر سکتی ہیں۔۔۔ اس لیے میں نہیں سمجھتی کہ آج بھی عورت مظلوم ہے' ایسا کچھ نہیں۔

حمنہ علی : - (ورکنگ لیڈی+ہاؤس وائف)

پہلے تو میں آپ کو یہ بتادوں کہ میں آج کل جاب نہیں کر رہی' ہاں میں جاب کرتی تھی اور اس کے بھی دو جواب ہیں میرے پاس' میں ایک ہوم میکر یا ہاؤس وائف ہوں۔۔۔ اور میرے خیال میں یہ دنیا کی سب سے بڑی جاب ہے اور جب جاب کرتی تھی تو میں "A بلس" چینل میں پروڈیوسر اور ڈائریکٹر تھی اس سے قبل "ہم ٹی وی" پہ بھی جاب کرتی تھی۔۔۔ مگر شادی ہوئی اور پھر ماشاء اللہ بچے ہوئے تو اب میں مکمل طور پر ایک "ہوم میکر" ہوں اور جاب کرنے کے بعد جب میں "ہوم میکر" بنی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس سے مشکل جاب کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی اور جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے تو میرے اندازے کے مطابق عورت بالکل بھی مظلوم نہیں ہے۔ جو عورتیں مظلوم ہیں وہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ایکسپوزر نہیں ہے یعنی جس عورت میں شعور ہے وہ مظلوم نہیں ہو سکتی' اور شعور کے لیے ضروری نہیں کہ آپ بہت پڑھے لکھے ہوں' بلکہ اس کے لیے آپ کی اچھی تربیت کا ہونا بہت ضروری ہے۔۔۔ ہمارے مذہب میں تو ظلم سہنا بھی گناہ ہے اور اب عورت میں اتنا عقل و شعور آگیا ہے کہ وہ اپنے حقوق کے لیے کھڑی ہو سکتی ہے۔ ہمارا میڈیا عورتوں کے لیے بہت نگیٹو پارٹ پلے کرتا ہے۔ بے شک جو ایشوز ہیں ان کو ضرور دکھائیں مگر ہر وقت نہیں۔ ہر چینل پہ آپ مظلومیت دکھائیں گے۔ عورت کو روتا ہوا دکھائیں گے تو عورت انکریج ہو گی بلکہ ڈس کریج ہو گی۔۔۔ آپ ان خواتین کی اسٹوریز دکھائیں جو کام کرتی ہیں۔ جدوجہد کرتی ہیں' گھر بناتی ہیں' اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ ہنر مند ہیں تو ایسے ڈراموں کو دیکھ کر دیگر خواتین میں بھی ہمت آئے گی۔ تو میرا نہیں خیال کہ کسی بھی لحاظ سے عورت مظلوم ہے۔

جویریہ عباسی : - (آرٹسٹ)

جی۔۔۔ میرے خیال میں اب بھی عورت مظلوم ہے۔ مگر کہیں وہ اتنی طاقت ور ہو جاتی ہے کہ ظلم کا سامنا کرتی ہے۔ ظلم سہتی ہے۔ لیکن اسے اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانی چاہیے۔

نزہت سمن : - (ڈرامہ رائٹر۔شاعرہ)

یہ سچ ہے کہ آج کی عورت بہت مضبوط ہے اس کے پاس کل کی بہ نسبت زیادہ حقوق ہیں اور وہ نام نہاد آزادی بھی حاصل کر چکی ہے۔ مگر میں سمجھتی ہوں کہ عورت اس مقام تک پہنچنے کے باوجود آج بھی مظلوم ہے' کیونکہ طلاق آج بھی عورت کے ماتھے کا داغ سمجھا جاتا ہے' چاہے وہ طلاق عورت کو زبردستی دی گئی ہو' مگر مجرم عورت ہی ٹھہرائی جاتی ہے۔ مرد تو سو سال کی عمر میں بھی دوسری شادی اپنا حق سمجھتا ہے لیکن کوئی بیوہ عورت اگر تنہائی دور کرنے اور سہارا پانے

کے لیے نکاح کی خواہش کرے تو وہ گناہ گار قرار دی جاتی ہے۔ ساٹھ سال کا مرد سولہ سال کی لڑکی سے نکاح کرے تو ٹھیک' مگر پچاس سال کی عورت کسی نوجوان سے شادی کرنا چاہے تو "بدچلن" کنوارا مرد پچاس سال میں بھی جوان اور کنواری لڑکی کی عمر تیس سال سے تجاوز کر جائے تو کئی کئی بچوں کے باپ سے شادی کے مشورے دیے جاتے ہیں۔ مرد ملازمت کرے تو گھر آکر بیوی سے خدمت لے اور احکامات صادر کرے' مگر عورت ملازمت کرے تو گھر آکر سسرال والوں اور شوہر اور گھر کے سارے کام کرے۔ بچے پالے اور طعنے بھی سنے۔ طلاق کے خوف سے آج بھی عورت سسک سسک کے اور ظلم سہ کر گزار دیتی ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کی روایات ہیں جسے آج تک کوئی عورت نہیں بدل سکی اور جس دن عورت نے یہ روایات بدل کر ایک نئے معاشرے کی بنیاد رکھی اس روز میں سمجھوں گی کہ عورت مظلوم نہیں ہے۔

عظمیٰ افتخار : ۔ (ڈرامہ رائٹر+ناول نگار)

آج کی عورت تو اتنی مظلوم نہیں ہے۔ جتنی گونا گوں مصروفیات میں گھن چکر بن چکی ہے' جب سے عورت نے یہ جانا ہے کہ مرد اور عورت معاشرے کی گاڑی کے دو پہیے ہیں اور انسانی طور پر ان کا برابری کا درجہ ہے' تب سے عورت گھر کے ساتھ ساتھ باہر کے معاملات اور معاشی مسائل میں مرد کے شانہ بشانہ ہے۔ اور مرد سے خود کو کسی طور کمتر نہ سمجھے جانے کے لیے وہ گھر اور باہر کی دنیا کا ایک ایسا لٹو بن چکی ہے جو ایک پیر پہ گھومے جا رہا ہے۔۔۔ اگر اس تناظر میں دیکھا جائے تو عورت کسی حد تک مظلوم ہے۔ کیونکہ وہ دفتری مسائل سے اگر باہر نبرد آزما ہوتی ہے تو گھر میں ماں' بیٹی' بیوی' بہو کے فرائض سرانجام دے رہی ہوتی ہے۔ گھر کے کام بھی کرنے ہیں' بچوں کی پرورش اور تربیت پہ بھی نظر رکھنی ہے۔ جبکہ مرد گھر آکر بھی مرد رہتا ہے۔ اس کی تھکن کا سب کو خیال رہتا ہے۔ مگر عورت کی تھکن ذاتی ہوتی ہے۔ بہت کم گھروں میں ایسا ہوتا ہے کہ مرد بھی عورت کی ذمہ داریوں کو سمجھتا ہے' ورنہ طعنہ اس بات کا ہوتا ہے کہ تم اپنے شوق سے جاب کر رہی ہو' اس صورت حال میں کبھی کبھی بچے اگنور ہو جاتے ہیں اور اگر ان کی تربیت میں "چوک" ہو جائے تو اس کا الزام بھی عورت پر آتا ہے کہ تمہیں اپنے شوق اور عیاشی سے فرصت نہیں تھی کہ گھر کی طرف توجہ کر دیتیں۔

ڈاکٹر فرحت زہرہ

جی۔۔۔ میں تو یہی کہوں گی کہ ابھی بھی عورت مظلوم

ہے۔ کیونکہ مردوں کی اکثریت ابھی بھی خواتین پہ بہت ظلم ڈھاتی ہیں۔ پڑھی لکھی عورت شاید اتنی مظلوم نہیں ہے جتنی گاؤں دیہات کی اور کم تعلیم یافتہ خواتین ہیں۔

کرن سلطان :۔
(اکاؤنٹس ایگزیکٹو ایٹ Sylerid پرائیویٹ لمیٹڈ)

عورت کسی بھی زمانے میں مظلوم نہیں تھی۔ وہ برداشت کرتی ہے۔ ہر رشتے کو وقت دیتی ہے۔ اپنی ہر ممکن کوشش کرتی ہے رشتے کو نبھانے اور سمجھنے کی اور عورت کو ہمت 'حوصلہ اور برداشت کی قوت خدا تعالیٰ نے دی ہے اور اگر عورت خدا کی طرف سے دی گئی اس طاقت کو 'اس قوت کو صحیح طرح استعمال کرے تو وہ کبھی بھی مظلم نہیں ہو سکتی۔

سیدہ غزالہ :۔ (ایس ایچ او)

آج کی عورت بالکل بھی مظلوم نہیں ہے اگر مظلوم ہوتی تو آج میں پولیس میں اور دیگر خواتین مختلف شعبوں میں اعلیٰ عہدوں پہ فائز نہ ہوتیں بس ماں باپ کو چاہیے کہ اپنی بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم ضرور دلوائیں تاکہ وہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر اپنے حق کے لیے آواز ضرور اٹھا سکیں۔ وہ خواتین جو اپنے حق کے لیے آواز نہیں اٹھا سکتیں در حقیقت وہی مظلوم ہوتی ہیں۔

امبر ارشد :۔ (آرٹسٹ)

آج کی عورت بہت مضبوط ہے۔ اگر وہ کچھ کرنے کا ارادہ کرلے تو ہر حال میں اسے پورا کرتی ہے۔ عورت چاہے ہاؤس وائف ہو یا جاب کرتی ہو 'آج کے دور میں ہر لحاظ سے وہ بہت مضبوط ہے اب مظلومیت والا دور گیا۔

فضیلہ قاضی :۔ (آرٹسٹ)

آج کی عورت بالکل بھی مظلوم نہیں ہے۔ آج کی عورت بہت بہادر اور بہت مضبوط ہے۔

شعاع عزیز

کرن کرن خوشبو

القرآن

بے شک فیصلہ کا دن (قیامت بھی) ایک مقررہ وقت ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم گروہ در گروہ (اللہ کے حضور) چلے آؤ گے۔ اور آسمان (کے طبقات) پھاڑ دیے جائیں گے تو (پھٹنے کے باعث گویا) وہ دروازے ہی دروازے ہوجائیں گے اور پہاڑ (غبار بنا کر فضا میں) اڑا دیے جائیں گے' سو وہ سراب (کی طرح کالعدم) ہوجائیں گے۔ بے شک دوزخ ایک گھات ہے۔ (وہ) سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔ وہ ختم نہ ہونے والی پے در پے مدتیں اسی میں پڑے رہیں گے۔ نہ وہ اس میں (کسی قسم کی) ٹھنڈک کا مزا چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا۔

(سورۃ النبا' آیت 17 سے 24)

بیوی کے حقوق

پہلا حق۔ "دین داری کی بنیاد پر نکاح۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "عورت سے چار وجوہات کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے۔ 1۔ اس کے مال کی وجہ۔ 2۔ اس کے خاندان کی وجہ سے۔ 3۔ اس کی خوب صورتی کی وجہ سے۔ 4۔ اور اس کے دین کی وجہ سے' آپ دین داری کو اختیار کرو' کامیابی ہوگی۔"

(صحیح بخاری)

دوسرا حق۔ "مہر کی ادائیگی۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو شخص شادی کرے اور تھوڑا مہر متعین کرے یا بہت زیادہ اور اس کو ادا نہ کرے تو اس نے بیوی کے ساتھ دھوکا کیا اور اگر ادا کیے بغیر موت آگئی تو زنا کے جرم میں گرفتار کرلیا جائے گا۔" (الترغیب والترہیب ص 31 ج 3)

تیسرا حق۔ "بیوی کے ساتھ حسن سلوک"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تم میں سے مکمل ایمان والے وہ لوگ ہیں۔ جن کے اخلاق بہترین ہیں اور تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہیں۔" (ترمذی)

قرآن اور علم طب

خلیفہ بغداد ہارون رشید کے درباری حکیموں میں ایک نصرانی طبیب بھی تھا جو بادشاہ کا بہت ہی معتمد اور منہ چڑھا تھا۔ ایک دن اس نے بر سر دربار ایک جید عالم علی بن حسین بن واقد سے یہ کہا کہ تمہاری کتاب قرآن شریف میں علم طب کا کہیں کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ تمام علوم میں سب سے زیادہ ممتاز اور بلند مرتبہ دو ہی علم ہیں۔ ایک ہے "علم الادیان" دوسرے "علم الابدان"

علی بن حسین نے اس کے جواب میں برجستہ فرمایا کہ تمہیں کیا خبر؟ کہ پورا علم طب' خداوند قدوس نے قرآن مجید کی صرف آدھی آیت میں جمع فرمایا۔

نصرانی نے حیران ہو کر پوچھا کہ بتائیے وہ کون سی آیت ہے۔

علی بن حسین نے فرمایا کہ ترجمہ: "یعنی کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو"

یہ سن کر نصرانی طبیب ہکا بکا ہوگیا۔ پھر کہنے لگا اچھا یہ بتاؤ کہ پیغمبر اسلام نے بھی اصول طب کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا ہے؟

علی بن حسین نے فرمایا کہ ہمارے پیغمبر اسلام نے

بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے' مگر تم اس وقت صرف ایک حدیث سن لو ترجمہ: "یعنی معدہ تمام امراض کی کوٹھڑی ہے اور پرہیز تمام دواؤں کا سردار اور ہر جسم سے وہی کام لو جس کا وہ عادی ہو۔" یہ سن کر نصرانی طبیب فرط حیرت سے علی بن حسین کا منہ تکنے لگا اور یہ کہا کہ تمہاری کتاب اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو "جالینوس" کے لیے کوئی طب چھوڑی ہی نہیں۔

(نذیر انبالوی 71)

انمول باتیں

☆ ایک جھوٹ آدھی دنیا کا سفر کر لیتا ہے' جبکہ سچ ابھی تسمے باندھ رہا ہوتا ہے۔ (مارک ٹوئن)

☆ اگر عورت فیشن کی سرپرستی نہ کرتی تو ہزاروں درزی بھوکے مر جاتے۔ (آسکر وائلڈ)

☆ موجودہ نظام میں اپنے پڑوسی کی جیب خالی کیے بغیر کوئی شخص اپنی جیب نہیں بھر سکتا ہے۔ (ٹالسٹائی)

☆ غصہ کرنے کا مطلب ہے کہ ہم دوسروں کی غلطیوں کا بدلہ اپنے آپ سے لے رہے ہیں۔ (پوپ الیگزینڈر)

☆ اگر آپ کو مسرت کی تلاش ہے تو وہ آپ کو اس طرح ملے گی جس طرح ایک بڑھیا نے کافی جستجو کے بعد اپنی گمشدہ عینک تلاش کی تھی' حالانکہ اس نے عینک لگا رکھی تھی۔ (بلنگ)

ثریا شاہ۔ کہروڑپکا

لوڈشیڈنگ

لوڈشیڈنگ کے لیے کر کے دعائیں تھک گئے
اب دعا اپنی اثر کچھ اور دکھلانے لگی
اس قدر آیا اثر اپنی دعاؤں میں نہ پوچھ
ساتھ بجلی کے میاں اب گیس بھی جانے لگی

(راؤ تہذیب حسین تہذیب)

سباس گل۔ رحیم یار خان

حکمران

حجاج کے زمانے میں جب لوگ صبح کو بیدار ہوتے اور ایک دوسرے سے ملاقات ہوتی تو پوچھتے: گزشتہ رات کون قتل کیا گیا' کس کو پھانسی کے پھندے پر لٹکایا گیا اور کس کی پیٹھ کوڑوں کی بوچھاڑ سے چھلنی ہوئی۔

ولید بن عبدالمالک کثیر مال و جائیداد والا اور عمارتیں بنانے کا خواہاں تھا۔ چنانچہ اس کے زمانے میں لوگ ایک دوسرے سے مکانات کی تعمیرات' نہروں کی کھدائی اور درختوں کی افزائش کے متعلق پوچھا کرتے تھے۔

جب سلیمان بن عبدالملک نے ولی عہد کی کرسی سنبھالی تو وہ کھانے پینے اور گانے بجانے کا شوقین تھا چنانچہ لوگ اچھے کھانے' گانے والیوں اور لونڈیوں کے متعلق ایک دوسرے سے پوچھتے اور یہی ان کا موضوع سخن بھی ہوتا۔

اور جب عمر بن عبدالعزیز رضیہ اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا تو لوگوں کی آپس میں اس قسم کی گفتگو ہوتی کہ قرآن کتنا یاد کیا' ہر رات کتنا ورد کرتے ہو' رات کو کتنے نوافل پڑھتے ہو' فلاں آدمی نے کتنا قرآن یاد کیا اور فلاں شخص مہینے میں کتنے روزے رکھتا ہے۔

اقصیٰ ماہ نور ہراج.... داؤ والا تلمبہ

پلیٹ

ایک بار ایک باپ اپنے بیٹے سے ملنے شہر جاتا ہے۔ وہاں اس کے بیٹے کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی بھی رہتی ہے۔ تینوں ڈنر کی ٹیبل پر بیٹھ جاتے ہیں۔

پاپا.... "بیٹا! تمہارے ساتھ یہ لڑکی کون ہے؟"

بیٹا.... "پاپا' یہ لڑکی میری روم پارٹنر ہے' اور میرے ساتھ ہی رہتی ہے۔ مجھے پتا ہے کہ آپ کیا سوچ رہے ہوں گے۔ ہم دونوں کے درمیان کوئی ایسا ریلیشن نہیں ہے پاپا۔ ہم دونوں کے کمرے بھی مختلف ہیں اور ہم لوگ الگ الگ ہی سوتے ہیں۔ ہم لوگ صرف اچھے دوست ہیں۔"

پاپا.... "اچھا بیٹا!" دوسرے دن اس کے پاپا واپس

چلے جاتے ہیں۔

ایک ہفتہ بعد لڑکی! "سنو گزشتہ اتوار تمہارے پاپا نے جس پلیٹ میں ڈنر کیا تھا' وہ پلیٹ غائب ہے۔ مجھے تو شک ہے کہ پلیٹ تمہارے پاپا نے ہی چوری کی ہوگی۔" "بیٹا اپنے پاپا کو ای میل لکھ کر بھیجتا ہے۔

ڈیر پاپا! "میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ آپ نے پلیٹ چوری کی۔ میں یہ بھی نہیں کہہ رہا ہوں کہ آپ نے پلیٹ چوری نہیں کی۔ اگر غلطی سے پلیٹ لے گئے ہوں' تو پلیز آپ اسے واپس کردیں' کیونکہ وہ اس لڑکی کی پلیٹ ہے۔" اس کے پاپا اسے ایک گھنٹے کے بعد جواب بھیجتے ہیں۔

ڈیر بیٹا! میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ وہ تمہاری روم پارٹنر تمہارے ساتھ سوتی ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہہ رہا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ نہیں سوتی۔ اگر اس پورے ہفتے میں وہ لڑکی ایک بار بھی اپنے کمرے میں اپنے بیڈ پر سو جاتی تو تکیے کے نیچے ہی اسے پلیٹ مل جاتی' جو میں نے چھپائی تھی۔ تیرا باپ۔۔۔۔

ملیحہ زہرہ۔۔۔ کراچی

وہ لفظ جو پھول بنے

☆ زندگی نشیب و فراز کا نام ہے' جہاں کسی کے لیے دکھ' آنسو' غربت ہے اور کسی کے لیے دولت' خوشی اور عیش و عشرت ہے۔

☆ دریا اور زندگی دونوں پہ بند باندھنا پڑتا ہے' تاکہ وہ ضائع ہونے سے بچ جائیں۔ دریا پہ مٹی کا بند اور پیکر خاکی کو ضبط کا بند درکار ہوتا ہے۔

☆ جن کا کوئی اپنا مرجاتا ہے' ان کے پاس سوگ منانے کا واضح جواز ہوتا ہے۔ مگر ان لوگوں کا کیا' کیا جائے جو اپنی اداس صورتوں کی وضاحت نہیں کرپاتے' کیونکہ ان کے زندہ بھی مردوں جیسے ہوتے ہیں۔

☆ اضطراب بے سبب نہیں ہوتا' بلکہ یہ بھولا ہوا سبق چھوڑی ہوئی' منزل اور نظر انداز کیے ہوئے فرائض یاد دلاتا ہے۔

☆ لوگوں کے آگے جھکنے سے بہتر ان سے مایوس ہونا

زیادہ اچھا ہے۔

فوزیہ ثمر بٹ' ہانیہ عمران۔۔۔ گجرات

سات آسمانوں کے نام اور ان کے رنگ

1 ۔ رقیعہ! پہلے آسمان کا نام رقیعہ ہے اور یہ دودھ سے بھی زیادہ سفید ہے۔

2 ۔ دوسرے آسمان کا نام فیدوم یا ماعون ہے اور وہ ایسے لوہے کا ہے' جس سے روشنی کی شعاعیں پھوٹتی ہیں۔

3 ۔ تیسرے آسمان کا نام ملکوت یا ہاریون ہے اور وہ تانبے کا ہے۔

4 ۔ چوتھے آسمان کا نام زاہرہ ہے اور وہ آنکھوں میں خیرگی پیدا کرنے والی سفید چاندی سے بنا ہے۔

5 ۔ پانچوں آسمان کا نام مزینہ یا مسھو ہے اور وہ سرخ سونے کا ہے۔

6 ۔ چھٹے آسمان کا نام خالصہ ہے اور وہ چمک دار موتیوں سے بنایا گیا ہے۔

7 ۔ ساتویں آسمان کا نام لابیہ یا وامعہ ہے' وہ سرخ یاقوت کا ہے اور اسی میں بیت المعمور ہے۔

مسرت فاطمہ۔۔۔ کراچی

تم نے

مرجھائے ہوئے پھول کبھی دیکھے ہیں
دل کی قبروں پہ پڑے
ہجر کی لاش کی آنکھوں پہ دھرے
تم نے اکتائے ہوئے خواب کبھی دیکھے ہیں
درد کی پلکوں سے لپٹے ہوئے گھبرائے ہوئے

تم نے بے چین دعائیں کبھی دیکھی ہیں
محبت کے کناروں پہ بھٹکتی پھرتی
تم نے دیکھا ہے مجھے۔۔۔۔
کیا کبھی دیکھا ہے مجھے

(فرحت عباس شاہ)

سیدہ نسبت زہرہ۔۔۔ کہروڑپکا

☆ ☆

بُشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

ملیحہ زہرہ، کی ڈائری میں تحریر
ایک خوبصورت نظم

سالگرہ مُبارک،

تمہارے چہرے پر جو سجے ہیں
وہ پھول خوشیوں کے یونہی تازہ رہیں
ابد تک
حیات نو میں وہ رنگ بھر دیں
کہ آنے والا ہر لمحہ
نئی امنگوں کا ترجمان ہو
نئی بہاروں کی داستان ہو
وہ داستان جس کو پڑھ کر دل میں
محبتوں کا، مسرتوں کا یقیں ہو پیدا
میری دُعا ہے
تمہاری آنکھوں کے سارے سپنے
مثال سورج نمایاں ہو کر
تمہاری دُنیا جگمگائیں
مثال ماہتاب اور انجم
تمہاری ہستی کو سجائیں
یہ نیک تمنائیں تمہارے لیے ہیں

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر، کی ڈائری میں تحریر
امجد اسلام امجد کی نظم

سالگرہ،

برتھ ڈے کیک پہ جلتی ہوئی شمعوں کے بجھا دینے سے
کب بجھیں گے یہ شب و روز مہ و سال کے انگار جنہیں
چھو نہ سکا

وقت کا سیل رواں

وقت کا سیل رواں جس کے خم و پیچ میں گم
ہم اور تم
ہم اور تم سے ہزاروں لاکھوں
گم صم

آج کی رات
میں نے ہر سال اسی طور سے کاٹی ہے کہ جیسے کوئی
قید خانے میں کرے عہد اسیری کا حساب
کرچیاں ہوتے ہوئے خواب پچھلے اور نئے
دشت احساس میں آہٹ کے سراب
کون، کب، کون سی منزل پہ ملا
کس طرح بچھڑا، کہاں پر بچھڑا
دوست کس طرح ہوئے دشمن جاں
غیر کس طرح ہوئے سانس کی خوشبو جیسے
کس کو فرصت ہے کرے ان کا حساب
اور اگر ہو بھی تو اس کام میں رکھا کیا ہے
آخر کار وہی سیل رواں ہوگا جواب
وقت کا سیل رواں
جس کے اس پار کہیں رکھی ہے
گمشدہ عمر کے لمحوں کی کتاب
اور اس پار فقط خواب ہی خواب
جو بھی رُت آئے کھلا کرتے ہیں
تیری یادوں کے کنول، تیری جدائی کے گلاب

گڑیا شاہ، کی ڈائری میں تحریر
پروین شاکر کی نظم

اعتبار مت کرنا،

یہ جھکی جھکی آنکھیں

یہ رُکا رُکا لہجہ
لب پہ بار بار آ کے
ٹوٹتا ہوا فقرہ
گرد میں اَٹی پلکیں
دُھوپ سے تپا چہرہ
سر جھکائے آیا ہے
اک عمر کا بھولا
دل ہزار کہتا ہے
ہاتھ تھام لوں اس کا
چوم لوں یہ پیشانی

لوٹنے نہ دوں تنہا
کوئی دل سے کہتا ہے
سارے حرف جھوٹے ہیں
اعتبار مت کرنا
اعتبار مت کرنا

انیلا ادریس، کی ڈائری میں تحریر
ن۔م راشد کی نظم

میں اسے واقفِ اُلفت نہ کروں،

سوچتا ہوں کہ بہت سادہ و معصوم ہے وہ
میں ابھی اس کو شناسائے محبت نہ کروں
روح کو اس کی اسیرِ غمِ اُلفت نہ کروں
اس کو رسوا نہ کروں، وقفِ مصیبت نہ کروں

سوچتا ہوں کہ ابھی رنج سے آزاد ہے وہ
واقفِ درد نہیں، خوگرِ آلام نہیں
سحرِ عیش میں اس کی اثرِ شام نہیں
زندگی اس کے لیے زہر بھرا جام نہیں
سوچتا ہوں کہ محبت ہے جوانی کی خزاں
اس نے دیکھا نہیں دُنیا میں بہاروں کے سوا
نکہت و نور سے لبریز نظاروں کے سوا
سبزہ زاروں کے سوا اور ستاروں کے سوا

سوچتا ہوں کہ غمِ دل نہ سناؤں اس کو
سامنے اس کے کبھی راز کو عریاں نہ کروں
خلشِ دل سے اسے دست و گریباں نہ کروں
اس کے جذبات کو میں شعلہ بداماں نہ کروں

سوچتا ہوں کہ جلا دے گی محبت اس کو
وہ محبت کی بھلا تاب کہاں لائے گی
خود تو وہ آتشِ جذبات میں جل جائے گی
اور دُنیا کو اس انجام پہ تڑپائے گی
سوچتا ہوں کہ بہت سادہ و معصوم ہے وہ

میں اسے واقفِ اُلفت نہ کروں

نمرہ، اقراء کی ڈائری میں تحریر
سلیم کوثر کی غزل

کبھی اچھا بُرا سوچا نہیں ہے
محبت عقل کا سودا نہیں ہے

میں پتھر ہوں مگر سچ بولتا ہوں
وہ آئینہ ہے اور سچا نہیں ہے

کہیں موجود ہے وہ اب بھی مجھ میں
وہ بچھڑا ہے مگر کھویا نہیں ہے

صراطِ عشق پہ مڑ کر نہ دیکھو
پلٹنے کا کوئی رستہ نہیں ہے

ابھی آنکھوں میں بینائی ہے باقی
ابھی میں نے تمہیں دیکھا نہیں ہے

وہی سب خوابیوں کے سلسلے ہیں
جنہیں میں نے ابھی سمجھا نہیں ہے

شگفتہ سلیمان

مجھے یہ شعر پسند ہے

حمزہ، اقرا ______ کراچی

میری زندگی کے راز میں اک راز تم بھی ہو
میری بندگی کی آس میں اک آس تم بھی ہو
تم کیا ہو میرے، کچھ ہو یا کچھ بھی نہیں مگر
میری زندگی کے کاش میں اک کاش تم بھی ہو

نجمہ، نادیہ ______ گلستان جوہر

وہ جن کو ہم تیری قربت میں بھول بیٹھے تھے
وہ لوگ تیری جدائی کے بعد یاد آئے
ہم اتنے ہی گئے گزرے نہیں تھے فراز
کہ تجھ کو ساری خدائی کے بعد یاد آئے

صدف عمران ______ کراچی

تیرے بعد بچا ہی کیا ہے جیون میں
میں ہوں، بھیگی شام ہے اور تنہائی ہے

ارم ذوالفقار ______ کراچی

تلاش منزل کے راستے میں یہ حادثہ بھی عجیب دیکھا
فریب راہوں پہ بیٹھ جاتا ہے صورت اعتبار بن کر
دیار بیر فغاں میں آکر یہ اک حقیقت کھلی ہے ہم پہ
خدا کی بستی کے رہنے والے تو لوٹ لیتے ہیں یار بن کر

سیدہ نسبت زہرا ______ کہروڑپکا

مجھ کو معلوم نہ تھی ہجر کی یہ رمز کہ تو
جب میرے پاس نہ ہوگا تو ہر سو ہوگا

سعدیہ، سدرہ ______ شریف آباد

وہ تجھ کو بھولے ہیں تو تجھ پہ لازم ہے
خاک ڈال، آگ لگا، نام نہ لے، یاد نہ کر

آسیہ جاوید ______ علی پور چٹھہ

خود سے ملنے کو دل کرتا ہے
بہت برا ہوں لوگوں سے سنا ہے

مدیحہ فہمید ______ مدینہ کالونی

انتقاماً مجھ کو وہ درس وفا دے جائے گا
زخم دے کر اک درد آشنا دے جائے گا
کس قدر نادم ہوا ہوں میں برا کہہ کر اسے
کیا خبر تھی جاتے جاتے وہ دعا دے جائے گا

فرمین ظفر ______ کراچی

بے ارادہ جو چلا تھا سائیں
دل ہر اک گام پہ بھٹکا سائیں
عشق کی مٹی ہی چکنی نکلی
شوق سے میں نہیں پھسلا سائیں

عائشہ، تحریم ______ گوجرہ

ملتا تھا وہ مجھے کبھی پل پل کے فرق سے
پھر فرق یہ رفتہ رفتہ سالوں میں آگیا
پھر یوں ہوا کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑے
چہرہ جو کبھی اس کا خیالوں میں آگیا

ثریا شاہ ______ کہروڑپکا

کچھ اپنے دل پہ زخم کھاؤ مرے لہو سے بہار کب تک
مجھے سہارا بنانے والو میں لڑکھڑایا تو کیا کرو گے

عابدہ نثار ______ کراچی

بے نشاں منزلوں کے سفر پہ نکلو گے جان جاؤ گے محسن
دلوں کے مسافر کیوں گھر کا راستہ بھول جاتے ہیں

علیشا انعم ______ بہاول نگر

کیوں نہ اک جھوٹی تسلی پر قناعت کریں
لوگ کہتے ہیں عدم خواب حسین ہوتے ہیں

شہناز ناز ______ کھارو

رہتے تھے جو دل میں آئینوں کی طرح
گرے ہیں تو بکھرے ہیں کرچیوں کی طرح
جو رنگ چڑھی ہے گرہ دل میں وہ کھل نہیں سکتی
تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح

روبینہ شریف

مسکراتی کرنیں

اچھا اور برا

"خالہ جان سنائیں آپ کا بیٹا کیسا ہے؟"
"بیٹے! اس کا نام نہ لو۔ وہ بہت برا نکلا۔"
"کیوں خالہ کیا ہوا؟"
"کچھ نہ پوچھ بیٹا' جو کماتا ہے اپنی بیوی کو ہی دے دیتا ہے۔"
"اور خالہ جان آپ کا داماد؟"
"ارے بیٹا! خدا اسے زندگی دے' بہت ہی اچھا ہے' تنخواہ لا کر ساری کی ساری میری بیٹی کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔"

ارماہی سرفراز.... کھیوڑہ

خراب

ایک صاحب کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ بہت اچھا خط لکھتے ہیں' ایک ان پڑھ بوڑھا شخص ان کے پاس جاکر کہنے لگا۔
"صدر صاحب کے نام میری طرف سے خط لکھو اور انہیں میری بری حالت سے آگاہ کرو۔"
وہ شخص خط لکھ چکا تو بوڑھے نے کہا۔
"ذرا پڑھ کر سناؤ۔" اس نے پڑھ کر سنایا تو بوڑھا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔
اس شخص نے وجہ پوچھی۔ "کیا بات ہے تم رو کیوں رہے ہو؟"
بوڑھا بولا۔ "بیٹا مجھے خود معلوم نہ تھا کہ میرے حالات اتنے خراب ہیں۔"

ثمرورٹ.... گجرات

ہوشیاری

ایک سردار نے اپنی کار سے پہلوان کو ٹکر ماردی۔ پہلوان نے غصے سے سردار کو کار سے باہر نکالا اور کار سے دس میٹر دور کھڑا کر کے روڈ پر ایک لائن کھینچ دی اور کہا۔ "اگر لائن سے ذرا بھی ادھر آئے تو جان سے ماردوں گا۔"

پھر وہ ڈنڈے سے اس کی گاڑی توڑنے لگا۔ جب اس نے کار کا کافی نقصان کر دیا تو پیچھے مڑ کر دیکھا اور حیران رہ گیا۔ سردار زور زور سے ہنس رہا تھا۔
"تم کیوں ہنس رہے ہو؟" پہلوان نے حیران ہو کر پوچھا۔
"جب تم گاڑی توڑ رہے تھے تو میں نے پانچ دفعہ لکیر پار کی تھی۔" سردار نے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

فضہ نور.... روہڑی

حسین لڑکی سے ملاقات

ایک مینڈک نے قسمت کا حال بتانے والے کمپیوٹر کا بٹن دبایا تو جواب آیا۔
"یکم جنوری 2017ء کو تمہاری ملاقات ایک نوجوان اور حسین لڑکی سے ہوگی۔"
مینڈک نے خوشی سے بے تاب ہوتے ہوئے پوچھا۔ "ملاقات کہاں ہوگی۔ کسی پارٹی میں یا کسی نہر کے کنارے؟"
کمپیوٹر سے جواب آیا۔ "میڈیکل کالج کی لیبارٹری میں آپریشن کرنے والی میز پر۔"

صائمہ شہزاد.... لاہور

نیک سیرت

ایک شخص نے اپنے دوست سے کہا۔ "آج کل کے لڑکے بڑے بگڑے ہوئے ہیں۔ آپ کا بیٹا کیسا ہے؟"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

"بہت اچھا۔" دوست نے جواب دیا۔

"رات کو دیر سے تو گھر نہیں آتا؟"

"بالکل نہیں۔"

"سگریٹ وغیرہ تو نہیں پیتا؟"

"ارے نہیں بھئی۔"

"اچھا تو گھر میں کرکٹ کھیل کر چیزیں تو ضرور توڑتا ہوگا۔"

"بالکل نہیں۔"

"پھر تو بڑا فرمانبردار لڑکا ہے آپ کا' ماشاءاللہ کتنی عمر ہے اس کی؟"

"اس مہینے کی آٹھ تاریخ کو پورے دس مہینے کا ہو جائے گا۔" دوسرے دوست نے جواب دیا۔

ارم کمال۔۔۔ فیصل آباد

شائستگی

ایک نہایت مہذب اور شائستہ بزنس مین قاسم صاحب نے اپنے ایک پرانے قرض دار کو خط ارسال کیا جس کا مضمون کچھ یوں تھا۔

"یہ خط میں اپنی سیکریٹری سے لکھوا رہا ہوں وہ چونکہ ایک معزز اور پڑھے لکھے خاندان کی فرد ہے اسی لیے میں اس کے سامنے وہ الفاظ ادا نہیں کر سکتا جو میں اس وقت آپ کے بارے میں سوچ رہا ہوں' اور چونکہ میں ایک مہذب اور شائستہ انسان ہوں اس لیے میں فون پر بھی آپ سے وہ الفاظ نہیں کہہ سکتا' لیکن آپ چونکہ نہ مہذب ہیں اور نہ شائستہ اس لیے آپ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔"

فوزیہ ثمر۔۔۔ گجرات

عقل مند

ایک ریلوے اسٹیشن پر بہت بڑا حادثہ ہوا جس میں اسٹیشن پر موجود سارے سکھ ہلاک ہو گئے صرف ایک سکھ زندہ بچ گیا۔ ایک رپورٹر نے اس واقعے کی تفصیلات جاننے کے لیے اس سکھ سے رابطہ کیا تو سکھ نے کہا۔

"جی سب ٹرین کے انتظار میں کھڑے تھے کہ اعلان ہوا ٹرین پلیٹ فارم پر آرہی ہے یہ سن کر سب سکھ پٹڑی پر کود گئے اور ہلاک ہو گئے۔"

رپورٹر نے سکھ کی عقل مندی کی تعریف کی اور کہا۔ "اچھا ہوا آپ نے ایسا نہیں کیا ورنہ آپ بھی ہلاک ہو جاتے۔"

اس پر سکھ نے کہا۔ "میں خودکشی کے لیے پٹڑی پر لیٹا تھا جب مجھے پتا چلا ٹرین پلیٹ فارم پر آرہی ہے تو میں پلیٹ فارم پر آکر لیٹ گیا۔"

ہانیہ عمران۔۔۔ گجرات

حسرت

ایک آدمی کو ایک دکان پر ایک تصویر بہت پسند آئی جو کسی بہادر سپاہی کی تھی۔ اس نے دکان دار سے قیمت پوچھی تو اس نے 500 روپے بتائی۔ اس آدمی کے پاس 450 روپے تھے لہٰذا وہ واپس چلا گیا۔

دوسرے دن وہ روپے لے کر آیا تو تصویر فروخت ہو چکی تھی۔

ایک روز وہ اپنے دوست کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ وہ تصویر ہال میں آویزاں ہے۔ اس نے دوست سے پوچھا۔

"یہ تصویر کس کی ہے؟"

دوست نے کہا۔ "ہمارے دادا حضور کی ہے' وہ بڑی بڑی لڑائیوں میں حصہ لے چکے ہیں۔"

"50 روپے کم پڑ گئے تھے ورنہ یہ آج ہمارے دادا جان ہوتے۔" اس شخص نے حسرت سے جواب دیا۔

لبنیٰ خاور۔۔۔ فیصل آباد

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

کاٹیج چیز کیک

اشیا :

کاٹیج چیز(پنیر)	100 گرام
میدہ	200 گرام
شکر	170 گرام
آئل	170 گرام
بیکنگ پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
انڈے	تین عدد

سجاوٹ کے لیے تازہ پھل۔

ترکیب :

بیکنگ پاؤڈر اور میدہ کو ایک ساتھ ملالیں پنیر کو کرمبل کرکے ایک طرف رکھ دیں' انڈے پھینٹ لیں اور اس میں شکر اور تیل بھی شامل کریں اور ان سب کو ایک بلینڈر میں بلینڈ کریں' ایک مکسنگ باؤل میں نکالیں اب پنیر اور میدہ والا آمیزہ بھی شامل کریں' اون میں 40 سے 45 منٹ کے لیے 180 ڈگری پر یا کیک گولڈن براؤن ہونے تک بیک کریں تازہ پھلوں سے سجا کر سرو کریں۔

ڈیٹ اینڈ والنٹ کیک

اشیاء :

میدہ	175 گرام
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے چمچہ
شکر	80 گرام
انڈا	ایک عدد
سوڈا بائی کارب	ایک چائے چمچہ
کھجور (باریک کٹی ہوئی)	60 گرام
اخروٹ	80 گرام

ترکیب :

باریک کٹی ہوئی کھجوروں کو ایک کپ گرم پانی میں بھگودیں اور اس میں سوڈا بائی کارب بھی ملادیں' کھجوروں کو گرم پانی میں آٹھ سے دس منٹ کے لیے رہنے دیں۔پانی سے نکال کر ایک طرف رکھ دیں میدہ

اور بیکنگ پاؤڈر چھان لیں انڈے' تیل اور شکر کو بلینڈر میں اس قدر پھینٹیں کہ شکر حل ہوجائے۔ مکسنگ باؤل میں ڈال کر اس میں میدہ' اخروٹ اور

کھجور شامل کردیں۔ نرمی سے ملا کر اس کو گریس کیے ہوئے بیکنگ ڈش میں ڈال دیں اوون میں 180 ڈگری پر 40 سے 45 منٹ کے لیے بیک کریں۔
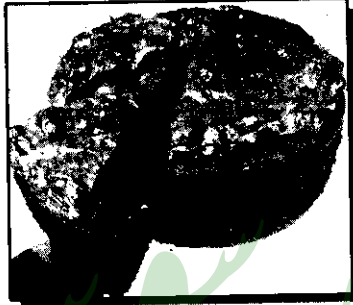
چاکلیٹ اینڈ کرنٹ کیک

اشیاء :

میدہ	200 گرام
شکر	130 گرام
گھلا ہوا مکھن	100 گرام
دودھ	100 ملی لیٹر
بیکنگ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
بیکنگ سوڈا	آدھا چائے چمچہ
کشمش	80 گرام
کوکو پاؤڈر یا پینے والی چاکلیٹ	60 گرام

ترکیب :

میدہ' بیکنگ پاؤڈر' بیکنگ سوڈا' کو کو پاؤڈر کو چھان لیں۔ انڈے شکر اور مکھن کو اتنا پھینٹیں کہ شکر حل ہوجائے اور یہ آمیزہ بالکل نرم اور پھنا ہوا ہوجائے اب اس کو آہستہ آہستہ میدہ میں ملائیں۔ خیال رکھیں کہ گھٹلیاں نہ بنیں' بتدریج دودھ اور کشمش بھی ملاتی جائیں جب پوری طرح سے مکس ہوجائے تو بیکنگ ڈش میں منتقل کردیں اور 180 ڈگری پر 40 سے 45 منٹ تک بیک کریں۔ اوون میں ہی رکھ کر ٹھنڈا کریں۔ اب کیک کی اوپری سطح کو سجا کر سرو کریں۔

چاکلیٹ پڈنگ کریم کے ساتھ

اشیاء :

دودھ	300 ملی لیٹر
شکر	4.5 کھانے کے چمچے
ونیلا ایسنس	آدھا چائے کا چمچہ
براؤن بریڈ	چار سلائس
انڈے	تین عدد

پینے والی چاکلیٹ یا کوکو پاؤڈر دو کھانے کے چمچے
سرونگ کے لیے گاڑھی میٹھی کریم 250 ملی لیٹر

ترکیب :

براؤن بریڈ کو چھوٹے ٹکروں میں کاٹ لیں۔ انڈے کو پھینٹ کر اس میں ایسنس ملا دیں دودھ گرم کرکے اس میں شکر ملالیں پھر نرمی سے کوکو پاؤڈر ملالیں اور آنچ سے اتارلیں اب انڈے اور ڈبل روٹی کے ٹکڑے ڈال دیں' اچھی طرح ملالیں' پڈنگ مولڈ کو

گریس کرکے یہ آمیزہ ڈالیں' فوائل سے ہلکے سے کور کریں اور پریشر کوکر میں کم از کم 30 سے 40 منٹ تک بھاپ دیں۔ مولڈ سے نکالنے سے قبل ٹھنڈا ہو کر اسے خود ہی اپنی جگہ چھوڑنے دیں۔ سرو کرنے سے ایک گھنٹہ قبل فریج میں رکھ دیں اور گاڑھی تازہ اور میٹھی کریم سے سجائیں۔

بنانا مفنز

اشیاء :

مارجرین	150 گرام
چینی (پسی ہوئی)	150 گرام
انڈے	دو عدد
دودھ	آدھا کپ
میدہ	150 گرام
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کیلے	دو عدد
کشمش	آدھا کپ

ترکیب :

مارجرین کو بیٹر سے اچھی طرح بیٹ کریں۔ پھر چینی ڈال کر اچھی طرح یکجان کریں۔ اس کے بعد باری باری انڈے ڈال کر اچھی طرح بیٹ کریں۔ پھر تھوڑا تھوڑا کرکے دودھ ڈالتے جائیں اور بیٹ کرتے جائیں۔ میدے میں بیکنگ پاؤڈر ڈال کر چھان لیں اور مکسچر میں ڈال کر بیٹ کریں۔ کیلے میش کرکے ڈال دیں اور آخر میں کشمش ڈال کر مکس کریں۔ پیسٹری ٹن میں پیپر کپ لگا کر مکسچر ڈال کر پہلے سے گرم اوون میں 170c سینٹی گریڈ پر بیس منٹ بیک کریں۔

چیزی گارلک بریڈ

اشیاء :

میدہ	500 گرام
خمیر	1'1/2 چائے کا چمچہ
نمک	ایک چائے کا چمچہ
زیتون کا تیل	دو کھانے کے چمچے
شہد	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن (کٹی ہوئی)	دو جوے
مکھن	25 گرام
چیڈر چیز (کٹا ہوا)	100 گرام
تھائم	ایک چائے کا چمچہ
پانی	300 ملی لیٹر

ترکیب :

ایک بڑے پیالے میں میدہ ڈالیں۔ ایک جگ میں پانی ڈال کر تیل اور شہد ملا لیں اور میدے کو نرم سا گوندھ لیں۔ یہاں تک کہ میدہ ہاتھ میں چپکنا بند ہو جائے۔ اب لہسن کو مکھن میں مکس کریں اور تھوڑا تھوڑا ڈو پر لگا دیں اوپر سے تھائم اور چیز چھڑک دیں اب سانچے میں ڈال کر ڈو کو ڈھانپ دیں اور 40 منٹ تک کسی گرم جگہ پر رکھ دیں۔ پہلے سے گرم اوون میں 180 c پر 30 منٹ تک بیک کریں۔ ہلکی گولڈن ہونے پر نکال لیں۔

✡ ✡

کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

چھوٹے بڑے لوگ

چھوٹے آدمیوں کو بڑے بڑے لوگوں سے ملنے کی اکثر آرزو رہتی ہے شاید اس لیے کہ اس طرح "چھوٹے پن" پر "بڑے پن" کا سایہ پڑ جاتا ہے اور سچ پوچھیے تو آج کل اصل قدر و قیمت "سائے" کی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا جو سائے کی طرح ساتھ لگے رہتے ہیں وہ بالآخر ایک روز "ظل سبحان" بن جاتے ہیں۔ چھوٹا آدمی ہوتے ہوئے بھی میری نفسیات اس گروہ کی نفسیات سے "کلیتاً" مختلف ہے۔ مجھے بڑے آدمیوں سے ڈر سا لگتا ہے۔ میں جب انہیں دور سے آتا دیکھتا ہوں تو ایک کونے میں دبک جاتا ہوں۔ میں خود ہی ان کے راستے سے ہٹ جاتا ہوں' یہ سوچ کر کہ اگر خود نہ ہٹا تو ہٹا دیا جاؤں گا۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ میں ہے۔

ملاقاتیں... الطاف حسن قریشی
اقراء۔ کراچی

پان کھانا

مشرقی روایات کے بارے ہم نے ذہن پر بہت زور ڈالا کہ آیا ہمیں مشرقی روایات سے دلچسپی تھی؟ ہونی چاہیے تھی ورنہ ادل کیسے آسکتے تھے۔ یاد آیا کہ ہم انگرکھا پاجامہ پہنتے تھے اور کبھی کبھی پان کھاتے تھے۔ یورپ کے لوگ انگرکھا پاجامہ نہیں پہنتے... اس لیے ہم نے پہچان لیا کہ یہ مشرقی روایات کا جزو ہے۔ پان کے متعلق اس مضمون سے تصدیق ہو گئی' جو پچھلے ہفتے مقامی ہفت روزہ میں چھپا ہے۔ اس میں لوگوں کے انٹرویو میں بعض نے بے شک کہا کہ ہم تو پان کو منہ بھی نہیں لگاتے' کیونکہ اس سے دامن داغ دار ہو جاتا ہے لیکن ادیبوں اور شاعروں نے کہا پان سے بھی ضروری چیز ہے پان دان۔ پان دان بڑی ضروری چیز ہے یہ ہماری مشرقی ثقافت کا جزو ہے۔ اگر بی بیاں گھر میں چوکیوں پر بیٹھ کر پان نہیں کھائیں گی' چھالیہ نہیں کاٹیں گی تو ان کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے آئیں گے۔ فاسد خیالات آئیں گے۔ بیل باٹم پہننے لگیں گی اور مشرقی تہذیب کا جنازہ نکل جائے گا۔

(ابن انشاء)
نشا نورین جاوید... رکھ بھروکی

نامحرم محبت

عدن یہ جو محبت ہوتی ہے نا' بہت ذلیل و خوار کرتی ہے۔ انسان کو رسوا کر کے رکھ دیتی ہے۔ جانتی ہو ایسا کیوں ہوتا ہے کیونکہ اللہ ہمیں نامحرم سے محبت کی اجازت نہیں دیتا اور جو لوگ اللہ کی نہیں مانتے' پھر وہ لوگ ذلیل و رسوا ہی ہوتے ہیں۔

(صباحت رفیق... محبت نامحرم تو)
سیدہ نسبت زہرہ۔ کھڑ ڈڑیکا

جستجو

جستجو میں کبھی کبھی انسان اپنے درجہ سے بھی کتنا گر جاتا ہے۔ اس کو یاد آیا اس کا باپ اسے ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ کچھ حاصل کرنے کی جستجو میں ان لمحوں اور وقت کا ضرور خیال رکھنا جو انسان کی زندگی میں بڑے اہم ہوتے ہیں۔ کبھی تو ہمیشہ کے لیے امر ہو جاتے ہیں اور انسان کو بھی ہمیشہ کے لیے امر بنا دیتے ہیں اور کبھی ایسے خطرناک کہ انسان کی زندگی میں ٹھہر جاتے ہیں تو پھر بڑی تباہی ہوتی ہے۔ انسان ایک دوراہے پر آ کھڑا ہوتا ہے۔ کبھی بکھر جاتا ہے تو کبھی فنا۔

(وقت جو ٹھہر گیا... قیصرہ حیات)
ملیحہ زہرہ... کراچی

شیطان کی ریٹائرمنٹ

آج کل ایک خبر سننے میں آئی ہے کہ ہمارے سب سے بڑے لیڈر شیطان صاحب ریٹائر ہو رہے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ خبر کسی دشمن نے پھیلائی ہوگی۔ بہرحال اس خبر پر فارغ التحصیل نوجوان خوش نظر

آرہے ہیں۔ وجہ پوچھیں تو کہتے ہیں "ریٹائرمنٹ سے ایک آسامی تو خالی ہوگی۔ شیطان کی ریٹائرمنٹ کا سن کر اپنی ذمہ داری کا احساس ہونے لگا۔"

"شیطان دیکھنے میں کیسا ہے؟" ایک بار ہم نے مولوی صاحب سے پوچھا تو جواب دینے کے بجائے ہمارا منہ دیکھنے لگے۔ وہ شخص جسے سب برا کہیں' اس کا برا ہونا بھی مشکوک' شیطان کو پہلے اچھے' برا کہتے تھے اب برے برا کہنے لگے ہیں۔ پہلے اس نے شیطان بننے کے لیے انسان کو سجدہ نہیں کیا اب اسے شیطان رہنے کے لیے انسان کو سجدہ کرنا پڑتا ہے۔ جہاں موسیقی ہوتی ہے' وہاں شیطان نہیں ہوتا۔ شاید وہ سمجھتا ہے کہ یہاں میرے بغیر بھی کام چل رہا ہے۔ ویسے بھی رمضان المبارک میں اسے ایک ماہ کے لیے قید کردیا جاتا ہے' تو ہم اس کے بغیر ہی سارے کام چلا لیتے ہیں۔

(ڈاکٹر یونس بٹ۔۔۔ عکس بر عکس)

ثنا شہزاد۔۔۔ کراچی

بجھتی مسکراہٹ

کسی من چاہے کا پرتو کب تک یوں سامنے آتا رہتا ہے کہ جیسے وہ سامنے ہو؟۔۔۔ صرف چند برسوں کے لیے۔ پہلے بدن کا لمس ساتھ چھوڑتا ہے' پھر آواز معدوم ہوتی چلی جاتی ہے اور کچھ عرصہ بعد آنکھیں بھولتی ہیں مگر مسکراہٹ بہت دیر تک ساتھ دیتی ہے لیکن ایک روز وہ بھی بجھتی ہوئی لو کی طرح تھرتھراتی ہوئی تاریک ہو جاتی ہے۔

(مستنصر حسین تارڑ۔۔۔ خانہ بدوش)

ارماہی سرفراز۔۔۔ کھیوڑہ

زندگی کی شرط

زندگی کی پہلی شرط زندہ رہنا ہے' کسی کے ہونے نہ ہونے سے زندگی رک نہیں جاتی چلتی رہتی ہے۔ اکثر وہ لوگ جن کو ہم اپنی زندگی کے لیے ناگزیر جانتے ہیں' اچانک بغیر کسی بڑی وجہ کے ہم سے دور چلے جائیں یا ہو جائیں' زندگی پھر بھی نہیں رکتی تھوڑی دشوار لگتی ہے' مگر تمام تو نہیں ہوتی۔

(دھند کے بعد۔۔۔ رخسانہ نگار عدنان)

ہانیہ عمران۔۔۔ گجرات

غداری

جیسے شہید قبر میں جاکر بھی سیکڑوں سال زندہ رہتا ہے' ایسے ہی غدار کی غداری بھی صدیوں یاد رکھی جاتی ہے۔ دن کے اختتام پر فرق صرف اس چیز سے پڑتا ہے کہ انسان تاریخ میں صحیح طرف تھا یا غلط طرف پہ۔

(جنت کے پتے۔۔۔ نمرہ احمد)

فوزیہ ثمرین بٹ۔۔۔ گجرات

عام انسان

پتا نہیں کیوں میرے دل میں جنت کی آرزو کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ اگر اللہ جنت دے دے تو مضائقہ نہیں' لیکن اس کی آرزو کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ دوزخ کا ڈر میں شدت سے محسوس کرتا ہوں' لیکن دوزخ سے بچنے کے لیے ثواب کمانے کی آرزو نہیں رکھتا۔ مجھے اس آرزو سے دکان داری کی بو آتی ہے۔ میرے ذہن میں نیکی' عادت' اذیت' وحشت' امکان ثواب سے بے تعلق چیز ہے۔ بے مقصد' بے نیاز۔ مجھے یہ آرزو بھی نہیں کہ اللہ والا بن جاؤں یا بزرگی مل جائے یا مست ہو جاؤں۔ مجھے مراتب کی طلب نہیں۔ میری دانست میں عام انسان بذات خود ایک عظیم مرتبہ ہے۔ مجھے صرف ایک آرزو ہے کہ میرا رخ مثبت رہے۔ انسانوں کی طرف' اللہ کی طرف۔

(لبیک۔۔۔ ممتاز مفتی)

مسرت فاطمہ۔۔۔ کراچی

مجبور اور لاچار

انسان بھی کتنا مجبور اور لاچار ہوتا ہے' باہر آس پاس لگے سب ہی آئینے پھوڑ بھی ڈالے تب بھی اپنے اندر لگے آئینے کا سامنا ہر دم لازمی ہوتا ہے صرف ایک اپنی ذات سے بچنے کے لیے کسی بھی ناگوار چیز کو جھیلنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور اپنا سامنا لحہ بھر کو بھی کرنا نہیں چاہتا۔

(خدا اور محبت۔۔۔ ہاشم ندیم)

اقرا امتنان۔۔۔ سرگودھا

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال وجواب شائع کیے جارہے ہیں۔

ذوالقرنین

قندیل ضیاء ...... کمالیہ

س : آنکھیں پھیرنے والے کو طوطا چشم کہا جاتا ہے' منہ پھیرنے والے کو کیا کہتے ہیں؟

ج : ارے او بے مروت' ارے او بے وفا بس اتنا ہی کافی ہے۔

شبنم قریشی ...... گجرات

س : جو کسی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے خود کھو جائے تو پہلے کسے تلاش کرنا چاہیے؟

ج : وجہ کو جو کھونے کا باعث بنی۔

رانی عباس ...... کراچی

س : بھیا آج کل کے لڑکے' لڑکیوں کو دیکھ کر بال کیوں سنوارنے لگتے ہیں؟

ج : ہیں؟ کیا آج کل کے لڑکوں کو اتنی فرصت ہے فیشن سے۔

نہال گل خان ...... لاہور

س : نین بھائی' اگر آپ کو کوئی موٹا ہونے کو کہے تو آپ کون سا نسخہ اپنائیں گے؟

ج : خوش رہو' ہر حال میں' ہر طرح۔

زارا عابدی ...... سرگودھا

س : حقیقی کامیابی لگاتار محنت کا نام ہے۔ یہ برنارڈ شا کے الفاظ ہیں جبکہ ذوالقرنین بھائی' موجودہ معاشرے میں اس کے برعکس' یہ ایسا کیوں؟

ج : ہم نے اور بھلا کہاں کچھ یاد رکھا ہے جو بے چاری محنت کو لفٹ کروائیں۔

گلشن آرا ...... صوابی

س : ذوالقرنین! زیادہ کھانا صحت کے لیے مضر ہے مگر تقریبات میں لوگ اتنا زیادہ کیوں کھاتے ہیں؟

ج : میرا خیال ہے ضائع زیادہ کرتے ہیں۔

ف۔حنا ...... میانوالی

س : اگر خواتین کو ٹریفک کانسٹیبل بنا دیا جائے تو کیا ہو گا؟

ج : کم از کم نیل پالش کو خشک کرنے میں آدھا گھنٹا نہیں لگائیں گی۔ آرام ہو جائے گا اس میں انہیں اور ٹریفک کا حال تو پہلے ہی ماشاءاللہ ہے۔

کوثر سلطان ...... حیدر آباد

س : "بھیا! آپ عید کا چاند دیکھ کر کیا دعا مانگتے ہیں؟"

ج : "آج کل اور سب کی طرح میں بھی ٹی وی پر خبر سن کر دعا مانگ لیتا ہوں۔"

سالگرہ نمبر

مدیرہ کرن

نامے میرے نام

ماریہ طفیل.... تلمبہ

فروری کا کرن ملا۔ ٹائٹل بہت اچھا تھا۔ حمد و نعت کے بعد ازیکا ڈینئل سے ملاقات دلچسپ رہی اور "میری بھی سنیے" میں فہد مرزا کو پڑھ کر بہت مزا آیا آگے "من مور کھ کی بات نہ مانو" میں آسیہ مرزا پتا نہیں حوریہ کے ساتھ کیا کرنے والی ہیں۔ اسٹوری ایک عجیب دوراہے پہ ہے۔ "راپنزل" میں لگتا ہے سمیع کو شہرین سے وہ محبت نہیں رہی اور نینا کا باپ ایک گندی فطرت کا ہے۔ "گل کہسار" ہمیشہ کی طرح بہت مزے کی تھی۔ گل آویزہ اور اسجد کی بدگمانی دور ہو گئی' لگتا ہے اگلی قسط لاسٹ ہو گی۔ "وہ نہیں ملا تو" جتنا شروعات میں اچھا تھا اینڈ میں اتنا اچھا نہیں تھا۔ "آزمائش" واقعی ہی بہت آزمائش تھی بے چارے ارسہ اور سلیمان نفرتوں کی بھینٹ چڑھتے رہے اور غلط قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ ناولٹ "محبت کہانی" مجھے بہت بیسٹ لگا اور واقعی آج کل ایسا ہی ہو رہا ہے اپنے ہی زیادہ تکلیف دیتے ہیں۔ "خیر ہونے تک" اور "گرفتار سحر" بھی حقیقت سے بھرپور تھی اور باقی سارے افسانے بھی دلچسپ تھے۔ "کچھ موتی چنے ہیں" مجھے بہت پسند ہے سب سے پہلے یہ ہی پڑھتی ہوں اور "نامے میرے نام" میں اپنا لیٹر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے مجھے کرن میں شریک کیا' میں دل سے کرن ادارے کی ممنون ہوں اور کرن کتاب نے تو مزا دوبالا کر دیا اب مزا مزید دوبالا ہو جائے اگر آپ میرا لیٹر شائع کر دیں تو۔

ج :۔ پیاری ماریہ! آپ ہر ماہ خط لکھیں' ہر ماہ آپ کا خط شائع ہو گا کیونکہ آپ بہنوں کی رائے سے ہی آپ کا کرن بہتر سے بہترین ہو گا۔

حافظ ست البنات.... تونسہ شریف

فروری کا شمارہ 14 کو ملا ہمیں 12 کو کبھی بھی ڈائجسٹ نہیں ملتا۔ آپ سے فون پر بات کر کے بہت خوشی ہوئی۔ "وہ نہیں ملا تو ملال کیا" واقعی نادیہ جی! جب اس سے اچھا مل گیا تو ملال کیسا۔ شمائل خان سے زیادہ بہادر تو فراز نکلا جس نے مثال کو عزت' محبت' تحفظ دیا۔ میرا پسندیدہ ناول "گل کہسار" شکر ہے گل آوی کو اپنے خان پر اعتماد ہو گیا۔ "آزمائش" ارسہ نے اچھا نہیں کیا بغیر ماں باپ کی منشا و مرضی کے نکاح کر لیا باپ کے دشمن کے بیٹے سے۔ باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔

ج :۔ پیاری بہن ست البنات! آپ جب چاہیں ہم سے فون پر رابطہ کر سکتی ہیں۔ امید ہے آئندہ آپ بھرپور تبصرے کے ساتھ شامل ہوں گی۔

ثنا شہزاد.... کراچی

فروری کا شمارہ 13 تاریخ کی شام کو میرے کزن نے مجھے لا کر دیا۔ سرورق اچھا لگا۔ سب سے پہلے اداریہ پڑھا تو اچانک نظریں نیچے گئیں' کافی دن سے سوچ رہی تھی کہ اتنے مہینے ہو گئے پیارے کرن نے ہم قارئین سے کوئی سروے نہیں کیا تو جب یہ سوال دیکھے تو دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ "حمد و نعت" پڑھنے کے بعد "میری بھی سنیے" میں ڈاکٹر فہد مرزا کی سنی' مجھے ان کی وائف ثروت گیلانی بہت پسند ہیں۔ "مقابل ہے آئینہ" میں مذثرہ کوثر کے جوابات اچھے لگے۔

"من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا بہت زبردست جارہا ہے۔ بابر حوریہ کے ساتھ شادی کرے گا' مجھے لگ رہا ہے۔ ویسے وہ ابھی تو اس کے ساتھ بہت غلط کررہا ہے۔ علی شاہ کو اس سے چھین کر وہ مومنہ والی اسٹوری دہرا رہا ہے۔ "راپنزل" میں تنزیلہ ریاض نے کہانی میں ٹویسٹ پیدا کردیا ہے۔ پہلے بھی ہر ماہ اس کہانی کا انتظار رہتا تھا اب بے چینی کچھ اور بڑھ گئی۔ مقدس مشعل نے "آزمائش" بھی زبردست لکھا۔ سلیمان کا طریقہ کار بے شک غلط تھا' مگر اس کی محبت سچی تھی۔ اس محبت ہی نے اس سے وہ سب کچھ کروایا جو وہ عام حالت میں کبھی نہ کرتا۔ فرحان عباسی کو بھی اچھا سبق مل گیا' کسی کا مال دھوکے سے اپنا کر ہم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ "گرفتار سحر" منعم ملک نے بھی اچھا لکھا۔ "محبت کہانی" بھی اچھی تحریر تھی۔

اس ماہ کی جو سب سے بیسٹ تحریر تھی وہ نادیہ احمد کا ناولٹ "وہ نہیں ملا تو ملال کیا" اف مجھے ایک طرف تو افسوس ہوا کہ میں نے پچھلے مہینے یہ ناولٹ کیوں نہیں پڑھا تو دوسری طرف اطمینان ہوا کہ اچھا ہوا نہیں پڑھا' کیونکہ گر پڑھ لیتی تو ایک مہینے کا انتظار جاں گسل ثابت ہوتا' دونوں اقساط ایک ساتھ پڑھیں' مزا آگیا۔ محبت کو صرف محبت رہنا چاہیے' کیونکہ جب محبت جنون بن جاتی ہے تو انسان کی زندگی میں پچھتاوے اور دکھ رہ جاتے ہیں۔ فراز ایک مخلص دوست اور بہترین ہم سفر ثابت ہوا۔ افسانے چاروں اچھے تھے۔ "گر جو اعتبار ہوتا" نفیسہ سعید نے بھی اچھا لکھا۔ میاں' بیوی کے رشتے میں سب سے پہلے اعتبار ہونا چاہیے۔ "عورت کھیل" میں انعم نے اظفر سے بدلہ لینے کے لیے اس کی بہن کا گھر بگاڑنا چاہا' لیکن وہ اپنا خود کا گھر توڑ بیٹھی' انصاف کرنے کے لیے وہ اوپر والے کی ذات موجود ہے تو ہم کون ہوتے ہیں بدلہ لینے والے' ہمیں صرف معافی اور درگزر کا حکم ہے۔ راشدہ علی جب بھی لکھتی ہیں' بہت یونیک لکھتی ہیں' ان کی تحریریں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں' بہت زبردست پیغام تھا' ان کے افسانے میں۔ محبت میں انسان جب ایک بار کسی کو دھوکا دے سکتا ہے تو اس سے کوئی بعید نہیں رکھنی چاہیے۔ صائمہ جاوید کا "ابھی دیر نہیں ہوئی" بھی اچھا تھا۔ آج کل ہم سب اس دوڑ کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ کرن کتاب بہت پسند آئی۔ اس کے علاوہ تمام سلسلے لاجواب تھے۔

ج: پیاری ثنا! ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی آپ کا تبصرہ بہت اچھا لگا۔ کرن کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

عائش جنجوعہ۔۔۔ تونسہ شریف

فروری کا شمارہ معمول کے مطابق ملا۔ حمد و نعت سے دل و دماغ کو معطر کیا۔ پھر "من مورکھ کی بات نہ مانو" اف! حوریہ بے چاری کی زندگی عجیب دوراہے پر آکھڑی ہوئی ہے۔ مومنہ کا فیصلہ درست ہے۔ حوریہ کو گیلانی ہاؤس بھیجنے کا' کم از کم بچے سے جدائی کی اذیت تو نہیں جھیلنی پڑے گی۔ فضا بے چاری پہ ترس آتا ہے۔ ویسے فضا کو اب ان حالات کو کھلے دل سے قبول کرلینا چاہیے۔ نصیر بڑے ظرف کا مالک ہے۔ "گل کہسار" زبردست جارہا تھا۔ ان خاندانی دشمنوں سے بہت خوف آتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہے کہ بجائے باری باری قتل کرنے کے کھلے دل سے صلح کرلیں۔ "راپنزل" سمیع اور شہرین کے حالات تو خراب تر ہوتے جارہے ہیں اور نینا کے بھی' جانے ان کا کیا ہوگا۔ مقدس مشعل کا "آزمائش" بس ٹھیک ہی تھا۔ "وہ نہیں ملا تو ملال کیا" کا اختتام بہت اچھا ہوا۔ "خبر ہونے تک" "گر جو اعتبار ہوتا" بھی اچھے تھے۔ "عورت کھیل" "نام محبت" "گرفتار سحر" کچھ خاص نہیں لگے۔ "محبت کہانی" بالکل اچھی نہیں لگی' اس میں لڑکی کی پھر وہی ذلت و رسوائی۔ "موتی چنے" سارے ہی بہترین تھے۔ ہیر رانجھا کی حقیقت پڑھ کر حیرت ہوئی۔ پچھلے ماہ ہمارے دادا جان کا انتقال ہوگیا ہے' ان کے لیے بلند درجات کی دعا کی درخواست ہے۔

ج: پیاری عائش! آپ کا تبصرہ اچھا لگا' کیونکہ آپ نے پسند کے ساتھ ساتھ ناپسند کا بھی بتایا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دادا کی مغفرت فرمائے۔ آمین

فائزہ بھٹی۔۔۔ پتوکی

سرورق بس نارمل تھا۔ اسی لیے کوئی زیادہ تاثر قائم نہیں کرسکا۔ فہرست پر نظر ڈالی۔ اداریہ' سالگرہ نمبر سروے مزے ہوگئے لکھنے والوں کے۔ (بول کہ لب آزاد ہیں تیرے) حمد و نعت کے بعد باقاعدہ پڑھنے کا آغاز "من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا سے کیا۔ فضا کو عقل سے کام لینا ہوگا۔ اب اگر قسمت سے کوئی اچھا ہم سفر مل گیا ہے تو اسے بھی گنوانے پر تلی ہوئی ہے۔ نری پاگل۔ بابر صاحب تو لمبے چکروں میں دکھائی دیتے ہیں۔ آسیہ بھی بابر کا خوب ساتھ دے رہی ہیں اور آئندہ کے لیے آسیہ کا انداز

تحریر باور کروا رہا ہے کہ وہ حوریہ کے بجائے بابر کو فاتح ٹھہرائیں گی۔ چلیں کیا کہیں۔ ''راپنزل'' مجھے تنزیلہ ریاض اس بار کچھ ماٹھی دکھائی دے رہی ہیں۔ ''گل کہسار'' آج کل ڈائجسٹ میں سب کی موسٹ فیورٹ اسٹوری' جسے پڑھ کر خوب لطف اندوز ہوا جاسکتا ہے اگر یہ اسٹوری آدھی رات کو رضائی میں گھس کر ہلکی روشنی میں پڑھی جائے تو کیا کہنے۔ ہمیں پہلے ہی یقین تھا اسجد' صنوبر کا قاتل نہیں ہوسکتا۔ (ہم جیت گئے) اسجد کی سپر لیڈی تو واقعی کمال کررہی ہے۔ شکر ہے فراز بچ گیا اب کی بار بخت اور بلاور کو بچنا نہیں چاہیے انسانیت کے نام پر دھبا جو کہ سرف ایکسیل سے بھی نہ اترے۔

اب اگر سلسلہ کے علاوہ بات کروں تو پہلے نمبر پر جو ناولٹ آیا ہے میرے خیال میں منشا محسن علی کا ''محبت کہانی'' بہت خوب صورت کہانی۔ لفظ لفظ خود اپنی گواہی ہے۔ ''خبر ہونے تک'' سحرش بانو کا دوسرے نمبر پر اس نے بھی بور نہیں ہونے دیا۔ اچھا تھا۔ ''وہ نہیں ملا تو'' نادیہ احمد کے ناولٹ کا دوسرا حصہ متاثر نہیں کرسکا جو مضبوطی کہانی کے شروع میں تھی وہ آخر تک جاکر بالکل ختم ہوکر رہ گئی۔ شمائل خان کو ہم ایسا بالکل نہیں تصور کرتے تھے۔ وہ بالکل بے کار نکلا دوسرے حصے پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ ''گرفتار سحر'' منعم ملک کا ناولٹ بھی اچھا تھا اس میں تھوڑا سا گاؤں پر پڑھ کر ہمارے دل میں ہوک سی اٹھی۔ اب ناکہانیاں اچھی ہونے کے باوجود یکسانیت کا شکار ہیں' وہی ناپسندیدہ شادیاں روٹھے بگڑے ہیرو وہی دل کو مارے مناتی ہیروئنیں' کہانیوں میں سب کچھ ہونے کے باوجود تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ ''آزمائش'' مقدس مشعل کی کہانی بس ٹھیک رہی اچھا خاصا کردار تھا سلیمان کا ایک ہی نکاح نامی جھٹکے نے اسے عرش سے فرش پر گرا دیا اس کے بعد ذرا اچھا نہیں لگا۔ افسانے پڑھے نہیں۔ ''مجھے یہ شعر پسند ہے۔'' یقین جانیے ہر ایک کے اس قدر زبردست شعر تھے کہ میں کسی ایک کو بھی رد نہیں کرسکی.... چاہنے کے باوجود نہیں کرسکی۔ (ویل ڈن)۔

ج۔ پیاری فائزہ! پہلے یہ بتائیں کہ آپ غائب کہاں تھیں۔ آپ ہر ماہ تبصرہ کیا کریں ہمیں خوشی ہوگی۔

فوزیہ ثمر بٹ' ام ہانیہ عمران' آمنہ رئیس.... گجرات

فروری کا شمارہ پندرہ کو ملا۔ ٹائٹل پہلی نظر میں اچھا لگا۔ حمد باری تعالیٰ نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہوئے پھر ایک نظر اداریہ کو پڑھا۔ مثبت سوچ مثبت باتیں کچھ لیے خوش فہمی میں مبتلا کرگئیں۔ ''میری بھی سنیے'' ڈاکٹر فہد کی باتیں اچھی لگیں۔ ''مقابل ہے آئینہ'' میں مدثرہ کوثر یعنی بنت حوا کو جان کر خوشی ہوئی۔ ان تمام انٹرویوز کو توجہ کے ساتھ پڑھنے کے بعد مستقل ناول ''من مورکھ'' کو پڑھا۔ حوریہ کو اپنی پھوپھو یا پھر عباد گیلانی کو اعتماد میں لینا چاہیے اور ساری حقیقت بتانی چاہیے کہ بابر کتنا فرڈ یا شخص ہے جس کے نزدیک کسی لڑکی کی عزت کوئی معانی نہیں رکھتی۔ فضا کو اب نصیر کی حیثیت تسلیم کرلینی چاہیے۔ ''من مورکھ'' کے بعد میں نے ''راپنزل'' کو پڑھا اس بار قسط اچھی رہی۔ لگتا ہے رائٹر صاحبہ شہرین اور مسیح میں بریک اپ کرواکے رہیں گی۔ زرین کے کردار کو کھل کر سامنے لائیں۔ ''گل کہسار'' چلیے یہ بات تو کنفرم ہوئی قاتل گھر میں ہی موجود ہیں۔ اسجد کا بھائی بخت ہی صنوبر کا قاتل ہے۔ یہ بات خوشی کی ہے کہ اسجد اور گل آویزہ کی تمام غلط فہمیاں دور ہوئیں۔ کچھ سکون ملا دونوں کو۔ اب تھوڑا سا رومینس بھی اسٹوری میں ڈال دیا جائے کوئی فتویٰ نہیں لگے گا' خیر نال شرعی حق ہے دونوں کا۔ آزمائش'' لگتا ہے کرداروں کی بھی تھی۔ رائٹر کی بھی اور قاری کی بھی آزمائش تھی۔ یہ مکمل ناول خاص متاثر نہیں کرسکا سوائے اس بات کے کہ سلیمان اپنی محبت کے لیے ثابت قدم رہا۔ ''وہ نہیں ملا'' تو دوسرا حصہ کچھ خاص متاثر نہیں کرسکا۔ شمائل اور منائل نے ڈرامہ انداز اپنایا اور فراز اور مثال کو دور کرنا چاہا' کچھ لوگ محبت کے کھیل میں خود کو پستی میں گرالیتے ہیں تو کیا ایسے محبت مل جاتی ہے۔ پھر بھی شمائل جیسے لوگ ایسا کرنے سے باز نہیں آتے۔ ''خبر ہونے تک'' ہائے لوگ کیسے جی دار ہوتے ہیں۔ دلوں کو اجاڑنے میں بہت مزا آتا ہے ان کو 'صارم کے لیے بہت دکھ ہوا کہ اپنی ماں اور بہن کے ہاتھوں بے وقوف بن گیا۔ ''محبت کہانی'' بہت مزے کی لگی۔ خوب مزاح کا تڑکا لگا کر محبت کی کہانی کو پیش کیا ہے' مگر اندر سے اتنی دکھی۔ دل افسردہ ہوا۔ احمد کے گھٹیا پن پہ بے تحاشا غصہ آیا' مگر اینڈ پر احمد کی عزت افزائی پہ تمام غصہ جاتا رہا یہ شخص اس سلوک کو ہی ڈیزرو کرتا تھا۔ خیر کہانی کا اقوال زریں بھی بہت اچھا لگا۔ اس سے تحریر میں خوب صورتی آتی ہے۔ افسانوں میں مجھے 'عورت کھیل'

قابل اعتراض لگا۔ ٹھیک ہے عورت جب اپنی آئی پہ آتی ہے تو ہر جائز ناجائز کو پار کرجاتی ہے پھر بھی ایک گھریلو عورت کا کرائے کے آدمی سے کیا تعلق کہ وہ کرایہ کے آدمی ہائیر کرکے اپنی نند کا گھر برباد کررہی ہے اور پھر خود جو گڑھا اس کے لیے کھودا تھا گر گئی۔ باقی کے افسانے حسب روایت ہی رہے۔ مستقل سلسلے اچھے تھے۔ "نامے میرے نام" ویری ویری تھینکس فل آپ میرا خط شامل کرتے ہیں۔ مجھے پتا ہے آپ کو کتنے مزے آتے ہیں میرا خط پڑھ کر۔ کرن کتاب اچھی تھی۔ آپ کوئی کرن کتاب ایسی بھی دیں جس میں گھریلو چیزوں سے گھر کی ڈیکوریشن کی جائے۔

ج :۔ پیاری فوزیہ! اس میں شکریے کی کیا بات آپ ہماری مستقل قاری ہیں اور ہر ماہ ہمیں بہت پیار سے خط لکھتی ہیں تو ہم شائع کیوں نہیں کریں گے۔ آپ کی فرمائش نوٹ کرلی گئی ہے۔

اقراء ممتاز.... بھاگٹانوالہ، سرگودھا

ٹائٹل بالکل پسند نہیں آیا۔ "حمد و نعت" سے دل اور روح منور ہوگئی۔ پھر ہم نے دوڑ لگائی فرح بخاری کے ناول کی طرف جو اختتام کی طرف گامزن ہے۔ شکر ہے اسجد اور گل آویزہ مل گئے۔ بلاور کے ساتھ تو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ وہ کیا کہتے ہیں نہ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ پھر آتی ہوں نادیہ احمد کے ناولٹ کی طرف "وہ نہیں ملا تو ملال کیا" بڑا زبردست رہا۔ شمائل کو اتنا خود غرض نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میری طرف سے تمام کرن اسٹاف اینڈ رائٹر قارئین کو کرن کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ "مقابل ہے آئینہ" میں مدثرہ کوثر کو جان کر اچھا لگا۔

ج :۔ ہمیں افسوس ہے کہ اب کی دفعہ کا ٹائٹل آپ کو پسند نہیں آیا۔ آپ کا تبصرہ ادھورا سا لگا کیونکہ آپ نے تمام کہانیوں پر تبصرہ نہیں کیا۔

ارم کمال.... فیصل آباد

کافی عرصے بعد خطوں کی محفل میں آئی ہوں دیکھیں جگہ ملتی ہے یا....؟

ٹائٹل دلکش تھا۔ اذیکا ڈینٹل سے ملاقات مزا دے گئی۔ ڈاکٹر فہد مرزا کی باتیں پرلطف رہیں جب کہ اجو بھائی اجنبی آئے اور چھا گئے۔ سب سے پہلے اپنا موسٹ فیورٹ "من مورکھ کی بات نہ مانو" پڑھی حوریہ کی ساری پریشانیاں مجھے اپنے دل پر محسوس ہوتی ہیں۔ حوریہ کو چاہیے بابر کے بارے میں مومنہ کو بتادے اور فضا کو چاہیے نصیر کے خلوص کی قدر کرے زندگی ہر ایک کو دوسرا موقع نہیں دیتی۔ "گر جو اعتبار ہوتا" میں نفیسہ سعید نے ایک اچھا سبق دیا کہ پہلے تحقیق کرنی چاہیے پھر فرد جرم عائد کرنی چاہیے ورنہ بڑی کرکری ہوتی ہے۔ "خبر ہونے تک" میں اگر ماہین بے قصور تھی تو اس نے یہ کیوں کہا کہ اگر سارہ کو کسی کو چھننے کا حق ہے تو یہ حق ماہین کو بھی ہے۔ "گل کہسار" میں گل آویزہ اور اسجد کے کردار غضب کے ہیں۔ "محبت کہانی" نے دل کی تاروں کو چھیڑ دیا۔ "آزمائش" کچھ خاص متاثر نہ کرسکی (معذرت کے ساتھ)۔ "عورت کھیل" پڑھ کر سانس ساکن ہوگئی۔ معاف کرنے کے بعد بدلہ لینا انسانیت نہیں۔ "وہ نہیں ملا تو ملال کیا" کا دوسرا حصہ بہت ہی متاثر کن اور زبردست رہا۔ شمائل تو مثال کے قابل تھا ہی نہیں کیونکہ محبت کرنے والے پہلے محبوب کی فیلنگز کا خیال رکھتے ہیں جو کہ فراز نے رکھیں۔ "راپنزل" دھماکے دار جارہا ہے اب نینا پتا نہیں کیا کارنامہ انجام دینے والی ہے۔ میرے خط کو ضرور اور ضرور شامل کیجئے گا ورنہ.... ورنہ میں پہلے روؤں گی پھر خود ہی مان جاؤں گی۔

ج :۔ پیاری ارم! آپ نے یہ کیوں سوچا کہ کافی عرصے بعد شریک ہوں گی تو آپ کا خط شائع نہیں کیا جائے گا۔ آپ جب جب شریک ہوں گی آپ کا خط ضرور شائع کیا جائے گا اور جہاں تک ماہین کے قصوروار ہونے کی بات ہے تو وہ اپنی مامی کی چال کو سمجھ گئی تھی اور ان کے سلوک کی وجہ ہی سے وہ اشعر سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

یاسمین کنول.... پسرو

کرن کی پرانی قاری ہوں تاہم خط تاخیر سے لکھ رہی ہوں، میری طرح بہت سی قارئین بہنیں کرن پڑھتی ہیں مگر خط نہیں لکھتیں۔ سرورق دیدہ زیب رہا۔ بہار کے سارے رنگ ماڈل کے چہرے پر نظر آئے۔ حمد و نعت اچھی لگی۔ صائمہ جاوید کی تحریر "ابھی دیر نہیں ہوئی" اچھی لگی۔ باقی مستقل سلسلے اچھے لگے۔ ناولز دونوں اچھے جارہے ہیں۔

مصروفیات کی وجہ سے خواتین کے مشاغل بدل جاتے ہیں ویسے بھی آج کل انٹرنیٹ کا زمانہ ہے، مگر پھر بھی کرن اپنے تمام تر خوب صورت سلسلوں کے ساتھ اچھا لگتا ہے۔

ج: پیاری یاسمین کنول! آپ پرانی قاری ہونے کے باوجود تاخیر سے خط لکھ رہی ہے۔ یہ بات ہمیں پسند نہیں آئی آپ اور وہ تمام بہنیں جو کرن پڑھتی ہیں وہ اگر خط کے ذریعے اپنی رائے سے آگاہ کریں تو آپ کا کرن بہتر سے بہترین ہوتا چلا جائے گا۔

گڑیا... میانوالی

سب سے پہلے کرن کی ٹیم کو سالگرہ مبارک ہو۔ میں نے پہلی بار شرکت کی ہے۔ میرا فیورٹ ناول "من مورکھ ہے" آسیہ مرزا کی۔ اتنی اچھی اسٹوری چل رہی تھی، لیکن اب پتا نہیں کیا ہوا۔ پلیز حوریہ کو علی سے جدا مت کیجیے گا۔ مکمل ناول "آزمائش" بہت اچھا لگا۔ ناولٹ کوئی بھی اچھا نہیں لگا۔ کرن کے ساتھ جو کتاب ملتی ہے۔ وہ اپریل کے شمارے کے ساتھ شعروں والی ہونی چاہیے جس میں اچھے اشعار لکھے ہوں۔ مکمل تبصرہ پھر سہی۔

ج: پیاری گڑیا! آپ پہلی بار شریک ہو رہی ہے تو "خوش آمدید" ہمیں اچھا لگتا اگر آپ مکمل تبصرہ کرتیں۔ ہم منتظر رہے گے کہ آپ آئندہ مکمل تبصرے کے ساتھ شریک پیاری کرن آپ کی فرمائش سر آنکھوں پر بعنوان "مجھے یہ شعر پسند ہے" ہر ماہ آپ کے لیے اچھے اور معیاری اشعار آپ ہی قارئین کی پسند کے شائع کیے جاتے ہیں۔

ارماہی سرفراز... کھیوڑہ

اس دفعہ کرن کی ماڈل بہت پیاری تھی۔ "میری بھی سنیے" سلسلے میں سجل علی کو شامل کریں۔ تین ماہ ہو گئے ہیں کرن پڑھتے، مگر ابھی تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ "راپنزل" میں ہیرو کون ہے اور ہیروئن کون بتا کر آسانی کریں۔ "من مورکھ" بہت سلو ہو گئی ہے۔ البتہ "گل کہسار" میں مزا آنے لگا ہے۔ "محبت کہانی" میں اشعر کا کردار اچھا لگا۔ "وہ نہیں ملا تو ملال کیا" پڑھ کے مجھے ملال لگ گیا ہے بھئی یہ کیا بات ہوئی کہ شروع میں کسی کو ہیرو کے طور پر ہائی لائٹ کیا اور بعد میں کسی اور سے شادی کروادی اور ہاں ہر اسٹوری میں ہیرو یا اس کے دوست کا نام فراز کیوں ہوتا ہے۔ خیر مرضی اپنی اپنی۔ میں نے آپ کو کہانی بھیجی تھی۔ پچھلے ماہ بھی پوچھا تھا لیکن آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ تو ناانصافی ہے (ارماہی کے ساتھ آہم)۔ دعا کیجیے گا کہ میرے پیپرز 10th کے بہت اچھے ہوں اور باقی بچوں کے بھی۔

ج: پیاری ارماہی! ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ اپنی کہانیوں کے بارے میں فون کر کے معلوم کریں۔ ہماری دعا ہے کہ نہ صرف آپ کے بلکہ تمام بچوں کے پیپرز بہت اچھے ہوں اور سب بہت اچھے نمبروں سے کامیاب ہوں۔

ارم بشیر... اسلام آباد

آج کل تو ویسے بھی دل بہت پریشان ہوتا ہے ٹی وی دیکھ دیکھ کر، پھر سے اتنے دھماکے ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ میری دعا ہے ان سب کے لیے جن کے پیارے ان سے بچھڑ گئے ہیں۔ خدا پاک ان کو صبر عطا کرے اور جانے والوں کی روحوں کو جنت نصیب ہو۔ (آمین)۔ پچھلے خط میں آپ نے میری صحت کے لیے اتنی محبت سے دعا کی بہت شکریہ۔

چلیں اب آتی ہوں میں اس ماہ کے شمارے کی طرف۔ ٹائٹل ہمیشہ کی طرح پیارا تھا۔ ازیکا ڈینئل سے ملاقات پہلے بھی خواتین میں ہو چکی ہے، لیکن دوبارہ بھی پڑھ کر اچھا لگا۔ ڈاکٹر فہد مرزا کے بارے میں بھی جان کر اچھا لگا ان کا اور ثروت کا کپل بہت خوب صورت لگتا ہے۔ اجو بھائی کے متعلق پڑھ کر بھی مزا آیا۔ مدثرہ کوثر کا قلمی نام بنت حوا لکھا تھا میں بے خیالی میں بنت سحر سمجھ کر پورا انٹرویو پڑھ گئی۔ ابھی خط لکھنے کے لیے پیج کھولا تو پتا چلا کہ اچھا یہ تو کوئی بنت حوا تھیں۔ اس کے بعد "من مورکھ" پر پہنچی لو جی یہ تو تاریخ دہرائی جانے لگی ہے۔ "گر جو اعتبار ہوتا" نفیسہ.جی کو بڑے عرصے بعد پڑھا جو اچھا لگا اچھی تحریر تھی۔ ویسے میں تو اس بات کی قائل ہوں کہ جو بات کھٹک رہی ہو وہ فورا" اگلے بندے کے ساتھ کلیئر کرنی چاہیے' لیکن ایسے طریقے کے ساتھ کہ اگلے کو بری بھی نہ لگے۔ "خبر ہونے تک" یہ اس شمارے کی سب سے زبردست کہانی تھی۔ ویل ڈن سحر ش.جی۔ "گل کہسار" اس ناول کی تو جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ بھئی یہ صنوبر تو بڑی بری نکلی اور برے کا انجام برا پھر خود ہی قتل ہو گئی۔ اب ولی بخش اور بخت کے ارادے بڑے برے ہیں۔ بھئی فرح جی پلیز آپ بھی کہیں آسیہ.جی کی طرح ہیرو ہی نہ مار دینا۔ "نام محبت" یہ کہانی بہت مختلف سی لگی موضوع بڑا ہٹ کر تھا حالانکہ تھی تو کافی ڈپریسو، لیکن راشدہ نے اچھا لکھا۔ "محبت کہانی" منشا محسن کا انداز تحریر بہت خوب صورت تھا اور آل کہانی بہت اچھی تھی، لیکن دو باتیں مجھے تھوڑی عجیب لگیں پہلی یہ کہ رائٹر نے شروع میں لکھا کہ ہالہ اکرام اور

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد صائمہ اکرام عُشنا کوثر سردار اشفاق احمد
نمرہ احمد سعدیہ عابد نبیلہ عزیز نسیم حجازی
فرحت اشتیاق عفت سحر طاہر فائزہ افتخار عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو تنزیلہ ریاض نبیلہ ابر راجہ ہاشم ندیم
نگہت سیما فائزہ افتخار آمنہ ریاض مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ سباس گُل عنیزہ سید مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ رُخسانہ نگار عدنان اقراء صغیر احمد علیم الحق
رفعت سراج اُمِ مریم نایاب جیلانی ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،
جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

اس کے باپ کی ذاتی دو دکانیں تھیں جن کے کرائے سے اچھی گزر بسر ہو رہی تھی تو پھر باپ کے مرنے کے بعد وہ اکیلی نوکری کے لیے کیوں چل پڑی۔ کیا اس اکیلی کا گزارہ دو دکانوں سے نہیں ہو سکتا تھا۔ دوسری بات جو عجیب لگی وہ یہ تھی کہ جاب کے لیے انٹرویو دیتے وقت ڈائری وہاں ساتھ لے جانے کی کیا تک بنتی تھی جب کہ کہانی میں یہ بھی نہیں بتایا گیا تھا کہ وہ ہر وقت ڈائری اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ مقدس مشعل کو بڑے عرصے بعد دیکھا۔ "آزمائش" کے ساتھ ان کی یہ آزمائش پسند بھی آئی' لیکن آخر کے دو صفحات میں تو انہوں نے دوڑ ہی لگا دی اور کہانی ختم جیسے گرمی کے موسم میں بندہ کھلے صحن میں چارپائیاں ڈال کر پنکھے لگا کر ٹی وی بھی لگا کر اہتمام کر کے بیٹھا ہو لمبا چوڑا سا اور اچانک بارش آنے پر ہڑبڑا کر سارا کچھ سمیٹ کر اندر بھاگتا ہے کچھ یہ سین ہوا اور سوری ٹو سے لیکن مجھے وہ انگوٹھی پھینک کر لڑکی پسند کرنے والا سین پسند نہیں آیا کچھ بچکانہ سا تھا ویسے کہانی اچھی تھی۔ "عورت کھیل" اس کے بارے میں کیا کہوں نہ ہی اچھی لگی نہ ہی بری لگی۔ بس ٹھیک ہی تھی۔ "وہ نہیں ملا تو ملال کیا" لو بھئی نادیہ جی دوسری قسط میں تو آپ نے کایا ہی پلٹ دی' لیکن اینڈ اچھا کیا آپ نے ویری گڈ مجھے بھی مثال فراز کے ساتھ زیادہ اچھی لگی۔ اس کے بعد "راپنزل" تھی تو وہ میں بتا چکی ہوں کہ کافی اقساط مس ہونے کی وجہ سے میں اینڈ ہونے کے بعد ایک ہی بار لمبا تبصرہ کروں گی ان شاء اللہ۔ "گرفتار سحر" منعم ملک نے اچھی لکھی' لیکن اس کی تھیم جو ہے وہ جو پچھلے شمارے میں "کونج" کہانی شائع ہوئی تھی بالکل ویسی ہی تھیم تھی اس کی بھی اس لیے کچھ خاص مزا نہیں آیا۔ "ابھی دیر نہیں ہوئی" صائمہ جی نے ایک اچھا ٹاپک اٹھایا' حقیقت کے کافی قریب ہے یہ بات سو کہانی مجھے پسند آئی۔ تمام مستقل سلسلے سب لاجواب تھے۔ "مسکراتی کرنیں" پڑھ کر اتنی زور سے ہنسی کہ پاس سوئی میری بہن اٹھ گئی بیڈ ہلنے سے اور کھینچ کے چپل دے ماری کہ رات کے دو بجے تمہیں کیوں کامیڈی سوجھ رہی ہے۔ "نام میرے نام میں" بہنوں کے تبصرے سب اچھے تھے۔ تو یہ تو تھا جی اس ماہ کا تبصرہ۔ اگلی بار زندہ ہوئے تو ضرور حاضر ہوں گے۔

ج :۔ پیاری ارم! اللہ سے خیر کی دعا ہی مانگ سکتے ہیں۔ آپ آئندہ خیال کیجئے گا کہ آپ رات کے دو بجے "مسکراتی کرنیں" پڑھ کر گھر والوں کی نیند نہیں خراب کریں گی۔ اللہ آپ کو لمبی عمر دے اور آپ ہر ماہ تبصرے کے ساتھ جلوہ گر ہو۔ آمین "محبت کہانی" میں آپ کو ہالہ اکرام کے جاب کرنے پر اعتراض ہے تو ارم جی! ضروری نہیں کہ سب ضرورت کے تحت جاب کریں۔ کسی کو تنہائی کاٹتی ہے اور کوئی اپنی تخلیقی صلاحیت کو باہر نکالنے کے لیے بے چین ہوتا ہے تو ہالہ اکرام ذہین بھی تھی اور تنہا بھی۔

حافظہ رملہ مشتاق۔۔۔۔ حاصلپورہ

فروری کا شمارہ پندرہ تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل ورق ہمیشہ کی طرح سپر رہا۔ سب سے پہلے فہرست پر نگاہ دوڑائی یک دم زبان سے اللہ کا شکر ہے نکلا کہ تمام سلسلہ وار ناول موجود ہیں۔ حمد و نعت سے دل و روح کو منور کیا۔ آسیہ مرزا جی اب حوریہ کے ساتھ کچھ غلط مت ہونے دینا' ہمیں حازم کی موت کا پہلے ہی بہت دکھ ہے ویسے تو بابر کی حرکتیں اچھی نہیں ہیں' لیکن اس کے کھری کھری باتیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ "من مورکھ" اور "راپنزل" میرے فیورٹ ناول ہیں۔ تنزیلہ جی مجھے لگتا ہے شہرین بھی سلیم کی طرح ہمارا ساتھ چھوڑ جائے گی۔ "گل کہسار" فرح جی یہ کیا پھر انتظار؟ کر رہے ہیں بہت زبردست ناول ہے اینڈ ہیپی کیجئے گا۔ اس طرح کے ناول بہت اٹریکٹ کرتے ہیں حویلیوں وڈیروں والے۔ "آزمائش" مقدس مشعل ویل ڈن بہت زبردست اتنا اچھا ناول لکھنے پر مبارک باد۔ "وہ نہیں ملا تو" نادیہ احمد آخر مل ہی گئے شمائل اور پلوشہ' فراز جیسا دوست ہونا چاہیے امیزنگ۔ "گرفتار سحر" منعم ملک محبت جیت ہی جاتی اگر سچی ہو تو نیلماں کی محبت سچی اور بے ریا تھی۔ "خبر ہونے تک" "محبت کہانی" دونوں ہی اچھے رہے افسانے "گر جو اعتبار ہوتا" نفیسہ سعید جی بہت اچھا لگا مجھے آپ کو پڑھنا بہت پسند ہے۔ باقی تمام افسانے اور مستقل سلسلے زبردست رہے۔

ج :۔ پیاری رملہ! کرن کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ آئندہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا۔

✡ ✡